

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224347**

UNIVERSAL  
LIBRARY







ooked 1978

# اورینل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۳ بابت ماہ مئی ۱۹۳۷ء - عدد مسلسل ۴۹

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	دیار عرب اور مغربی سیاح	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم۔ آئی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	۳
۲	ادبیات ایران در عصر حاضر	سید محمد عبداللہ ایم۔ آئی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ	۱۳
۳	فرخی سیستانی	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۲۸
۴	منوچہری اور اسکا کلام	مونی محمد فیاض الحق ایم۔ آئی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ	۶۰
۵	پر قہی راج راسا	حافظ محمود شیرانی	۷۳
۶	علم کلام اور نظریہ استطاعت	مولانا مولوی نور الحق	۸۱
۷	پنجاب میں اردو	خانہ صاحب قاضی فضل حق ایم۔ آئی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ	۸۹
۸	مرقع داراشکوہ اور اس کا مقدمہ	محمد عبداللہ چغتائی	۹۷
۹	تنقید و تبصرہ	اوارہ	۱۰۴
۱۰	فہرست اسماء شعرا	مولوی عبدالقیوم ایم۔ آئی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ	۱۱۱

گیلانی ایکٹرک پریس لاہور میں باہتمام مٹی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این متر نے اورینل کالج لاہور سے شائع کیا۔

# اونٹیل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو ناکام مکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ اُن طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے؟  
کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں، غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا۔ اور کم ضخامت کے بعض مفید سائے بھی بالفاظ شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی اور پنجابی (ہجروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (ہجروف گورکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت | یہ رسالہ ہر سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا۔  
قیمت اشتراک | سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۴ روپے اور ٹیل کالج کے طلبہ سے چندہ کا خارج کیونکہ محل پرکاش

کسی سہ ماہی کے رسالے کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالے کے شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فردری و مئی دسمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر | خرید رسالہ کمیتوں کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اونٹیل کالج کے نام ہونی چاہئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت | یہ رسالہ اونٹیل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔

قلم نثریہ | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پر پرنسپل محمد شفیع ایم اے اونٹیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

لے چونکہ گت میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر محبورا جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

# دیارِ عرب کے مغربی سیاح

اگرچہ عرب کا ملک پُرانی دنیا کے عین وسط میں واقع ہے اور مشرق و مغرب کی باہمی تجارت کا راستہ اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ مگر وہاں کی سرزمین بالعموم ایسی ویران اور دشوار گزار واقع ہوئی ہے۔ کہ بیرونِ دنیا کو وہاں کی طرزِ معاشرت اور عام حالات و کوائف کا نسبتاً بہت کم علم ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام اقطارِ عالم سے ہر سال ہزاروں مسلمان کعبہ شریف کی زیارت کے لئے جلتے ہیں۔ مگر انہیں زیادہ تر حجاز کے شہروں کو سرسری طور پر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ عرب کے دیگر اقطار تو درکنار ہنگامِ سفر کی نفسا نفسی اور فرائضِ حج کی مصروفیت کے باعث ان کو وہاں کی حضری زندگی کو بھی کم احتما مطالعہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تاہم دنیا کے بہت کم ایسے ملک ہیں جنہوں نے جدیدِ عالم پر ایسا گہرا اور پائدار اثر چھوڑا ہے۔ جیسا کہ عرب اور اہالیانِ عرب نے اس لحاظ سے دیارِ عرب اور اہل عرب ہمارے پر غور مطالعہ کے بدرجہ غایت مفتضیٰ اور مستحق ہیں۔

مذہبِ اسلام جس کے نام لیوا آج کروڑوں کی تعداد میں اقصائے مشرق سے لیکر اقصائے مغرب تک دنیا کے تقریباً ہر ملک و خطہ میں پائے جلتے ہیں اس عالمگیر مذہب نے اسی سرزمین سے ظہور کیا تھا۔ ثانیاً وہ اسلامی تمدن جس کی بنیادیں ملکِ قیصر و کسریٰ پر قائم ہوئیں۔ اور جو ایک طرف سامی الاصل انبیاء و رسل کے مذہبی خیالات و نظریات کا حامل و محافظ اور دوسری طرف یونان اور ہند کی حکمت و دانش کا وارث بنا، اس شاندار تمدن کی تعمیر و تشکیل میں اسی بے آب و گیاہ خطہ کے فرزندان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ثالثاً وہ عربی زبان جو کئی صدیوں تک دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ

تمدن کی واحد مذہبی اور علمی زبان رہی، وہ زبان جس کی اہمیت اور حلاوت نے فارابی کو اپنی ماوری زبان ترکی فراموش کرادی اور شاعر مزاج اور خوش مذاق اندلسی نوجوانوں کے دل سے لاطینی کی وقعت گرا دی، وہ زبان جو آج بھی تبغیر لیسر بغداد سے لیکر میکش تک بولی جاتی ہے۔ اور جس کے پڑھنے اور سمجھنے والے دنیا کے ہر حصہ میں ملتے ہیں۔ وہ زبان اسی ملک عرب سے نکلی تھی۔

غرض کہ مذہب اسلام، تمدن اسلام اور عربی لٹریچر اور زبان کے متعلق بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ان کی تحقیق و تفتیش کے وقت ہماری تجسس نگاہیں خود بخود ملک عرب کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے مذہبی، تمدنی، معاشری امور کی اصل اور ان کے منشا و مبدا کو صحیح طور پر سمجھنا عرب قوم کی معاشرت اور ان کی ذہنیت کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

ملک عرب کے حالات و کوائف اور عرب قوم کی معاشرت اور ذہنیت کے مطالعہ کے لئے بہت سے مآخذ و مصادر ہو سکتے ہیں، ان میں سے ایک دلچسپ و مفید و سفر نامہ میں جو زمانہ حال کے مغربی سیاحوں اور محققوں نے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر قلم بند کئے ہیں۔ ذیل میں اسی قبیل کے چند ایک نسبتاً زیادہ مشہور و معروف سیاحوں کی تلگ و دو اور ان کی تحریروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی مطبوعہ کتابوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ ناظرین ان کے اسماء اور ان کی مساعی سے واقفیت پیدا کر کے ان کے سفر ناموں کی طرف بغرض مطالعہ و استفادہ رجوع کر سکیں۔

## وارتھیما

*Ludovico di Varthema*,

ملک عرب کا پہلا مغربی سیاح جس کی خود نوشتہ سرگزشت ہم تک پہنچی ہے

اطالیہ کا باشندہ لودو ویکو دی وارتیماس ہے۔ جیسا کہ ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گا۔ حرم مکہ میں غیر مسلموں کا داخلہ صدر اسلام ہی سے ممنوع رہا ہے۔ مگر اس ممانعت نے بہت سے سیاحوں کے شوق سیر و سیاحت پر تازیانہ کا کام دیا ہے۔ چنانچہ وارتیماس بھی سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسلامی لباس اختیار کر کے حجاز پہنچا۔ اور واپسی پر اپنا سفر نامہ لکھا۔ جس میں اُس نے کعبہ شریف، شہر مکہ اور اس کے نواحی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز اس نے مدینہ منورہ اور حجاز کے ہدیوں کا حال لکھا ہے۔ سفر حجاز سے فارغ ہو کر وہ یمن میں بھی پہنچا تھا۔ جہاں ابھی نہ تو پہرے لگالیوں اور نہ ہی ترکوں کا قدم آیا تھا اور جہاں ابھی وہاں کے وطنی امراء بلا شرکت غیرے حکومت کرتے تھے۔ اُسے یمن کے اکثر شہروں مثل صنعاء، زبید اور عدن کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اگرچہ وہ علم جغرافیہ کا ماہر نہ تھا اور نہ ہی علمی تحقیق اس کا مقصد اولین تھا۔ تاہم اس کی تحریر میں ملک کے جغرافی اور معاشرتی حالات کے متعلق بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ جس سے عرب جغرافیہ نویسوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اُن کے بیانات لائق اعتبار و استناد ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً جنوبی یمن میں اس نے شیعہ فرقہ کی موجودگی اور اُن کی مساعی کا ذکر کیا ہے۔ نیز یمن کی آبادی کے حبشی عنصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُس نے شہر صنعاء کے موقع محل کی بلندی، اور جنوبی یمن کے چشموں اور باغات اور شہر زبید کی مصالحہ جات کی تجارت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور دیگر حالات لکھے ہیں۔ جو آج کل عام طور پر معلوم ہیں۔ اگرچہ اس کا سفر نامہ مختصر ہے۔ تاہم اس سے اہل یورپ پر کم از کم اتنا تو منکشف ہو گیا۔ کہ یمن قدیم کی سرسبزی و خوشحالی محض ایک افسانہ نہ تھی اور یہ کہ وہاں زمانہ محل میں بھی دیگر دیار عرب کے مقابلہ میں ایک بلند تر تمدن موجود ہے۔

وارتیماس کا سیاحت نامہ سب سے پہلے اطالوی زبان میں روما سے ۱۵۱۷ء

میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد کئی دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ انگریزی دانوں کے مفید مطلب وہ ایڈیشن ہے۔ جو بیچر *Badger* نے *Haklayut Series* میں ۱۸۶۳ء میں لندن میں شائع کیا تھا۔

## نی بُور اور اُس کے رفقاء

*Carsten Niebuhr* .

۱۷۶۸ء میں شاہ ذنارک نے دیار عرب کی تحقیق کے لئے مغربی علماء کی ایک جماعت روانہ کی۔ اس علمی مہم کی تحریک یوں ہوئی۔ کہ گوٹنگن یونیورسٹی کے پروفیسر میکائیل نے شاہ مذکور کے وزیر اعلیٰ کے پاس یہ تجویز پیش کی کہ عرب کے جغرافی حالات کی دریافت اور دیگر مسائل کی تحقیق کے لئے جن کا تعلق بائبل سے ہے اقدام کیا جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق پانچ علماء کا انتخاب ہوا جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی علم و فن کا ماہر تھا۔ فورسکال *Forskall* علم نباتات میں یدِ طولی رکھتا تھا چاکرس جراحات اور علم حیوانات کا ماہر۔ پروفیسر فون ہافن عربی زبان خوب جانتا تھا۔ ہارن فلیٹڈ نقشہ نویس اور مصوّر تھا۔ اور کارستن نی بُور ریاضی اور مساحت میں طاق تھا۔ ۱۷۶۲ء کے سرما میں یہ جماعت جدہ کے راستے سے یمن پہنچی اور تحقیقات میں مصروف ہو گئی مگر افسوس کہ اس مہم کے ساتھ علمی دنیا کی جو توقعات وابستہ تھیں وہ بظاہر پوری نہ ہوئیں۔ کیونکہ یہ لوگ ابھی چند ماہ کام کرنے پائے تھے کہ موسم گرما آ پہنچا جس کی شدت کی وہ قاب نہ لاسکے۔ چنانچہ فورسکال اور فون ہافن یمن وارد ہونے کے تقریباً پانچ ماہ بعد فوت ہو گئے باقی اشخاص نے ہندوستان کی طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ مگر ایک تو سمندر ہی میں مر گیا۔ اور دوسرے نے ہندوستان پہنچ کر جان دیدی، صرف نی بُور سلامت بچا۔ اور چند سال کی مدت میں خلیج فارس کے راستے سے عراق اور شام ہوتا ہوا

واپس وطن پہنچا۔

اگرچہ ان شہیدانِ علم کا انجام بڑا فوسنگ ہوا مگر ان کے باقی ماندہ رفیق یعنی بی بور Niebuhr نے ان کی محنت کو کلیتہً تلف ہونے سے بچا لیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ذاتی مشاہدہ اور اپنے رفقاء کی یادداشتوں کی بنا پر ایک سفرنامہ شائع کیا جس میں اس نے عرب اور خصوصاً یمن کے جغرافی، معاشری اور اقتصادی حالات کو حتی الامکان تفصیل اور صحت کے ساتھ بیان کیا۔ اُس نے یہ کام ایسی خوبی اور سلامت طبع کے ساتھ انجام دیا کہ اس کے بیان کی فضیلت باعتبار صحت اور علمی وقار کے آج تک مٹم ہے اور اس کے بعد جس کسی نے دیارِ عرب کا سفر کیا ہے۔ اس نے بی بور کے بیانات سے ضرور کم و بیش استفادہ کیا ہے۔ یمن کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اس کے اپنے اور اپنے رفیقوں کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ مگر اُس نے اپنے قیام کے دوران میں عرب کے دیگر علاقوں کے متعلق بھی ہر قسم کی معلومات ہر معتبر ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسے اپنی کتاب میں مناسب موقع محل پر ترتیب کے ساتھ بیان کیا۔ مثلاً اگرچہ اُسے بذاتِ خود اہلِ بادیہ کے درمیان رہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر دیویوں کے معاشری اور سیاسی نظام کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ وہ حرفِ بحرِ صحیح ہے اور اس کے فہم و ذکا و اس کی اصابت رائے پر دلالت کرتا ہے۔ غرض بی بور کی روئداد کے ذریعہ سے دیارِ عرب کے متعلق اہلِ عرب کے علم میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ پہلے جو ان کا علم ظنی اور تخمینی تھا۔ اب بہت سے معاملات میں پایہ صحت و یقین تک پہنچ گیا۔

علاوہ ازیں اگرچہ بی بور کا قدم نجد تک نہ پہنچا تھا۔ مگر اُسے وہاں کی وہابی تحریک کا بخوبی علم ہو چکا تھا۔ جسے کچھ عرصہ پہلے محمد بن عبدالوہاب نے مذہبِ اسلام کی اصلاح و تجدید کی غرض سے شروع کیا تھا۔ بی بور کو اسلام کی تعلیمات کا صحیح صحیح علم تھا۔ اور اسی طرح اس نے وہابی تحریک کی اصلی حقیقت اور اس کے منشا و مقصود کے متعلق بھی درست رائے قائم



کی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم یہ ہے کہ ”صرف اللہ ہی واحد معبود ہے۔ اور عبادت میں انبیاء اولیاء کے ذکر سے بے شرک آتی ہے۔“ اسی لئے وہ اس کو ایک مصلح قرار دیتا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو اس کی اصلی سادہ صورت میں پیش کیا جائے۔ نئی بور کو اس تحریک کی سیاسی اہمیت کا بھی پورا پورا اندازہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اس تحریک نے عرب کی سیاست میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور غالباً یہ ابھی وہاں کے حالات پر اور اثر ڈالیگی۔“

نئی بور کا سفرنامہ پہلے پہل ۱۷۷۲ء میں جرمن زبان میں شائع ہوا۔ اور ایک سال بعد *Description de l'Arabie* کے عنوان سے فرانسیسی زبان میں۔ آج کل بالعموم یہی مؤرخ الذکر کتاب متداول ہے۔ ۱۷۹۲ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا تھا۔ مگر مختصر ہونے کی وجہ سے ناقص اور ناکافی ہے۔

نئی بور نے مذکورہ بالا سفرنامہ لکھنے کے علاوہ دیار عرب کے نباتات اور حیوانات کے متعلق اپنے رفیق *Forshall* کی یادداشتوں کو بھی دو علیحدہ مستقل جلدوں میں کوہن ہاگن سے ۱۷۷۷ء میں *Descrip-tions* اور *Flora Aegyptiaco Arabia Animalium* کے عنوانوں سے شائع کیا۔ یہ دونوں کتابیں لاطینی زبان میں ہیں۔ جن میں تین سو انواع کے حیوانات اور آٹھ سو قسم کے نباتات کا بیان موجود ہے۔ یہ تعداد اور بھی زیادہ ہوتی مگر فاضل محقق نے یہ التزام کیا ہے کہ صرف انہی اقسام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ذاتی مشاہدہ میں آئی تھیں۔

### ۳۔ بادیا

(Domingo Badia y Leblich)

۱۸۰۷ء میں ایک بظاہر معزز شخص جو اپنا نام علی بیگ عباسی ظاہر کرتا تھا، بڑے

حذم و حشم کے ساتھ علمی آلات لیکر جہدہ میں اُترا۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ بغرض زیارت عازم مکہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے مدینہ کا رخ کیا۔ مگر نجد می وہابیوں نے جو اس وقت بہت سے اقطاع عرب پر چھا چکے تھے۔ اُسے روک دیا۔ اس کے بعد وہ مصر شام اور ترکی ہوتا ہوا پیرس پہنچا جہاں اس نے نپولین کی ملازمت اختیار کر لی۔ اسکی روئداد سفر ہسپانی زبان میں تھی۔ جو انیسویں ترجمہ ہو کر ۱۸۱۷ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔ اس کی اصل ہسپانی روئداد بھی ایک مدت بعد ۱۸۵۵ء میں برشلونہ سے شائع ہوئی۔ جس کے دیباچہ میں اس کے سوانح عمری مندرج ہیں۔ یہ شخص اصل میں ایک ہسپانوی ڈومنگو بادیا نامی تھا۔ اور غالباً نپولین کا گماشتہ تھا۔ جس کو اس نے مشرقی ممالک کی سراغ رسانی اور دریافت حالات کے لئے بھیجا تھا۔

اس کا سفر نامہ بہت سے مشرقی ممالک پر حاوی ہے اور حج کے مناسک و مراسم کو بیان کیا ہے۔ چونکہ اس نے اسلامی نام اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اُسے اپنی نقل و حرکت اور مشاہدہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسی لئے اس کے بیانات اپنے پیشرو سیاحوں کی نسبت زیادہ مفصل اور قرین بصحت ہیں وہ پہلا شخص ہے جس نے شہر مکہ کے طول بلد اور عرض بلد کو آلات ہیئت کے ذریعہ سے صحیح طور پر متعین کیا۔ اس کے علاوہ اس نے حجاز کے جغرافیہ، نباتات اور وہاں کی آب و ہوا کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات فراہم کیں۔ اور مغربی عرب کے خرات کا ذکر کیا۔ جن پر پھر بعد میں برکمارٹ نے مزید روشنی ڈالی۔ اس کی کتاب کا تاریخی حصہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اُس نے حجاز میں مصریوں کی مداخلت سے پہلے وہابیوں کی حکومت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ایک عینی شاہد کی معاصرانہ شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

## ۴۔ زیٹسن

(U. J. Seetzen.)

بادیا کے تین سال بعد جبکہ ابھی حجاز میں وہابی نجدیوں کی حکومت قائم تھی۔ ایک اور یورپی سیاح وارد تھا۔ جس کا اصل نام Seetzen تھا۔ مگر اس نے اسلامی وضع کے ساتھ ساتھ حاجی موسیٰ حکیم کا نام اختیار کر رکھا تھا۔ اگرچہ روسی حکومت کا ملازم ہونے کی وجہ سے غالباً وہ بھی بادیا کی طرح ایک جاسوس تھا۔ مگر علم و فضیلت اور عام قابلیت میں اُسے اپنے تمام پیشرو یا حو پر سبقت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کا عالم نباتات تھا۔ بلکہ مشرقی زبانوں میں بھی اسے مہارت تامہ حاصل تھی اور عرب میں وارد ہونے سے پہلے وہ دیگر مشرقی ممالک میں سات سال بسر کر چکا تھا۔ مکہ کے قیام اور صنعاء و عدن کے سفر کے بعد وہ یمن کے پہاڑوں میں مارا گیا۔ کس نے اُسے قتل کیا۔ اور کیوں قتل کیا؟ یہ بات کسی کو یقینی طور پر معلوم نہیں۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ محض بوٹ مار کی عرض سے نہیں بلکہ کسی سیاسی شبہ کی بنا پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے پیشتر اس کی نقل و حرکت شک کی نگاہ سے دیکھی جا چکی تھی۔ اور مکہ کے وہابی امیر نے اس سے باز پرس کی تھی۔ اس کا مال و اسباب اکثر تلف ہو گیا۔ صرف چند یادداشتیں بچیں۔ جن کو ایک مدت بعد Kruse نے Reise durch Syrien, etc کے عنوان سے ۱۸۵۷ء میں برلن سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

(۵) بُرکھارٹ

Burckhardt.

دیار عرب کے مغربی سیاحوں میں بزرگ ہارٹ کا نام نہایت ممتاز ہے۔ جس نے اپنی تحقیقات اور مشاہدات کے تفصیلی بیان سے ملک عرب کے متعلق بالعموم اور حرمین کے متعلق بالخصوص بیرونی دنیا کے علم میں بڑا قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ شخص دراصل سوئٹزر لینڈ کا باشندہ تھا۔ جس نے چند سال انگلستان میں بسر کئے تھے۔ اور پھر وہاں کی *British African Association* کی طرف سے مشرقی ممالک کی تحقیقات پر مامور ہوا تھا۔ عرب میں داخل ہونے سے پہلے وہ توبہ مصر اور شام وغیرہ کی سیاحت کر چکا تھا اور عربی زبان سیکھنے کے علاوہ مشرقی لوگوں کے اوضاع و اطوار سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ جب وہ حجاز میں وارد ہوا تو اس وقت محمد علی پاشا والی مصر سلطان روم کے ایماء سے نجد کے وہابیوں کو حرمین سے نکال چکا تھا۔ چونکہ پاشاے مذکور ایک وسیع الخیال حکمران تھا۔ اس لئے برکدشت کو کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی۔ علاوہ انہیں اس نے اسلامی نام (ابراہیم بن عبداللہ) اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اس لئے دریافت حالات کے لئے وہ لوگوں کے ساتھ بلا تکلف میل جول پیدا کر سکتا تھا۔

اگرچہ اس نے دیگر سیاحوں کے مقابلہ میں بہت لمبی چوڑی مسافت طے نہیں کی اور نہ ہی بڑے بڑے خطروں کا سامنا کر کے اس نے کوئی عظیم الشان سفر کیا اور اثری اکتشافات کئے بلکہ وہ زیادہ عرصہ مکہ ہی میں رہا اور اُسے حجاز سے باہر دیگر علاقوں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ مگر اس کی فضیلت اس لحاظ سے مسلم ہے کہ اس محدود علاقہ میں جو کچھ اس کے مشاہدہ میں آیا اس کو نہایت ایمان داری اور وضاحت سے بے کم و کاست تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

مشرق ممالک کی گرم آب و ہوا سرد ملک کے باشندوں کو بہت کم رہاں آتی ہے خصوصاً جب سفر کی صعوبتیں بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں یہ کم لڑت بھی ہی

آب دہوا کی ناموافقت کا شکار ہوا، جہاز ہی میں اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ قاہرہ پہنچ کر ایک سال بعد فوت ہو گیا۔ مگر انتقال سے پہلے وہ اپنے تمام تجربات اور مشاہدات کو بسلامتی ہوش و حواس قلمبند کر چکا تھا۔ جو اس کی وفات کے کئی سال بعد ۱۹۲۵ء میں لندن سے *Travels in Arabia* کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع ہوئے اور دو سال بعد اس کی دیگر تالیف *Notes on the Bedouins and Wahabism* ۴ معرض اشاعت میں آئی۔ مقدمہ الذکر کتاب میں اس کا مفصل سفرنامہ اور موخر الذکر کتاب میں مختلف عنوانوں کے تحت میں اہل عرب اور خصوصاً اہل بادیہ کے متعلق اس کی فراہم کردہ معلومات ترتیب کے ساتھ درج ہیں یہ دونوں کتب لحاظ ضخامت اور کیا بلحاظ خوبی بیان کے نہایت مفید اور قابل قدر ہیں جن میں مصنف نے حرمین اور اس کے نواحی کے بیان میں غیر معمولی تفصیل اور باریکی بینی سے کام لیا ہے اور وہاں کے مذہب، سیاست، معاشرت، تجارت اور مقامی تاریخ کے متعلق سیرکن بحث کی ہے۔ جدہ، مکہ اور طائف کے متعلق اس کا تفصیلی بیان گویا ان شہروں کی ایک سائیکلو پیڈیا ہے۔ جس سے کوئی ضروری اور کارآمد بات نہیں چھوٹی۔ چنانچہ چالیس برس بعد جب برٹن مکہ پہنچا تو وہاں کے کوائف بیان کرتے وقت اسے برکمارٹ سے اقتباس کرنے کے سوا کچھ چارہ نظر نہ آیا +

( باقی وارد )

عنایت اللہ از ملتان

# ادبیات ایران در عصر حاضر

ناصرالدین شاہ قاجار کے زمانے سے ایران میں جو سیاسی ہجیان پیدا ہوا۔ وہ مختلف ادوار میں مختلف شکلیں قبول کرتا رہا۔ شروع شروع میں ایران کے زیر پرست درزاؤں اور کے خلاف احتجاج مقصود تھا۔ جو انگریزوں اور روسیوں سے رشوتیں وصول کر لیتے تھے۔ اور ملک کے مفاد کو دشمن قلیل کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے لیکن وقت کے گزرنے سے سیاسی خیالات نے نیا قالب اختیار کیا اور کانٹنیٹیشن اور مشروطہ کے لئے مطالبہ کیا گیا اس عرصے میں ملک کے وطن پرست عناصر کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ان تمام انقلابات کے دوران میں ایران کو یورپ کے اوضاع و اطوار سے روشناس ہونے کا بہت موقعہ ملتا رہا۔ جنگ عظیم سے پہلے ایران پرستوں کے جس گروہ نے ملک سے ہجرت اختیار کی تھی ان کا ایک حصہ استامبول میں اقامت گزین ہوا۔ لیکن دوسرا حصہ جرمنی میں فروکش ہو گیا۔ ان مہاجرین نے ایران میں جدید مغربی خیالات کو رائج کرنے میں کچھ کم حصہ نہیں لیا اور ادبیات عصر حاضر کے رجحانات کو ایک منہج پر لانے میں دوسری قوتوں کے مساوی کام کیا۔ یورپ سے تعلقات کو استوار کرنے کی جو ابتدا ناصرالدین شاہ نے کی تھی اس کی تکمیل آج رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں ہو رہی ہے جبکہ ایرانیوں کا ایک بہت بڑا گروہ تعلیم و تدریس، مسافرت و سیاحت اور سیرو تفریح کے لئے یورپ کا سفر اختیار کر رہا ہے اور متحدہ کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنے وطن میں واپس آتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ یہاں کی زندگی اور ادبیات میں ان نئے عناصر کا اضافہ کرے جو اس کے لئے ادبیات السنہ مغربی میں باعث کشش

ثابت ہوئے۔

**رضا شاہ پہلوی کا دور** | اس مقام پر اگرچہ عصر پہلوی کی ادبیات کی خصوصیات سے بحث کرنی مقصود ہے۔ تاہم چونکہ یہ دور انقلاب

ایران اور عہد مشروطیت سے لاینفک طور پر وابستہ ہے۔ اس لئے غالباً نامناسب نہ سمجھا جائیگا اگر اس بحث میں بعض ایسے حضرات بھی شامل کر لئے جائیں جن کو دوران پہلوی سے پہلے ہی مصنفانہ شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ عصر جدید کا مختصر ساحل پروفیسر براؤن نے اپنی ادبیات ایران جلد چہارم اوٹر پریس اینڈ پوسٹری میں دیا ہے اس لئے موجودہ حالات میں بعض مختصر اشارات پر اکتفا کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ عصر پہلوی میں جو ادبی تحریکات پائی جاتی ہیں۔ یہ اس آغاز کا انجام ہے جس کی ابتدا انقلاب ایران سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔ بلکہ اس کا تعلق تاریخ بیداری ایران کی نہفت اولین سے ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ تحریکات ادبی جو موجودہ فرانرولے ایران کے زمانے میں پھیلی پھولی نظر آتی ہیں۔ وہ ایران کی سیاسی جدوجہد کی ابتداء ارتقا کی منازل طے کرتی ہوئی آج تکمیل کے زبور سے آراستہ ہوئیں۔

**ادبیات ایران پر** | ایران جدید کی جمہوری تحریک اگرچہ قدیم طرز حکومت کے خلاف مغربی اثرات

ملک میں ایک خاص زمانہ میں پیدا ہوتی رہی اور ایشیا کے اکثر ممالک میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نظر آتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کش مکش اور ہیجان ایرانی ضمیر کے اندرونی اضطراب کی خارجی تینہ وار ہے۔ لیکن ملک کی ادبی تحریکات کا حال اس سے قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی سیرانی اور فروغ یورپ کے ان اثرات سے بھی ہوا۔ جو اس زمانے میں تمام ایشیائیوں کے دماغ کو متاثر کر رہے تھے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ایران پر یورپ کے یہ

اثرات اپنی ہمہ گیری میں ان اثرات سے کسی طرح کم نہیں، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں یونان اور عرب نے ڈالے یونان Hellenism نے ایرانی ذہنیت پر اثر انداز ہونے میں اگرچہ وہ معجزات نہیں دکھائے جو عرب اثرات نے دکھائے تاہم اپنے اپنے وقت میں عرب اور یونان دونوں نے ایران کی تقدیر اور طبیعت کو تبدیل کرنے میں بہت حصہ لیا ہے۔ یورپ کے اثرات بھی حقیقت میں دنیا کے ان اہم اور انقلاب واقعات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے ایران کے زائیدہ نظر کی تبدیلی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑیگا کہ عرب نے زندگی اور اس کے مظاہر، ادبیات اور اس کے مختلف شعبوں پر جو دیر پا اور مستقل اثر ڈالا۔ وہ یونان اور یورپ کے اثرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل توجہ ہے کیونکہ عرب نے نہ صرف ادبیات کے رجحان کو تبدیل کیا۔ بلکہ ایران کو ایک نئے کلچر اور تمدن سے بھی روشناس کیا جس کا سرچشمہ سامی الاصل مذہب تھا بخلاف اس کے یورپ نے ایران کی مادی زندگی پر جو خفیف اثرات ڈالے اور ادبیات کو ایک خاص رنگ میں رنگنے کی معمولی سی کوشش کی۔ اس سے نوجوانوں کے ایک اہم پسند اور بے فکر طبقہ کے علاوہ کوئی بھی متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ ابھی پوری صدی بھی گزرنے نہیں پائی کہ اعتدال پسند وطن پرست اس سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔

بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ جدید لٹریچر اور سوسائٹی یورپ کے احسانات کی مرہون منت ہے۔ ڈی کوئسی کا یہ قول۔ کہ ادبیات تا وقتیکہ ایک خاص عرصے کے بعد کسی دوسرے کلچر اور ادبیات سے اختلاط کے ذریعے نئے اثرات قبول نہ کریں۔ زوال پذیر اور مرؤہ ہو جاتے ہیں۔ ادبیات ایران پر بالکل صادق آتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اُس ذخیرہ کتب کو اگر غور سے دیکھا جائے۔ جو نئے اثرات سے پہلے علما و فضلا کے قلم سے نکلا۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گہرا بہت پرانا ہوجکا ہے۔ اور اب اس میں اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔



ادبیات جدید کا  
محدود سرمایہ

بعض حلقوں میں اس امر پر تعجب اور حیرت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ایران جدید نے موجودہ دور میں بہت کم لٹریچر پیدا کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ ایرانیوں کا قول عمل سے زیادہ ہے اور ان کی مجالس و محافل میں سوائے گفتگو ہانے رنگین کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اور ادبیات کے متعلق ٹھوس اور عملی تجاویز بہت کم پائے تکمیل تک پہنچائی جاتی ہیں۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انقلاب کے بعد ایرانی دل و دماغ ان اثرات کے جذب کرنے اور ان کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھالنے میں مصروف ہے۔ اور ابھی تک عمل اور رد عمل کے ذریعے اپنی قوتوں کا توازن کر رہا ہے۔ نیز عہد تداخل کی خصوصیات کے مطابق وہ اپنے آپ کو ان پنہاں جذبات اور خیالات کے اظہار تک محدود رکھتا ہے۔ جو بوجہ ناپختہ اور آزمائشی ہونے کے کسی منظم اور بسیط شکل میں مشکل نہیں ہو سکتے۔ تو مندرجہ بالا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

پروفیسر براؤن نے عہد جدید کی ادبیات پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایران میں اس وقت ہنگامی واقعات، اہم سیاسی انقلابات اور مشرق و مغرب کے تمدن کی باہمی آویزش کی وجہ سے ادبیات کی پیداوار بہت کم ہے۔ اور ملک و قوم کا بہترین سرمایہ جبرئلمزم (صحافت) اور چند وطن پرستانہ منظومات اور معدودے چند تراجم اور افسانوں تک محدود ہے۔

پہلوی دور کی  
برکات

پروفیسر براؤن نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر ۱۹۲۲ء تک کے حالات پر منطبق ہوتا ہے جبکہ ملک ایک سیاسی جدوجہد میں مصروف تھا۔ قوم

کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ کیا نیوں اور ساسانیوں کی اس ولایت کو ایک طرف روس و انگلیز کی رقیبانہ ریشہ دوانیوں سے نجات دی جائے اور دوسری طرف خود غلط اندیش اور وطنی مقاصد سے دشمنی کرنے والے ایرانی عنصر کو برسر اقتدار آنے سے روکا جائے اس زمانے کی تمام دماغی اور ذہنی توجہ بیداری و دفاع ایران کی کوششوں تک منحصر تھی۔

لیکن اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے برسرِ اقتدار آنے سے ملک کو جو داخلی آسودگی اور اہمیت و رفاہیت نصیب ہوئی۔ اس نے بیدار قوتوں کو نئے نئے کاموں کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور ایرانی قوم کو جو ذہنی اور داعی کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لینے کی عادی ہی ہے تصنیف و تالیف کے منظم اور ٹھوس دستور العمل پر عمل پیرا کر دیا۔ چنانچہ رضا شاہ پہلوی کے وہ سالہ عہد حکومت میں جو ادبی ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ وہ اپنی اہمیت اور مصمیمیت کے اعتبار سے کسی دور کے لٹریچر سے کم نہیں۔

ایران جدید کی علمی و ادبی سرگرمیاں

پروفیسر براؤن نے مختصر اُنئے دور کی خصوصیات پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر اضافہ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ اس عہد کی تکمیل پہلوی زمانے میں ہوئی ہے۔ اس لئے جدید ترین

ترقیات و تغیرات کا پورا لحاظ کرتے ہوئے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور ادبیات ایران کے اس نامور مصنف نے ادبی ذوق کے فقدان اور کمی کے متعلق جو ایسا رمانہ اظہار رائے کیا ہے۔ اس میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی ہے ذیل کے مباحث سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اہل ایران نے مختصر عرصے میں مختلف شعبہ ہائے علم و ادب کو جدید ترین حیار پر پورا اتارنے میں کس درجہ محیر العقول ترقی کی ہے شاعری، تاریخ، سوانح، تاریخ ادب، لغت، رومان، ڈرامہ، مذہب، تعلیم اور فنونِ عرض ہر موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں ایک اچھی خاصی تعداد ان کتابوں کی ہے۔ جو یورپ کی زبانوں سے ترجمہ ہوئیں۔ تاہم مستقل تصانیف کی بھی کمی نہیں۔ ایران کی جدید لٹریچر اور کالجوں میں تعلیم اور تدریس کے لئے بہت سی کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور بعض ترجمہ کی جا رہی ہیں۔ کمبسیون وزارت معارف جس کے ارکان کی پوری فہرست اور اس کی کارکردگی کی مفصل روداد تاریخچہ نادر شاہ رضویائی کے دیباچہ میں ہے۔ اب تک بے شمار کتابیں طبع کر چکا ہے۔ انجمن ادبی جس کی شاخیں ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں قائم ہیں۔

ادبی ذوق کے پھیلانے اور علمی کتابوں کے شائع کرنے کا کام بہت سرگرمی سے کر رہی ہے۔ اخبارات اور رسالے جو بیداری ایران کی ابتداء سے اس وقت تک ایران قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اشاعت کتب کے اچھے خاصے مراکز کا کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ مجلہ ارمغان وغیرہ کے ادارات نے اب تک کتابوں کی ایک معقول تعداد شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جو سیاح یورپ، مصر اور دوسرے ممالک کو دیکھ چکے بعد ایران کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ تو وہ کسی قدر تنقیص کا مبدل رکھتے ہیں، لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جو ابھی موت و حیات کی آویزش سے جان بڑھوا رہا ہو اور جس میں ترقی اور تمدن کی ابتدائی شرط یعنی امن عامہ کو پیدا ہونے بھی ابھی آٹھ دس سال ہوئے ہوں وہ ان ممالک کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جبکہ نظام صدیوں سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور جو آزادی اور داخلی امن و استقلال سے قدیم زمانے سے بہرہ ور چلے آتے ہیں ایران جدید کے متعلق تنقیص کا خیال عام طور پر دو قسم کے لوگ پھیلاتے ہیں۔ ایک تو مغربی سیاسیات اور حکمت عملی کے مبلغین جن کا مقصد یہ ہے کہ ایران کے باشندوں اور بیرونی ممالک کے ایران دشمنوں میں یک گونہ بے دلی اور شکست کا احساس پیدا کیا جائے۔ دوسرے خود بعض قوم پرست ایرانی جو اپنی قوم کو ابھارنے کے لئے اپنی کمزوری اور بربادی کا لوحہ کرتے رہتے ہیں۔

قدیم ایرانی کلچر کے  
احیا کی تحریک

حالات و کوائف بتلاتے ہیں کہ ایران اپنی گزشتہ روایات کو پھر زندہ کرنے کی فکر میں ہے اور ان مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہے۔ جو اس کے تمدن کی تکمیل و ترقی کے

کے لئے ضروری ہیں۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ پرانی فارسی کتابوں کی اشاعت و تصحیح بھی فضلا و علمائے جدید کے پروگرام میں شامل ہے چنانچہ ہر سال بے شمار شعرائے

قدیم کے دو ادیب زبور طبع و اصلاح سے آراستہ ہوتے ہیں۔ پُرانی تاریخیں شائع کی جا رہی ہیں اور یکم علمی و سیاسی ابطال (Homeed) کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ فردوسی، ناصر خسرو اور زرتشت کے متعلق خاص طور پر دلچسپی لی جا رہی ہے۔ وہ نسلی اور قومی رشتے جو اس سے پہلے استوار نہ تھے۔ یکم از کم فراموش شدہ تھے۔ دوبارہ جوڑے جا رہے ہیں۔ یورپ کی ایرین اقوام اور ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ کلچرل روابط قائم کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ جس کا ثبوت عملی طور پر دیا گیا۔ کہ ایک طرف ڈاکٹر نیگور کو ایران کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اور دوسری طرف شانتی نکیتاں میں "ایرانی تہذیب" کی تبلیغ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایران کا ایک نمائندہ بطور ایک استاذ کے بلایا جاتا ہے۔ چنانچہ پورہ داد و جو موجودہ دور کے نامور شعرا میں سے ہیں۔ اس ادارہ میں اس حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر نیگور نے سید جلال الدین طہرانی استاذ ریاضیات سے جو گفتگو کی۔ اور اس میں نوجوان ایران کے علمی ذوق کی شستگی کا جو اعتراف کیا۔ وہ موجودہ علمی ماحول کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔ *New Persia* جرنل نے ۱۹۲۷ء میں اپنی ایران کی سیاحت کے تاثرات شائع کئے ہیں۔ خواتین کی بیداری اور ان میں علمی و تعلیمی ذوق کی نشو و نما کا دلچسپ حال لکھتے ہیں۔ پر دین اعتصامی اور مہربانو کے ذکر میں انہوں نے انما ضرور ثابت کیا ہے۔ کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر تحریک کی طرح ایران میں بھی سجدہ کے موافق اور مخالف گردہ دوش بدوش موجود ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ پہلوئی دور اپنی برکات کے اعتبار سے لائق صد تحسین ہے کہ اس میں ملک کو امن و آرام کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اور علما و اہل قلم کو ملکی اور سیاسی پیچیدگیوں سے اتنی فراغت مل گئی کہ اب وہ بفرار لے کتب خانہ دانش ملک کے جدید ترین فہرست اور ٹوری پرشین لٹریچر (جو ابھی ناکمل ہے) اس موضوع پر لکھنے کے لئے مفید کتب حوالہ ہیں۔

۱۔ فردوسی، ناصر خسرو اور ایران قدیم کے احیا کے متعلق تفصیلات نشر کے ضمن میں انہیں گلی تلہ ہمارا اور زینبکی کی نقیض مغضولان عصر حاضر میں ملکہ شیلن۔ نیوہ شلا۔ ص ۲۵۵

ظاہر ملک کے لٹریچر میں اضافہ کرنے میں معروف ہیں۔

ادبیات جدید کی علمی و ادبی ماحول کے متعلق ان محفل اور مجموعی اشارات کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب مختلف اصناف علم و ادب بعض خصوصیات کا الگ الگ جائزہ لیا جائے اور ان خصوصیات پر بحث کی جائے

جو اس زمانے کی تصانیف اور ازمنہ قدیمہ کی تصانیف کے درمیان ماہر الامتیاز ہیں۔

وہ امور جو موجودہ ادبیات کو ممتاز و منفرد بناتے ہیں۔ کم و بیش یہ ہیں:-

اول۔ مغربی اثرات کے ماتحت ادبیات ایران میں خوشگوار تبدیلیاں۔

دوم۔ ادبیات ایران میں شدید ایرانی عصبیت کا ظہور۔

سوم۔ ادبیات ایران میں سیمیت Sincerity اور مقصد Purpose

کا پیدا ہونا۔ اور فصیح اور تلمیذ سے پاک ہونا۔

ایران کی جدید مندرجہ بالا خصوصیات کی تشریح کے لئے سب سے پہلے شاعری

شاعری کو لیا جاتا ہے۔ کیونکہ سر زمین ایران کو اپنی روایات کے اعتبار

سے جس قدر شعرو شاعری سے تعلق ہے۔ اتنا شاید کسی ادیب

علم و فن سے نہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قدرت نے بعض زبانوں کو خاص طور پر

شعرو شاعری کے لئے وضع کیا ہے۔ ان میں فارسی اور اطالوی زبانوں کو منظومات کے

اظہار کی سب سے زیادہ صلاحیت حاصل ہے۔ اس لئے یہ نامناسب نہ ہوگا۔ اگر ہم

سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ جدید تمدن اور جدید انسانی نصب العین نے ایران کی شاعری

کو کہاں کہاں اس کے پرانے مسلک سے ہٹا دیا ہے۔ اور ایرانی فطرت نے کس حد تک ان

نئے اثرات کو قبول کیا ہے اور کس حد تک ان کو اپنی طبیعت کے لئے ناسازگار سمجھ کر مسترد

کے ہیں۔ اپنے محدود قافی فضل حق صاحب ایم اے کا ممنون ہوں جنہوں نے اس موضوع پر قابل قدر

مشوروں کے علاوہ آئندے داعی اسلام کا مختصر سالہ شاعری جدید ایران بھی عنایت فرمایا۔

کر دیا ہے۔

شعر اے معاصرین آقاے محمد اسحاق نے اپنی کتاب ”سنخوڑان ایران در عصر“  
 میں ۱۲۳۰ شہد کا حال بیان کیا ہے جن کے حالات نہایت  
 کے بعض تذکرے تحقیق جستجو کے ساتھ انہوں نے اپنی سیاحت ایران کے

دوران میں جمع کئے اور لکھے ان میں سے اکثر کے ساتھ آقاے موصوف نے ملاقاتیں  
 کی ہیں اور ہر شاعر کے حالات کے ساتھ ایک فوٹو بھی شائع کیا ہے۔ اسی موضوع پر  
 دہشتاہ ایرانی نے جو کتاب ”سنخوڑان دوران پہلوی“ کے نام سے شائع کی ہے۔ اس  
 میں ۹۸ شعرا کا مختصر حال ان کے کلام کے نمونے اور ان کی تصاویر دی گئی ہیں۔  
 اگرچہ یہ کتاب محققانہ نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک بیاض کی ہے۔ تاہم اس  
 جدید شاعری کی بڑی بڑی شاہراہوں پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ اس ضمن میں ج۔  
 سعادت نوری (جو خود بھی ایک شاعر ہیں) کی بیاض ”کلمای ادب“ کا ذکر بھی  
 ہمارے ماتخذ کی فہرست کی تکمیل کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں ۴۸ شعرا  
 معاصرین کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے

مختصر جدید کے ممتاز موجودہ تبصرہ میں ملک الشعراء بہار، اشرف و خداداد  
 ترین شعرا عارف کا عمدہ ذکر کم کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے حالات و

واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ پروفیسر براؤن مرحوم کی کتابوں میں آچکے ہیں۔ اگرچہ  
 یہ سب بزرگ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ تاہم ان کا شمار زیادہ تر عہد انقلاب اور  
 دورہ مشروطیت کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ دوران پہلوی میں جو نوجوان شعرا  
 اپنے کلام کی خوبیوں کی وجہ سے سب سے زیادہ نام آور ہیں۔ ان میں حبیب یمنائی  
 حسام زادہ۔ دکتر محمود افشار۔ رشید یاسمی، روحانی، عشقی اور فرخی یزدی نئے دور  
 میں شہرت عام کے دروازے سے داخل ہوئے ہیں۔ اور ملک میں انہیں بلند پایہ

شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اس نوعمر گروہ کے ساتھ بعض پختہ عمر اور کم سن سال شعرا کا ذکر بھی بہر حال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن میں ادیب پیشاوری مرحوم اور شوریدہ شیرازی مرحوم، پور داؤد اور سید حیدر علی کمالی بلند حیثیت رکھتے ہیں۔

خوانین میں پروین اعتصامی اور نیتاج کی شاعری ملک بھر میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہے۔ جن کا مفصل تذکرہ محولہ بالا کتابوں میں ملے گا۔

**شعراے معاصرین** | آقای محمد اسحاق نے موجودہ شعرا کو ان کے سٹائل اور کی تقسیم باعتبار سٹائل اسلوب کے اعتبار سے ان چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ وہ جو قدیم طرز پر لکھتے ہیں۔ اور قدیم خیالات اور

موضوعوں پر فکر سخن کرتے ہیں مثلاً ادیب پیشاوری۔ ادیب نیشاپوری۔ بدیع الزماں سالار شیرازی۔ شباب شوریدہ۔ غمام۔ فروغی۔ نادری۔ رعای۔

۲۔ وہ جو قدیم طرز پر - لیکن نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً ایرج میرزا پروین۔ پور داؤد۔ حبیب بیگانی۔ افشار۔ دجندا۔ رشید یاسمی۔ روحانی۔ اشرف۔ عارف۔ فرخی یزدی۔ کیمائی۔ ملک الشعراء۔ فلسفی۔ کمالی۔ فرخی خراسانی۔ عطا۔ یاسائی۔ فرات۔

۳۔ وہ جو نئی روش کے مطابق اور نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً حامزادہ عشقی۔ فرہنگ۔

۴۔ وہ جو Song لکھنے میں کمال حاصل کر چکے ہیں مثلاً ملک الشعراء بہار۔ اور عارف قزوینی۔

موجودہ مقالہ میں قدیم روش پر لکھنے والے حضرات پر تفصیل سے لکھنے کی چیزاں ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہم جدید اصلاحات اور تبدیلیوں سے روشناس ہو جائیں۔ قدیم روش پر چلنے والے شعرا سے مراد

وہ لوگ ہیں جو کلاسیکل انداز میں منوچہری - فرخی - سعدی وغیرہ کے انداز میں شعر کہتے ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائیگا۔ ایران میں خالص قدیم روش اور خالص جدید روش ہر دو غیر مقبول ہیں۔ ایسے لوگ بکثرت ملتے ہیں۔ جو قدیم و جدید میں امتزاج چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آقائے اسحاق کی مندرجہ بالا تقسیم سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ غزل - قصیدہ - مثنوی وغیرہ سب اصناف سخن زیر مشق ہیں۔ طرز خراسان اور طرز عراق کا قدیم مباحثہ بھی ارسر لوتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ اب ملک و قوم کو سیاسیات اور وطنیات کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ اس لئے اکثر لوگ وطنی مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ خواہ اس کے لئے جدید طرز کو اختیار کریں یا پرانی طرز کو موضوع بہر حال وطنی اور سیاسی اور معاشرتی ہوتا ہے۔

**خالص مغربی اثرات** | ایران کی ادبیات علی الخصوص ایران کی شاعری پر یورپ نے جو اثرات ڈالے اگرچہ وہ عرب کی طرح اعتلا شاعر و شاعری پر انگیز نہیں ہیں۔ تاہم ان کے شدید طور پر موثر ہونے

میں شبہ نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی دنیا عام طور پر فرانس کے تمدن اور کلچر سے بہت موثر ہوتی رہی ہے۔ مصر اور ایران دونوں ملکوں میں فرینچ ادب کو جس ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ وہ انگریزی اور دوسری زبانوں کے معاملے میں نہیں دیکھا جاتا۔ باوجودیکہ ان ہر دو ممالک کا تعلق سیاسی طور پر انگریزوں کے ساتھ زیادہ دیر تک قائم رہا۔ ایرانیوں نے جنگ بین الملی کے دوران میں جرمنی میں جو اقامت گاہیں بنائی تھیں۔ وہ کسی حد تک ایران پر جرمن اثرات ڈالتی رہیں۔ اور روس اور ترکی کی طرف سے ہمسایہ قوم ہونے کے اعتبار سے جو روابط اس ملک کو رکھنے پڑے وہ بھی کسی قدر اثر انداز ضرور ہوئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے۔ ایران جس قدر فرانس سے متاثر ہوا۔ ان ممالک میں سے کسی ملک سے نہیں ہوا۔ مالیر۔ Moliere



لافیتین اور وکٹر ہیوگو کی کتابوں اور نظموں کے ترجمے عرصے سے ایران میں ہو کر لوگوں کے دلوں کیلئے کشش کا باعث بن چکے تھے۔ اور ان کی لذت کے مقابلے میں نہیں یورپ کی کسی زبان کے شہ پارے اپنی طرف مائل نہیں کر سکتے تھے۔

جدید ماحول میں سب سے بڑی تبدیلی یہ آئی کہ ایرانی شاعروں نے مصنوعی طرز کی شاعری تقریباً ترک کر دی اور انہوں نے ان مضامین کے متعلق لکھنا شروع کیا جن کا تعلق ان کے اوضاع و اطوار زندگی، ان کی معاشرت، ان کے ذہنی اور نفسیاتی تجربات سے تھا۔

شعرانے اپنی قدیم روش اور اسلوب پرانے موضوع و مباحث اور فرسودہ طریق ادائے مطالب میں بے شمار تغیرات پیدا کئے۔ اخلاق، نقد اور مشکل پسندی جو قدیم خصوصیات میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ علماء و فنکار کے نزدیک اب کوئی پسندیدہ چیز نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی جگہ سادگی اور سلاست نے لے لی ہے۔ اسلوب میں صفائی، صراحت اور با مطلب ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ اور موضوع و مباحث کا انتخاب کسی قلبی واردات اور روحانی داعیہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

جب ایران میں متحدہ دلی ہوا چلی تو اس نے شروع شروع میں نوجوانوں کے دماغوں کو بدست مسموم کیا۔ اور ان کے ایک انتہا پسند طبقے کے دل میں ایران کے قدیم شعرا کے متعلق تنقید کا خیال پیدا ہو گیا۔ یعنی ان میں مغرب کے لٹریچر کے ساتھ اس درجہ شیفٹنگ پیدا ہو گئی تھی کہ وہاں کے شعرا کے مقابلے میں وہ اپنے شعرا کو حقیر سمجھنے لگے تھے۔ تاہم اس طبقہ کا اثر بہت محدود رہا۔ اور اب تو یہ جماعت بہت کم ہو رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ فارسی میں اب بھی مغربی زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن غالباً ان الفاظ سے کسی صورت میں مفر نہیں۔ اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ان میں سے بعض عاذناً اور غیر ارادی طور پر شامل کئے جا

رہے ہیں۔ اور ان میں کچھ مجبوری نہیں۔ روحانی کی جو نظم ظاہر ساری کے عنوان سے آقے اسحاق نے اپنی کتاب کے ص ۱۱۵ پر شائع کی ہے۔ فریخ الفاظ سے لبریز ہے تنہا اس نظم میں دس پندرہ الفاظ ایسے موجود ہیں جن کے بغیر بخوبی کام چل سکتا تھا مثلاً *mode: Chic* تابوئی *Tableau* اینورسیتہ *Universite* فاکولتہ *Faculte* وغیرہ

ایرانیوں نے غالباً یورپ سے کوی نئے بحور و اوزان اور کوئی نئی صنف شاعری اخذ نہیں کی۔ بلکہ زیادہ تر امتزاج سے کام لیا گیا ہے۔ اور ان اشکال اور اصناف کو جو یورپ کی کسی خاص طرز کے مماثل ہیں پہلے سے زیادہ فروغ دیا۔ اب تک غزل، مثنوی اور رباعی کا بہت رواج تھا لیکن مسمط اور مستزاد کی طرف توجہ نسبتاً کم تھی۔ ایران جدید نے مسمط اور مستزاد کو ایک فرانسیسی طرز کے قریب سمجھتے ہوئے زیادہ رواج دیا ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز کو نقصان پہنچا۔ وہ قصیدہ ہے کیونکہ شعرا انقلاب اور بیداری ایران کے بعد اُمر اور بادشاہوں کی خوشی سے ہٹ کر جمہور کی بیداری اور وطن کی خدمت کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ قصیدہ کی جگہ وطنیات نے لے لی ہے۔ اور ہجو نے افراد کی مذمت کے بجائے سوسائٹی کی تنقید اور نمکتہ چینی کی شکل اختیار کر لی ہے مستزاد کے علاوہ جو طرز آج کل بہت مقبول ہے۔ اس کا ایک بند بطور نمونہ درج ذیل ہے

ای غنچہ ناشگفتہ در باغِ ای نو گل زیب بوستانی  
ای جلوہ باغ و رونق راغِ دای ہمد روح آسمانی  
دای قلب تو پاک تر ز گوہر  
دای عطر سفای دل معطر

یہ ہماری مدرس سے کسی قدر مشابہ ہے۔ اختلاف صرف اس قدر ہے۔

کہ اس میں پہلے دو شعروں میں پہلے شعر کا پہلا مصرعہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اور دونوں شعروں کے دوسرے مصرعے آپس میں ہم قافیہ۔ یورپ کا اثر جس قدر ہوا اس نے ایرانیوں کو اپنے ماحول سے منقطع نہیں کیا۔ اس نچر اور جدت پسندی کے باوجود ایران میں قدیم اور جدید روش کے علم پر وار بدستور موجود ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بالکل درست ہے کہ ایران کی فطرت قدیم طرز سے زیادہ مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اور جدید خیالات کے اعلان اور اس کے سلسلے میں جوش و خروش کو ایک مستعار سرمایہ پر افتخار کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ قدیم اور جدید کے درمیان جو جنگ اور نزاع جاری ہے۔ وہ ایران میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات نہایت ہی دلچسپ ہے کہ ایران میں ایک معتدل اور معقول گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اس قدیم و جدید کے درمیان امتزاج چاہتے ہیں اور غالباً مغرب کے اثرات سیاسی و ادبی کو اختیار کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ دیوان عارف قزوینی کے فاضل مقدمہ نگار نے قدیم و جدید کے امتزاج کی ضرورت پر جن فیصلہ کن اور خوبصورت الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کا مطالعہ ہر صاحب ذوق کے لئے ضروری ہے

شاعری کے نئے موضوع، یورپ کے اثرات کا اتنا اعجاز تو ضرور ہوا کہ اس کے طفیل ایران کی شاعری میں ایک حیات اجتماعی

لکھتے ہیں۔ اس میں وہ اپنی روحانی اور نفسیاتی تحریک کے مطابق عالم انسانیت کے نام ایک پیغام دے رہے ہوتے ہیں۔ مشرقی شاعری کے مخالفین عام طور پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس شاعری میں شاعری محض دماغی ورزش کا نام ہے

اور اس سے حیات اجتماعی کی اصلاح یا کم از کم ترجمانی کا کام نہیں لیا جاتا۔ اگرچہ یہ اعتراض فارسی شاعری کے تمام ادوار پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ بلاشبہ ایسے ادوار بھی ہیں جن میں ایرانی شعر و شاعری سے یہ کام لیا گیا ہے، اور اس سے قوم کے احساسات اور سپرٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انقلاب ایران سے پہلے کئی صدیوں سے ادبیات کے ہر شعبہ اور صنف میں تقلید اور لفظ پرستی کو اس درجہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا کہ دیوانوں کے دیوان کسی بڑے شاعر کے الفاظ و معانی کی نقل اور پیروی میں وقف ہیں۔ پس یہ امر بالکل مسلم ہے کہ ایرانی شاعری علی العموم حیات اجتماعی کی آئینہ دار نہیں تھی۔ نہ اس میں کوئی صمیمیت Sincerity تھی نہ مقصد نہ پیغام، خدا کا شکر ہے کہ جدید شعرا نے اس عیب کو رفع کرنے کے لئے اہم اصلاحات کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ اب ایران کے شعرا غیر موجود باتوں کی طرف بہت کم توجہ کر رہے ہیں۔ وہ مسائل جن سے انہیں شب و روز دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان کے ذہن و فکر ان کی تعبیر و توجیہ کے لئے وقف ہیں۔ زندگی کی عمومی اور مختلف طبقات، معاشرت کی تعمیر و کھینچنا اپنی روحانی مشکلات اور اضطراب کو ظاہر کرنا اور نفس کے ان لاسیخل عقدوں کو حل کرنا جو انسان ضعیف البدیان کو ہمیشہ سے پریشان رکھتے چلے آئے ہیں۔ جدید شعرا کے مقاصد عظیم میں شامل ہیں وہ نئے موضوع جن کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے یہ ہیں :-

- ۱۔ مظاہر کائنات پر غور مقامی ماحول سے تاثر اور مناظر قدرت کی تصویر کشی۔
- ۲۔ اصناع و اطوار معاشرت پر نکتہ چینی۔

۳۔ وہ فلسفیانہ معجزے اور نفسیاتی مسائل جن کے متعلق عقل انسانی ہمیشہ متحیر رہی۔ اور جن کی تعبیر و توجیہ میں ہمیشہ اختلافات رہے۔

**مناظر قدرت** ہمارے قدیم شعرا کے کلام میں نیچر کے مختلف مظاہر کبھی کبھی سخن آرائیاں ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں لفاظی کو بہت دخل حاصل ہے۔ قصائد کے شروع میں بعض دفعہ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے میں فرخی اور منوچہری کے قلم نے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ روح انسانی ان کو سنکر رقص کرنے لگتی ہے۔ لیکن ان سے مصیبت نہیں ظاہر ہوتی بلکہ مبالغہ اور تصنع کا اظہار ہوتا ہے۔ جدید شعرا اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے البرز اور آلودہ کے دامن میں چاندنی راتیں حسن و جمال کی بہترین تصویریں ہیں ملک الشعراء بہار۔ و ماوند کو۔ مادر سرسپید کمر پکارتے ہیں۔ اس سے اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس کے سامنے عصر کی شکایت کا دفتر کھولتے ہیں۔ اور اس کو اپنا شریک حال بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔

اے دیو سپید پائے در بند      امی گنبد گیتی اے دماوند  
اے سیم بسریکے کالہ خود      زاہن بمیاں یکے کمر بند  
تاچشم بشر نہ بیندت روی      بنہفتہ بابر چہر دلبند  
تاوارہی از دم ستوراں      دین مردم نحس دیو مانند

امی مادر سرسپید بشنو      ایں پند سیاہ بخت فرزند  
ابری بفرست بر سر رمی      بارانش زہول و بیم و ترند  
برکن زہن این بنا کہ باید      از ریشہ بناے ظلم برکند  
زان بیخرواں سفلہ بستان      داو دل مردم خرد مند  
قدرت کی ہر شے شاعر کے دل پر اثر کرتی ہے۔ بہار آتی ہے۔

گل و لالہ کے فرش کچھ جلتے ہیں۔ شاعر کو اپنی دلفریبیوں کی طرف بلاتی ہے۔ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ صبح کا سہانا موسم۔ چاندنی راتوں کی چمک، درختوں کے آوازوں کا نوحہ، شبنم کی دلاویزی، برگ زر کی مایوسی، بلبس سے دو دو بانٹے جنگل کی ایک رات، وہ مضامین ہیں جن پر ہمارے شعر ا قلم اٹھاتے ہیں۔ سب سے زیادہ رشید یاسمی نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔ چنانچہ شبنم جنگل، شہاب، فوارہ کا ذکر محض بطور مثال کافی ہو گا۔ جن سے یہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ موجودہ شاعر مادر فطرت سے کہاں تک اکتساب کرتے ہیں۔ ”آئینہ سیال“ میں فرماتے ہیں۔

چہ خوش باشد بروے آب دیدن      بر او رقصیدن مہتاب دیدن  
بہ بیداری چنناں خطر فریبید      کہ شام وصل یاران خواب دیدن

نیم آید ازو پرچین شود آب      بلرزد قرص ماہ چوں لوح سیاب  
وژم گردو چوروی مہ جبینی      کہ ناگاہش بر انگیزند از خواب

پہری بر زمین گسترده بینی      ز بادش چہرہ پرچیں کردہ بینی

۱۔ ایرانی شعراء دوران پہلوی جس ۶۷۸-۶۷۹ عیسوی دولت آبادی کی نظم۔ ”صبح“۔

۲۔ گلہائے ادب۔ ص ۳۷۔ حشمت زادہ کی نظم ”یک شب ماہتاب“

۳۔ گلہائے ادب۔ ص ۱۲۴۔ اشتری کی نظم۔ ”آہنگ آفتاب“

۴۔ گلہائے ادب۔ ص ۹۱۔ احمدی تجتاری کی نظم۔ ”افکار یک شب مہتاب“

۵۔ گلہائے ادب۔ ص ۱۰۴۔ نظام وفا کی نظم۔ ”برگ زر“

۶۔ گلہائے ادب۔ ص ۶۶۔ جودی بنگر دوی کی نظم۔ ”ای مبل“

۷۔ گلہائے ادب۔ ص ۱۲۰۔ رشید یاسمی کی نظم۔ ”شب جنگل“

جمال بوستان آسمان را گئی بی پردہ گہ در پردہ بینی

درخت و کوه و ابرو ماہ و انجم درین آئینہ گہ پیدا گئی گم  
تو گزنی رنگ ریزان طبیعت جہانے را بھی شویند در خم

صدای لطمہ امواج آرام کہ بر ساحل رسد از صبح تا شام  
بود چون سیلے یاران طنار بردی چہرہ عشاق ناکام  
رشید یاسمی باغ کی تعریف و توصیف میں کہتے ہیں:-

صحدمی گفت مرا باغبان ز اپنے بتان چینی کردہ اند  
گفت ہر آن خو کہ نہاں داشتند دوش بخت علی کردہ اند  
قریگان قصہ سرا بودہ اند بلبدگان خوش سخنی کردہ اند  
چوں ملک بحری فوارگان شب ہمہ شب آب تہی کردہ اند  
برگ درختاں ز نسیم سحر بر سر گل باد زنی کردہ اند  
گفتی در رہگذر باد صبح تودہ مشک تہنی کردہ اند  
بید بتان در بر وزندہ باد در زش و شق بدنی کردہ اند

معاشرت اور جدید شعرا نے جس طرح مناظر قدرت پر نظمیں لکھنے میں  
تنقید معاشرت ایک نئی شاہراہ پر گامزنی کی ہے۔ اسی طرح سوشل معاملات  
پر جن کے متعلق تمدن مغرب نے مشرقیوں کے خیالات

میں یک گونہ تغیر پیدا کیا ہے۔ بہت توجہ مبذول کی ہے چونکہ یہ مسئلہ وطنیات  
سے ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ اور مجلسی امور کی ترمیم و اصلاح ملک کے مسائل ہمہ میں

سے ہے اس لئے شاعری کا بیشتر حصہ ان ہی افکار و خیالات پر مشتمل ہے۔ پردہ، تعدد زوجات کی خرابیاں، تعلیم نسواں، عورت کا درجہ سوسائٹی میں اور اس قسم کے دوسرے موضوعوں پر بکثرت طبع آزمائی کی گئی ہے۔ جیسا کہ تمام اسلامی ممالک میں دیکھا گیا ہے۔ ایران میں بھی مغربی تمدن کے اس پہلو کے متعلق مفکرین و مصلحین قوم میں اختلاف موجود ہے۔ ملک اشعرا بہارا ایرج میرزا مرحوم، عشقی اور عارف اس جماعت کے ممتاز افراد ہیں۔ جو یورپ کی تقلید میں حجاب وغیرہ کو یکسر ترک کرنے کے حق میں ہیں۔ مرزا بہاء الدین حاتم زاوہ کہتے ہیں:-

دختر غریب بترنگہ مقصود رسید عشق شرم ز رویت بچکیدہ است ہنوز  
 پچمن سنبل سخت تو ز بد بختی ماست کہ نروید ہنوز و ند میدہ است ہنوز  
 خیزو ایں چادر شومت ز سرانگن بکنار گھر عمر ز دست نہ بیدہ است ہنوز  
 عشقی نے ”کفن سیاہ“ کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے وہ ان جدید جذبات سے لبریز ہے۔ عشقی عورتوں کیلئے مردوں سے شرم کرنے کی کوئی وجہ خاص نظر نہیں دیکھتے۔

زن چہ کردہ است کہ از مرد شود شرمندہ

حاتم زاوہ اور عشقی کی اس تلقین کے علی الرغم ایک دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو ابھی تک معتدل پردہ کو ضروری سمجھتا ہے اور اسے عفت اور پاکبازی کیلئے اولین شرط قرار دیتا ہے۔ داکٹر محمود خاں افشار جو جرمنی سے سند فضیلت حاصل کر کے آئے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

پردہ زنہار میفلکن زرخ چوں قمرت تمامہ دار سد از چشم بد کس نظرت  
 کمتر از خانہ بروں پای منہ بی مادر بنیاباں و بہ بازار اگر افتد گذرت  
 پس نگہ دار نظرا دنگہ دار ہوس کہ ہیں بواہوسی افگند اندر خطرت

۱۔ آقاے اسحاق بخنور اس عھر حاضر ص ۷۷ ۷۸ ایضاً۔ ص ۸۱



چونکہ از بہر زرد و زیور باید زد و سیم      بیم آن است کہ عصمت برود از بہر زرد  
بہترین زینت دختر نہ مگر عفت اوست      خود تو دانی چہ بگویم من ازین بیشتر

پروین اعتصامی جو جدید ایران کی شاعرات ہیں۔ اس اہم مسئلہ پر جس کا تعلق ان کی اپنی جنس کے ساتھ ہے۔ بہت کم اظہار خیالات کرتی ہیں۔ غالباً پر دین ضرورت سے نیلہہ تنجد کو پسند نہیں کرتیں۔ بلکہ مرد اور عورت ہر دو کو اس کش مکش حیات میں ایک دوسرے کا لازم ملزوم خیال کرتی ہیں۔  
وظیفہ زن و مرد اے حکیم دانی چیست      یکی است کشتی و آند یگریت کشتیان  
بروز حادثہ اندریم حوادثِ دہر      امید سچی و عمل ہا ست ہم ازین ہم ازین  
ہیشہ دختر امروز مادر فرو است      ز مادر است میسر بزرگی پسران  
اگرچہ ایران کے نوجوان طبقہ پر بالعموم اس تنجد کا اثر نظر آتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود وہ سوسائٹی اور فیملی کے انتشار کے قایل نہیں۔ وہ ایک گھر کو جس کی چھوٹی چھوٹی راحتوں اور مسروریتوں میں انسان اُبجد کر اکثر کلفتوں کو بہلا دیتا ہے۔  
متدن کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ رشید یاسمی فرماتے ہیں۔

خرم آن ساعت کہ زنی خانہ شوہر نکام      دل ز کار و روزم افسردہ روان اندر تعب

آدمی را چہ جو مرغاں آشیانی در خور است      کا ندران مصروف گرد و مال و نان و کتب  
تاناہ داری خانہ کی دانی ہلک و دین      تاندراری ریشہ کی گردی باغی منتب  
جیسا کہ گذشتہ سطور میں بار بار اس بات کی صراحت آچکی ہے۔ ایران کے ایک محدود طبقہ کے علاوہ، فضلا اور ارباب بصیرت کا ایک جم غفیر یورپ کی اندھی

تقلید کا دشمن ہے۔ اور قوم کو جدید تمدن کی مادہ پرستانہ سپرٹ سے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں وحید دستگردی، حیدر علی کمالی اصفہانی سب سے زیادہ اپنا زور کلام اس بات پر صرف کر رہے ہیں۔ کسروی تبریزی جو ایک بلند پایہ مصنف ہیں۔ معاشرت، مذہب اور ادبیات عرض ہر چیز میں یورپ کی تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ”اٹھن کسروی“ میں اس موضوع پر نہایت جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس موضوع پر سید حیدر علی کمالی کی اس نظم سے بہتر کوئی قطعہ شاید نہ لکھا گیا ہو گا جس کا عنوان یہ ہے: خواند بہار مہرگاں را :-

اے عصر جدید ایکہ خود را ز اعصارِ نجفۃ می شاری  
انصاف بدہ کہ گویت تا از عدل جوی خبرنداری  
درما بقدم و عہد وسطی ہرگز نہد این سیاہکاری  
آوخ کہ بعنف یا بعہد اگر عمر بدین منط گذاری  
وحشت کردہ کنی جہاں را

**فکاہیات** | اس موقع پر میرزا غلام رضا خان روحانی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن کی فکاہی نظمیں اس زمانہ میں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو سید اشرف الدین ”نسیم شمال“ کی دورۃ الفکاب اور جہویت میں۔ ان نظموں سے زیادہ مقصود یہ ہے۔ کہ ظرافت کے رنگ میں معاشرت اور سوسائٹی کی تنقید کی جائے۔ اور ایرانی امرا اور عوام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ان کی لطیف پیرائے میں مذمت کی جائے جو میں جدید زمانے میں جو خوشگوار تبدیلی ہوئی ہے۔ اس کی بہترین مثال یہی ہے۔ روحانی کا ”اراجیف الاجنبہ“ اور ”ادارہ نامہ“ اس موضوع کی بہترین کتابیں ہیں۔ جو جزد و جزد اُ ایان کے بعض فکاہی رسالوں مثلاً ”امید“ اور گل زرد میں

شائع ہوئیں۔ اہل ایران کی کسالت اور کاہلی کے متعلق کہتے ہیں:-

اروپائی اگر از صفحہ خاک رود با آسمان بیابا فلاک  
از و کم نیست ایرانی کہ دائم کند سیر فلک با چرخ و تریاک  
اثاثی در سہرائی کشور جم نماند از غارت دزدان چالاک  
سخن از فضل و دانش چند گوئی بقومی بے خبر از عقل و ادراک  
لب از گفتار روحانی فرو بند و ہانت را بزین مہر و بکن لاک

اہل ایران میں "فیون خورسی" کا مرض عام ہے۔ روحانی نے اس کے خلاف کئی طریقوں سے آواز بلند کی ہے۔ حلق کی ایک مشہور غزل کی تفسیر کرتے ہیں:-

مردیم از خمارے ہم شیرگان خدارا از یک دولت شیر سازید خدارا  
دوروزہ مہر گردوں افماندایت فکرا مہین بجائے فیوں تریق ساز مارا  
آسایش و گیتی تفسیرین دو حرف است با شیر مروت با ایسی مدارا  
فیونیاں برنا بخشنندگان عمراند ساقی بشارتے وہ پیران پارسارا  
تریاک و شیرہ مفت صد بارہست خوشتر از ہستی دو عالم تریاکیہ گذارا

"اراجیف الماحجہ" میں "داد از دست زخم" کے عنوان سے منزلی زندگی کے

ایک پہلو کا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے اس مترادف کے پہلے دو شعر یہ ہیں:-

شب عید است و گرفتار زن خوشیتنم داد از دست زخم  
اوست جفت من و من جفت ملال و محنم داد از دست زخم  
ہم کہ پڑ ز زہ زہ من خواہم ز زہ و وال مدو فرم اسال  
خود نہ شلوار یہ پایم نہ تباہی بہ تنم داد از دست زخم

لکھنویہ - جا جیٹ - جرسی - وائل کپڑوں کے فریج نام ہیں -

مد Mode فرم form

سیاسیات و وطنیات | سیاسیات و وطنیات کی تاریخ پر جو کچھ *Press and Poetry* میں مرحوم پروفیسر براؤن نے لکھا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ سیاسی بیداری سے لے کر انقلاب اور دورہ مشروطیت تک جو خدمات شعرا و وطن نے انجام دیں۔ ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ملے گا۔ یہاں مجھلاً بعض جدید خیالات اور افکار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نوجوان شعرا میں حبیب یغمانی جدید ترین تحریکات سیاسی سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ حبیب پرانے نظام میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا وجود کمزور اور ضعیف انسان کی ترقی کے لئے سخت مضر ہے۔ آپ ان الفاظ میں انقلاب کی تلقین کرتے ہیں۔

ز انقلابی سخت جاری سیل خون بایست کرد  
از برای نشر آزادی زبان باید کشود  
تا کہ در نوع بشر گردد تساوی برقرار  
ثروت آنکس کہ می باشد فزون باید گرفت  
منزل جمع پریشاں مسکن قومی ضعیف  
ہر کہ پا زار بیت و تنبل می شود بایست کشت  
جیب سوشلزم کو مساوات انسانی کے قیام کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور سرمایہ کی بنیاد پر پیدا شدہ امتیازات کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔

مالک و دہقان، غنی و بے نوا شاہ و گدا  
محو باید کرد از روئے زمین ابن نام۔ ہا  
حبیب عمل کو زندگی کا مترادف قرار دیتے ہیں۔

در مذہب من بدنام بہتر بود از گنام  
جبریل ابن اریست شیطاں لعین باشد

لے سخنوران عصر حاضر۔ ص ۶۴۔ *Parasite*.

صبح و شام کی رسمی اور افسردہ زندگی نہایت ناقابل برداشت ہے۔  
 زین زندگی یک شکل افسردہ دلم ای کاش یا بہتر ازین گردو یاد تر ازین باشد  
 ضعیفوں کی بہتری کے لئے شاید بینن کا دستور ہی کچھ کارگر ثابت ہو سکے۔  
 شاید کہ غیظاں را اوضاع شود بہتر در گیتی اگر مجری دستور بینن باشد  
 وضع غنی و درویش آن بہ کہ شود تبدیل یک چند چنان می بود یک چند چنین باشد  
 حبیب کی اس نظم پر جو بچوں کے لئے سادہ زبان میں ”وطن“ کے موضوع پر لکھی گئی  
 ہے علامہ اقبال کی کسی بین الاسلامی نظم کا دہوکا ہوتا ہے۔

کشور ایران کہ زید جاوداں ہست وطن برہمہ ایرانیاں  
 رشت و قوم و ساوہ و طہراں یکست مشہد و تبریز و صفا ہاں یکے ست  
 اہل وطن زادہ این مادر اند یا در و غم خوار بیکدیگر اند  
 داکتر محمود شاہ افشار کا ایک اور قطعہ اشتراکیت اور سوشلزم کے متعلق ہے۔ جو  
 انقلاب روس سے پہلے لکھا گیا تھا۔

پابندہ باش زارغ بدبخت رنجبر ای آنکہ زندگانی مادر بقای تست  
 در نزد خلق اگرچہ گدائی و بے نوا در چشم من تو شاہی و سلطان گدائی تست  
 گرم دم از رضای تو غافل نشستہ اند خوشنودی و رضای خدا در رضای تست  
 جان حقیر من نبود لایق نثار در نزد روی صدق و ارادت فدای تست  
 فرحتی یزدی جنہیں آزادی ایران اور عقاید سیاسیہ کی خاطر بہت قربانیاں کرنی پڑیں۔  
 ایک اہم انقلاب کے آرزو مند ہیں۔

گر خدا خواہد بجوشد بحر بے پایاں خون می شوند این ناخدا یان غرق و طوفان خون  
 با سرفرازی ہم پادری طبع انقلاب انقلابی چون شوم دستہ بن و دامن خون

کلبہ بنی سقفا و ہفانہ اچو آدم در نظر کا خہامی سرکیو انرا کم ایوان خون  
فرخی راشیر گہ انقلابی خواندہ اند زانگہ خور داز شیر خوری شیراز پستان خون  
فرخی ماسکویں انقلاب کی دسویں سالگرہ کے جشن میں شامل ہوئے۔ ان کی  
سمطات اور سترادین وطنیات کے متعلق بہت شہرت رکھتی ہیں۔

ایرانی عصبيت کا احیا | پور داؤد کی وطنی نظموں کے ذکر سے یہ مقالہ بے نیاز  
نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ ان کے کلام کا انتخاب مرحوم براؤن کی کتابوں میں آچکا  
ہے۔ اس لئے قارئین کرام کو ان کتابوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ ان کی نظموں کا  
مجموعہ پورا ندرت نامہ بھی لمبھی میں طبع ہو چکا ہے۔ پور داؤد ان متحدہ پسند ایرانیوں  
میں سے ہیں۔ جو تحریک احیاء ایران قدیم اور عربوں کے خلاف ایرانی عصبيت  
کے علمبردار ہیں۔ اگرچہ ایران قدیم کو دوبارہ زندہ کرنے کی تحریک پر کوئی جائزہ  
اعتراض نہیں ہو سکتا تاہم بعض ایرانیوں میں عربوں اور عربیت کی بلاوجہ مخالفت  
خود وہاں کے معقول گروہ کو نا پسند ہے کچھ عرصہ پہلے فارسی زبان سے عربی الفاظ نکالنے  
کا جو رجحان پایا جاتا تھا۔ وہ بھی اب سرد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں کوئی صفحہ ایسا  
نہ ہوگا۔ جو عربی الفاظ سے پر نہ ہو۔ پھر بھی زیر بحث دور میں ایسے لوگ ضرور  
موجود ہیں۔ جنہیں عربیت سے سخت نفرت ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسلام  
کا تسلط ایرانی قومیت کے لئے باعث بربادی ہوا۔ یہ جماعت ایران کے قدیم شاہیہ  
کی عظمت کے ترانے گاتی ہے۔ اور پرانے اولیا اور بزرگان دینی مثلاً زرتشت کے  
متعلق عقیدت کے رشتوں کو جوڑ رہی ہے۔ پور داؤد ان احساسات و جذبات  
کے اظہار میں سب سے زیادہ بے باک ہیں۔ ”ہمارے بھائی کے عنوان سے انہوں نے جو  
نظم لکھی ہے۔ اس میں ان عقاید کی تشریح نہایت صفاقی اور صراحت سے کی ہے۔“

حسام زادہ نے سچند قطرہ اشک برومی آثار مخزوبہ بازار گاد کے عنوان سے شاہان  
قدیم کی ایک راجدہانی کی عربوں کے ہاتھوں بربادی پر بہت نوحہ کیا ہے۔ اس نظم  
سے بھی ان مخصوص ایرانی محوسات کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

یک مرتبہ ہم اے دل بگذر تو بیا زر گاد ماتم زدہ ہیں سروس بگرفتہ دل و ناشاد  
دستش بسا افزار و وحش زندگی فریاد گوید کہ ہمن از چرخ رفتہ است بسے بیداد  
عز و شرف و شانم دادند ہمہ برباد  
صد واد ازیں بیداد و از جور زماں صد واد!

آخری بند یوں ہے۔

این خاک کہ بد مہد شاہنشی ایران بے سود سر شوکت روزی بسر گیاں  
آتشکدہ زردشت اگر گمہ یزدان امروز شدہ یکسر جولانگہ خناساں  
ہمد و وطن خواباں جا کردہ دراد دیوان  
آں شوکت و فرد جاہ آوخ کہ برفت از یاد

دکتر محمود خاں انتشار کی نظم ”درواہ اصفہان“ بھی قریب قریب اسی جذبہ کا اظہار  
کرتی ہے شاعر جب شیراز سے اصفہان جلتے ہوئے پُرانی یادگاروں کے پاس  
سے گذرتا ہے۔ تو خون کے آنسو بہاتا ہے۔ اور سیروس کے مقبروں کی دیرانی  
سے متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ آتشکدہ ہائے ایران کی خاموشی سے بھی وہ انگاروں  
پر ٹوٹتا ہے۔

خاموش اگر گردید آتشکدہ ہائے پارس  
در سینہ ما از غم آتشکدہ سوزان بود

فرہنگ اپنی نظم ”خاک ایران“ میں اوستا اور دینداد کے مرنے پر اشک حسرت

۱۰۰ شعری دوران پہلوی ص ۸۳ لے شعر لے دوران پہلوی ص ۳۳۹

بہاتے ہیں اور ایران کے آتش کدوں کی معدومی پر متاسف ہوتے ہیں۔

جب فرخ خراسانی ۳۲ھ میں عراق عرب کی طرف گئے تو انہیں بعض جرأید میں ایرانیوں کے متعلق نامناسب اشارات نظر آئے۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں:-

یارب عرب مباد و دیار عرب مباد      ایں مرز شوم و مردم دور از ادب مباد

ایں قوم دون دزد گداز کردگار      جز لعنت و عذاب و بلا و غضب مباد

تنہا میں عراق نہ ہر جا عکبکہ      نجد و حجاز و تونس و مصر و حلب مباد

بعض مختصر ڈرامے بعض نئی طرز کی چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر پروفیسر براؤن

مرحوم اپنی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ ان میں سے عارف قزوینی کی تصنیفات بہت

شہرت رکھتی ہیں اور ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ عشقی کے بعض

مختصر ڈراموں کا یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو علاوہ ایک جدید اختراع

ہونے کے وطن پرستانہ جذبات سے بھی پر ہیں۔

ان میں سے ایک "کفن سیاہ" سرگزشت یک زن باستانی۔ خسرو دخت و

سرفروشت زنان ایرانی ہے۔ اس نظم میں حجاب اور پردہ کی رسم کے خلاف ایک

خیالی قصہ لکھا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں خرابہ ہا می مدین کے ارد گرد ایک گاؤں

کے ویران سے گھر میں وارد ہوا اور اپنے اندرونی احساسات سے متاثر ہو کر

اس ویرانے میں گردش کر رہا تھا کہ ایک عورت مجھے نظر آئی جس نے سیاہ کفن

پہنا ہوا تھا۔ اس کی گفتگو نے یہ حقیقت واضح کی کہ وہ ملکہ ایران ہے اور سلطنت

عجم کے انقراض کے وقت سے اس نے سیاہ کفن پہن رکھا ہے۔ عشقی جب صبح

کے وقت ان کھنڈروں سے نکلا۔ تو اس نے دیکھا کہ تمام ایرانی عورتوں نے



وہی کفن سیاہ پہن رکھا ہے۔ شاعر اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایران کی عورتیں عمدہ ساسانی ہیں پردہ نہیں کرتی تھیں اس کے بعد سے اس کو بطور ایک مامی لباس کے انہوں نے اوڑھ رکھا ہے۔ اس حکایت (یا ڈرامہ) کے ۹ ہند ہیں۔ ہر ہند میں پانچ ہم مصرعہ قافیوں کے بعد ایک شعر ہم قافیہ لایا گیا ہے۔

عشقی کی ایک دوسری نظم ”ایدہ آل“ (Ideal) بھی اس سے کم دلچسپ نہیں جس کے تین منظر یا تابلو ہیں۔ یہ دراصل ایک پیرکن سال کی داستان ہے جس کے دو لڑکے راہ آزادی و مشروطیت میں ہلاک ہوئے۔ اس کی ایک لڑکی مریم طہران کی بمبزل سوسائٹی میں اپنے آپ کو کوٹکی ہے اس داستان میں عشقی ایران کی اجتماعی زندگی پر تنقید کرتا ہے۔ ہر ہند پانچ مصرعوں کا ہے۔ اور پانچواں مصرعہ پہلے چار ہم قافیہ مصرعوں سے الگ ہے۔ ہر ہند کا پانچواں مصرعہ ہم قافیہ ہے

تابلو اول۔ در شب ماہتاب اس میں مریم اور ایک نوجوان کی ملاقات ہوتی ہے  
 تابلو دوم : روز مرگ مریم  
 تابلو سوم : سرگزشت پدر مریم

ان تین مناظر کے اندر ایران کی اخلاقی حالت اور ملکی ذہنیت کی خرابیوں پر دروناک طریق پر تبصرہ کیا ہے۔ ایک اپرا (Opera) ”رستاخیز سلطین ایران“ کے عنوان سے لکھا ہے جس میں ایران قدیم کے احیا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ عشقی نے تمہید کے طور پر لکھا ہے کہ ۱۳۳۲ھ میں میں نے مدائن کے بعض فنکاروں کی زیارت کی اس گمراہ تمدن کی حالت کنونی کو دیکھ کر میں بے خود ہو گیا۔ یہ اپرا انہی آثارِ کمنہ و شکستہ کی یادیں لکھا گیا ہے۔ اشخاص اپرا یہ ہیں۔  
 خواندہ اول : میرزادہ عشقی بالباس سفرِ خرابہ ہای مدائن

خوانندہ دوم : خسرو دخت باکفن

خوانندہ سوم : داریوش

خوانندہ چہارم : سیروس

خوانندہ پنجم : انوشیروان

خوانندہ ششم : خسرو پرویز

خوانندہ ہفتم : شیریں ملکہ قدیم ایران

خوانندہ ہشتم : روان بشت زردشت

اس آپر میں مندرجہ بالا افراد باری باری ظاہر ہوئے ہیں۔ اور سرزمین ایران کی بربادی پر ماتم کرتے ہیں۔ اس کے بعد زردشت کی روح نکلتی ہے۔ جو ایران کی تقدیر پر کچھ تبصرہ کرتی ہے۔ اختتام پر میرزاہ عشقی یوں کہتا ہے۔

آسپہ من دیدم در این قصر خراب      بدبہ بیداری خدایا یا بخواب  
بادشاہاں را ہمہ اندوہنگین      دیدم اندر ماتم ایران زمین  
ننگ خود دانند ماں اجداد ماں      ایخدا دیگر برس برداد ماں  
وعدہ زرتشت را تقدیر کن      دیدہ عشقی خواب و تو تعبیر کن

(پردہ می افتد)

غزل او عشقیہ شاعری | یہ سمجھنا غلط ہے کہ ایران میں اب غزل گوئی کا رواج کم ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گل و گلزار کی سرزمین عشق اور غزل گوئی کے لئے فطری طور پر سازگار ہے۔ جدید خیالات و طریقے جو آج کل کسی قدر زیادہ اشاعت پا رہے ہیں۔ سیاسی ہیجان کی یادگار ہیں۔ امن و امان

کا دور جتنا طویل اور لمبا ہوتا جائے گا۔ اسی قدر طبائع کا میدان غزل گوئی کی طرف زیادہ ہو گا۔ کیونکہ آخر کار عشق و محبت فطرت انسانی کا لازمہ ہی تو ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں طرز قدیم کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ دور حاضر کے بے شمار شاعر پڑانے انداز پر غزل کہتے ہیں اور ملک میں ان کی غزلیں اچھی خاصی مقبول ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ غزل میں بعض ایسی اصلاحات ضرور کر دی گئی ہیں جنہوں نے غزل کے بہت سے نقائص کو دور کر دیا ہے مثلاً پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ غزل کا ہر شعر دوسرے شعر سے مختلف مضمون رکھتا ہو یعنی ہر جنو میں ایک مستقل مضمون و موضوع کا لحاظ رکھا جائے۔ قطع نظر اس بات کے کہ پچھلے شعر میں اس سے مختلف و متناقض مضمون آچکا ہو۔ جس سے غزل مختلف اور متضاد مضامین اور واردات کا پتہ دیتی تھی۔ جو واقعیت اور صداقت کے خلاف ہے۔ شاعر ایک ہی وقت میں سچر کی صعوبتیں بھی برداشت کر رہا ہے۔ اور وصل کی لذتوں سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے محبوب کی عنایات کا شکر گزار بھی ہے اور اس کی بے اتفاقیوں کا گلہ مند بھی۔ غرض اس طرح غزل ایک مصنوعی سچر و وصل بناوٹی حکایت و شکایت کا مرقع بن گئی تھی۔ بعض جدید شعرا نے کوشش کی ہے۔ کہ غزل میں مضمون مسلسل اور مربوط ہو۔ اور ساری غزل ایک واردات اور ایک حالت کی مظہر بن جائے۔ ایک اصلاح اس سے بھی عمدہ ہوئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو غزل میں محدود کرنے کی بجائے شعرا نے عشقیہ قطعات کو بھی رواج دیا ہے۔ جس میں اپنی درد مندی اور مجبوری پر پر سوز اشعار کہے ہیں۔

آخری صدی میں ایرانی شاعری میں جو ابتذال آگیا تھا۔ اس کی کچھ مثال قافی کے اشعار میں ملتی ہے۔ اور یہ ایسا رنگ تھا۔ جس کو بڑا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ شاعری بہر حال اس زمانے کی معاشرت کا عکس ہی تھا۔ لیکن زمانے

کی سپرٹ اور اخلاقیات کے تبدیل ہونے کے بعد شاعری کے اس مکروہ پہلو میں بھی خوشگوار تغیر آگیا۔ چنانچہ اس نئے دور میں ہم ان بخش اور تنگ اشارات سے شاعری کو خالی پائیں گے۔ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے

جدید ایران میں عشق و محبت کا موضوع مونت ہے نہ کہ مذکور پرانے شعر نے جن رعایتوں سے مونت کو مخاطب نہ کیا تھا۔ وہ شاید اب وزنی نہیں رہیں۔ اور اب زیادہ فطری اور قدرتی طریق مخاطب اختیار کر لیا گیا ہے۔ سعادت توری کتا ہے۔

مضطرب مشبہ سرخوش است و طرز دیگر می زند

نیک بخت آنکس کہ با محبوبہ ساغر می زند

بعض شعرا نے عشقیہ قطعات میں سیاسی اصطلاحات استعمال کرنے کو رواج دیا ہے جس میں ایک غزابت اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ گلشن ایرانپور اصفہانی نے ایک قصیدہ یا عشقیہ قطعہ میں یورپ کے اکثر ممالک کے نام استعمال کئے ہیں بعض اشعار بطور نمونہ یہ ہیں:-

جنگ جو ترک من اسے چشم تو با تیر و کماں

آلمانی تم اے برکن خوبی را شاہ

زینلن ہا می غمت دہم می بار و لب

خوبرویاں ہمہ جمع آمدہ در استہکلم

ادقیانوس سر شکم بتلاطم آمد

رخ بریتانی و گیسوی تو ہندوستانی

ہیچو امریک بود گر چہ لبست صلح طلب

موقع تھر چو روسی و گہ مہر فرانس

موجودہ دور کے غزل گو شعرا میں سے سالار شباب کرمانشاہی شوریدہ شیرازی

غلام ہمدانی اور فرخ خراسانی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں صرف شوریدہ شیرازی کی بعض غزلیات کا نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو ایک نابینا شاعر تھا۔ اور جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ذیل کی غزل میں اس واقعہ کو غزل کے دوران میں کتنا ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ کہ نابینا شاعر جب حسن کو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تو اس سے متاثر کیسے ہوتا ہے؟

رومی بنائی و دل از من شوریدہ بائی	تو چہ شوخی کہ دل از مردم بی دیدہ ربائی
حسن گویند کہ چون دیدہ شود دل بر باید	تو بدی حسن دل از دیدہ و نادیدہ ربائی
خاطر خلق بدیں رومی پر یو ارستانی	طاقت جمع بدیں مومی پر نشیدہ ربائی
آنکہ اور انتوان دل بد و صد شیوہ ربوہ	تو بدیں رومی خوش و خموش پسندیدہ ربائی
تو کہ خود فاش توانی دل یک شہر ربوہ	دل شوریدہ روانیت کہ دزدیدہ ربائی

ایک اور غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:-

ہرچہ کنی کمن کن ترکو من ہی نگار من	ہرچہ بری بر مبر سنگدلی بکار من
ہرچہ کشی کبش کش بادہ بزم مدعی	ہرچہ خوری بخور مخور خون دل نگار من
ہرچہ وہی بدہ مدہ زلف ببادای صنف	ہرچہ نہی بنہ منہ دام بر بگزار من

ساری غزل اسی طرح ہے۔

ایک اور غزل یوں ہے:-

آں پر پردی از دم روزی فراز آید؟ نیاید	من ہی خواہم کہ عمر رفتہ باز آید؟ نیاید!
پیش ازیں کا قیام در پیچیدہم طومار عمر	نامہ از کوئی یار و لنوا آید؟ نیاید!

صنایع بدایع کا استعمال اگرچہ کم ہو گیا ہے۔ اور دقت پسندی کی بجائے طبعیتیں سہولت اور سلاست کی طرف مایل ہو گئی ہیں۔ پھر بھی صنایع وغیرہ کا استعمال بعض قدیم اسلوب کے متبعین کے کلام میں نظر آتا ہے۔ حافظ اور سعدی کا تتبع بھی اکثر کیا

جاتا ہے جن کے تفصیل کے لئے آقائے اسحاق وغیرہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

**نظریہ زندگی** | شاعری کے ضمن میں اب ایک اہم بحث رہ گئی ہے اور وہ نفسیات انسانی کے ان پہلوؤں سے متعلق ہے۔ جن میں روح ایران ہمیشہ ایک خاص قسم کے مظاہر دکھاتی رہی ہے۔ تصوف ایرانی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور یہ رجحان کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں کی سیرت کے ساتھ شامل رہتا ہے۔ طبعی یاس اور قنوط بھی شاید تصوف ہی کی طرح ایرانی فطرت میں مرکوز ہو چکا ہے۔ جس کو آسانی سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ موجودہ زمانے میں جو نئے اثرات تمدن اور معاشرت پر پڑے انہوں نے کم از کم عارضی طور پر اس رجحان کو تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب تصوف کی بجائے لا اوریت اور مادہ پرستی نے لے لی ہے لیکن اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ بے عملی کی تعلیم و تلقین سے لا اوریت بہر حال بہتر ہے۔ طول کلام سے بچنے کے لئے یہاں صرف ایک مسئلہ کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایرانی شاعری میں خصوصاً اور مشرق میں عموماً دنیا کو اور زندگی کو حقیر چیز سمجھا جاتا ہے۔ بے ثباتی عالم اور مذمت دنیا، ترک علایق اور شکایت روزگار ایک اچھا خاصہ پامال مضمون ہے۔ غالباً بہت کم شاعر ایسے نکلیں گے۔ جنہوں نے اس مضمون پر نہ لکھا ہو۔ اور غالب خیال یہی چلا آیا ہے۔ کہ زندگی اچھی چیز نہیں موجودہ دور میں بھی ایران کے اکابر شعرا میں ایک منظرہ شعری ایک عرصے تک جملہ ارمغان میں جاری رہا۔ جو نکویش و ستایش روزگار کے مضمون پر تھا۔ سید احمد ادیب پشاور می جواب وفات پلچکے ہیں اس دور کے اکابر شعرا میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

کیے گل دریں نغز گلزار نیست کہ چینندہ رازاں دو صد خازنیت

منہ دل بر آدمی نرم جہاں جہاں را چو گفتار کردار نیست  
 مشو غرتہ بر عہد و زہنار وے کہ نزدیک دی عہد و زہنار نیست  
 فرو بند جنبہ لب از گلہ کہ این بد کنش راز کس عاریت  
 کسے کو گلہ آرد از بد گمر ہم از بد گمر کم بمقدار نیست  
 ادیب کے اس قصیدہ کے جواب میں پہلے پہل بہار نے ایک قصیدہ لکھا  
 جس میں فرماتے ہیں :-

جہاں جز کہ نقش جہاندار نیست جہاں را نکو ہش سزاوار نیست  
 سرا سر جمالت و فرو شکوہ براں ہیج آہو پدیدار نیست  
 جہاں را جہاندار بنگاشتہ است بشکی کزاں خوبتر کار نیست  
 چو پیغارہ رانی ہی بر جہاں چنان دان کہ جز بر جہاندار نیست  
 چنڈہ گل ار خارش انگشت خست گنہ بر چنڈہ است بر خاریت  
 تو گوئی فسانہ است کار جہاں ہمیدوں مرا با تو پیکار نیست  
 کہ این فسانہ است کاں پیش تو بیکبار خواندن سزاوار نیست  
 ایک اور شاعر صغیر اسی موضوع پر بہار کی تائید میں لکھتے ہیں :-

بلی بیش نا بخرداں بر جہاں بغیر از نکو ہش سزاوار نیست  
 نہاں راز پہ پیش اہل مجاز کہ اواز حقیقت خبروار نیست  
 جہاں را نکو ہش کند گمر ادیب روا باشد و جای انکار نیست  
 کہ ناداں اگر مدح آں بشنود دگر از جہاں دست بروا نیست  
 درین حال زبید کہ گوید ادیب کیے گل درین نغز گلزار نیست

اس دلچسپ مضمون پر شعرا نے کافی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ملک الشعرا اور اس کے مویدین نے اس مسئلہ کو جس نئے زاویہ نگاہ سے دیکھا

ہے۔ وہ کسی حد تک نئے نظریہ زندگی کے ماتحت ہے اور بہ جرأت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ میلان، ایران کے قدیم پختہ رجحان طبع سے بہت مختلف ہے۔ جس سے ایران جدید کی ذہنیت اور شعور اجتماعی کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ امر واقعہ صرف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ ادبیات کے باقی شعبوں پر بھی صادق آتا ہے۔ جس پر آئندہ فرصت میں ہم تبصرہ کریں گے +

سید محمد عبداللہ یونیورسٹی لائبریری لاہور

۶ فروری ۱۹۳۷ء



# فرخی ستانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

**محمد حسین فرخی** | یہیں الدولہ سلطان محمود غزنوی بن ناصر الدین بکتگین - ابو احمد محمد بن سلطان محمود - سلطان ابوسعید مسعود و لیچہ و ابن محمود

غزنوی - عضد الدولہ امیر ابویقوب یوسف سپہ سالار و برادر محمود غزنوی - ابو علی حسن میکال نیشاپوری وزیر - شمس الکفاۃ خواجہ ابوالقاسم احمد بن حسن میمندی وزیر - وزیر زادہ میر ابوالفضل جلیل عبد الرزاق فرزند سید الوزرا - وزیر زادہ ابوالحسن علی بن فضل المعروف بالہجاج خواجہ ابوالحسن منصور بن حسن میمندی - خواجہ ابوالفتح فرزند وزیر - خواجہ ابوبکر علی بن حسن عمید الملک قمتانی عارض سپاہ محمودی - عبد اللہ بن احمد وزیر امیر ابویقوب یوسف - خواجہ ابوسل احمد بن حسن حمدی - خواجہ ابوسل عراقی - خواجہ عمید سید ابوالحسنی - خواجہ سید ابوطالب بن طاہر - خواجہ عمید حامد بن محمد حسین بن علی - امیر ایاز اویماق محبوب سلطان محمود - ابوالمنظر فخر ولد ولہ احمد بن محمد والی چغانیاں - خواجہ عمید اسعد کدخدائے امیر ابوالمنظر والی چغانیاں گورنر بلخ منجانب محمود غزنوی - ابو منصور دوانی فراتگین حاکم گرستان - خواجہ ابوبکر عبد اللہ بن یوسف حصیری ستانی

سلطان محمود کی اکتیس سالہ حکومت میں تین آدمیوں کو وزارت کا منصب ملا سب سے پہلے فضل بن احمد منصب پرفازنہوا ابتداء میں - امانی خاندان کا پیشی تھا پھر بکتگین کے دربار میں وزارت کے مرتبہ پر پہنچا بکتگین کے بعد سلطان محمود نے اس کا عمدہ بحال رکھا علم و فن سے بے بہرہ تھا بکتگین ہمارے سلطنت کے انصرام میں خدا واد ملکہ رکھتا تھا - دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے بر بناء رقابت اسے معزول کر دیا اسکے بعد حسن میمندی وزیر ہوا - اٹھارہ برس کے بعد وہ بھی معزول ہوا - اور حسن بن محمد کو منہ وزارت ملا ہوئی -

نذیم سلطان محمود -

**شعراء معاصرین** | فردوسی طوسی - عجمی مروزی - عنصری بلخی ملک الشعراء یمنی  
علوی مینوچہری دامغانی - غضاثری رازی - اور دوسرے شعراء  
محمودی جن کا شمار چار سو سے بھی زیادہ بتایا جاتا ہے - اور ان کا مقتدا ملک الشعراء  
عنصری مانا جاتا ہے -

**آثار فرخی** | اُس کی تصنیف سے ترجمان البلاغۃ فن صنائع شعریہ میں ہے  
جسے رشید الدین وطواط نے دیکھا ہے - اور اپنی کتاب حقائق السحر میں  
اس کا ذکر کر کے اُسے لغو اور مہمل بتایا ہے - اب یہ کتاب دستیاب نہیں ہوتی - ایک  
شعر میں محمود کے حالات دیکھنے کے لئے دولت نامہ دیکھنے کی ہدایت کرتا ہے -  
ہر کہ خواہد کہز کرا متہامے او آگہ شود گوز دولت نامہ برخواند ہی بیتے ہزار  
مگر اس شعر سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اُس کی تصنیف سے ہے - یا کسی دوسرے کی -  
ایک دیوان جس میں دو سو آٹھ قصائد - تین ترجیع بند ( دو چوبیس چوبیس بند  
کے اور ایک سات بند کا ) چار قطعات - اٹھائیس غزلیات - اور چوبیس رباعیات  
پر مشتمل ہے - کل تعداد اشعار اس دیوان مطبوعہ ایران ۱۳۱۷ء میں نو ہزار پانسو  
چونٹھ ہے -

**وفات** | تاریخ ولادت فرخی کسی تذکرہ سے معلوم نہ ہوئی - افسوسکہ آذربائیجان میں سن  
وفات چار سو ستر مرقوم ہے - اور مرزا رضا قلی ہدایت شیرازی اپنے  
تذکرہ مجمع الفصحا میں چار سو اٹھائیس سن وفات بتاتے ہیں - اور یہی قرین صحت  
معلوم ہوتا ہے - کیونکہ آخر زمانہ حکومت مسعود بن محمود میں اس نے انتقال کیا ہے -  
علی بن عبد الرسول ایرانی مدون کلام فرخی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک  
رتبہ دیوان فرخی مشتمل بر شش ہزار بیت ناقص و نادرست اغلاط سے پر اور تصحیف و

تحریر سے مملو ایران میں چھپا تھا۔ جو قابل استفادہ نہیں اور اب وہ بھی کیاب بلکہ نایاب ہے۔ انہیں چند نسخے قلمی دیوان فرخی کے طے اس نسخہ مطبوعہ مطبع مجلس ایران بہ آبان ۱۳۱۳ھ کی کئی بار تصحیح ان نسخوں سے کی ہے۔ ان نسخوں میں سے ایک جو بظاہر زیادہ قدیم معلوم ہوتا تھا۔ اسی کو اصل قرار دیا۔ اور دوسرے اختلافات نسخہ بعض مقامات پر اصل سے بھی زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے ان کو فٹ نوٹس میں لکھا ہے۔ تاکہ ارباب طبع سلیم و ذہن مستقیم جسے پسند کریں۔ اختیار کر لیں۔

ان نسخہ قلمی میں علاوہ اس کے کہ وہ ناقص ہیں غلط و مزج بھی بکثرت ہے یعنی دوسروں کے قصائد کو فرخی سے منسوب کر دیا ہے۔ بعضے تذکرہ نویسوں کو بھی ایسا اشتباہ ہوا ہے۔ وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:-

چو برکندم دل از دیدار دلبر ہنادم مہر خور سندی بدل بر  
فرخی کا بچھا۔ چنانچہ ہدایت شیرازی نے مجمع الفصحاء میں ترجمہ فرخی کے ذیل میں لکھا کہ یہ پہلا فرخی کا قصیدہ ہے جو فرخی نے فخر الدولہ ابو المنظر چغانی کی مدح میں لکھا ہے۔ اس نسبت کے صحیح نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ اختلاف اسلوب زبان پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عوفی نے لباب الالباب میں اس قصیدہ کو طیبی کا بتایا ہے۔ اور اسی کا خیال صحیح ہے۔

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قصیدہ کو دیوان منوچہر دامغانی میں منوچہر کا سمجھ کر لکھا گیا ہے۔ نیز اکثر نسخوں میں یہ قصیدہ لامعی جرجانی کا بتایا گیا ہے اور بعض نسخہ میں ازرقی ہروی کا

ایک نسخہ میں غزل ذیل فرخی کے نام سے دیکھی گئی:-  
بر وعدہ مرا شکیب فرمائی تاکہ کم اے صنم شکیبائی

از بہر سہ بوسہ مستمندے را      خواہی کہ سہ سال صبر فرمائی  
راز دل خویش با تو بگشادم      باشد کہ بر این<sup>اللہ</sup> رہی بجشائی  
بر برگ سمن بمشک بنوشتی      تا راز مرا بہ خلق بنمائی  
بد مہربتی و سنگدل یاری      لیکن چو دل و چو دیدہ در پائی  
ایک اور نسخہ میں اشعار ذیل فرخی سے منسوب دیکھے گئے  
لطفے اگر کنی بنگا ہے چہ میشود      خوشنود اگر شوم ز تو گاہے چہ میشود  
سیراب اگر شود ز نواے ابر مرحمت      در خشک سال ہجر گیا ہے چہ میشود  
تصحیح نسخہ ایرانی دیوان فرخی بقدر نصاب منشی فاضل وایم۔ اے پنجاب یونیورسٹی  
برائے ۱۹۳۶ء و ما بعد

## صفحہ ۲

چودو دین آتے کا بے براواند رزنی ناگہ میں نے یوں ترمیم کی ہے سہ چودو دین  
آتے کا بے بروے اوزنی ناگہ۔ ملک سہم و ملک سیما بادشاہ کی ایسی ہیبت اور رعب  
ہے۔ بادشاہ کا ایسا باشان چہرہ ہے۔ یا۔ ملک چہر فرشتہ کا ایسا چہرہ ہے اور فرشتہ  
کا سامنظر و دیدار ہے۔

صفحہ ۴۔ بادسنا۔ یادست سخا چو بردیبا۔ تو بردیبا

صفحہ ۶۔ بادشاہا چون توئی از بادشاہان جہان : اے بادشاہ جیسے تم منجملہ شاہان  
جہان ہو۔ یا۔ بادشاہا چون توئی نے بادشاہ ہے در جہان : فردگر داند ز خالی ناگہ چین  
از قرب : محشی ایرانی نے اس پر حاشیہ دیا کہ انافی جمیع النسخ میں نے اس کی یوں تصحیح کی  
ہے سہ فردگر داند حالی ناگہ چین از عرب :

صفحہ ۸۔ گردماہ حلقہ اور گھیر اتر کا۔ یا۔ قرص ماہ

صفحہ ۹۔ بے رنج و ذل شاید۔ بے رنج دل۔ اس سے بہتر ہو

تیرخ اور اندر غلاف و تیر اور اندر قراب غلاف بمعنی نیام ہے مگر قراب بمعنی ترکش نہیں دیکھا اور غلاف قراب سے عام تر ہے اس لئے مصرع یوں بنا دیا ہے تیرش اندر ترکش و شمیر اور اندر قراب +

سپیدہ جامہ - سپید جامہ نور کا تڑکا

صفحہ ۱۲ - بیاب محشی لکھتے ہیں بتقدیم باء موحده برتختانی بر وزن ثیاب مرادف خراب و بمعنی بے آب است - محشی نے اسے لفظ فارسی بے آب سمجھا حالانکہ بتقدیم یا تختانی بر باء موحده لفظ عربی ہے اور مترادف خراب ہے - اس عربی لفظ کے معنے بے آب کے نہیں -

صفحہ ۱۳ - کہ بے گزند بود چون بر او زنی بشتاب + محشی یہ نسخہ سہ کہ بید رنگ بود گزنی بر او بشتاب + لکھ کر فرماتے ہیں کہ درنگ بقول جہانگیری بمعنی رنج و محنت ہے - اور اسی شعر کو بطور شاہد پیش کیا ہے - ہر دو صورت میں زدن بمعنی حملہ کر دن ہے - اس سے بہتر ہے کہ بجائے ”بشتاب“ کے ”نشاب“ پڑھا جائے - جس کے معنی تیر کے ہیں - اس لفظ سے شعر کے معنے بہت صاف ہو جاتے ہیں - اور گزند کی جگہ ”بید رنگ“ لفظاً یا معنایً کسی طرح اچھا نہ تھا -

صفحہ ۱۸ - ندانم شدن - یا - تنانم شدن - تنانم بمعنی توانم کو اکب و مشقب میج کو اکب مشقب چنانچہ نجم زحل ہمت مترامرکب + مرزائد ہے اور طباعت کی غلطی ہے -  
نارشان صحیح تارہ شان

صفحہ ۲۰ - کافر نعمت و نپاس گشت وزن جاتا رہا - یوں چاہیے کہ کافر نعمت شد و نپاس گشت -

صفحہ ۲۳ - سکونے و سکونے نہ -

صفحہ ۲۳ - یوسف پسر نامرالدین الف لام وزن کو بگارتا ہے - لہذا اسے کمال ڈالو

اوسخت سخی مہتر و چاکر داریت صحیح اوسخت سخی مہترے و چاکر داریت ۔

صفحہ ۲۵ - این فضل و این مروت این نعمت آشناست - ہر سہ این کی جگہ زین چاہئے -  
حشمت خدا - یا - دادہ خداست

صفحہ ۲۶ - کہ من دلشدہ - یا - گو منم - و ردلم - بردلم

صفحہ ۲۹ - مرا جان و جهان در براوست - میری جان اور میری دنیا اس کے پاس  
ہے - یا - بجائے جہان جنان بمعنی دل - سوزش نب - یا - سوزش و تب -

صفحہ ۳۰ - دریاے دمان را وگراست - دریاے دمان و گراہست -

صفحہ ۳۱ - بشاخ سرو بر کلام قدما بین ایک اسم پر دو دو حرف جار لانا کثیر الوقوع ہے  
جیسا کہ شیخ سعدی و بجاچہ گلستان میں فرماتے ہیں ”و بشکر اندرش مزید نعمت“ اس جگہ

سرو بن بھی پڑھ سکتے ہیں - اعداے دین ز انکس بجائے ز انکس از نیم - یا - از غم  
صفحہ ۳۲ - ولی چون روے او - - - - - و گرچہ - - - - - مجھے چون کی جگہ - تا - اور و گرچہ کی  
جگہ چنانکہ اچھا معلوم ہوتا ہے -

صفحہ ۳۳ - چگونہ ہول جیوانے ز بالا و زریاں پیلے و کجا پیلے زریاں زوتا جہان باشد جہان باشد  
بہ بالا چون اور پیلے کی جگہ پیل اضافت کے ساتھ مصرع ثانی بین - اور - زو - کی جگہ -

کو - سے شعر صاف ہوتا ہے - اصل سے بھی معنی ہیں - ز بالا و یعنی و بالا - ز -  
زیادہ ہوگی -

صفحہ ۳۶ - پدید گشت کہ آن از چہ روے و از چہ نہاد کہ کی جگہ - نہ - صاف ہے -  
یعنی مدوح کی پیشین گوئی کرنا علل و اسباب کی بنا پر نہیں بلکہ محض کرامت ہے -

کاف کے ساتھ شاید یوں ہوگا - کہ آن کرامت از چہ روے و از چہ نہاد پدید گشت -

صفحہ ۴۰ - گر کوہ اُحد برفتہ و بر جگر آید و گر کی جگہ - گو - یا ہم صاف ہے -

صفحہ ۴۵ - ہر کہ اوتیز ہوش تر ز ادب و ز - کی جگہ - بہ - بہتر ہے

صفحہ ۴۶ - گل بروید ز آذر و خرداد + بہ آذر و خرداد

صفحہ ۴۷ - کاخ تو چونکہ کشت چونکہ - سے - مثل - صاف ہے

صفحہ ۵۲ - گوہر اندر زیر گنجران زیر جوتے کا تلا - یہ معنی زیر کے شاید قدیم نہیں - لہذا - پائے - پڑھو - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ - اندر زیر - میں اندر زائد اور زیر کے معنی تحت

کے ہوں -

صفحہ ۵۳ - سپاہ شاہ انگار ”چومن“ کے ساتھ سپاہ شاہ اچھا نہیں - اس سے بہتر سپاہ سام ہے جو مدون نے فٹ نوٹ میں لکھا ہے - اور اس سے بہتر سپاہ شام بمعنی تارگان ہے

صفحہ ۵۴ - باغے چو پیوتن مہر خرم - مہر کی جگہ یار زیادہ مناسب ہے

صفحہ ۵۶ - براہل سلاسل نکر دست جیدر + سلاسل جمع سلسلہ بمعنی زنجیر - اس لفظ کی خوبی بلکہ معنی میں نہ سمجھ سکا اس لئے - براہل یہود آن نکر دست جیدر - یا - براہل اُحد آن -

تجویز کرتا ہوں -

خوشا کاخ و باغے کہ داری - بشادی درین کاخ مے خور و زین کاخ بر خور

ظاہر ہے کہ مصرع ثانی میں بجائے کاخ ثانی - باغ - چائے -

صفحہ ۵۹ - بر میان شان حلقہ بند کمر شمس زر حلقہ کمر شمس زر کے معنی ڈاب (کمر پٹی) -

بگلوں) کا کھٹکا (زما دگی) - یا - اول دآخر ہر دو شبن مجھے بمعنی سبیکہ و شوشہ زر - ڈالا یا

سلاخ سونے کی - مصرع ثانی یوں بھی پڑھ سکتے ہیں سہ زیر ران با ساز زیرین مرکبان

راہوار +

شمس زر کا ترجمہ انگریزی میں رائٹوٹ آف گولڈ) ہے

صفحہ ۶۲ - طریقہ ماش چو نرم آہائے سیل از گل + اس کے الفاظ کی نشست وقت

میں ڈالتی ہے - اس طرح صاف ہو جاتا ہے سہ طریقہ ماش ہمہ نرم ز آب سیل چو گل

خدا صبح خار

صفحہ ۶۳۔ فروغندہ بلوچ مدون نے فروقنادہ بمرج بھی نسخہ لکھا ہے۔ اور میں فرار سیدہ پچرخ تجوینہ کرتا ہوں۔

مال تجار بھی جمع قلت ناجر ہے۔ اور اگر مال و تجار عطف کے ساتھ پڑھیں تو مال کے معنی آؤٹ اور تجار بفتح کے معنی کھوڑے کے ہوں گے۔

زآب گنگ ہانا گذشتہ نیست دوبارہ یوں بہتر ہے سے زآب گنگ ہانا گذشتہ نے یکبار۔

صفحہ ۶۵۔ چہ آبہائے تا گنگ رفتہ از کسار + باوجود مذنب ہونے کے یوں ترجمہ کرتا ہوں + چہ آبہائے از گنگ رفتہ تا کسار +

صفحہ ۶۸۔ بصد پے اندر وہ جائے ریگ چون سرمہ + بجائے سرمہ۔ پتہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ستا کھائے درخت و شیر ہائے کمر + واو کی جگہ۔ از۔ چاہئے۔ یعنی پوکھائے کمرخت کی شاخوں میں پھنس گئے تھے۔ جس سے شاخیں پائے باز کی طرح پر از جلاجل ہر گئی تھیں۔

صفحہ ۶۹۔ پیچو نیلوفر۔ یا۔ برگ نیلوفر

صفحہ ۷۳۔ گرفت راہ زرہ باز رفتگان دگر دیوں واضح تر ہے سے گرفت رہ زرہ باز رفتگان دیگر۔ یک ماہ راہ یک ماہ راہ۔ کردندے از کرانہ حذر یا۔ کردندے از میانہ حذر۔ بفال نیک شہ پر دل آب را بگذاشت۔ یا۔ بفال نیک شہ پر دل آب را بگذاشت۔ بہادر بادشاہ نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا

صفحہ ۷۵۔ عقل چو جہل۔ علم چو جہل

صفحہ ۷۶۔ ہمایو شہریار۔ ہمایوں شہریار

صفحہ ۷۸۔ گودکانرا کو کنار۔ اگرچہ کو کنار کے ساتھ کو دک مناسب ہے۔ مگر بد سگالان کے ساتھ دوستداران موزون معلوم ہوتا ہے۔ نیز بیدار کے ساتھ تشبیہ خوابیدہ کی اچھی



نہ معلوم ہوئی۔ یا یوں مانیں کہ تنبیہ فعل بیم اور فعل کو کنار میں ہے۔ نہ خواب و سیداری میں صفحہ ۹، کنگرہ کاخ۔ کنگرہ کاخ بلا اضافت ظاہر۔ مگر اضافت باطن اضافت متعدّد جگہ اس ایرانی ایدیشن میں ہمزہ برائے اضافت ایسی (ہ) پر چھپ گیا ہے۔ صفحہ ۸۲۔ روز و شب برخش از۔ روز و شب روئے اواز۔ گلنار برخش اچھا نہ معلوم ہوا۔

نوگیروئے نوش گوار۔ نوگیروئے نوشگوار (از سر نوگیر)

صفحہ ۸۴۔ چون یار آراستہ ذریبا۔ یا ہموار (یہ نسخہ خود فٹ نوٹ میں موجود ہے) کو راہمہ حال صحیح اور اکند آوری گوئے بردی ز آرزو محشی لکھتے ہیں کہ کند آوری بمعنی شجاعت و دلیری یا آرزو بنگرہ مناسبت ندارد و متحمل است اس مصرع تحریف و تصحیف شدہ باشد (بیشک ایسا ہی ہے) و در بعضی از نسخ آوز بدال معجمہ بود انہم معنی درست ندارد۔ میں نوذر تجویز کرتا ہوں۔ جو منوچہر کا بیٹا تھا۔ معنی ترکیبی پسر دلیر کے ہیں \* صفحہ ۸۶۔ خنک اشقر بہتر ہے کہ خنک و اشقر عطف کے ساتھ پڑھا جائے صفحہ ۸۸۔ شیران سبہ افریقیہ کے شیر۔ یہاں مراد شجاعان سیہ قام۔ یا۔ شیران سپہ معنی دلیران فوج۔

صفحہ ۹۰۔ بادنیز تیری خدمت میں میری بھی زندگی ہو۔ یا۔ بجائے نیز۔ دیر۔ پڑھو۔ صفحہ ۹۱۔ آن کس کہ وہ خلق جو اخلاق کو راہ دے گا وہ ممدوح کے فضل کا اقرار کرے گا (۲۲ جو ذات (خدا) مخلوق کو پیدا کرتی ہے۔ اس کو بھی اس کی فضیلت کا اقرار ہے۔ ان جھگڑوں سے تو یہ بہتر ہے کہ یوں پڑھا جائے کہ آزا کہ بود عقل بفضلتش بہ اقرار یا۔ بود اقرار

تا و در بلغار۔ تا۔ ڈر بلغار۔ ڈر بمعنی قلعہ

صفحہ ۹۲۔ بنالید ملک بہتر ہے کہ۔ بنالیدہ ملک پڑھیں اور ملک سے مراد اہل ملک

ممکن ہے کہ تیورس سال بادشاہ کا کوئی مرگیا ہو اور بادشاہ رویا ہو  
 در ماندہ بماند ماندن کو متعدی ماننا پڑے گا اس لئے گذاشت - یا - کرد پڑھو  
 چہ بارت چہ چندین گفتار چہ بارت و چہ چندین گفتار مع عطف  
 صفحہ ۹۳ - ریز و خوار گرد و خوار خفتی آن خفتن - یا - خفتنی خفتی کن خواب  
 صفحہ ۹۴ - خفتن بسیار انخسرو نحوے تو نبود - یا - نحوے تو خفتن بسیار نبندے خسرو  
 صفحہ ۹۶ - آزا کا بین تیغ ... اس مصرع نے عاجز کر دیا - فرہنگ میں عقلی  
 گدے لگائے ہیں -

صفحہ ۹۷ - مسمار چوب نقارہ - اس کی جگہ حاشیہ میں خود ہی مزار - نسخہ ہے  
 دشت و چو پر نیان صحیح چون وشی و پر نیان

صفحہ ۱۰۱ - چو دراپشت و پناہ و امن را یسر و یسار قصیدہ کی بحر رمل مخبون ہے - اور  
 اس مصرع کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہوتا ہے - اگر مخبون میں لائیں  
 تب بھی تیسرا رکن فاعلاتن رہتا ہے - جو میرے علم سے باہر ہے (مگر میرا علم ہی کیا)  
 تیسرا رکن بر وزن مفعولن بوجہ تسکین اوسط مخبون میں دیکھا گیا ہے - چونکہ میں اس وزن  
 سے نا بلد تھا - اس لئے یوں بنالیا ہے جو دراپشت و پناہ بہرمان یسر و یسار +

صفحہ ۱۰۳ - دشت باغے گشت - یا دشت کشر گشت - کشر شہرے حسن خیز کہ زردشت دران  
 سروے کاشتہ بود - ہمہ گم گشتگان ہی گشتند ہمہ کی جگہ ہیچو گشتند کے فاعل بڑھائے  
 کو ہی -

صفحہ ۱۰۴ - گشتہ صحیح گشتہ نشاط کردن و چو گان در زم و بزم و شکار پہلے مصرع میں  
 چار چیز کو منتخب خسرو کہا ہے - اور یہاں پانچ ہو جاتی ہیں - لہذا نشاط کردن و چو گان  
 بغیر و او پڑھو - یعنی نشاط کردن و چو گان -

صفحہ ۱۰۵ - مصافی چون مصافے چو - یہاں مصاف مطلق میدان کے معنی ہیں -



- صفحہ ۱۲۲- وایزد بود - زایزد بود - آنرا کہ تور اگوید آن کس کہ ترا گوید -
- صفحہ ۱۲۳- حال حذر حال قابل اجتناب - یا - جان بضر - یا - جان بخذر -
- صفحہ ۱۲۴- جلوہ کردہ بامہ محشی نے بنا ز نسخہ لکھا ہے اور میں چہ ماہ بھی تجویز کرتا ہوں -
- صفحہ ۱۲۵- گر کہ سرمایہ می گر چہ سرمایہ می ہنر است -
- صفحہ ۱۲۶- کہ ز مردم بدانند کہ ز مردم بدار داین مقدار ؟
- صفحہ ۱۲۷- بباد پرچم بود صحیح بباد برچم بود (ہوا پر سلیمان ہیں)
- گر ہی شیر گشت شتر زہ نہ کہ ہی گشت شیر شتر زہ نہ یا
- دید ی اورا بدین جوانمردی گہ چنین گشت شیر شتر زہ نہ
- صفحہ ۱۲۸- راست گفتی جداے گشت بتیر + راست گفتی جدا شدت بتیر +
- صفحہ ۱۳۲- بہ روز رزم حدیثی بجای رزم - بزم چاہئے - کلای تو صبح کلاہ تو
- چہ ابر با کف دینار بار تو چہ گرد بجای گرد اگر رمہ بمعنی کمر اہو تو بھر اور شمر کی طرح
- ابر اور رمہ ایک صنف یا مقابل کی چیزیں ہو جاتی ہے -
- صفحہ ۱۳۴- گو بد رگاہ میر ما بگذر - یا - گو ز در گاہ میر ما بگذر + اے تاجا دزن کن
- صفحہ ۱۳۵- زوہرہ تیز زوہرہ تیز بغیر اضافت -
- (باقی دارد)

سید اولاد حسین شاہاں بگرامی

# منوچہری اور اُس کا کلام

تمہید۔ نویں صدی عیسوی کے اخیر پر فارسی ادبیات کے دلکش چمن میں موسم بہار کا آغاز تھا۔ بتدریج اس چمن میں نہایت خوشنما پودے قدرت کی آبیاری سے بڑھنے شروع ہوئے اور پھلے پھولے اور صدیوں تک یہ باغ ہرا بھرا اور لہلہاتا رہا جس کی باغبانی کے لئے بہت سے اہل کمال اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ غزنوی دور حکومت وہ زمانہ تھا جب اہل علم و فضل کی بہت تلاش اور قدر کی جاتی تھی۔

نیشاپور۔ غزنوی۔ بخارا کے علاوہ جنوب مغربی علاقہ میں اور کئی ایک ادبیات کے مرکز تھے جن میں سے رُسے یا اصفہان میں دربار صاحب اسمعیل بن عباد بخارا میں دربار سامانیہ۔ طبرستان میں دربار شمس المعالی قابوس بن وشمگیر اور خیوا کا دربار خوارزم شاہی بہت مشہور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے مفصل حالات پر قلم اٹھانا ایک لمبا کام ہے۔ تاہم اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے عام حالات اور سلطان محمود کے دربار کی محل کیفیت سے مطلع ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تاکہ ناظرین کو معلوم ہو سکے کہ ہمارے شاعر نے کس ماحول میں زندگی بسر کی۔

عام طور پر مشہور ہے کہ سلطان محمود خود بھی کبھی کبھی شعر کہا کرتا تھا۔ چنانچہ عونی مصنف لباب الالباب نے اسے ان لوگ کے شمار میں دوسرے درجہ پر رکھا ہے جو اتفاقاً شعر کہا کرتے تھے مستشرق ایتھے کا خیال ہے کہ اس کی طرف چھ غزلیں منسوب ہیں۔ عونی نے چھوٹے چھوٹے دو قطعے نقل کئے ہیں۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان محمود اہل ہنز کا بڑا قدر دان تھا اور اس کے درباری شعرا کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ صاحب تذکرہ کا خیال ہے کہ محمود

کے دربار میں کم از کم چار سو شاعر مستقل طور پر دائرِ سخنوری دیا کرتے تھے۔ غنوی ان سب کا سرگروہ تھا۔ محمود نے اسے ملک الشعراء کا خطاب دیکر اس کے ذمہ یہ فرض عاید کیا ہوا تھا۔ کہ ملک کے مختلف اطراف سے اچھے اچھے شعرا کو تلاش کر کے دربار میں حاضر کیا کرے۔ جو محمود کی علمی قدردانی کی بین دلیل ہے۔ صاحبِ مجمع الفصحی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان مسعود خراسان سے غزنی کو آیا۔ اور تمام شعرا نے اپنے اپنے قصائد پیش کئے جس پر سلطان محمود نے ہر ایک کو بیس ہزار درہم اور زینتی اور غضائری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ اس واقعہ سے بھی محمود کی علمی قدر شناسی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ منوچہری کو محمود کے سب سے زیادہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ دراصل وہ سلطان محمود کے بیٹے مسعود کا درباری شاعر تھا۔ لیکن عام طور پر اسے محمود ہی کے شعرا میں گنا جاتا ہے۔ یہ مضمون دو حصوں پر منقسم ہے۔ اول مختصر سوانح منوچہری۔ دوم اس کی شاعری پر ریلو۔ اخیر میں محققان منقسم کئے گئے ہیں۔ حتیٰ الوسع کوشش یہ کی گئی ہے کہ شاعر کے دیوان سے جو واقعات اخذ ہو سکیں ان کو زیادہ قابلِ حجت قرار دیا ہے۔ کیونکہ عموماً تذکرہ نویس کسی واقعہ کے متعلق متفق الرائے نہیں ہیں۔ صرف ان واقعات یا روایات میں تذکروں سے استدلال کی گئی ہے جن پر جمہور کا اتفاق ہے۔ دراصل کسی مصنف کے اصلی حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے اپنے تصانیف سے بڑھ کر اور کوئی ماخذ زیادہ قابلِ صحت نہیں ہو سکتا۔ فنقول وبالله التوفیق۔

### حصہ اول (سوانح منوچہری)

نام اور جائے ولادت | حکیم ابو الخیم احمد بن یعقوب دیوبند مدنی ...

تذکرہ۔ ایڈیشن پروفیسر براؤن صفحہ ۴۴-۴۵

کے اخیر دامغاں میں پیدا ہوا جیسا کہ وہ ایک شعر میں کہتا ہے ۔

سوئے تاجِ عمرانیاں ہم بدینیاں بیادِ منوچہری دامغانی  
مگر صاحبِ تذکرہ کا گمان ہے کہ اس کا اصل وطن بلخ تھا۔ لیکن اس  
نے اپنے اس قول کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ منوچہری کے سلسلہ نسب  
کے متعلق ہمارے معلومات کسی حد تک محدود ہیں۔ عوفی نے اس کا سلسلہ اس  
طرح بیان کیا ہے۔ ابو الختم احمد بن قوص بن احمد منوچہری لیکن باقی تمام مصنفین  
اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے والد کا نام یعقوب تھا۔ ہاں یہ یقینی امر ہے۔  
کہ وہ شاہی خاندانِ سامانیہ کی اولاد میں سے تھا چنانچہ وہ کہتا ہے ۔

منم از نژادِ بزرگاں سامان کہ بودند شاہانِ چتر و کوکب  
منوچہری اپنے استادِ عنفری (متوفی ۳۸۰ھ عیسوی) کی وفات کے ایک سال  
بعد یعنی ۳۸۱ھ میں فوت ہوا۔ اس امر کا افراز کہ وہ عنفری کا شاگرد تھا۔ اس نے  
خود ایک قصیدہ میں کیا ہے جو اس کی مدح میں کہا گیا ہے ۔

اوستادِ اوستادانِ زمانہ عنفری عنفرش بے عیب و دل بے غش و بیش بے فتن  
کو جبریر و کو فرزدق کو زہیر و کو لبید رو بہ و عجاج و دیک الجن و سیفِ ذویزن  
گو فرزا آیند و شعر او ستادم بشنوند تاغریزی و روضہ سیند و طبعی نستر  
آں رسولِ مرسلِ ایں شاعرانِ روزگار شعر او فرقان و معنیہاں سترتا سترن  
میر تقی کاشی صاحبِ خلاصۃ الافکار اور رضا قلی خاں کا خیال ہے کہ  
منوچہری امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن محمد الجوبینی کا شاگرد تھا۔ جو امام  
حجۃ الاسلام غزالی کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں ۔

۱۔ تذکرہ صفحہ ۴۰ ۲۔ باب الاباب مرتبہ پروفیسر براؤن جلد دوم

صفحہ ۵۳ ۳۔ مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۵۴۲ ۔

**لقب** | منوچہری عام طور پر شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہے۔ مؤرخین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ جہور کا خیال ہے کہ چونکہ اس کے پاس اونٹوں اور بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ اس لئے وہ شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ یہاں شصت کا لفظ عدد معین کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے معنی میں متعل ہے۔ بعض محققین لفظ گلہ کو بکاف عربی مفتوح اور لام کو مشدود پڑھتے ہیں۔ اور اسے عربی کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ جس کے معنی تلوار کُند کے ہیں اور شصت بمعنی براکت۔ یعنی چونکہ اس کا انگوٹھا کرم خور وہ تھا۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہوا۔ بعض دیگر لفظ گلہ کو بضم کاف عربی اور بہ تخفیف لام مفتوح ٹوپی کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیاں کرتے ہیں کہ اس کے پاس ساٹھ قسم کی ٹوپیاں تھیں۔ لیکن کوئی صاحب فرست اس دراز قیاس توجیہ کو ایک آن کے لئے تسلیم کرنے کی نیا نہیں۔ ان تمام احتمالات میں سے پہلے معنی سب سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف محمد بن علی بن سلیمان الراوندی مولف کتاب راحة الصدور آیت السرد (تاریخ آل سلجوق) کا خیال ہے کہ سرے سے یہ لقب منوچہری کا نہیں بلکہ بارہویں صدی عیسوی کے ایک اور شاعر کا ہے جس کا نام شمس الدین احمد بن منوچہر ہے اس خیال کے مطابق یہ لقب یا تو عدا منوچہری دامغانی کے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اور یا احمد اور منوچہر کے دو ناموں کے اشتراک کی وجہ سے متاخرین کو دھوکا لگ گیا ہے۔ ایک لحاظ سے راوندی کی یہ روایت زیادہ قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ شمس الدین احمد بن منوچہر کا ہھر تھا۔ تاہم اس خیال کو سوائے پروفیسر براڈن کے اور کسی نے صحیح نہیں مانا۔



عونی اس بارہ میں بالکل خاموش ہے۔ لیکن رضا قلی خاں - امین رازی - آذر - دولت شاہ - شبلی اور مظہر حسین تمام اس پر متفق ہیں کہ یہ لقب منوچہری دامغانی کا تھا۔ جمہور کے خیال کے خلاف ہونا اس روایت کی صداقت کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

**تخلص** | منوچہری ابو الفرج سید تانی (متوفی ۷۲۰ھ) کے پاس تکمیل تعلیم کر کے امیر منوچہر بن قابوس بن دشمنگیر والی جرجان (متوفی ۷۲۹ھ) کے دربار میں آیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے اس نے منوچہری تخلص اختیار کیا۔

**ہجرت غزنی** | جب ۷۲۹ھ میں امیر منوچہر نے وفات پائی تو اس کے حقوق عرصہ بعد منوچہری رے سے غزنی میں آگیا۔ اور ملک الشعراء عنصری کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جو بالعموم قصیدہ شمع کے نام سے مشہور ہے۔ عونی اور دولت شاہ نے اسے نقل کیا ہے اور پروفیسر براؤن نے بھی قریباً ۲۵ شعر کا ترجمہ دیا ہے۔ آذر اور شبلی نے بھی چند اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ چونکہ یہ قصیدہ کئی لحاظ سے عجیب و غریب ہے اس لئے ہم بھی اس کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

اے نہادہ بر میانِ فرق جانِ خویشتن	جسم ما زندہ بجانِ و جان تو زندہ بتن
ہر زمانِ روح تو لختے از بدنِ کمتر کند	گوئی اندر روح تو منضمِ ہی گرد و بدن
گر نہ کوکب چرا پیدا نگردی جز بہ شب	در نہ عاشق چرا گرئی ہی بر خویشتن
کوکبی آری لیکن آسمانِ تست موم	عاشقی آری لیکن ہست معشوقِ ت لگن
پیر بن در زیر تن پوشی و پوشد ہر کسے	پیر بن بر تن تو تن پوشی ہی بر پیر بن

لے لمباب الالباب جلد دوم ۷۵ تذکرہ صفحہ ۴۱ ۷۵ تاریخ ادبیات

ایران جلد دوم صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶ ۷۵ آتشکدہ بمبئی ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۷ھ

صفحہ ۲۹۶ ۷۵ شعر النعم جلد اول صفحہ ۱۸۶

چون میری آتش اندر تو رسد زندہ شوی  
 تاہمی خندی ہی گرتی و این بس نادرست  
 بشفگی بے نوبہار و پشہ مری بے مہرگان  
 تو مرانی بعینہ من ترا مانم درست  
 خوشن سوزیم ہر دو بر مراد و دوستان  
 ہر دو گر یانیم ہر دو زور و ہر دو در گزند  
 آنچہ من در دل نہادم بر سرست بنیم ہی  
 راز دار من توئی ہموارہ یا ر من توئی  
 روی تو ہوں شنبلید نوشگفتہ بامداد  
 از فراق تو بگشتم عدد آفتاب  
 من دگر یار این خود را از مودم خاص و عام  
 تو ہی تابی و من بر تو ہی خوانم بہر  
 استاد و استادان زمانہ عنصر می  
 شعر او چون طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع  
 زین فرو تر شاعران دعوی و زو معنی پدید  
 در زغن ہرگز نباشد فراسپ را ہوار  
 تاہمی خوانی تو اشارش ہی خائی شکر  
 مجلس استاد تو چون آتش افروخت است

چون شوی بیمار ہتر گرومی از گردن زد  
 ہم تو معشوقی و عاشق ہم ہستی ہم شمن  
 بگرتی بے دیدگان و باز خندی بے ہن  
 دشمن خویشیم ہر دو دوستدار انجمن  
 دوستان در راحت اندازا و اندر حزن  
 ہر دو سوزانیم ہر دو فرد و ہر دو مختن  
 آنچہ تو بر سر نہادی در دلم دارد وطن  
 غمگسار من توئی بن آن تو۔ تو آن من  
 روی من چوں شنبلید پشہ و چمن  
 وز وصال بر شب تیرہ شد ستم مقتن  
 نے ستن شان راز دار و نے وفاندر دن  
 ہر شبے نار و ز دیوان ابوالقاسم حسن  
 عنصرش بے عیب و دل بے غش و دیش بے فن  
 طبع او چون شعرا و ہم با ملاحات ہم حسن  
 این حکیمان دگر یک فن و او بسیار فن  
 گرچہ باشد چون صہیل اسپ آواز زغن  
 تاہمی گوئی تو ابیاتش ہی بوئی سمن  
 تو چنان چوں اشترے بے خواستار اندر طن

ایک اور قصیدہ میں سے جو عنصری کی مدح میں ہے چند اشعار یہ ہیں ۔

بنام خداوند بزدان اعلیٰ  
 ملک السموات و خلاق الارضین  
 کہ دارائے دہراست و دادار موی  
 بفرمان او ہرچہ علوی و سفلی

نشتم بر آن ناقہ آل پیکر      فگندم براو طلع و دبو مصلیٰ  
 سپردم بدین ناقہ چونیں قمارے      چودانا کہ دارد بجدے و ہزلی  
 چو سہلے بریدم رسیدم بوعے      چو وعے بریدم رسیدم بوعے  
 برامید ویدایہ استاد فاضل      چراغ ہدایات و نور ستجلی  
 ہمیش کنیت نیک و ہم نام فرح      ہمیش نام پیغبر رب اعلیٰ  
 یکے نام دارے کہ از پشتِ آدم      نیاید با فضال او بیچ فضلی  
 بعض تذکرہ نویسوں      صاحب مجمع الفصحیٰ اور مولانا شبلی کے خیال  
 کی غلط خیالی      کے مطابق منوچہری سلطان محمود کے حلقہ شعرا  
 میں ملک الشعراء عنصری کی وساطت سے شامل

ہو گیا اور اپنے نئے ممدوح (سلطان محمود) اور اس کے بیٹوں محمد اور مسعود کی مدح میں قصیدے لکھے۔

**تبصرہ** | مندرجہ بالا خیال درست نہیں۔ کیونکہ شاہزادہ منوچہر سلطان محمودؒ سے پہلے مرا ہے۔ چونکہ دیوان میں محمود کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ منوچہریؒ ۳۱۰ھ سے پہلے غزنی میں نہیں آیا چونکہ محمودؒ اسی سن میں مرا ہے۔ لیکن چونکہ دیوان میں بعض قصائد سلطان مسعود کے وزراء کے علاوہ خواجہ حسن میمنہ کی مدح میں جو ۳۲۰ھ میں مرا پائے جاتے ہیں۔ اس لئے منوچہری یقیناً ۳۲۰ھ سے پہلے غزنی آ گیا تھا۔ پس ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ

۱۔ جلد اول صفحہ ۵۴۲ - ۲۔ شعرا بحم جلد اول صفحہ ۱۸۶-۷

۳۔ شبلی نے شاہزادہ منوچہر کی تخت نشینی اور وفات کی تاریخیں ۳۸۶ھ جبری یعنی ۹۹۵ء اور ۴۱۱ھ جبری یعنی ۱۰۲۰ء تا ترتیب دی ہیں۔ لیکن پروفیسر براؤن نے ۱۲-۱۳ء اور ۲۹-۳۸ء تاریخیں دی ہیں اور یہی درست ہیں۔

سنہ میں غزنی آیا۔  
**تاریخ ہجرت کے متعلق** | اس کے علاوہ دیوان میں اور بعض مقامات  
 سے بھی اسی تاریخ ہجرت کی مزید تائید ہو سکتی  
 ہے مثلاً

غیر است از رے خسرو ایراں مرا بر شدت میل  
 خودز تو ہرگز نیندیشید در حین سنین  
 واقعہ یہ ہے کہ سنہ میں جبکہ سلطان مسعود ساری اور آمل کے رستہ  
 غزنی کو آ رہا تھا۔ تو منوچہری اس وقت رے میں تھا اور مسعود نے اسے دربار  
 میں آنے کی فرمائش کی چنانچہ وہ خود گننا ہے۔  
 دانی کہ منی مقیم بردر گہ شہنشاہ تا ہا ز گشت سلطان از لالہ زار ساری  
 دین دشتا بریدم وین کوہ ہا پیادہ دوپائے باجراحت دو دیدہ گشت تاری  
 اس بات کا ثبوت کہ وہ غزنی آنے سے پہلے رے۔ جرجان۔ شروان اور  
 نوافین وغیرہ میں پھرتا رہا۔ ایک اور شعر سے بھی ملتا ہے۔  
 شاعرانہ در رے و گرگان و در شروان کہ دید

بدرہ عدلے بہ پشت پیل آوردہ بزین  
 آنچہ این مہتر دہ روزے بکتر شاعرے

معتم ہرگز بعمر اندر نداد و مستعین  
 اس میں کچھ شک نہیں کہ غفری کی شہرت۔ ہر دلعزیزی اور ملک شعرانی  
 کی وجہ سے غزنی اور دیگر شہروں میں اس کا بہت اثر تھا۔ اس کے علاوہ اس  
 کا مختلف بلاد و اعمار کے شعرا کو دربار میں متعارف کرانا اور منوچہری کا اس  
 کی مدح میں قصائد لکھنا وغیرہ تمام امور اس بات کا خیال دلاتے ہیں کہ

منوچہری کی دربار غزنوی میں رسائی بھی عنصری ہی کی وساطت سے ہوئی لیکن منوچہری کے اپنا شعار بتلا رہے ہیں۔ کہ وہ خاص سلطان مسعود کی ذاتی فرمائش پر غزنی میں آیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کے علاوہ منوچہری کا یہ کہنا کہ اس نے غزنی آکر سوائے سلطان مسعود کے اور کسی کی مدح نہیں کی اور اس کے ساتھ ہی سلطان محمود کی مدح میں تمام دیوان بھر میں کوئی قصیدہ نہ ہونا رافضی اور شبلی کے اس خیال کو کہ منوچہری محمود کے دربار میں تھا باطل ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہے کہ محمود جیسے قدردان پادشاہ کے دربار میں اس کی قدر نہ ہوئی حالانکہ محمود جو کہ عموماً علم و ہنر کا پایہ شناس تھا۔ غیر ممالک کے علما و فضلا کی طرف غیر معمولی توجہ مبذول کیا کرتا تھا پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ منوچہری کی کیوں قدر نہ کرتا جس پر منوچہری کی مدح سرائی محمود کی قدر شناسی کو چار چاند لگا دیتی۔ اس لئے صرف محمود کی مدح میں دیوان بھر میں کوئی قصیدہ نہ ہونا ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ منوچہری محمود کی وفات کے بعد غزنی میں آیا۔

منوچہری کی | جب منوچہری غزنی میں آیا تو وہ ابھی عالم شباب میں تھا۔  
علمی قابلیت | جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ع۔

حاسد م گوید کہ ماہیر کیم و تو بر ناتری

لیکن وہ بالکل نوجوان بھی نہ تھا کیونکہ علم دین۔ سخن اور طب اور بالخصوص عربی نظم کے متعلق اسے جو واقفیت حاصل تھی جس پر وہ بدیں الفاظ فخر کرتا ہے ع۔  
من بدانم علم دین و علم سخن و علم طب

سہ شبلی کا بیان ہے کہ منوچہری نے سلطان محمود کے بیٹے محمد کی مدح میں قصائد کے لیکن دیوان سے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ منوچہری دربار غزنوی میں محمد کے دور حکومت کے بعد آیا ہے جیسا کہ ہم اوپر مفصل لکھ چکے ہیں +

اور ع من بے دیوان شعر تازیان دارم زہر  
وہ غزنی میں آنے سے پہلے اُس کی تکمیل کر چکا تھا۔ اسے غزنی میں بلائے  
جانے کا بجز اس کے اور کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ کہ وہ فطری ذہانت اور  
قابل رشک شاعرانہ اوصاف کا مالک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وہ نظمیں جو اس  
نے غزنی میں آنے کے بعد کہیں فصاحت و بلاغت کے زیور سے آراستہ ہیں۔  
جن سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر نے بہت وسیع مطالعہ کیا ہوا ہے۔

دربار شاہی | جب منوچہری دربار غزنی میں آیا تو ان دنوں سلطان مسعود  
میں رسوخ کا دور حکومت تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے عام  
ہردلعزیزی کے علاوہ دربار میں اس درجہ تک رسائی حاصل کر لی کہ وہ جس  
وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کر سکتا تھا۔ یعنی منصب ترخانہ  
حاصل تھا۔ سلطان مسعود سنہ ۳۸۵ھ میں تخت پر بیٹھا اور دس سال تک حکمران  
رہا۔ اس مدت میں منوچہری اس کے دربار میں رہا۔ اور درحقیقت منوچہری  
سے بڑھ کر اور کوئی شاعر مسعود کا مصاحب ہونے کے زیادہ قابل بھی نہ تھا کیونکہ  
وہ اس کے اندرونی جذبات و عادات کا بہت گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ جن کا  
وہ پوری طرح اظہار کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دولتمند ہوتا  
چلا گیا۔

من بندہ را بر حست کردی بزرگ شہا پایندہ باد تختت پایندہ بختیاری  
ہجرت غزنی سے | غزنی میں آنے سے پہلے زمانہ کے کلام میں سے دیوان  
پہلے زمانہ کا کلام | میں صرف دو تین نظمیں ملتی ہیں۔ لیکن ہر ذی ہوش  
اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک درباری شاعر کا صرف  
یہی سرمایہ نہیں ہو سکتا اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس زمانہ کے

کلام کا بیشتر حصہ خواہ شاعر کے اپنے ہاتھوں اور خواہ ٹولغین دیوان کی لاپرواہی کی وجہ سے ضائع ہو گیا ہے۔ کماسیاتی

چونکہ امیر منوچہر سلطان محمود کا داماد تھا اس لئے غالباً منوچہری نے جو مدحیہ تصانیف منوچہر کی مدح میں کہے ان میں منوچہر کے خسر یعنی محمود کا بھی ذکر کیا ہوگا۔ جیسا کہ سلطان مسعود کے وزراء کی مدح میں جو قصیدے موجود ہیں۔ ان میں مسعود کی بھی مدح پائی جاتی ہے۔ لیکن محمود اور مسعود کی مخالفت کوئی چھیڑتی بات نہ تھی جیسا کہ خود منوچہری اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

گوئی محمود بود پیش ز مسعود نے مسعود ہست پیش ز محمود  
 چھو سلیمان کہ بود پیش ز داؤد پیشتر از زال بود رستم زال  
 اسلئے منوچہری غزنی میں آئے اور مسعود کی مدح کرنے کے بعد وہ شعراء جن میں محمود کی ابو اسطہ مدح پائی جاتی تھی۔ دیوان میں باقی نہ رکھ سکتا تھا کیونکہ مسعود کی مدح محمود کی چھوڑ دو دی مدح محمود کی چھوڑ کر متراہن تھا اس کے علاوہ منوچہری علانیہ کہہ رہا ہے کہ اس نے دو مدح اختیار نہیں کئے۔  
 جزو بردر شہنشہ بردر گئے زرقم نہ بردر تجازی نہ بردر بخاری  
 چون تو نیم کہ خدمت کمتر کنی و مہتر۔

ان امور کی بنا پر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ منوچہری کا ابتدائی کلام ضائع ہو گیا ہوگا اور غالباً اس نے خود عمداً اس کو نیست و نابود کر دیا ہوگا۔ یہی امر اس بات کی وجہ ہے کہ اس کا دیوان دیگر شعرائے فارسی کے دوادین کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔

منوچہری کی زندگی کے آخری ایام

منوچہری اپنے ممدوح مسعود کے بعد تھوڑے عرصہ زندہ رہا۔ گو مسعود کی وفات پر کوئی مرثیہ یا اس کے لئے بعض کہتے ہیں کہ منوچہری اور سلطان مسعود نے ایک ہی میں وفا پائی

جانشین کی تحت نشینی پر کوئی قصیدہ دیوان میں موجود نہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوا ہے کہ اس نے عود کے قتل (۱۷۸۷ء) کے بعد کے پُر آشوب زمانہ میں شعر گوئی کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی +

**کلام کی تالیف** | اس کے کلام کا جو مجموعہ ہم تک پہنچا ہے وہ بیشتر قصائد و مسلمات پر مشتمل ہے۔ جس میں تین ہزار کے قریب شعر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل دیوان تیس ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ موجودہ دیوان رضا قلی خاں ہدایت مصنف تذکرۃ مجمع الصفیاء کی کاوش کا نتیجہ ہے جو اس نے مختلف بلاد و اعمار خصوصاً طہران و شیراز وغیرہ سے تفحص کے بعد تالیف کیا جیسا کہ وہ اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

”میں مدت سے منوچہری کے کلام کی تلاش میں تھا۔ ۱۲۷۷ھ ہجری میں مجھے شیراز میں اس کا ایک مختصر مجموعہ ملا۔ جس میں سے بعض میں سے بعض اشعار میں نے اپنی کتاب مجمع الصفیاء میں نقل کئے ہیں +

**دیوان کی اشاعت** | منوچہری کے دیوان کی اشاعت عام نہیں ہوئی صرف تین ایڈیشن ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ (۱) مطبوعہ مشهد ۱۲۹۲ھ ع۔ یہ ایڈیشن مکمل ہے۔ (۲) مطبوعہ طہران شائع کردہ میرزا حسن خوانساری ۱۲۷۹ھ ع اور (۳) مطبوعہ پیرس ۱۸۸۶ء۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں پورا ترجمہ اور نہایت مفید نوٹ جرمن زبان میں موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن ہے +

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیوان منوچہری کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ جس کا نمبر AP. VI. 3 B ہے۔ اس کی تاریخ نقل ۱۲۷۹ھ ہجری ہے۔ اس کے سہ چنڈ ایک قطعات بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد انگلیوں پر شمار ہو سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ دولت شاہ لکھتا ہے کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۰)



کے اوراق ۱۳۴ اور صفحہ ۲۶۸ ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے حصہ اول از آغاز تا ورق ۸۶ یعنی ۷۲ صفحہ۔ اس میں صرف قصائد ہیں۔ حصہ دوم از ورق ۸۷ تا ۱۳۴ یعنی ۹۶ صفحہ۔ اس حصہ میں مسطات۔ رباعیات۔ قطعات۔ غزلیات اور افراد اسی ترتیب سے موجود ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک شعر ہے۔ پہلے حصہ کے آخر میں کاتب لکھتا ہے:-

مذکورہ حکیم ابوالنجم احمد منوچہری رادیوان اشعار مشتمل برسی ہزار بیت بود -  
تاکنون کہ ہشتم صفر المنظر ۱۲۷۹ ہجری می باشد زیادہ ازین قصائد و مسطات دیدہ نشد  
اس نسخہ میں قصائد حروف ہجا کے مطابق مرتب ہیں۔ کاتب کا نام مذکور نہیں۔  
حاشیہ پر کہیں کہیں متن کی عبارت پر مختصر نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ ایک غزل اور تین  
افراد اور قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر جو مطبوعہ نسخوں سے زائد اس نسخہ میں پائے جاتے  
ہیں۔ ہم نے تتمہ ج میں دے دئے ہیں +

اس کے علاوہ ایک قلمی نسخہ اور نیٹل پیبلک لائبریری ہانکی پور میں موجود ہے۔  
جس کے متعلق مفصل حالات کتب خانہ مذکورہ کی عربی و فارسی کتب قلمی کی مطبوعہ  
فہرست کے صفحہ ۱۶ پر مل سکتے ہیں۔

مطبوعہ ہر سہ ایڈیشنوں میں بعض جگہ قرائتیں مختلف ہیں۔ ہم نے تمام اختلافات  
کی فہرست تتمہ ۱ میں دیدی ہے۔ پیرس ایڈیشن میں بعض فاحش اغلاط بھی ہیں۔  
جن کی تفصیل تتمہ ۱ میں دے دی گئی ہے۔ تتمہ ۲ میں منوچہری کے تمام مدوحین  
کی فہرست دی گئی ہے +

(باقی دارد)

مؤنی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

# پر تھی راج راسا

سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء

## رستی کی صدای بازگشت

مصنف کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور کنبزیں اپنے آقاؤں اور خاندانوں کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دی جاتی ہیں۔ چنانچہ حسین کتھانویں داستان میں چتر بکھا حسین کی لاش کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے۔ دھیر بند میر ۶۴ ویں داستان میں شہاب الدین کا خواص سیرن شہاب الدین کی گرفتاری کے وقت اپنی پیاری جان لے کر غزنین بھاگ جاتا ہے۔ جب اپنے گھر پہنچتا ہے۔ اس کی بیوی ملامت کے لہجہ میں اس سے کہتی ہے۔ اگر تو میدان جنگ میں قتل ہو جاتا اور میں تیری نعش کے ساتھ دفن ہوتی۔ مجھے یہ حالت تیرے اس فرار ہونے اور جان بچانے سے ہزار درجہ زیادہ گوارا ہوتی۔ یہ صدای بازگشت ہے رستی کی رسم کی جو ہندوؤں میں رائج تھی۔ یہ ہندو بھاتا اس وہم میں مبتلا ہے۔ کہ جہاں ہندو عورتیں زندہ جلا دی جاتی ہیں۔ مسلمان عورتیں زندہ دفن کی جاتی ہیں

## بخشی

میں یہاں بعض دفتری اصطلاحوں کا ذکر کرتا ہوں جو راسا میں مل جاتی ہیں۔

ان میں ایک اصلاح تو بخشتی 'تخواہ' (ہندہ فوج) ہے مصنف اس کو بگسی لکھتا ہے۔  
راجپوتانہ میں آج بھی غیر تعلیم یافتہ ہندو سے یہی تلفظ مسموع ہوتا ہے۔ سلکھ جدم  
نیرہویں داستان میں آتا ہے۔

سلطان کھیری ایہ سین پائی بگسی سہاب برنی سنائی (چھند ۲۰ ص ۵۲)

ایک اور موقع پر آتا ہے۔ بیجل خال بگسی بیو (چھند ۱۱ ص ۱۱۹)

مگر یاد رہے کہ بخشتی ہندوستان میں مغلوں کی آمد تک رواج میں نہیں آیا تھا۔

اور یہ غل ہیں جن کے ساتھ یہ مصطلح اس ملک میں آتی ہے بلکہ ریاستوں میں آج  
بھی یہ عہدہ موجود ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کی جگہ عارض آتا ہے۔

بخشتی کے متعلق تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل سنکرت کا لفظ بھکشو بمعنی

بھکاری اس کی قدیم شکل ہے جو بدھ مت والوں کے ساتھ چین میں پہنچا۔ اور وہیں

سے مغولستان پہنچ گیا۔ چنگیز یوں میں یہ ایک اہم عہدہ تھا۔ اور انہیں کے ساتھ

ایران میں آیا۔ جہاں سے دسویں صدی ہجری میں بابر کے ساتھ واپس ہندوستان

پہنچتا ہے۔ بہر حال راسا میں بخشتی کا استعمال ہمارے نزدیک اس تالیف کے

جدید العہد ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے +

## شاگرد پیشہ

جس طرح بخشتی مغلیہ عہد کی دفتری اصلاح ہے۔ اسی طرح شاگرد پیشہ ہے۔

جس سے مقصد بخشی خدمتگاران شاہی ہیں۔ شاگرد پیشہ کے لئے بہار میں آتا ہے:-

"لفظی است متعل دفتر و دربار سلطانین ہندوستان و در ایران عملہ بجای آن کو

راسا میں یہ لفظ بھی موجود ہے چنانچہ: پچیس سس ساگر دیس (چھند ۲۰ ص ۵۲)

سلکھ جدم ۱۳ ویں داستان)

## عرضداشت

عرضداشت ایک اور دفتری اصلاح ہے۔ جو متاخرین میں تو بہت زیادہ مستعمل ہے۔ بہار عجم میں اس کے متعلق تحریر ہے :-

”در ہندوستان پادشاہزادگان و امرا بجناب عالی و خوردان بخدمت بزرگان نویسد۔“

راسا میں یہ اصلاح بصورت اُردو اس موجود ہے چنانچہ سہ تب تیار اُردو اس لکھی (چھند ۲۹۲ ص ۲۷ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

اسی داستان میں ایک اور موقع پر آتا ہے :-

لکھی اُردو اس تیار خاں آپمی پروچار ۱۱ (چھند ۳۰۵ ص ۲۷ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

## ڈاک چوکی

ڈاک چوکی ایک اور اصلاح ہے جو اکبری عہد کے مورخین کے ہاں عام استعمال میں آرہی ہے۔ مثلاً :-

”ویشخزادہ دمشقی بتقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تعلق نمازند (نخب التواریخ بدایونی ص ۵۸ نوکشور)

لیکن قدیم لفظ اس کے لئے یا تو فارسی الارغ ہے یا ہندی دھاوہ چنانچہ فرشتہ اس کی طرف ایسا کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

”در اثنای این حال ڈاک چوکی کہ بمطلاح آن مردم الارغ میگفتند با فرمان از دہلی رسید“ (ص ۱۳ نوکشور)

برنی نے ایک موقع پر دونوں لفظ دیے ہیں :-

”کارہای ملک دردہلی بگشت وغیرے برنٹھ گاہ دہلی متمکن گشت و راہ اللغ و دھادہ بکلی منقطع شد۔“

ایک اور موقع پر علاء الدین خلجی کے حالات میں بتقریب ہم دکن برنی لکھتا ہے۔  
”بسبب آنکہ یک دوختان از راہ برخاستہ بود راہ لشکر منقطع شدہ واللغ و قاصدہ دھادہ از لشکر دردہلی نرسید۔“

اس سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاک چوکی کوئی قدیم اصطلاح نہیں ہے۔  
مغلوں میں اس کا رواج بہت عام ہے۔ اسی اثر میں ہم دیکھتے ہیں کہ راسا میں بھی استعمال میں آرہی ہے چنانچہ۔

۷۔ آبن ڈاک چوکی نورکھن ۱۱ چھند ۲۹۸ ص ۷۳ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان

## اردو

اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر اصلاح اُردو ہے۔ جسے مصنف شکل اُردھ لکھ رہا ہے۔  
(۱) دوہین ساجے راجے رو دھ ٹھڈے سوئے آسور اُردھ دچھند ۹۲ ص ۲۲۶  
بڑی لڑائی چھیا سٹھویں داستان)

(۲) لوہا نوہ موند | بان مکے ہو بھاری | اچھٹی سوکھڑ جوان | اچھا اُردھ نکاری ||

چھند ۱۱ ص ۹۰۶

اردو کے تعلق میں تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مغلوں سے قبل کے ہندوستان میں یہ لفظ رواج عام میں نہیں تھا۔ اور یہ جو بعض تاریخوں میں ایک آدھ جگہ مل جاتا ہے مثلاً طبقات ناصری و تاریخ فیروز شاہی شمس سراج میں تو یہ ہمارے نزدیک قدما کی تحریر میں متاخرین کی فروگزاشت کا پر تو ہے یعنی جب اکبری عہد میں یہ کتابیں نقل ہوئیں۔ سو کتا بت سے یہ لفظ بعض موقعوں پر متن میں شامل ہو گیا۔ البتہ

تغلق نامہ میں امیر خسرو اس کو شکل 'اُود' لکھ رہے ہیں جس کی شکل 'اُود' کے 'اُود' سے بہت ملتی جلتی ہے۔ مثالیں ذیل میں عرض ہیں۔

۱۔ زُرد خاص تادروازہ قصر ہمہ تیغ و سنان بدباشہ عصر ۱۳۷ شہر ۲۶۱ تغلق نامہ  
دیگرہ جو بنگست آن سپاہ و زنت ہر سوی ملک آورد سوی ارد کہ روی ۱۳۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴

## ہمیر

راسا میں کئی موقعوں پر ایسے نام ملتے ہیں جن میں ہمیر کا لفظ موجود ہے۔ مثلاً ہنسداقتی ویاہ ۳۶ دیں داستان میں منگل گڈہ کے راجا ہارڈا ہمیر کا ذکر آتا ہے۔ اور کا گڈہ جہدہ ۳۵ دیں داستان میں ہاہولی راہی ہمیر کا نام آتا ہے جو پرتھی راج کا ایک سادنت ہے مصنف ہمیر کو بالمشدید ہمیر لکھتا ہے۔ اور یہ اس کی ناواقفیت یا بے پرواہی پر مبنی ہے اس میں شک نہیں کہ اکثر اوقات شاعر کو ہم الفاظ کے توڑنے مروڑنے اور ان کے گٹھلنے بڑھانے میں مصروف دیکھتے ہیں۔ یہیں معلوم نہیں ہمیر نام ہندوؤں میں کب سے رائج ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں وہ رتبھور کے چوہان راجہ کا نام ہے۔ جو ہمیر دیو کے نام سے بہت مشہور ہے اور جس کے حالات میں ہمیر راسا اور ہمیر کاویہ وغیرہ ہندی تصنیفات موجود ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ہمیر مسلمانوں کے لفظ ہے اور لفظ ہمیر کی بگڑی شکل ہے۔ سب سے پہلے بھٹ ہندی مسکوکات پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سب سے قدیم خود سلطان معز الدین محمد بن سام کے سکے ہیں جن پر 'سری ہمیر' کی شکل میں لکھا ہے 'سری ہمیر' سے مقصد امیر المؤمنین خلیفہ بغداد ہے۔ یہ ہندی کلمہ سلطان معز الدین شمس الدین التمش۔ رکن الدین فیروز۔ سلطان رضیہ وغیرہ کے مسی سکوں پر نظر آتا ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عین پرتھی راج کا زمانہ ہے۔ جب یہ مسلمانوں کے لفظ مسکوکات میں شائع ہو کر ہندوؤں میں

روشاس ہونے لگا ہے۔ بحیثیت علم اس کا اختیار کیا جانا بہت بعد کی بات ہے اس لئے یہ خیال کرنا کہ پرہتی راج کے عہد میں ہندو قوم نے بحیثیت اسم اس لفظ کو اختیار کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خود پرہتی راج کے ایک سامنت کا نام ہمیر تھا۔ بچہ غیر اغلب اور ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے۔

## ہتھنار

بیشمار موقعوں پر اس رزمیہ میں ہتھنار یعنی ہتھنال کا ذکر آتا ہے مثلاً گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان میں آتا ہے :۔

سہ سواگین ہتھناری اپار سجن | تن دیکھت کاثر دور بھجن || (چھند ۱۶ ص ۹۴)

ہتھنال سے مراد ایسی توپ ہے جسے ایک ہاتھی آسانی سے لیجا سکے۔ اکبر کی اور ایجادات کے علاوہ جس میں بعض توپیں ٹکڑے کر کر کے لیجائی جاتی تھیں اور بعض میں سترہ توپوں کے لئے ایک پلیتہ درکار تھا۔ ایک ایجاد یہی ہتھنال ہے۔ یعنی ہاتھی کی توپ جس کا نام اکبر نے گج نال رکھا تھا آئین اکبری میں آتا ہے۔ ”ونیز چنان بر ساخت کہ یک فیل با سانی کشد و آزار گج نال نامند۔“

ص ۱۲۳ اول نو کشور ۸۶۹ھ

اکبر کے عہد سے قبل اس گجنال یا ہتھنال کا کتب تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ جب راسا میں ہتھنال کا ذکر آ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف اکبر کے عہد سے بعد کی ہے۔ کیونکہ گج نال و ہتھنال میں گجنال قدیم ہے۔

## کمان یا کمند

ایک انوکھی رسم یعنی کمان کے ذریعہ سے گرفتاری راسا کے صفحات میں کئی جگہ

ملتی ہے مثلاً پدموتی سے بیسویں داستان میں آتا ہے کہ عین گھمان کے معرکہ میں پرہتھی راج نے کمان ڈال کر شہاب الدین کو گرفتار کر لیا۔ ریوات سمیوستا میں داستان میں پھر مذکور ہے کہ پرہتھی راج نے کمان ڈال کر شاہ کو اسیر کر لیا۔ اور گھگھر کی لڑائی انتیسویں داستان میں مرقوم ہے کہ کنہ چوہان نے میدان جنگ میں کمان ڈال کر شاہ کو کھینچ لیا۔ بہر حال یہ تین موقعے تو صاف طور پر مجھے معلوم ہیں۔ اور موقعے بھی ہوں تو تعجب نہیں۔ اس گرفتاری کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ کو کمان کے ذریعہ سے اسیر کیا جاتا ہے۔ لیکن کمان کے ذریعہ سے دشمن کی گرفتاری کمان کا بالکل جدید استعمال ہے۔ جو صرف راسا میں پایا جاتا ہے۔ ایرانی اور مسلمان اقوام میں گرفتاری کے لئے کمند کا بالعموم استعمال رہا ہے۔ مگر مصنف راسا کمند کا کام کمان سے لے رہا ہے۔ اگر یہیں سچی بات کہنے کی اجازت دیجائے تو کہیں گے کہ مصنف راسا کو کمان اور کمند میں التباس ہو گیا ہے +

## طیب

چوتھی داستان لوہانا آجان باہو سے اس کمافی سے شروع ہوتی ہے کہ پرہتھی راج کو ایک دن یہ عجیب شوق چڑیا کہ اپنے سادنتوں کو تیس ہاتھ اپنے چھجے سے کدائے سادنت راجہ کی اس انوکھی فرمائش پر حیرت زدہ رہ گئے۔ لوہانا آجان باہو راجہ کے حکم کی تعمیل میں بلا پس و پیش کو دپڑا۔ اور غریب کے چوٹ اگٹی۔ راجہ نے فوراً طبیبوں کی حاضری کے لئے حکم دیا۔ وہ آئے اور علاج کے واسطے لوہانا کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ تب طبیب تسلیم کری اے گھر آئے لوہانا ۱۱ چھند ۷ ص ۲۷۶

ذرا پرہتھی راج کے عہد کی اس زبان پر بھی غور کر لیا جائے۔ اگر آج یہ فقرہ اردو میں لکھا جائے تو یوں ہوگا:-



تب طبیب تسلیم کر کے [لوہانا] گھر لے آئے۔

اسی طرح یہ امر بھی قابل لحاظ معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے پاس چھٹی صدی ہجری کے وسط میں جب کہ وہ ناگور میں مقیم ہے۔ مسلمان طبیب بھی موجود ہیں۔ جو راج کنوار پرتھی راج کو تسلیم کر کے لوہانا کو علاج کی غرض سے اپنے گھر لپکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرتھی راج کے عہد میں خصوصاً راجپوتانہ جیسے الگ تھلک مقام پر طبیب موجود نہیں تھے۔ اور ہندوستان میں ان کی مقبولیت اس عہد سے بعد کی بات ہے مگر چونکہ مصنف کی آنکھوں میں اس کے اپنے عہد کی زندگی کا نقشہ پھر رہا ہے۔ جب طبیب ہندوستان کی زندگی کا لازم بن گئے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے رزمیہ میں ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہوا۔

## لاڈنوں اور کھٹو

راسا میں جن شہروں اور موضوعوں کے اسم ملتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً سانہجر۔ اجمیر۔ ناگور۔ ساروڈا۔ اہل پور۔ پارس پور۔ پنچوسر۔ درپور۔ لاڈنوں اور کھٹو۔

لاڈنوں فی زمانہ ایک جاگیر کی قصبہ ہے جو اس کے لکھتی بنیوں کی بنا پر دور دور مشہور ہے۔ یہ قصبہ جو دھپور ریلوے کی اس شاخ پر ایک اسٹیشن ہے جو سجان گڑھ اور ڈیگاہ جنگشوں کے درمیان چلتی ہے۔ راسا جو اپنے لئے اس قدر قدامت کا مدعی ہے۔ تعجب ہے کہ لاڈنوں کو اس کے جدید تلفظ سے یاد کرتا ہے یعنی لاڈنوں۔ حالانکہ اس کا قدیم تلفظ جو آئین اکبری میں محفوظ ہے۔ بصورت لاڈوں ملتا ہے (آئین ص ۶۷ جلد دوم) (باقی پھر) (محمود شیرانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰے

## علم کلام اور نظریہ استطاعت

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

(۲) علیٰ ہذا القیاس حضرت فاروق نے کوفہ میں عجم کو دینی تعلیم دینے کا بھی فیصلہ کیا اور اس کی زمام انتظام حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے اعلم بکتاب اللہ (قال ابن مسعود انی لا اعلم بکتاب اللہ استیعاب بر حاشیہ اصابتہ ص ۳۲۴) وافقہ امت صحابی کے سپرد کی۔ جن کے متعلق حضرت حذیفہ صاحب السرفراتے ہیں۔ ما اعلم اعدا اقرب سمنا و ہدیامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام عبدہ حلیہ واستیعاب۔ وکان صاحب الوساد والسوادہ السواک والنعلین ۷ حلیہ واقبل ابن مسعود ذات یوم وعمر جالس فقال کنیف علی فقماہ حلیہ واستیعاب قالوا لعلیٰ اجبرنا عن عبدہ بن مسعود قال علم القرآن والسنة ثم انتہی وکفی بذالک علماء حلیہ وقد قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت مؤمرا احدًا من غیر مشورۃ لامرت ابن ام عبدہ استیعاب۔ حضرت فاروق نے ان ابن مسعود کو کوفہ میں معلم و مبلغ بنا کر بھیجا۔ قال ابن عبد البر بعثہ عمر بن الخطاب الی الکوفۃ مع عمار بن یاسر وکتب الیہم انی قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیراً و عبد اللہ بن مسعود وزیراً و معلماً و ہما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اہل بدر۔ فاقفہ و ابہما و اسموا من قولہما وقد اشرکتم لیب اللہ بن مسعود علی نفسی ۷ استیعاب ص ۳۲۳۔ ابن مسعود نے کوفہ پہنچ کر تعلیم دینا شروع کیا اور ایسے شرع آفاق تلامذہ پیدا کئے جنہوں نے نہ صرف ابن مسعود کا نام روشن کیا۔ اور ان کے علوم کو زندہ کیا۔ بلکہ بعد میں جب حضرت علی مرتضیٰ کوفہ میں تشریف

لائے تو اُن کے قضایا اور فتاویٰ کو بھی پوری احتیاط سے ازبر کر کے شائع کیا۔ اگر اصحاب ابن مسعود نہ ہوتے تو علیؑ کے قضایا و فتاویٰ صحیح طور پر ضبط نہ ہوتے۔ مولائے تلامذہ ابن مسعود کے اور لوگ اس قابل نہیں کہ اُن کی بات سنی جائے۔ چہ جائیکہ اُن سے روایت ہو۔ الاما صرح المحدثون بتفہیم

درووا عنہم کما لا یخفی علی ماہر الفہن

اقتضاکم علیٰ بنابرین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”اقتضاکم علیؑ“ سے مراد علی مرتضیٰ کے وہی فتاویٰ و قضایا ہو سکتے ہیں جو بذریعہ اصحاب ابن مسعود مروی ہوئے ہیں۔ ”اقتضاکم علیؑ“ میں سے وہی فیصلے مراد ہیں جو اصحاب ابن مسعود سے مروی ہیں۔ اس کو حکیم اللہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ”قرۃ العینین“ میں مختلف مقامات پر خوب واضح کیا ہے۔

فلیراجع ہناک -

ستہ متناسبہ یا اصحاب ابن مسعود | فقہ عراق کے سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ ابن مسعود کے ان مشہور تلامذہ کا مختصر سا تذکرہ کر دیں۔ جنہوں نے نہ صرف عبد اللہ بن مسعود کے نام کو اُچھالا۔ اور اساتذہ کوفہ کے اصولوں کو زندہ جاوید کیا۔ بلکہ علی مرتضیٰ کے علوم و فنون کو بھی ہم تک بلا کم و کاست پہنچایا۔ یوں تو کروڑوں انسانوں نے عبد اللہ بن مسعود سے فیوض علمی حاصل کئے۔ مگر ان کی تمام علمی کوششوں کا نچوڑ چھ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے دُنیا ئے علم و عمل میں لازوال شہرت حاصل کر رکھی ہے۔

عن ابراہیم النخعی کان اصحاب عبد اللہ  
الذین یقرؤن الناس ویعلمونہم السنۃ  
و یصدر الناس عن رایم سنتہ -  
(ترجمہ) ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ  
ابن مسعود کے وہ شاگرد جو لوگوں کو  
تعلیم دیتے۔ اور اُن کو احادیث نبویہ

علقمۃ والا سود و ذکر الباقین تہذیب پڑھاتے تھے۔ اور تمام مسلمان انہیں التہذیب ص ۲۷۷ کی رائے کا اتباع کرتے تھے۔ وہ

چھ اشخاص تھے۔ علقمۃ۔ اسود وغیرہ ھ

وقال ابن سیرین اور کت الناس (ترجمہ) امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا بالکوفۃ وہم یقدمون خمسۃ من بدء بالحارث ثنی بعبدۃ ومن بدء بعبدۃ ثنی بالحارث ثم علقمۃ لاشک فیہ ھ تہذیب ص ۲۷۷ تھا کہ کوئی حارث کو مقدم کرتا۔ اور عبیدہ کو دوم نمبر پہ رکھتا۔ اور کوئی اس کے برعکس۔ مگر علقمۃ بالاتفاق سوم نمبر پر تھے۔

ذیل میں ان چھ یگانہ ہائے دہر کا مختصر تذکرہ حروف ہجا کی ترتیب سے دیا جاتا ہے :-

(۱) اولم اسود بن یزید النخعی الکوفی من الزہاد الثمانیہ ھ حلیہ روی عن ابی بکر و عمرو علی و ابن مسعود و خدیفۃ و عائشہ و غیرہم۔ وعن ابن اختہ ابراہیم بن یزید النخعی۔ ذکرہ ابراہیم بن من کان یفتی من اصحاب ابن مسعود۔ قال ابن حبان فی الثقات کان فقیہا ابا داؤد تہذیب رج الاسود ثمانین حجۃ ھ حلیہ۔ (۲) و ثانیہم الحارث بن سوبید القیمی الکوفی۔ روی عن ابن مسعود و عمرو علی و عنہ ابراہیم بن یزید بن شریک القیمی الکوفی [وہو غیر ابراہیم بن یزید النخعی الامام] قال ابن معین ”ابراہیم القیمی عن الحارث بن سوبید عن علی“ ما بالکوفۃ اجد اسناداً منہ۔ قال ابن عیینہ کان الحارث من علیہ اصحاب ابن مسعود۔ وثقہ ابن معین وابن حبان و البعلی ھ تہذیب۔

(۳) وثالثہم شریح بن الحارث الکوفی القاضی۔ کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولم یسمع منه ، استقفاہ عمر علی الکوفة واقرو علی - واقام علی القضاء بہا ستین سنتہ  
وقضی بالبصرۃ سنتہ ، روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلماً وعن عمر و علی وابن  
مسعود وغیرہم - وعنه ابن سیرین و ابراہیم النخعی وغیر واحد - قال شریح ولست القضاء  
لعمر و عثمان و علی ومن بعدهم الی ان استغفیت من الحجاج - وکان عمرہ (۱۲۰)  
سنتہ قال لہ علی انت اقضی العرب ۛ ت

(۴) وراہیم عبد الرحمن بن یزید النخعی الکوفی ، روى عن اخیه الاسود و عمرہ علقمہ و  
عن حذیفہ و عثمان و ابن مسعود و عائشہ وغیرہم - وعنه ابراہیم بن یزید النخعی وغیرہ  
قال ابن معین ثقہ - قال الدارقطنی ہواخو الاسود و ابن اخى علقمہ و کلمہ ثقات ۛ ت  
(۵) و خامسہ عبیدہ بن عمرو السملانی [نسبتہ الی سلمان مدنیۃ باذربجان] المراءى  
الکوفی ، اسلم قبل وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتین ، روى عن علی و ابن مسعود ،  
روى عنه ابراہیم النخعی و عامر الشعبی وغیرہما - قال الشعبی کان مشرکاً اعلمہم بالقضاء  
وکان عبیدہ یوازیه وکان من اصحاب علی و ابن مسعود ۛ ت -

(۶) وسادسہم علقمہ بن قیس النخعی الکوفی ربانی بذہ الامتہ ۛ حلیہ و ہوا علم بعبد اللہ  
قال ابن المدینی اعلم الناس بعبد اللہ علقمہ ، قال ابو المنشی ربیاح اذا رايت علقمہ  
فذا یترک ان لا تری عبد اللہ اشبه الناس بہ سمناً و ہدیاً - و اذا رايت ابراہیم فلا یفرک  
ان لا تری علقمہ ، روى عن عمر و عثمان و علی و ابن مسعود وغیرہم - وعنه ابن اخیه عبد الرحمن  
بن یزید بن قیس و ابن اختہ ابراہیم بن یزید النخعی و عامر الشعبی - وکان اصحاب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم یسلون علقمہ و یستفتونہ ۛ تہذیب و حلیہ

ۛ ہم نے وہ متہ متناسبہ ذکر کروئے جن کا تعلق ہر دو بزرگوں سے ہے یعنی علی اور ابن مسعود علیہما السلام  
نے کتاب التیذ میں علقمہ اسود ، بیح بن خثیم ، عمرو بن میمون ادوی لکھے۔ آخر الذکر ہر دو بزرگ صرف ابن مسعود  
سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ علی رضی سے۔ تہذیب میں ان کے تراجم ملاحظہ ہوں ۱۲ فارحق غفرلہ

امام الفقہ ابراہیم نخعیؒ | مذکورہ بالا حضرات نے اپنی تعلیم و تربیت سے ابراہیم نخعی جیسی ہستی تیار کی۔ فی التذیب ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی، الفقیہ، روى عن خالیه الاسود وعبدالرحمن بن یزید، وعلمته وشریح وکان مفتی اهل الکوفہ صالحاً فقیہاً۔ قال الشعبي ماترک ابراہیم احداً اعلم منه رای عائشۃ وانشأ نساً ولم یسمع منها شیئاً۔ کثر من الازال وجماعة من الائمة صحوا مرا سیله، وخص البیعی ذلک بما ارسله عن ابن مسعود ص ۱۰۱

تذیب التذیب -

حماد بن ابی سلیمان | ابراہیم نخعی نے حماد بن ابی سلیمان جیسی ہستی تیار کی۔ قال الحافظ فی التذیب حماد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری الکوفی الفقیہ، روى عن انس و سعید بن المسیب و ابراہیم النخعی والشعبی وعنه شعبۃ والثوری والامام ابو حنیفہ والاعش و ہم من اقرنہ، قال مغیرۃ قلت لابراہیم ان حماداً قد یفتی، فقال وما یمنعان یفتی و هو وحده قد سألنی عالم کونی کلکم عن عشرہ - ثقتہ، افقتہ اصحاب ابراہیم ص ۱۰۱

وقال ابن عبدالبر و ابو حنیفہ اتخذ الناس بحما و جواہر ص ۱۰۱ وقال ابو حنیفہ ما مدت رجلی نحو دار حماد فطیما لہ - وکان بینما سبغ سکت ہ مفتاح السعادة ص ۱۰۱

امام ابو حنیفہ - امام الروایت والدرایت | حماد بن ابی سلیمان کی سعی سے امام ابو حنیفہ بروئے کار آئے۔ کوفہ کا مرکزی نقطہ امام اعظم کا وجود باوجود ہے۔ اوہیں جیسے سلسلہ دینہ میں امام مالک اسی شان کے مالک ہیں

حافظ ثمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امام حنبل کو حفاظ حدیث کے طبقہ پنجم میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں فقیہ العراق الامام ابو حنیفہ رای انس بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفہ رواہ ابن سعد عن سیف بن جابر انه سمع ابا حنیفہ یقولہ ص ۱۵۱ + وقال ابو عمر ذکر الواقدی ان ابا حنیفہ رای انس بن مالک وعبداللہ بن الحارث بن جریذ الزبیدی حکمنا ذکرہ و سکت عنه ہ جواہر ص ۱۰۳

وكان قد اهدك اربعة من صحابته هم النس بن مالك بالبصرة (٩)، وعبد الله بن اوفى بالكوفة (٩) وسهل بن سعد الساعدي بالمدينة. و ابو الطفيل عامر بن واثلة بكة هـ مرة الجنان الليثي ص ٣١ + وحدث ابو حنيفة عن عطاء ونايف والاعرج وعمر بن دينار وخلق كثير وتفقّه به زفر بن النذيل وداؤد الطائي والقاضي ابو يوسف ومحمد بن الحسن واسد بن عمرو الحسن بن زياد اللؤلؤي ونوح الحامح ومطيع البلخي وعدة - وكان تفقّه بحاد بن ابى سليمان وغيره وحدث عنه وكيع ويزيد بن هارون وسعد بن الصلت وعبد الرزاق وابو نعيم وبشر كثير - وكان اماماً ورعاً عالماً عادلاً - قيل ليزيد بن هارون ابو حنيفة افقه ام سفيان؟ قال ابو حنيفة افقه وسفيان اخفض للحديث، قال ابن المبارك ابو حنيفة افقه الناس - قال الوداؤد ان ابا حنيفة كان اماماً هـ تذكره ص ١٥١ بعد -

قال الامام ابو المحاسن الحنفى سبط ابن حجر الحافظ - المتوفى ٨٠٤ هـ شذرات - تفقّه الامام بحاد وغيره حتى برز في الفقه والرأي وساد اهل زمانه بلا منافعة في علوم شتى - سئل ابن المبارك مالك افقه ام ابو حنيفة قال ابو حنيفة هـ نجوم زايله ١٢ قال يحيى بن معين سمعت يحيى بن سعيد القطان يقول لا تكذب كم من شيء حسن قال ابو حنيفة وربما استحسن الشيء من رايه فاخذنا به قال يحيى بن معين وكان يحيى بن سعيد يذهب في الفتوى مذهب الكوفيين هـ كتاب الانتقاء از امام الغرب ابو عمرو بن عبد البر ص ١٣٢ وقال ابن معين سمعت يحيى القطان يقول والله جالسنا ابا حنيفة ومعاذنا وكنت والله اذ انظرت اليه عرفت انه يتقى الله هـ جواهر نقلا عن الخطيب ص ٢١٢ وقال علي بن عاصم لو وزن علم ابى حنيفة بعلم اهل زمانه لرجح عليهم - وقال حفص بن غياث كلام ابى حنيفة ارق من الشعر لا يعيبه الا جاهل هـ ص ١٢ نجوم زايله - قال عهد ان سمعت ابن المبارك وقد طعن رجل في مجلسه في ابى حنيفة فقال له اسكت والله لو رايت ابا حنيفة لرايت عقلاً ونبلاً - وعنى ابن المبارك ما رايت احداً اعقل

من ابی حنیفہ - وكان يقول اذا اجتمع هذان على شيء فتمسك به يعني الثوري وابا حنیفہ  
 كتاب انتقاء ص ۱۳۲ - وقال ابو يوسف سفيان الثوري اكثر متابعي ابی حنیفہ  
 منی ۱۲۸ ص ۱۲۶

وقال ابن عبد البر المالکی والمتوفی ۴۶۳ھ فی کتاب "الانتقاء" قال ابو داؤد  
 السجستانی ان ابا حنیفہ كان اماماً وان مالکاً كان اماماً وان الشافعی كان اماماً وكلام الامّة  
 بعضهم فی بعض یحب ان لا یلتفت الیه ولا یخرج علیه فی من صحت امامته وعظمت  
 فی العلم غایبة ۳۲ وجواهر ص ۳۱ وقال ابو مقاتل حفص بن سلم كان ابو حنیفہ  
 امام الدین فی زمانه فقها وعلماً وورعاً - قال وكان ابو حنیفہ محدثاً یعرف به اهل البدر  
 من الجماعة ۱۶۷

توثیق امام از شعبہ و ابن معین | امام ابن عبد البر فرماتے ہیں - كان شعبۃ بن الحجاج  
 وعلی بن المدینی کفی بهم اماماً وفخراً | حسن الرازی فی ابی حنیفہ ۱۲۶ انتقاء ص ۱۲۶ وسئل  
 یحیی بن معین عن ابی حنیفہ فقال ثقة - ما سمعت احداً ضعفه هذا شعبۃ بن الحجاج  
 یکتب الیه ان یحدث ، ویا مره - وشعبۃ شعبۃ ۱۲۷ انتقاء ص ۱۲۷ قال الحافظ  
 عبدالقادر القرشی فی الجواهر ص ۲۹ - قلت شعبۃ اول من تكلم فی الرجال ۱۲۷ وقيل  
 لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابو حنیفہ کان یصدق فی الحدیث ؟ قال نعم صدوق ،  
 وقال ابن عبد البر قال ابن المدینی ابو حنیفہ ثقة لا باس به ۲۹ وجواهر ص ۲۹

وقال ابن عبد البر فی کتاب العلم - قال یحیی بن معین اصحابنا یفرطون فی  
 ابی حنیفہ واصحابه - فقیل له اکان ابو حنیفہ یدب ؟ فقال کان انبل من ذلك ۱۲۸  
 ص ۱۲۸ - وقيل لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابو حنیفہ کان یصدق فی الحدیث ؟ قال  
 نعم صدوق ، وكان شعبۃ حسن الرازی فی ابی حنیفہ - وقال علی بن المدینی ابو حنیفہ  
 روی عنه الثوری وابن المبارک وکیع بن الجراح ، وهو ثقة لا باس به ۱۲۹



یہ ہیں تین ائمہ جرح و تعدیل، جو امام ہمام کے معاصر اور آپ سے صحبت رکھنے والے ہیں۔ ان کی توثیق کے بعد متاخرین اہل حدیث کی جرح ہمارے یہاں شبہ لاشئی سے بھی فروتر ہے مثلاً امام بخاری کی سب و شتم اپنی تاریخ صغیر میں (دیکھو کتاب انتقاء ص ۱۴۹) اور خطیب کی جرح تاریخ بغداد میں، یہ سب رجم بالغیب ہیں۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ تعصب مفرط کی وجہ سے ان متاخرین کی یہہ ..... جرح جماعتی جرح یا رقابتی جرح ہے اور بس۔ جس کی توضیح آرہی ہے۔

**مکتہ بدیعت** | کوفہ اور مدینہ کے سلسلہ میں اس نکتہ کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ ان ہر دو فقہوں کا مرکز اور اصل ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی مذہب عمرؓ و فقہ فاروق اعظمؓ، یہ ہر دو اسی مذہب و فقہ کی شاخیں اور اس کے اجمال کی تفصیل ہیں حکیم المسلمین شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ازالۃ الخفاء میں مذہب فاروق کو ایک مبسوط رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس رسالہ کی تسبیح اور تخریج کی جائے۔ اور بعد اس کو دیدہ زیب صورت سے شائع کرایا جائے اس کے بعد اس کو داخل درس کر کے اس کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ اور اس کی تعلیم ایسے علما کے سپرد کی جائے جو فلسفہ جمع المذہب میں حاذق ہوں۔ اور طلبہ کو سمجھانے کے اہل ہوں کہ فقہ حجاز اور فقہ عراق مذہب فاروق سے کیونکر نکلی ہیں۔ وہ کیونکر اصل ہے۔ اور یہ کیونکر اس کی فروع ہیں۔ تاکہ اس گئے گزرے وقت میں بھی وہ سماں نظر آنے لگے جس کو جمیل بن عمر غزالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

كَانَ لَمْ تُحَارِبْ يَا بَشِيْن طَوَانَسَا تَلَكَّشَفْ غُمَا وَ اَنْتَ صَدِيْقْ

ورنہ اب تو یہ حالت ہے جیسے حافظ شیراز بیان کی ہے

جنگِ ہفتاد و دو دہلت ہمہ را عذر نہیہ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند  
(باقی آئندہ)

# پنجاب میں اُردو

اورنیل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۷ء میں میرا ایک مضمون بعنوان بالاشائع ہو چکا ہے۔ وہاں میں نے ایک اُردو نگار پنجابی شاعر اشرف نوشاہی کا مختصر حال درج کیا تھا۔ اور اس کی چند غیر مطبوعہ غزلیں بطور نمونہ دی تھیں۔ اس کے بعد مختلف بیاضوں سے مجھے اس کے آثار میں سے ذیل کی غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جنہیں ناظرین میگزین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور آخر میں غلطی نام ایک شاعر اور دوسرے چند مجہول الاسماء اُردو نویسان پنجاب قدیم کا کلام بھی تراکد درج کرتا ہوں۔ حاشیہ میں پنجابی الفاظ کے معنی اردو میں دیئے گئے ہیں۔

## مستزاد اشرف

جب پھر قبائلی گمراہ کرم سوں	جاتا ہے چمن میں
غیرت سوں پرے داغ سہی دروہا لم سوں (کنڈا)	لا لے لے بدن میں
اس حسن (گلو) سوز کی تعریف نہ ہو دے	ہر چند لکھوں میں
کستا ہوں میں یہ بات تیرے آگے قسم سوں	نہیں کہہ فرق سخن میں
کیا کامل استاد دیا سبق جفا کا	اس شوخ میرے کوں
عاشق کوں پکڑ قتل کرے تیغ عدم سوں	اک رمزین میں
جب شوخ کمر باندھ چلے بانگی دھج سوں	بالشکر غمزہ
رسم کے بدن لہزہ پڑے تیغ و علم سوں	درگور و کفن میں
اشرف ہمہ شب کرتا ہے یہ نالہ و زاری	در پیش خداوند

لے پس لے یعنی استاد نے تے بدن میں

یا پیہ غلام اپنے کون دینے لطف و کرم سوں آرام وطن میں

### غزل ریختہ

آیا نہیں وہ شوخ نہ جانو کیا سبب  
چر کیوں لگے اتنا کوئی واسطہ عجب ہے  
دن رین ہے یہ جھوڑا تن کھا گیا وچھوڑا  
فریاد کر پکاروں پر کار کا ادب ہے  
پھیرا نہ یار پایا کیا اس کے دل میں آیا  
ہن دھوڑا اس چرن کی لمبی طلب ہے  
تم اے صبلے جاؤ میرا پیام لائیو  
لکھ میں مجھے بتائیو آؤں تمہارا کب ہے  
وعدہ کیا تھا پرسوں گئے گذر سال برسوں  
قیامت تک بھی آؤ یہ بھی قرار جب ہے

اشرف خودی جوارو (؟) سب دور کر کے ڈارو

پھر آکھ کھول دیکھو سہی رب رب رب ہے

### غزل ریختہ

ہمارا آئی ہے اے بلبل چمن میں اشیاں کیجے  
گلوں کے آؤنے کی تنہیت و روز بان کیجے  
چمن میں جام ہے مے ہے سخن ہے اور ساقی ہے  
چلو یار و شبانی سین چمن میں جام کاں کیجے  
نہ کیجے بے وفائی سوں غور و رشت جن کی ہرگز  
وفا داری میں ہر لحظہ بہار بے خزاں کیجے  
تلی پرے کھڑا ہوں جان تیرے کے تصدیق  
اگر نہیں مانتا مجھ کو تو اگر امتحاں کیجے

دامت کا نشانہ ہو رہا اشرف تیرے در پر

نگہ سوں تیرا ارش اور ابرو کی کہاں کیجے

یہ طبع غزل بھی اشرف کی تصنیف ہے۔ اس میں اس نے یہ التزام کیا ہے

کہ ہر مصرعہ کا ایک حصہ فارسی میں ہے اور باقی حصہ اس کا ترجمہ اردو میں ہے۔

۱۔ دے ۲۔ دیر ۳۔ سبب ۴۔ فکر۔ تشویش۔ غم

۵۔ فراق ۶۔ اب ۷۔ دھول غبار ۸۔ آمد۔ آنا ۹۔ اقرار

۱۰۔ آنا ۱۱۔ غرور ۱۲۔ ہتھیلی

اے دلبر شیریں سخن (میٹھی تمہاری بات ہے) در روز و شب خواہم ترلاہ ورد دن اور رات  
 ایک دم گزائی اے صغم (اک پل میرے دل کے قتل) دارم تو یک دو سخن (تجھ ساتھ اک دو بات ہے)  
 دیری کن زودی سیا (دھب آؤ پتر لائیں نہیں) امشب شب قدر است ایں (آج رات کو شہر است)  
 کوشش نہ اندیشہ (شبیہ کے گھمن گھیریں) افتاد و خضم با خجل (دویری بڑا بذات ہے رکلا)  
 اشرف بگو میرد عدو (کہ تارے ویری مرا)

ہمت ایں خدیش بدصفت (دویری بڑا بذات ہے)

### غزل عرفانی

محبت میں نہیں لالین طریقہ خود نمائی کا خودی کوں دور کر دل سوں پھڑو رہا سائی کا  
 جے دل میں دوستی ناہیں زباں کی کیا محبت ہے منافق ہو طریقت میں وسیلہ ہے جدائی کا  
 جے نہ مطلب ہے ملنے کا تاں بے مطلب ہوا ہیں غرض مطلب کی ہے مانع ترمی مطلب روائی کا  
 مربی کی توجہ بن نہیں مرتا نفس کا فر نفس کا تازیانہ ہے یہی مگر گداٹی کا  
 تیری لے شیخ گذری عمر ساری بت پرتی ہیں ..... بتخانہ میں طعنہ بے جلیالی کا  
 عشق میں محو ہونا خوب ہے کیا .... پھرتے ہو نہیں منظور اس رہ میں علم طبع آزمائی کا  
 جو اسکے غیر عالم میں ہے ہو تو اس سے بیگانہ کہ ہے اس ساتھ بیگانے کے رشتہ آشنائی کا  
 پتھر زہد جو دوگانہ کرے اس رہ سے بیگانہ ہزاروں زہد سے بہتر ہے اک دم بے ریائی کا  
 لیاوتہ ریاضت میں یہ سیاب نفس یارو تجھے جے آرزو ہے دل میں کسب کیائی کا

کے اشرف سنبھل کر پار کھو دریاے وحدت میں

• نہو مغرور اس دریاے میں علم آشنائی کا

۱۔ طرف	۲۔ جلدی	۳۔ دیر نہ لگانا	۴۔ پیری دشمن
۵۔ پکڑو	۶۔ جو۔ اگر	۷۔ نہیں	۸۔ تو
۹۔ ٹکڑا	۱۰۔ ماسوی اللہ	۱۱۔ جو۔ اگر	

## غزل

سجن نے رخ اُپر وہ زلف چاچ ڈالی  
کو کیا چاند چودس پر گویا یہ رات کالی ہے  
مجھے امید تھی اس ماہ روسیں کام پاؤں گا  
نجانا تھا یقین کر کے کہ آخر چاند خالی ہے  
تیرے بن باغ میں لگتا نہیں دل آشناؤں کا  
نظر میں چشم نرگس کے یکا یک دام جالی ہے  
موٹیاں بھی نام دلبر کا نہیں ہوتا جہاں دل میں  
کہ دل کی نخل تاب عشق کے پانی میں پائی ہے  
ہزاراں عاشقان کوں دیکھ سکوں جاں بکشی  
کوئی واقف نہیں جاں کا کہ کس پسین نکالی ہے  
میں اس زلف مسلسل کوں کیا معلوم راز اپنا  
بجہ اللہ ہو یا واقف کہ یہ قرعہ رمالی ہے  
نہیں فہید جو سمجھوں میں ان بڑھوں کیاں منزل  
قصید جن میں جانا کہ وہ شہ بیت عالی ہے  
کہوں ظالم کوں کس مظلوم کا پتلا ہے خون امروز  
کہ آگے سے زیادہ اُن لباب پر خوب لالی ہے

تیری اس خوش ادائیسیں رقیبوں کو نہیں پروا

کہ اشرف عشق تیرے میں دیوانہ لا ابالی ہے

## غزل

دیدم شبے در خواب خوش استادہ جانان کی طرف  
فریاد عاشق کی طرف شور قیاس کی طرف  
شاید کہ مسجدیں کہیں اس شمع کشتی ہے گذر  
زادہ تر پتا کی طرف تیج و قرآن کی طرف  
ٹھا کر دوارے میں دکھو ہے عشق اسکا برقرار  
چیلہ گو سائیں کی طرف گھنٹی و مالل کی طرف  
مینجانہیں جا کر دکھا اوس خوب رو کا عشق ہے  
حم کی طرف مے کی طرف ساقی پریشان کی طرف  
گلزار میں جاو کیٹیا اس گلبدن کے واسطے  
لالہ کھڑا ہے باغ میں سینہ میں اُنکے داغ ہے  
بلبل پکارے کی طرف فمری ہے تالان کی طرف  
لا لہ کھڑا ہے باغ میں سینہ میں اُنکے داغ ہے  
سوس خنیلی کی طرف نرگس بھی حیران کی طرف  
مکتب میں جا کر دیکھتا ہے کس طرح میں وہ آ  
چختی لطفہ کی طرف تختی گستاں کی طرف

لے آشناؤں لے مرنے پر ہر طرح لے ہزاروں لے ہوا ھ بڑوں کی مزیں

لے جانا کہ پیار ہے لے کی ہے صحیح معنی کیا ہے لے مالا لے دیکھا لے دیکھا ہے ۔

عاشق بچارہ در اوپر گھائل کھڑا ہے سر سبز  
 سر کی طرف پا کی طرف تن کی طرف جاں کی طرف  
 اشرف سخن کے نام پر ایسا دوا ہے ہو رہیا  
 کاغذ سیاہی یک طرف قینچی قلمداں کی طرف  
 اشرف

اب پتیا بن دیکھو سکھی کیا دکھ مجھے جزا پڑا  
 پتیا پیالہ پریم کا جیوڑا نہ رہیا دوک میں  
 جب سے گیا وہ چھوٹے کینین میں بند کئی  
 اب اس پیالے کے واسطے جوڑا کباب اپنا کیا  
 دل بھی حوالے کر دیا پر جان بن راضی نہیں  
 چاہہاں زرخداں دیکھ کے برجائے رہیا دل مرا  
 ے رمی حیا اب نہ کیا کیا دوس دیکھے غیروں  
 جس طرف دیکھوں جلے کے دل نظر آتا نہیں  
 نہ بیٹوے مانن باغ میں یہ گل چنبیلی کیوڑا  
 پوتھی کتاباں دیکھیاں مقصد نہ کچھ حاصل ہوا  
 یہ سیس اپنا کاٹ کر اس پاؤں پر دھپا پڑا  
 یار و خدا کی واسطے اس پٹن میں پڑنا پڑا  
 قابل کا چاؤنا سراٹھا کھڑا پڑا (کذا)  
 اوس ماہ کنگانی صفت جاگھوہ میں جھڑنا پڑا  
 مجھ کوں پیا بن چھج پر جو تج میں سرنا پڑا  
 یہ سبق ا دکھا پریم کا آخر مجھے پڑھنا پڑا

اشرف نہ کر یہ گفتگو اب اس پیا کے روبرو

مرشد جو کامل عشق وادامن ایہو پھڑنا پڑا

لے دیوانہ ۱۰ ہو رہا ۱۱ برداشت کرنا لگے گرا ۱۲ تیرنا -  
 لے دل قابو میں نہ رہا ۱۳ اپنے ۱۴ کوئی ۱۵ شراب  
 نہ نہ رہا ۱۶ افتاد ۱۷ اٹھانا ۱۸ لے جانا ۱۹ کنوئیں میں  
 گزنا پڑنا ۲۰ لاوے ۲۱ سچ ۲۲ جلا ۲۳ کتابیں ۲۴ دیکھیں  
 ۲۵ شکل ۲۶ حرف اصناف کا ۲۷ پکڑنا -

ذیل کی یہ ناتمام غزل بھی کسی پنجابی شاعر کی تصنیف ہے ۔

مسافر ہو کے رہتا تھا اونٹنی کا دروہستا تھا      سارا دن روز کستا تھا کہ آخر خاک ہو جانا  
 جہناں گھر پا لکی گھوڑے زری زلفیت کے چوڑے      اونہاں کو موت نہ چھوڑے کہ آخر خاک ہو جانا  
 جہناں گھر چھوڑتے ہاتھی ہزاروں لوک تھے غمی      انہاں کو کھا گئی پانی کہ آخر خاک ہو جانا  
 جہناں کے لاکھ ہیں پلے وہ خالی دست ہو چلے      اونہاں جنگلیں ملے کہ آخر خاک ہو جانا  
 جہناں کے باغ میں رستے دھچھانڈے ریشمی بنے      اوہ ہند کے گھلے بستے کہ آخر خاک ہو جانا  
 سجن کے وال ہیں کالے ملا لیاں دودھ میں پائے      اُپر سب خاک میں ڈالے کہ آخر خاک ہو جانا  
 بنا کر کفن کا چولا اٹھا کہ لے چلے ڈولا      نہیں ساتھی بجز مولا کہ آخر خاک ہو جانا

یہ دو شعر بھی ایک بیاض میں سے نقل کئے جاتے ہیں۔ غالباً کسی پنجابی شاعر کے ہیں ۔

ارے یارو عجب دیدم کراڑی خوب نتھ والی  
 شنیدم غلغل جھنجھر گرفتہ ہاتھ موں تھالی  
 یکے من نازنین دیدم کہ تھم تھم پیر دھرتی ہے  
 کمر زبور سے پتلی وہ اپوں ٹوٹ پڑتی ہے

اس بیاض میں یہ تین شعر بھی درج ہیں مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔ لیکن انداز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی پنجابی بزرگ کی جولانے طبیعت کا نتیجہ ہیں ۔  
 چشم کرتی تجھ دیکھن کو زاریاں      رات دن لیتی لمو میں تاریاں

لے دنیا لے جن کے گھر میں لے ان کو      لے جن کے قبضے میں لاکھوں روپے  
 تھے لے چلے لے جنگلوں میں جا بسیر کیا لے      پھلتے شہ بستر لے وہ زین  
 پہ بیٹھے لے بالائیوں لے ہندو عورت لے خود بخود لے تیرے دیکھنے کو لے تیرا لے حال ہند

مسکرا کر مجھ کو رونا زار زار اور تان کو جا کمے دلداریاں  
وعدہ کرے کربے وفا ہوتا صنم اس طرح ہرگز نہ ہوتیاں یاریاں

پروفیسر شیرانی نے ”پنجاب میں اردو“ کے ص ۱۲ پر امیر خسرو کی طرف منسوب کی ہوئی ایک غزل بحوالہ بیاض پروفیسر سراج الدین آذر درج کی ہے۔ مجھے اس سے ملتی جلتی ایک اور غزل امیر خسرو کے نام پر ملی ہے وہ بھی درج کرتا ہوں۔  
نقد دلم ز دیدہ صندوق سینہ پھوڑ کر پکڑوں قیامت میں تجھے آگے خدا کے چور کر  
غزہ مشور بحسن خود دن پہنچ دس مہمان ہے محبوب یوسف سے کتنے وہ زیب و خوبی چھوڑ کر  
میراجو تم نے من لیا تم نے جوئے غم کو دیا غم نے مجھے ایسا کیا جیسا پتنگا شمع پر  
از بہر تو دیوانہ ام آوارہ گشتہ خانہ ام یہ دوست کیا انصاف ہے ہننا میں منہ موڑ کر  
خسرو کے باتاں عجب دلبر بناوے اک قد قدرت خدا کی یہ عجب ہیں جی دیا پر لائے کر  
قیسرا اور آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہے۔ پروفیسر صاحب کے  
ہاں موجود ہیں۔ اور یہ دونوں شعر ردیف و قافیہ کے لحاظ سے باقی تین  
اشعار سے مختلف ہیں۔

عبدالرحمن خلدی کی ایک غزل پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر درج کی ہے اور اس کی دو غزلیں میں اپنے محولہ بالا مضمون میں دے چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھے ایک بیاض سے خلدی کی یہ ایک اور اردو غزل ملی ہے۔ جو اس نے ولی کے تتبع میں لکھی تھی۔  
آجدا ئی مگر خدا سیں ڈر غم فزائی نہ کر خدا سیں ڈر



آگ برہوں کی آگ ہی ہے تمیز (کذا) اب ہوائی نہ کر خدا سیں ڈر  
 دلبری دلبراں کوں لایق ہے جاں ربائی نہ کر خدا سیں ڈر  
 تیرے سادے وہ نہیں خونی ہیں سرمہ سائی نہ کر خدا سیں ڈر  
 منہ در آیا نہ بول عاشق کوں تراژ خائی نہ کر خدا سیں ڈر  
 بیچ غمزہ کو قتل کر جاوے اب دہائی نہ کر خدا سیں ڈر

سُن وکی کا سوال غلّی گفت

”بیوفائی نہ کر خدا سیں ڈر“

فضل حق



# مرقع داراشکوہ اور اُس کا مقدمہ

ذیل کا مضمون ہمارے عنایت فرما سٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی نے پیرس سے بھیجا ہے۔ مضمون اُن کے خاص ”جَنّاتی“ خط میں لکھا ہوا ہے۔ اور وہ مصر ہیں کیس کو ضرور شائع کیا جائے۔ کرمی حافظ محمود شیرانی صاحب نے ترجمہ فرما کر اس کی تصحیح میں کوشش کی ہے۔ مگر نتیجہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:-

”قدم قدم پر صاحب مضمون کی بدحواسی عیاں ہے۔ کتبوں اور تصاویر کی فہرست ہی اول تو نامکمل دی ہے۔ اور بیان بہت کچھ تشنہ ہے۔ دوسرے داراشکوہ کا دیباچہ اس سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ چغتائی صاحب کے جتنی خط کے پڑھنے میں خاصہ کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی میں عمدہ برآ نہ ہو سکا۔ آپ خود دیکھ لیں مجھے جگہ جگہ استفہامیہ سے کام لینا پڑا ہے۔ آخری اشعار کو بصورت نشر لکھا ہے۔ دیباچہ کی عبارت کئی جگہ سے غیر مرلوط ہے جس میں ربط پیدا کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ چغتائی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے نگارستان منیر کے خانہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مجھے منیر کی کوئی تصنیف جو نگارستان کہلاتی ہو معلوم نہیں۔ کارستان منیر میرے پاس ہے مگر اس میں یہ دیباچہ موجود نہیں اور نہ وہاں کوئی اس کا موقع ہے۔ ممکن ہے کہ منیر کی انشائیں ہو۔ میں نے تو نگار نامہ بھی اٹھا کر دیکھ لیا۔ اس میں صرف غلطو ہیں اور کچھ نہیں۔“

ان حالات میں مضمون سے پورا فائدہ اٹھایا نہیں جاسکتا۔ تاہم چغتائی صاحب کی محنت کو سرتا سر ضائع کر دینا بھی مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس لئے

اس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:-

”ایڈیٹر“

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ شہزادہ داراشکوہ ایک عمدہ شاعر اور خوشنویس ہونے کے علاوہ بے شمار کتب تصوف کا مصنف تھا۔ اس نے اپنے زمانہ شہزادگی میں علوم و فنون کی طرف بھی خاصی توجہ دی تھی۔ اس کے بے شمار ثبوت کیا بلکہ نمونے ملتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کے دیوان کا ایک نسخہ جو کسی قدر نامکمل ہے اگرہے میں محترم سید ظفرالحسین، خان بہادر کے پاس دیکھا۔ شہزادہ داراشکوہ قادری تخلص کرتا تھا۔ جو بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کلام کے اعتبار سے یہ نسخہ واقعی لاجواب ہے۔ اسی طرح تلاش سے اس کے متعلق دیگر علمی چیزیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ چنانچہ قیام لندن کے زمانہ میں مجھے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کے مملوک ایک مرقع تصاویر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور حیران ہوا کہ یہ بیش بہا خزانہ جو مغلی عہد کی تصویر کشی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے یہاں موجود ہے۔ اگرچہ سابق میں اس سے متعلق مفصلاً قبلہ پروفیسر شیرانی سے سن چکا تھا اور دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ میں اس کی ایک مختصر سی کیفیت ذیل میں درج کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میری یہ سعی عملی کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگی:-

### مرقع داراشکوہ

پہلے صفحہ پر سید علی الحسینی کتابدار حضرت خلد آشیان اور نگار زیب عالمگیر کی مر ہے۔

جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

”سید علی الحسینی مرید بادشاہ عالمگیر ۱۰۶۹ھ“

لے میں اس مضمون کو بہت پھیلا کر لکھنا چاہتا تھا۔ مگر سروسٹ دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے مرتبہ

فہرست پر اتفاق کرتا ہوں۔ یہ شل کہ پھول نہیں پٹکڑی سی۔

صفحہ ۲ پر جو عبارت ہے سنہری زمین پر مرقوم ہونے کی وجہ سے اس کی سیاہی ماند پڑ چکی ہے اور پڑھی نہیں جاتی۔ مگر یہ بے ربط الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔  
 اس مرقع نفیس پاس (؟) مہدم و ہمراز۔۔۔۔۔ خاص  
 نادرہ بیگم داد“

”محمد داراشکوہ ابن شاہ جہان بادشاہ غازی ۱۰۵۱ھ“

یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نادرہ بیگم داراشکوہ کی بیوی کا نام تھا۔ عبارت بالا سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ مرقع ہذا شہزادہ موصوف نے اپنی بیوی کو ہدیہ میں دیا تھا۔ اور داراشکوہ نے خود اس پر یہ عبارت اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔  
 مرقع ہذا کا ہر ورق پہلے صفحہ پر تصویر اور دوسرے صفحہ پر اساتذہ کی خطاطی کے نمونہ کا حامل ہے۔ میں یہاں صرف وہی عبارت نقل کرتا ہوں جو ان اساتذہ نے اپنا الجبد لکھتے وقت رقم کی ہے۔

۱ نمونہ کتابت محمد صالح قدیمی۔

۲ ”الجبد علی کاتب“

۳ ”الفقیر المذنب میر علی الکاتب“

۴ ایک ایرانی نوجوان کی تصویر ہے۔ جام بھر رہا ہے۔ تصویر ہذا پر درج ہے  
 ”عمل محمد خاں مصور ۱۰۴۳ھ“۔

۵ نہایت عمدہ تصویر ہے۔ جو ایرانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

۶ ”الفقیر عبدالمبین ۱۰۱۸ھ“

۷ فقیر عبد الرحیم عنبریں قلم“

۸ ”کتبہ الجبد محمد بن زریں قلم جہانگیر شاہی۔“

۹ ایک نفل تصویر نہایت عمدہ ہے کوئی شہزادہ کسی درویش کے پاس بیٹھا ہے۔

۳۹ نمونہ کتابت از سلطان محمد خنداں

۳۸ محمود بن اسحاق شہابی

۳۷ نمونہ کتابت فقیر محمد الکشمیری

۳۶ د ۳۱ پرندوں کی نہایت عمدہ تصویریں -

۳۵ کسی امیر کی تصویر ہے۔ اور ہر دو طرف فقیر علی و میر علی لکھا ہے۔

۳۴ وصایای اردشیر بابکان

۳۳ نمونہ کتابت شاہ محمود کاتب -

۳۲ کتبہ زرین الدین محمود "یہ سبز سیاہی میں لکھا ہے۔

۳۱ فقیر محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی

۳۰ د ۲۶ پرندوں کی بہت عمدہ تصاویر ہیں -

۲۹ فرنگی عورت کی تصویر ہے جو کسی دوسرے فرنگی سے ملاقات کر رہی ہے۔

۲۸ مشقہ سلطان محمد نور تجا و ز اللہ عنہ "کتابت سفید سیاہی میں سیاہ زمین

پر ہے اور نام گلانی رنگ میں ہے۔

اخیر میں پھر سید علی الحسینی کی مر ہے

یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مرقعوں کے مقدمے لکھے جاسکتے تھے۔ چنانچہ مجھ

تین چار مقدموں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان ہی سے ایک وہ ہے جو دارا

شکوہ نے خود اپنی عبارت میں تحریر کرایا اور مجھے ہنگارستان منیر کے نسخہ کتب خانہ

ملی پاریس میں دستیاب ہوا اس لئے میں مرقع دارا شکوہ کی مختصر کیفیت مندرجہ

بالا کے ساتھ اس کا درج کرنا بھی یہاں مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) دیباچہ مرقع کہ از زبان بی؟ دارا شکوہ رقم زد وہ (دوہ)

لے یہ دیباچہ کتب خانہ ملی پاریس میں ہے سے نقل کیا گیا ہے اس کے دو اور نسخے دیکھنے میں آئے مگر وہ اتنے

صاف نہ تھے۔ اگرچہ یہ بھی کوئی عمدہ نہیں لکھا ہوا۔ ایک نسخہ بولہاں اوکسفر ڈیوین اور ایک نسخہ کتب خانہ مولوی

محمد الحق صاحب اورنگ آباد میں دیکھا تھا۔ اور یہ ہنگارستان منیر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

حدی کہ قلم از تحویر آن قاصر است و خیال از تصویر آن عاجز بر آید و خط و خطان  
و نگارند و صورت بتان را که اوستا و قدرتش درق آفتاب را بجدا اولی طلامی طراز د-  
نقاش منقش نیم رخ ماه را مستقبل میبازد ز بیابان در هر قطعه زمین او را میخوانند  
و آسمانیان هر صورت نامش بر زبان میسرایند - مثنوی

نقش بند صحیفه گلزار چهره پرداز شاهان نگار  
شده از صبح کلک اوجا وید خط روی بتان خط خورشید  
معنی آسا بصورتش کار است زان بهر صورتی نمودار است  
قلم قدرتش نهد ز حباب نقطه آبدار بر خط آب  
گشته از وی جهان نمود پذیر چون ز نقاش مجلس تصویر  
و رودی که از زبان قلم بیرون ترا دود در صحیفه دل نقش پذیرد اولین حرف  
دیباچه شاهان و آخرین نقش کارنامه و جبهه را که بقلم بتان خط بهر صفحه قمر کشید و قمر  
را بصورت دو پیکر گردانید

محمد آن شبیه ایزد پاک کزد صورت گرفته کار افلاک  
بود ممتاز اجسام و جواهر که از وی صورت حق گشته ظاهر  
و هزاران ثنا بر چهار یار او باد که چهار لوح مرتفع خلافت اند و چهار چمن حدقیه  
شرافت و بر جمیع پیروان او که سر بر خط فرانش نهاده اند نقش ایمانش را در دل  
جای دارند خصوصاً چهره پرداز صورت الهام خط شناس صحیفه ایام آئینه نگارین مرتفع  
انداخته روح خطی قلم را سر کرده ام و قلم و خط را بدست آورده ام خط شناسان  
هفت اقلیم یک قلم سر بر خط نهاده اند و خوش نویسان روی زمین در ششم پشت پشت  
بر زمین گذاشته اند دست اوستا و این فن را بر بسته ام و ازین دست کار دست  
بسته کرده ام این کارنامه را از خط آبدار خود زینت داده ام و این روشن چمن را از زلفحات  
کلک خویش طراوت بخشیدم -

بنام ایزد عجب کارنامه که صحبت خطش با تصویر خوش برآید و نقش تصویرش با خط  
درست نشسته خطش دایره نواز است و تصویرش صورت معنی است زهی باد شاه  
گیتی ستان که قلمرو هندوستان از فیض لطفش بهره یابست و خجی شاهنشاه والا مکان که  
خط جینش سرشت آفتابست شبیش را صورت تاجداران بر سر گذاشته و صورتش را آئینه  
ضمیران در دل نگاشته اند کار شرع از صورت گرفته و نقش و نگار اسلام از دورستی  
پذیرفته سرشت نویسنده عدالت است و صورت نگار جلالت سر لوح صحیفه اقبال است  
و منشأ صورت اجلال

### قطعه

صاحبقران ثانی شاه جهان اول آن شه که صورت دین گشته از و کامل  
صاحبقران اول چون او نبود آری نقاش نقش ثانی بهتر کشد ز اول  
و بعد منکه دار اشکوه ابن شاه جهانم روزگار است که بدست یاری قلم خطه خط را آباد  
ساخته ام و طرح این بدعوی حسن خطی بر آورده و بر خطش از روی لطافت صورتی  
پیدا کرده اند شرم قطعه اش قطعه سخن رنگ باخته قطعه فردوس بے آب شده از بحالت  
خطش خط آب تر گشته و خط آفتاب از درجه اعتبار افتاده تصویرش چون عزیمت  
گران در خط نشسته و خطش چون صورت پرستان دل بصورتی بزبان حال اسم منصور  
خوانده حسن تصویرش از حسن مجوبان شکر است و نقطه خطش با خال خوبان خویش پیوند

### قطعه

بلطف ایزد پاک این مرقع رنگین ز سعی خامه من یافت صورت اتمام  
نگار فیض تماشای او شود سرمست از آنکه هست خطش نشان بخش چون خط جام  
بحسن صورت زانگونه و لغریب بود که در خطند ز شرمش بتان سیم اندام  
از آن خطش دارند چشم اهل نظر که چشم انجم روشن شود ز سرمه شام

حش چو خنرخ ماہ طلقان زیباست ہمیشہ باد از وزیب صفحہ ایام  
 سبہ جردگان سواد سخن کہ از نہانخانہ دل بدرود وات ؛ لب رسیدہ اندواز کوچہ  
 قلم بفضای صفحہ خرامیدہ بدست کاتب سبہ کار گرفتار شدہ اند کہ چون او غلط نویسی درین  
 جزو زمان در تیج قلم و نیست و بہ بہانہ تقطیع بعضی را پارہ پارہ ساختہ و بتقریب درن ؛ برخی  
 را بر سنگ زدہ از جہل مرکب یقلم غلط مینویسد و در سہو قلم ، تیج خط (خطائی) نمیکند  
 سخن از جو حش جامہ کاغذ پوشیدہ و صفحہ از سرزنش کلکش روی خود تراشیدہ حش  
 قابل ریخت بلکہ شائستہ تراشیدہ میخو استم کہ دست آن سبہ کار را قلم کم تا قلم بر ورق  
 زند گانی نو خطان نکشد۔ اما چکنم کہ قلم رفتہ را عللاجی نیست  
 خوشنویسی بیت نظم را نوشتہ آنچنان کز دل اہل تماشا گرد کلفت رفتہ است  
 اندران خط یک الف افزائت آراستہ ؛ راست گوی در حین رعنا ہنای خفتہ است  
 میکشاید مدعی برمن زبان اعتراف کین الف را شاعر کج طبع چون کج گفتہ است (۱۵)

محمد عبداللہ چغتائی

لہ اس نظم پر یہ نکتہ ختم ہوتا ہے اور خاتمہ پر یوں لکھا ہے :- "تحریر آئی التاریخ و نجم شہرہ المظفر  
 بوقت عصر روز جمعہ ۱۳؎ بفضل خدای عزوجل با تمام رسید"



# تنقید و تبصرہ

## طب العرب نمبر

آج سے سترہ اٹھارہ برس قبل انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر براؤن نے عربی طب (ادبین میڈین) کے موضوع پر کالج آف فزیشن میں چار مقالے پڑھے تھے۔ جو ۱۹۲۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر براؤن اپنی محنت و کاوش تحقیق اور دقت نظر کی وجہ سے مستشرقین میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنے ان چار خطبات سے عربی علم الطب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ لیکچر نہایت تحقیق و تفصیل سے تیار کئے گئے تھے۔ علمی دنیا میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ اور کئی زبانوں میں ان گراں منفعت خطبات کے تراجم شائع ہوئے۔ چنانچہ فرانسیسی ترجمہ ۱۹۳۳ء میں پیرس میں طبع ہوا، اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ ان لیکچروں کو اردو میں منتقل کیا جائے۔

حکیم نیرواسلی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس اہم ضرورت کی طرف توجہ فرمائی۔ اور پروفیسر براؤن کے پہلے لیکچر کو اردو کا جامہ پہنا کر رسالہ شمس الاطباء جزئی بوٹی کے خاص نمبر طب العرب میں شائع کیا۔ حکیم صاحب نے محض

ترجمہ ہی پیش نہیں کیا، بلکہ بعض جگہ فاضل مستشرق سے اختلاف کیا ہے۔ اور حواشی اور معلومات کا اضافہ بھی کر دیا ہے حکیم صاحب کے استدلال یا نتائج سے ہر مقام پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا تاہم ان کی سعی محنت ضرور ہے۔ جہاں تک افادیت کا تعلق ہے۔ مضمون بہت مفید اور قابلِ قدر ہے۔ مگر یہیں افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک طباعت و صحت کی جانب بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ ابھی خاصی علمی اور ادبی چیزوں کو طباعت اور کاغذ کے نقص کی وجہ سے بالکل بے قیمت بنا دیا جاتا ہے۔ اس گراں منفعت رسلے کو بھی ردی کاغذ، کتابت اور طباعت نے ایک بازاری ناول کی حیثیت سے بڑھنے نہیں دیا۔ اس کے علاوہ صحت کے معاملے میں بھی نہایت بے پرواہی برتی گئی ہے۔ یہیں توقع ہے کہ جب یہ سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل اغلاط کی صحت کر لی جائے گی۔ ان سے بعض تو ایسی ہیں جو سہو کاتب کا

نتیجہ ہیں :-  
صفحہ

صفحہ	غلط	سطر	نیچے سے چھ
۱۱	اذخر تک	۶	۱۱
۱۲	عصائہ	۱۵	۱۲
۱۹	ابن ابی صیبہ	۱۶	۱۹
۱۹	نشاہ	۳	۲۲
۲۲	نشاہ	۱۸	۲۲
۲۲	۲۲۶	۴	۶۴

مستشرقین کے نام زیادہ احتیاط اور صحت کے محتاج ہیں مگر براہِ کلن کوبراہِ کلن اور وُسٹن فیلٹ کو وُسٹن فیلڈ اور ص ۵۲ پر فان کریمیر کو وان کریمیر لکھنا پسند کیا گیا ہے۔ جو قرین صحت نہیں۔

ترجمہ بحیثیت مجموعی قابلِ قدر ہے۔ مگر بعض جگہ مفہوم و ترجمہ اصل الفاظ سے ذرا دور ہو گیا ہے۔ مثلاً ص ۲۱ سطر اسوشل کا ترجمہ ”مدنی“ ضرور ناپسندیدہ ہے۔ اسی طرح ص ۲۲ حاشیہ Edited کا ترجمہ ”مطبوعہ“ صحیح نہیں۔

سطر ۱۱ پر یوں مرقوم ہے: اُن میں آج ہزاروں میں صرف ایک باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی نہایت خراب و خستہ حالت میں ”حالانکہ اصل الفاظ یہ ہیں: “*Of the books there enumerated it would be hardly an exaggeration to say that not one in a thousand now exists even in a most fragmentary form.*”

اصل انگریزی عبارت کو پڑھائیے، دونوں عبارتوں کا فرق آپ پر نمایاں ہو جائیگا۔ ص ۲۵ کے حاشیہ میں *bird* (جیسا کہ انگریزی لیکچروں میں ہے) لکھ دیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ اس جگہ ایضاً پسند کیا جاتا۔

ص ۲۶ سطر Cupping حجامت (سینگی ٹکاتا) ہے  
ص ۵۹ سطر Antioch کا ترجمہ انطاکیہ ہونا چاہئے تھا۔ ”اندلیو“

غیر مناسب ہے۔

ص ۶۱ سطر ۱۱ احوالہ اربین میڈلسن ”کا دینا چاہتے ہیں۔ مگر صفحہ وسط پر پیش نظر رسالہ کا تحریر کیا گیا ہے۔

۶۱ سطر ۲ نیچے سے، ایڈیسہ (Edessa) کی بجائے رُھا لکھنا زیادہ مناسب تھا  
 ۶۵ حاشیہ نو لڈیک کی بجائے نلد کے چاہئے۔  
 ۷۷ پر حرانی بکسر الحاء صحیح نہیں۔ بفتح الحاء چاہئے۔

(عبدالقیوم)

**علیگڑہ کالج میگزین** | ہمارے مخدوم جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب باقاً

نے جب سے مسلم یونیورسٹی کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ جہاں یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں میں اصلاح و ترقی نظر آتی ہے۔ وہاں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آرہی ہے۔ کہ یونیورسٹی سے متعلقہ رسائل و اخبارات بھی نئی نئی خصوصیات کے حامل ہو رہے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ”علی گڑھ میگزین“ بابت جنوری ۱۹۳۷ء ہے

جس کے مضمون نگاروں میں طلبہ یونیورسٹی کے علاوہ بعض نامور اساتذہ کے نام بھی شامل ہیں علی گڑھ میگزین کا مقصد جیسا کہ جناب ایڈیٹر نے اپنے تمہیدی شذرات میں تصریح فرمائی ہے۔ یہ ہے کہ وہ یونیورسٹی کے طلبہ میں ایک زندگی پیدا کر دے اور ان کے جمود و سکوت کو دور کر کے ان میں علم و عمل کی روح پھونک دے۔ اس میگزین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے۔ اور جیسا کہ ایک یونیورسٹی میگزین کو ہونا چاہئے۔ اس کے مضامین میں تحقیق و تدقیق اور ادب لطیف دونوں شامل ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے مطالعہ سے اعلیٰ درجہ کے تحقیق پسند اور ”ٹیگوری اردو“ کے شائقین ہر دو کو بہت حد تک مایوس ہوگی۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ ہمارا صحیح نصب العین یہی ہونا چاہئے کہ ہم ان دونوں راہوں کے درمیان ایک تیسری راہ کی تلاش کریں۔ جہاں ادب و انشا کے ساتھ مضامین کی افادی اور علمی حیثیت کو بھی برقرار رکھا جاسکے۔

تحقیقی مضامین یہ ہیں :-

۱۔ دہلی کی ادین ترکی سلطنت۔ از جناب عزیز احمد صاحب ایم اے۔  
ریسرچ سکالر۔

۲۔ لسانیات۔ از جناب ایوالیٹ صاحب صدیقی متعلم بی۔ آے (آنرز)

۳۔ صوبہ بہار میں اردو کی پہلی تصنیف۔ از ایڈیٹر

۴۔ مکتب۔ جناب مولانا احسن مارہروی۔

ان ہر چار مضامین کا پایہ تحقیق اچھا خاصہ ہے۔ تاہم بادب گذارش کی جا سکتی ہے کہ جناب عزیز احمد صاحب ایم اے کے مضمون میں زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان میں بہت سی الجھنیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اصلی کتابوں کو دیکھنے کی بجائے غالباً ایلیٹ وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔ چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے۔ مثلاً ”یا قوت کو“ یعقوت“ اور ابن بطوطہ کو ”ابن بطونہ“ لکھا ہے۔ ص ۴ پر سلطان قطب الدین ایبک کو سخت دل بے رحم اور ظالم قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔ اور زمانے کی سپرٹ اور ذہنیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا نتیجہ کسی حالت میں نہیں نکالا جاسکتا۔

مولانا احسن صاحب مارہروی نے مکتب کے متعلق جو دلچسپ مقالہ لکھا ہے۔ اس میں نصاب پر جامعیت کے ساتھ بحث نہیں کی گئی۔

ادبی اور مزاحی مضامین میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مضمون ملاج حسب معمول دلچسپ ہے۔

میگزین کی کتابت اور طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ اور کاغذ نفیس باہتمام قاضی شریف الحسن بلگرامی ڈسٹرکٹ گزٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا (دسمبر)

**مجلہ عثمانیہ** | جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں

شمارہ ۳ و ۴ شامل ہیں۔ اردو حصہ ۳۱۶ اور انگریزی ۲۷۱ صفحات کو محیط ہے۔ اردو حصے میں تاریخ، سیاسیات، معاشیات و عمرانیات، فلسفہ، تحقیقی مقالات، حسن کاری، اور ادبیات کے مختلف شعبوں کے متعلق بہت اچھے مضامین نظر آتے ہیں۔ جو جامعہ کے نئے پڑنے طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے قلم کا بھی نتیجہ ہیں۔ رسالہ اپنی ظاہری خوبیوں کے لحاظ سے قابلِ داد ہے بلکہ اردو کے بہت سے عام ادبی رسالوں سے زیادہ شاندار ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی اس کے مضامین کا بیشتر حصہ لکھنے والوں کی محنت و جانفشانی کی داد کا طلبگار ہے ہم جامعہ عثمانیہ کے طلبہ اور خصوصاً مجلہ کے مدیر سکندر علی وجد اور صاحبزادہ میکش کو ان کی خوش مذاقی اور ادبی ذہانت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

مجلہ کا چندہ مے روپیہ ہے اور دفتر مجلہ عثمانیہ۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

**مجلہ عثمانیہ کا جشن سین نمبر**۔ مذکورہ بالا رسالہ کا جشن سین نمبر بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک اردو اور دوسرا انگریزی۔ اردو حصہ ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور انگریزی ۱۰۲ صفحات پر حضور نظام شاہی خاندان کے افراد اور اعیان مملکت آصفیہ کی ایک درجن سے زائد تصاویر بھی زینت رسالہ ہیں۔

رسالہ محنت اور قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ فاضل مضمون نگاروں نے حیدرآباد کے متعلق بہترین معلومات ہم پہنچائی ہیں۔ اور بہت سی مفید چیزوں کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ جو بعض اوقات بڑی وقت اور تلاش سے بھی مشکل ملتی ہیں۔ حضور نظام کا کلام لوک الکلام کی حیثیت سے زینت رسالہ ہے۔

حصہ اُردو کے بعض مضامین مثلاً حیدر آباد کی تعلیم اور اردو، عہد عثمانی میں حیدر آباد کی اُردو مطبوعات، عہد عثمانی میں علوم عربیہ کی خدمات حیدر آباد میں جدید علمی اور ادبی تحریکات، حیدر آباد میں فن مرغ بانی کی ترقی حیدر آباد میں دیہی تنظیم، حیدر آباد میں زرعی وسائل، نظام ساگر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انگریزی حصے میں بھی بعض مضامین قابل دلچسپ ہیں۔ جن میں حیدر آباد میں اخبار نویسی، مرہٹی ادب پر ایک نظر اور حیدر آباد میں تحریک امداد باہمی خاص طور پر پُر از معلومات ہیں۔

سالانہ چندہ ۶ روپے۔ فی پرچہ ۲ روپیہ  
ظاہری زیب و زینت خاصی اور تصاویر عمدہ، کتابت و طباعت نفیس۔

**ساربان** غلام احمد خاں بی۔ آئے کی ادارت میں ہر ماہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر سیاسی معاشرتی اور اقتصادی معاملات کے بارے میں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ جو اردو کے دوسرے رسالوں کی ہم رنگی کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہیں۔ کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی ہے چند سالانہ تین روپے فیچر ساربان، کشمیر بلڈنگ لاہور سے طلب کیے۔  
**ادبی دنیا کا سالنامہ ۱۳۳۵** ادبی دنیا منصور احمد صاحب کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ زیر نظر نمبر اس کا سالنامہ ہے، اور ۶۳۶ صفحات کو محیط ہے مضامین میں زیادہ تر ڈرامے انساں اور نظمیں نظر آتی ہیں۔ نظم کا حصہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ متعدد تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ قیمت رسالے پر درج نہیں۔  
ملنے کا پتہ:- میجر رسالہ ادبی دنیا "لاہور"

# اورنٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۴ بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء عدد مسلسل ۵۰

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	جہاں آر بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف	پروفیسر محمد براہیم ایم۔ اے گجرات کالج احمد آباد	۳
۲	انیسویں صدی کا ایک مفکر اور مصنف	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی۔ لٹ	۲۰
۳	فرخی سیستانی	سید ولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۳۲
۴	دیار عرب کے مغربی سیاح	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	۴۲
۵	پرہتھی راج راسا	حافظ محمود شیرانی	۴۹
۶	سندھ کے بعض کتبے	ایڈیٹر	۷۳
۷	خطاطی کے نمونے	"	۱۱۰
۸	فہرست اسماء شعرا جنکے اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج ہوئے ہیں	مولوی عبد القیوم ایم۔ اے	۱۱۹ ۱۲۲

گیلانی لیکچرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این ٹرانز لٹریل کالج لاہور شائع کیا



# اورینٹل کالج میگزین

عرض و احب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو اتحاد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے؟ کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا۔ ادکم ضمانت کے بعض مفید سارے بھی باقسط شائع کئے جائینگے۔ رسالے کے دو حصے ایہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے۔ حصہ اول عربی فارسی پنجابی دہکروف فارسی حصہ دوم سنسکرت ہندی پنجابی دہکروف گورکھی ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔ وقت اشاعت یہ رسالہ بالفضل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا۔ قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۴ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کی وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالے کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچانی چاہئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و نومبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پر پیل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجئے چاہئیں محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔ قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ آے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ آے پی ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

# جہان آرا بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف

## صاحبیہ

جہان آرا بیگم کا شمار ان تیموری بیگمات میں سے ہے جنہوں نے علم و فن کی سرپرستی و قدر دانی میں امتیاز حاصل کیا ہے۔ اس کی گونا گون خوبیوں کا ذکر "باوشاہ نامہ" اور "عمل صالح" کے صفحات پر جا بجا موجود ہے۔ وہ ان خوش نصیب مغل شاہزادوں میں سے ہے جنہیں صاحب تصنیف کہا جاسکتا ہے۔ بچپن سے ہی اس کا طبی میلان اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مقدس گروہ کی طرف تھا۔ اور اسی میلان نے آہستہ آہستہ اس کے بھائی داراشکوہ کے اثر سے ایک غیر فانی شوق کی صورت اختیار کر لی تھی یہی فطری ذوق اس بات کا محرک ہوا کہ جہان آرا نے بزرگان دین کے سوانح و حالات کو اپنی تصنیفات کے لئے منتخب کیا اس کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف "مونس الارواح" ہے جس میں اس نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات لکھے ہیں۔ لیکن آج میں اس کی ایک دوسری تصنیف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی تک گزشتہ گننامی میں پڑی ہوئی ہے اور جسے بیگم نے "مونس الارواح" کی تالیف سے دو سال پہلے لکھا تھا۔

جہان آرا کی اس گننام تالیف کا نام صاحبیہ ہے۔ اس مختصر رسالے میں جس کے کل انیس اوراق ہیں۔ اس نے اپنے پیر و مرشد ملا شاہ بخشی کے حالات قلبند کئے ہیں اس رسالے کا ایک نقلی نسخہ احمد آباد کے ایک کتاب خانہ میں موجود ہے۔ اس کتاب خانہ کا نام آپارو بھولا ناٹھ لائبریری ہے۔ اور اس کی بنیاد ۱۸۷۸ء میں رکھی گئی تھی۔ آپارو کے دادا سارا بھائی مہتہ نے مرہٹہ گردی کا پُر آشوب زمانہ دیکھا تھا۔ اس کے فارسی خطوط کا ایک مجموعہ دو جلدوں میں ممکن الانشاء کے نام سے اسی کتاب خانہ میں محفوظ ہے اس کی اصل نسخہ دستخطی بیگم صاحبہ لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ایک دوسری کتاب کا نام "تاریخ مرہٹہ درگجرات" ہے۔ سارا بھائی کے اپنے ہاتھ لکھا ہوا تاریخ مظفر شاہی کا نادر نسخہ بھی اسی کتاب خانہ میں موجود ہے۔

بیگم نے رسالے کے شروع اور آخر میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا نام "صاحبیہ" لکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ شہزادی بیگم صاحب کے لقب سے مشہور تھی۔

اس رسالے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے جہان آرا کے روحانی ذوق اور ذہنی کیفیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اسے اولیائے کرام اور بالخصوص خواجہ اجمیری سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اس عقیدت کا صحیح اندازہ "مولس الارواح" کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے یہ خواجہ صاحب کی محبت اور عقیدت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ بیگم کسی چشتی بزرگ کی مرید ہونا چاہتی تھی۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہ منظور نہ تھا۔ اور بیگم کو بحالت مجبوری قادری مشرب میں شریک ہونا پڑا جس میں اس کا بھائی داراشکوہ پہلے سے داخل تھا۔ ملاشاہ کا مرید ہونے سے پہلے بھی جہان آرا کا یہ حال تھا۔ کہ جہاں کہیں اسے کسی بزرگ کی موجودگی کا علم ہوتا فوراً وہاں پہنچتی۔ اور مذنیاز پیش کرتی۔ چنانچہ اس رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی داراشکوہ کے کہنے پر شہر گجرات (پنجاب) کے مشہور بزرگ شیخ دولہ کی خدمت میں نیاز بھیجی اور ان سے فیض چاہا۔ اسی طرح اس نے حاجی عبداللہ صاحب سے بھی فیض کی درخواست کی۔ جو تال جلال گھر کے حوالے میں رہتے تھے۔

اس رسالے میں جہاں آرا بیگم نے ملاشاہ بدخشی کے اوصاف و مہمان پر پوری روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے لباس اور خوراک تک کا بھی پورا حال لکھا ہے۔ اس نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بھی کسی قدر تفصیل سے درج کیا ہے۔ یہ عجیب

۱۔ عمل صلح جلاؤں صفحہ ۸۰ مرتبہ یزدانی صاحب۔ اس کتاب میں جا بجا جہان آرا کو بیگم صاحب

کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

حسن اتفاق ہے۔ کہ اگرچہ جہان آرا کی اس تصنیف کا سُرائح کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔ لیکن میکڈونلڈ نے اپنی مشہور کتاب اسلام میں دینی زندگی اور مسلک (The religious life and attitude in Islam) میں فان کیر کے حوالے سے ملاشاہ بخشی کے ایک دوسرے مرید توکل بیگ کے کسی رسالے کا ذکر کیا ہے۔ جس میں توکل بیگ نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک شہزادی فاطمہ نامی کے مرید ہونے کی رواد بھی درج کی ہے۔ لیکن یہ رواد شہزادی کے اپنے الفاظ میں نقل کی گئی ہے فاطمہ کا لفظ میکڈونلڈ کے لئے ایک لایخل معنابن کر رہ گیا ہے لیکن پروفیسر فاننگو کا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ توکل بیگ نے جہان آرا کو فاطمہ الزامی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور ان کے خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جہان آرا کے یہی الفاظ بعینہ رسالہ صاحبیہ میں پائے جاتے ہیں قیاس کہتا ہے کہ توکل بیگ نے یہ عبارت جہان آرا کے رسالے سے نقل کی ہے میکڈونلڈ کی انگریزی عبارت اور جہان آرا کے اصلی الفاظ میں ایک فرق بہت نمایاں ہے اور وہ یہ کہ اس فقرہ اے ملاشاہ چلراغ تیموریہ را تو روشن کردی کا ترجمہ میکڈونلڈ کے یہاں اس طرح ہے۔ (You illumine that Timuria) (تم نے اس تیموری کو کیوں روشن کیا؟) شاہجہان کے متعلق اس کے عہد میں یا اس کے بعد جتنی بھی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں داراشکوہ اور جہان آرا کے درمیان دلی محبت و اتحاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس اجمال کی تفصیل جہان آرا کے قلم سے دیکھنے کے قابل ہے۔ وہ اپنے بھائی کو عارف کامل۔ نورعین وعین نور اور مملکت باطن و ظاہر کا ولی عہد کہہ یاد کرتی ہے۔ جب داراشکوہ قندھار کی مہم کے لئے روانہ کابل ہوتا ہے۔ تو یہ عارضی

جُدائی دونوں پر بہت شاق گذرتی ہے۔ اور جب کچھ مدت بعد جہاں آرا بھائی سے کابل میں جا ملتی ہے۔ تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ شروع شروع میں دلاشکو ہی اس کا مرشد و رہبر تھا۔ اور بیگم نہایت واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بیگم کا مندرجہ ذیل فقرہ ان کے انتہائی اتحاد و یگانگی کا آئینہ دار ہے: ”ماہر دو یک روحیم کہ درد و قالب و میدہ شدہ و یک جانیم کہ درد و جسم آمدہ“۔

بیگم نے یہ رسالہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ میں لکھا۔ عام طور پر خط نستعلیق ہے۔ لیکن کہیں کہیں شکستہ آمیز بھی ہے۔ ایک صفحہ پر کوئی سترہ سطریں ہونگی۔ رسالہ کا اکثر حصہ کرم خود وہ ہے۔ کوئی تعجب نہیں۔ اگر یہ رسالہ بیگم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ کتابت کی نمایاں غلطی ایک ہی ہے جہاں مَوْثُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کو اَنْتَ مَوْثُوْا کر کے لکھا گیا ہے۔ پہلے صفحے پر سر تحریر کے طور پر ہوا الفرد لکھا ہے۔ اور رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے: ”حمد و سپاس نامحدود و مرخائے را کہ بذات خویش احد و مطلق است! رسالے کے آخر میں بیگم نے کچھ اشعار ملا شاہ کی تعریف میں لکھے ہیں۔ جن میں انہیں اپنا پیر و خدا۔ دین و پناہ اور شاہ والہ کہکشا یاد کرتی ہے۔ رسالے کا اختتام اس دعا پر ہوتا ہے کہ بیگم کے وجد و استغراق اور معرفت میں روز بروز اور ساعت بساعت اضافہ ہوتا رہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد رسالہ صاحبیہ کے مطالب اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں:-

مولانا شاہ کے اوصاف و کمالات حد شمار سے باہر ہیں۔ لیکن بیگم نے حصول سعادت کی خاطر یہ رسالہ لکھا ہے۔ اور اس نے اپنے حالات کتاب میں اس لئے درج کر دیئے ہیں۔ تاکہ اس کا نام اس کے پیر و مرشد کے نام کے بعد لکھا جائے اور ان کے نام کی برکت سے خدا اسے بخش دے۔ اور ان کے طالبوں اور عقیدہ مندوں

کے زمرے میں اٹھائے۔

مولانا شاہ کا مولد و وطن موضع ارکسا ہے جو بلبدہ رستاق کا ایک گاؤں ہے اور روستاق مملکت بدخشاں کے توابع میں سے ہے چنانچہ مولانا شاہ خود فراتے ہیں۔ ملک من از ملکھا ملک بدخشاں آمدہ از بلاد از روستاق و از قرا از ارکسا آپ کے والد کا نام مولانا عبدی بن مولانا سلطان علی بن حضرت قاضی فتح اللہ ہے۔ اور آپ کے اسلاف میں سے ہر ایک قاضی کے لقب سے ملقب ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی قضاوت کے فرائض سرانجام نہیں دیئے۔ بلکہ ہمیشہ ان کا پیشہ رضا و تسلیم رہا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت بی بی خاتون ہے وہ عارفہ کاملہ اور رابعہ دہر تھیں۔ اور اس دنیا کے فانی سے رحلت فرما چکی ہیں۔ مولانا شاہ کے دو بھائی ہیں۔ اور ایک بہن۔ بہن حضرت سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اور اپنے وطن ارکسا میں سکونت رکھتی ہیں۔ دو بھائی ملا نیک محمد اور ملا سلطان علی ہیں۔ یہ دونوں معرفت الہی کے حصول کے لئے ہندوستان میں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے وطن واپس چلے گئے۔

مولانا شاہ نے اپنا دیوان بلاغت نشان جس میں قصائد اور حقیقت سے بھری ہوئی غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ مجھے عنایت کیا ہے۔ دن رات اس کتاب کو میں اپنے ہاتھ میں اور اپنے پیش نظر رکھتی ہوں۔ اور اس کو ورد زبان بناتی ہوں میرا اعتقاد ہے کہ اس زمانے میں حضرت کی طرح کسی دوسرے نے توحید کو بیان نہیں کیا۔ اور نہ کریگا۔ بیگم نے اپنے پیر کی کچھ رباعیاں اس سلسلے میں نقل بھی کی ہیں۔ مولانا شاہ بچپن سے لے کر اکیس برس تک موضع ارکسا میں رہے اور آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد آپ علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے بلخ تشریف لے گئے۔ آپ نے ان علوم میں بہت جلد دسترس حاصل کر لی۔ لیکن

چونکہ حقیقت کا شوق آپ پر غالب تھا۔ آپ بلخ میں زیادہ نہ ٹھہر سکے اور وہاں سے ہندوستان فردوس نشان میں تشریف لائے۔ اور سب سے پہلے کشمیر کو اپنے نور سے منور کیا۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ کشمیر میں تین سال تک آپ نے طالب علموں کی سی زندگی بسر کی۔ بعد ازاں شیخ کی تلاش میں کشمیر سے لاہور پر نور میں وارد ہوئے۔ اُس وقت لاہور حضرت میانیر صاحب کے وجود مسعود سے منور تھا۔ اور جب مولانا شاہ کو حضرت میانیر صاحب کا علم ہوا۔ تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سال تک طلب و شوق کی آزمائش کے لئے میانیر صاحب نے ملا شاہ سے استغنا برتا۔ لیکن ملا شاہ کمال عقیدت و اخلاص سے میانیر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب میانیر صاحب کو یقین ہو گیا۔ کہ ان کی طلب صادق ہے تو آپ نے اپنی پوشیدہ ملی عنایت و مہربانی کو آشکارا کر دیا۔ اور انہیں اپنے حلقہ ارادت میں لے لیا۔ ملا شاہ نے انیس برس میانیر صاحب کی خدمت میں اس طرح گزارے کہ سردی کے زمانے میں لاہور میں رہتے تھے۔ اور موسم گرما میں اپنے پیر کی اجازت سے کشمیر تشریف لجاتے تھے۔ اور کشمیر میں گرمی کا زمانہ بسر کرنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کا مزاج بہت گرم تھا اس زمانے میں آپ نے بہت ریاضتیں کی ہیں۔ اور آپ کی ریاضت شاقہ کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ ان انیس برسوں میں اور اس مدت سے چند سال پیشتر اور میانیر صاحب کی وفات کے بعد پانچ سال تک آپ نے پہلو زمین پر نہیں لگایا۔ اب اگرچہ پہلو زمین پر لگاتے ہیں لیکن خواب کا نام نشان نہیں۔ دنیا کی فانی لذتوں سے آپ نے منہ موڑ رکھا ہے۔ غیرت کے تمام پردے دُور ہو چکے ہیں۔ اور آپ مطلب اعلیٰ اور مقصد اقصیٰ کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت اپنے مربیوں کو ریاضات شاقہ اور ترک و تجرید کی تلقین نہیں کرتے۔ آپ زیادہ زور اس بات پر دیتے ہیں کہ ماسوا سے ملی ترک و تجرید ضروری ہے۔ ہاں فرب

بیداری کے لئے اپنے مریدوں کو کچھ تاکید ضرور کرتے ہیں۔ آپ اپنے عقیدہ مندوں اور اخلاص کیشوں کے علاوہ کسی دوسرے سے صحبت نہیں رکھتے۔ اور آپ کی محفل میں ہر وقت معرفت و حقیقت کے چرچے رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کی صحبت اور زبان میں بہت تاثیر دے رکھی ہے۔ اکثر شیعہ حضرات آپ کی گفتگو سن کر اہل سنت کے حلقے میں آگئے ہیں۔ اور کئی غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کے ارادت کیش حضرت سروردو عالم صلعم کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ بعض مریدوں کو آپ کے فیض باطنی سے پہلے روز ہی کشف حاصل ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہیں کہ میری نماز کبھی قضا نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی میں کبھی ایسے عارضے میں مبتلا ہوا ہوں۔ کہ میری نماز فوت ہو گئی ہو۔ میں نے ہمیشہ وقت پر نماز ادا کی ہے۔ آپ نماز باجماعت کے بہت حامی ہیں ماورجب تک ملا محمد سعید جو آپ کے خاص مریدوں میں سے ہیں۔ حاضر ہوں۔ آپ کسی دوسرے کو امامت کے لئے حکم نہیں دیتے۔ اگر کبھی ملا محمد سعید موجود نہ ہوں۔ تو آپ خود امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ آپ ایک سالک کے لئے شریعت اور طریقت دونوں کو ضروری قرار دیتے ہیں آپ اہل دنیا بالخصوص سلاطین و امراءے نذر نیاز قبول نہیں کرتے۔ ہاں اپنے مریدوں سے معمولی نیاز مثلاً ایک دو روپے قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس رقم کو غریب و مساکین پر صرف کر دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک یا دو خادم رہتے ہیں۔ آپ پر اکثر تجرید و تفرید کا غلبہ رہتا ہے۔

آپ اکثر دوزانو اور کبھی چمارزانو اور کبھی نکبہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور کبھی پاؤں لمبے کر کے اور کبھی چاندنی میں اور کبھی تاریکی میں۔ دُنیا داروں کی صحبت سے اجتناب فرماتے ہیں۔ جب کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تو آپ کا معمول یہ ہے کہ اس سے اس کا نام اور محل سکونت دریافت فرماتے ہیں۔



آپ خوش وقت شگفتہ بخداں اور متبتم رہتے ہیں کبھی کبھی تمقنہ بھی فرماتے ہیں اور کبھی حضرت رسول مقبول صلعم کی سنت کے اتباع میں اپنے مخلصوں سے مزارع بھی کرتے ہیں لیکن یہ ہنسی کھیل بھی عین معرفت و توحید ہوتی ہے آپ کے چہرے پر کلمات و کلامی کا نشان کبھی نہیں ہوتا۔

آپ کے صنو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اکثر اپنے ہاتھ سے پانی ڈالتے ہیں۔ اور وضو کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ خادم آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالے۔

آپ خرقہ نہیں پہنتے۔ بلکہ چادر پہنتے ہیں۔ اور ملا میٹوں کی طرح گول پگڑی باندھتے ہیں۔ اور ہمیشہ آپ کی پگڑی سفید ہوتی ہے۔ رنگین پگڑی آپ کو پسند نہیں۔ پگڑی کے نیچے طاق ہوتا ہے۔ اور کبھی گرمی زیادہ سخت ہو تو سر پر خالی طاق رکھتے ہیں اور کبھی طاق کے اوپر سترچ بھی لپیٹ لیتے ہیں۔

آپ کے قیام گاہ پر کچھ لپکا یا نہیں جاتا۔ جو کچھ مرید لاتے ہیں۔ آپ تناول فرما لیتے ہیں۔ کبھی دن میں ایک وقت اور کبھی دو وقت جس قسم کا کھانا آئے کھا لیتے ہیں۔ اور اگر کچھ نہ ملے۔ تو دو تین دن کھانے کے بغیر ہی گزر جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کی طبیعت گرم ہے۔ اس لئے اکثر ٹھنڈی چیزیں آپ کو مرغوب خاطر ہیں۔

چونکہ کشمیر کے سرسبز و شاداب اطراف و جوارب و پذیریں اور دلکشی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ اس لئے مولانا شاہ صنعت ایزدی کے شاہکار دیکھنے کے لئے کبھی کبھی دیہات کی طرف چل نکلتے ہیں۔ آپ کبھی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اور کبھی بے تکلفانہ پیادل سیر کرتے ہیں۔ چونکہ کشمیر کی سواری کشتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی کشتی میں بھی سوار ہو جاتے ہیں۔

آپ کے خوارق و کلمات بے شمار ہیں۔ اگر کوئی ان کو لکھنے بیٹھے تو ایک کتاب بن جائے چونکہ آپ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں کہ آپ کی کرامتیں ظاہر ہوں۔ اس لئے ان کے لکھنے سے منع فرماتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے۔ کہ جو کچھ طالب کے دل میں ہوا سے فقط

ایک ہی نظر میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ آپ مَرودہ دلیں کو زندہ کرتے ہیں۔ اگرچہ خدا نے آپ کو یہ قدرت بھی دی ہے کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ظاہری مَرودہ کو بھی زندہ کر دکھائیں لیکن آپ کی توجہ ان کلامات کی طرف بہت کم ہے۔ آپ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ آپ کی کلامتیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔

تیس سال سے آپ کشمیر میں سکونت پذیر ہیں۔ اور یہ باغی آپ نے کشمیر کے بارے میں لکھی ہے۔

اقتاد بگو شہ، علم عالمگیر م      نان گوشہ بکشیر، بود تعبیر م

شمعے بدرون کوزہ روشن شد      ماہی بدرون چاہ شد د لگیر م

مرید اگرچہ ایک دنیا آپ سے فیض یاب ہے اور آپ کے عقیدہ مند، بشمار ہیں۔ لیکن سب

سے زیادہ ممتاز مرید ملا محمد سعید ہیں۔ جن کا وطن رستاق بخشان ہے اور جن کو حضرت سے

ظاہری اور باطنی دونوں نسبتیں ہیں۔ ان کا مکان حضرت کے مکان کے متصل ہے حضرت

ان کے سچوں سے اپنے سچوں کی طرح پیار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے مرید ملا مسکین بھی

بخشان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر مرید جو طریقہ سلوک کی تلقین کے لئے آتے ہیں پہلے

ملا محمد سعید اور ملا مسکین سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ملا مسکین کا اصلی پیشہ سپاہگری تھا۔

آپ نے سپاہگری ترک کر کے دس سال تک حق کی جستجو کی۔ چند مرتبہ مرید بننے کے خیال

سے حضرت میانیر صاحب کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے لیکن حضرت نے انکار کر دیا۔ ملا

شاہ کے پاس بھی پہلے کئی بار آئے لیکن آپ بھی رضا مند نہ ہوئے۔ آخری مرتبہ آپ نے

انہیں اپنا مرید بنا لیا۔ اب ملا مسکین کامل و عارف ہیں۔ اور انہوں نے کشمیر کو ہی اپنا وطن

بنالیا ہے۔ ایک اور مرید محمد علیم نامی ہیں۔ ان کے باپ کا نام گل بیگ ہے۔ ان پر ملا شاہ

کی بہت مہربانی اور توجہ ہے۔ ان کے علاوہ ملا محمد امین کشمیری، ملا عبدالنبی کشمیری اور ملا حبیب

میں۔ جو سب کے سب ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ ہیں۔ ملا شاہ نے اس جماعت کی

تعریف میں یہ رُباغی لکھی ہے۔

لے تافہ بر روی تو ذری زلالہ زان نور بروے ہمہ بکشانای راه

یاران تو اولیائے وقت اند ہمہ نازم بتو شاہ اولیاء ملاً شاہ

آن کے علاوہ ملا شاہ کے مریدوں کی تعداد ان گنت ہے۔ لیکن یہ مختصر رسالہ ان کے ذکر کا مقفل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان بندگان ہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جہاں آرا کے اپنے حالات اگرچہ اپنے پیرومرشد کے احوال کے ساتھ ساتھ اپنے حالات کھنا ادب کے منافی ہے لیکن چونکہ اوپر مریدوں کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا ہے۔

بیس سال کی عمر سے مجھے خواجگانِ حشت کے سلسلہ عالیہ سے عقیدت و ارادت ہے اور خواجہ معین الحق والملت والدین کا حلقہ مریدی میرے گوش جان میں ہے۔ چنانچہ سال پیشتر میں حضرت کے روضہ منورہ کی زیارت کر چکی ہوں۔ اور یہ عقیدت بعد بزرگوار ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے میرے دل میں ذوق و طلب پیدا کیا ہے اور میرے بھائی نے جو عارف کامل ہیں۔ اس آتش شوق کو اور بھی تیز کر دیا ہے۔ <sup>۱۳۹۰ھ</sup> میں میں اپنے والد بزرگوار خلد اللہ ملکہ و سلطانہ کے ہمراہ لاہور پہنچی۔ مجھے اپنے کامگار بھائی سلطان محمد و ارشد کوہ قادری سے انتہائی محبت اور صوری و معنوی اتحاد تھا۔ اور ہے۔ ہم دونوں ایک رُوح ہیں جو دو قالبوں میں جلوہ گر ہے۔ اور ایک جان ہیں۔ جو جسموں میں جاری و ساری ہے۔ اسی سال والد بزرگوار نے بھائی کو کابل کی طرف روانہ کیا۔ اور تھوڑی مدت کے لئے ہم میں ظاہری جدائی واقع ہوئی۔ چونکہ ہمیں ایک دوسرے سے حد درجہ محبت تھی اس لئے ہم پر یہ عارضی جدائی بہت شاق گذری۔ وداع کے وقت مجھ پر گریہ و بے تابی کا ہجوم تھا اور بھائی پر زبردست رقت کا عالم طاری تھا۔ روانگی کے وقت بھائی نے مجھے نجات الانس

۱۔ عمل صالح جلد دوم صفحہ ۲۹ و ۲۹ پر شاہجہان کا درود لاہور <sup>۱۳۹۰ھ</sup> میں دیا گیا ہے۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۳۰۳۔ و ارشد کوہ قادری <sup>۱۳۹۰ھ</sup> میں روانہ کابل ہوتا ہے۔

کے مطالعے کے لئے تاکید کی۔ میں اس کتاب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی۔ اور اس سے روحانی فائدہ حاصل کرتی تھی۔ اسی اثنا میں والد بزرگوار نے بھی کابل کی طرف کوچ شروع کیا بھائی ہمیشہ خط لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے راستے میں دو بزرگ دیکھے تھے۔ اور ان کے متعلق مجھے لکھ بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک شیخ دولہ تھے۔ جو قصبہ گجرات خرد میں سکونت پذیر ہیں۔ اور دوسرے حاجی عبداللہ تھے جنہوں نے تال جلال لکھر کے حوالی میں ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب میں گجرات پہنچی۔ تو ایک خواجہ سرا کے ہمراہ میں نے شیخ دولہ کے پاس نیاز بھیجی اور فیض کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن جو کچھ میں ان سے چاہتی تھی وہ مجھے حاصل نہ ہوا۔ جب تال جلال لکھر کے نزدیک ہمارا قیام ہوا۔ تو حاجی صاحب کی خدمت میں بھی نذرینا بھیجی اور فیض کی درخواست کی۔ انہوں نے نذر قبول نہ کی۔ اور تسبیح اور سی ذکر کے لئے حکم کیا اور ایک جانماز جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے سی تھی۔ اور دو روٹیاں میرے لئے بھیجیں۔ وہ کب حلال کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں نے ان روٹیوں میں سے ایک ٹکڑا کھایا۔ کھانے کے ساتھ ہی میرا دل منور ہو گیا۔ اور میرے باطن میں جمعیت و حضور محسوس ہوا۔ میں نے تین دن تک اس روٹی کو محفوظ رکھا۔ اور اپنی اکثر خادموں کو اس میں سے ٹکڑے دیئے۔ حاجی عبداللہ صاحب نے تیس سال سے اپنے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ غرض کچھ مدت کے بعد حسن ابدال میں جو ایک نفیس جگہ ہے اپنے بھائی سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اور انہوں نے مجھے مشائخ کے حالات پڑھنے کی تاکید کی۔ میرا اکثر وقت انہی کتابوں کے مطالعے میں گزرتا ہے۔

انہی ایام میں کہ جولائی کا وقت ہے میں اپنے اعضا کی قوت کو روز بروز کم ہوتا دیکھتی تھی۔ اور اکثر بیمار رہا کرتی تھی۔ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوئی۔ کہ اس وجود کے لئے فنا لازم ہے تو میں نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ اب مناسب یہی ہے۔ کہ اس حدیث نبوی مَوْتًا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا پر عمل کر کے دل کو اس ذات مقدس کی طرف لگاؤں۔ پس

قضا شدہ نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ اور چھوٹے ہوئے معدوں کی تلافی کی کوشش کی جب ہم کابل پہنچے تو بھائی بھی تھوڑی مدت بعد تشریف لے گئے۔ اور والد بزرگوار نے تسخیر مملکت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس پر میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر یہ ادا کیا۔

کچھ عرصہ بعد والد بزرگوار کابل سے عازم لاہور ہوئے۔ اور ۲۴ رجب ۱۲۹۱ھ کو اس شہر میں داخل ہوئے۔ چونکہ لاہور میں بہت سے مشائخ و اکابر تھے۔ میں نے مرشد کی تلاش شروع کی۔ میں خاصکے چشتیہ مشرب کے مشائخ کی جستجو میں تھی۔ اور جہاں کہیں کسی گوشہ نشین اور شیخ کا نام سنتی تھی۔ آدمی بھیج کر تحقیق کرواتی تھی۔ لیکن مجھے کسی سے فائدہ حاصل نہ ہوا۔ حضرت میانمیر صاحب کے مریدوں میں سے خواجہ بہاری بہت مشہور تھے۔ لیکن کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ ایک ایسا شیخ جس سے تشفی حاصل ہو مجھے نہیں ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ زمانہ اولیاء اللہ سے خالی تھا۔ دُنیا ان کے بغیر کیونکہ قائم رہ سکتی ہے؟ اگرچہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ کہ میں سلسلہ چشتیہ میں مرید ہوں۔ اور اگرچہ اس وقت بڑے بڑے چشتی مشائخ موجود بھی تھے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے کو مستور الحال رکھتے تھے۔ ناچار میں نے فیصلہ کیا۔ کہ کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ خواہ ان کا تعلق کسی سلسلے سے ہو میری عمر اب ساٹیس برس کی ہو چکی تھی۔ اور میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اسی سال والد بزرگوار کشمیر تشریف لے گئے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ ہنم ذی الحجہ کو کشمیر پہنچی۔ ہمارے قیام کے اوائل میں معلوم ہوا۔ کہ ملا شاہ کشمیر میں تشریف فرما ہیں۔ اور آپ سلسلہ قادریہ میں حضرت میانمیر صاحب کے مرید ہیں۔ میرے بھائی حضرت میانمیر صاحب سے نسبت ارادت رکھتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ملا شاہ کی تعریف کی اور میں دل و جان سے ان کی معتقد ہو گئی۔ میں نے گستاخی سے کام لیتے ہوئے تھوڑے دنوں میں ہی اغلاص و عقیدت سے پُر دوین عریضے آپ کی خدمت میں بھیجے۔ اور یہ شعر بھی درج کر دیا۔

گر میتر شود آن روی چو خورشید مرا بادشاہی چہ کہ دعوائے خدائی بکھم  
یہ خیال کرتے ہوئے کہ مذرونیہ بھیجنا بے ادبی میں شامل ہوگا۔ میں نے پہلی مرتبہ عرضیہ کے ساتھ اپنے ہاتھ سے روٹی اور ساگ پکا کر خواجہ غریب کے ہمراہ بھیجا۔ پہلے تو ایک ماہ تک آپ نے کمال بے نیازی سے جواب نہ دیا۔ لیکن عریضوں کو پڑھتے اور فرماتے کہ ہمیں دنیا داروں اور بادشاہوں سے کیا سروکار ہے۔ میں خط بھیجتی رہی آخر جب انہوں نے کشف باطنی کے ذریعے مجھے طلب و جستجو میں سجا پایا۔ تو پھر میرے عریضوں کا جواب کچھ دینے لگے اور میری ڈھارس بندھ گئی کہ اب مجھے پوری ہدایت سے سرفراز کریں گے۔ ان کے گھر پہنچ کر میں نے ان کو دوسری جگہ سے دیکھا۔ اور میری حق بین آنکھیں خیر ہو گئیں۔ اور میں نے اپنے بھائی کی وساطت سے دست امانت ان کے ہاتھ میں دے کر ان کو اپنا مرشد حقیقی بنالیا۔ آپ نے مجھے سلسلہ قادریہ کے ذکر و شغل کی تلقین کی۔ بیشتر اس کے کہ میں آپ کا جمال ظاہری طور پر دیکھوں۔ میرے بھائی نے آپ کی ایک تصویر مجھے دے رکھی تھی۔ جس کو ان کی سرکار کے مصوٰف نے ایک کاغذ پر کھینچا تھا۔ میں اس مبارک شبیہ کو ہمیشہ اخلاص و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اور مخصوص اوقات میں ان کی صورت کا تصور کر کے مراقبہ میں مشغول ہوتی تھی۔ پہلے روز ہی جب میرے بھائی نے مجھے سلسلہ قادریہ میں مشغول کیا اور میرے مرشد کی شبیہ اور حضرت رسالت پناہ معلم اور چاریار اور دوسرے اولیاء اللہ کے تصور کا طریق میرے دل نشین کیا۔ میں نے غسل کر کے نئے کپڑے پہنے۔ اور روزہ رکھا۔ اور شام کو اس جیز سے روزہ افطار کیا جو میرے مرشد نے ازراہ کرم میرے لئے بھیجی تھی۔ اور ملا محمد سعید کے گھر کے کھانے سے جسے اکثر ملا شاہ بھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کچھ تھوڑا سا کھایا۔ اپنے گھر والی مسجد میں نصف شب تک بیٹھی۔ اور مسجد میں نماز تہجد ادا کر کے گھر میں آئی۔ اور ایک گوشے میں قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور ملا شاہ کی شبیہ پر توجہ مبذول کر کے اور حضرت رسول کریم معلم اور صحابہ اور اولیاء اللہ کا تصور کر کے مشغول ہو گئی۔ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ میں سلسلہ چشتیہ

میں مُرید ہوں۔ اور اب کہ میں قادری مشرب میں شریک ہوئی ہوں مجھے کشائش حاصل ہوگی یا نہیں۔ اور حضرت ملا شاہ کی تلقین و ہدایت سے مجھے کچھ فائدہ پہنچے گا یا نہیں؟ اسی اشارہ میں مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ جو نہ بیداری تھی اور نہ خواب میں نے حضرت رسالت پناہ صلعم کی مجلس مقدس دیکھی۔ جس میں صحابہ کرام اور اولیائے عظام بھی شریک تھے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما ہیں۔ اور چار یار اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ ملا شاہ بھی اس مجلس میں موجود ہیں اور انہوں نے اپنا سر رسول اللہ صلعم کے مبارک قدموں پر رکھا ہے اور آنحضرت فرماتے ہیں کہ اے ملا شاہ تو نے تیموری چراغ روشن کر دیا۔ جب میں اس حالت سے لوٹی۔ تو میرا دل اس خوشخبری سے باغ باغ ہو گیا۔ میں نے درگاہ خداوندی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ اور یہ رباعی میری زبان پر تھی :-

شاہِ توئی آنکہ می رساند ز صفا      فیض نظر تو طالبان را بخدا

برہر کہ نظر کنی بمقصود رسد      نور نظر تو شد مگر نور خدا

اپنے مُرشد کی برکت سے میں نے آنحضرت صلعم اور یارانِ بزرگوار کی مجلس دیکھی اور آنحضرت صلعم کی مبارک زبان سے کلام سنا کہ "اے ملا شاہ! چراغ تیموریہ لا تو روشن کر دی"۔ میں سمجھ گئی کہ میرے شبہ کو دور کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

امیر تیمور کی نسل سے صرف ہم دو بہن بھائی اس سعادت سے مشرف ہوئے ہیں ہمارے اسلاف میں سے کوئی بھی خدا طلبی اور حق جوئی کی راہ پر گامزن نہیں ہوا۔ اس دولتِ غظمی کے ملنے پر میں نے ہزار شکر کیا۔ اور میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ملا شاہ سے میری عقیدت بہت بڑھ گئی۔ اور میں نے ان کو دنیا و عقبے میں اپنا مفتقار و پیشوا بنایا۔ میں اس مرتبہ کشمیر میں دو روز کم چھ ماہ ٹھہری۔ اس دوران میں اپنے پیر و مرشد کو خط لکھتی رہتی۔ اور آپ اکثر ارزاہ عنایت مجھے جواب سے سرفراز کرتے۔ اگرچہ آپ

دُنیا و عقبے کی لذتوں سے بے نیاز تھے۔ پھر بھی حصولِ سعادت کے خیال سے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں اور قہم قہم کے کھانے اپنے ہاتھ سے پکا کر بھیجتی تھی۔ اگرچہ غیر شرعی امور سے میں نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ لیکن جب سے میں نے مرشدِ کامل کے جمال سے اپنی آنکھوں کو منور کیا ہے۔ میں بحر حقیقت و سرچشمہ معرفت سے سیراب ہوئی ہوں۔ ان کے گرامی ناموں سے مجھے پورا فائدہ پہنچا ہے۔

جب کشمیر سے میرے روانہ ہونے میں دو تین روزہ گئے تھے۔ تو پنج شنبہ کی رات کو نماز مغرب کے بعد میں حضرت کے شبیہ مبارک کے تصور میں مراقبے میں بیٹھی۔ میں نے حضرت کو دیکھا۔ اور آپ سے وہ دوپٹہ مانگا جو آپ کے کندھے پر تھا۔ آپ نے مجھے وہ دوپٹہ عنایت فرمایا۔ علی الصبح جب میں اٹھی تو میں نے چایا۔ کہ ایک عریضے کے ذریعے وہ دوپٹہ ظاہر طور پر بھی مانگوں۔ انہی اثناء میں میرا خواجہ سرا جو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا۔ آیا اور اس نے کہا۔ کہ کل شام میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے دوپٹہ دوش مبارک سے اتار کر مجھے دیا۔ اور فرمایا کہ فلاں کے لئے لے جاؤ میں نے خواجہ سرا سے دوپٹہ لے کر آنکھوں سے ملا۔ اور مجھے بہت سرور حاصل ہوا۔ اس قسم کی کرامت آپ کی اولے کرامات میں سے ہے۔ اور آپ ان کے اظہار سے ہمیشہ اجتناب فرماتے ہیں۔ ایک شاعر نے میری فرمائش پر حضرت کی تعریف میں یہ رباعی کہی ہے۔

اے ہستی تو ہستی مطلق گشتہ۔ اسرارِ نمان بر تو محقق گشتہ

حاجتِ ز تو خواستن حق خواستن است چون جملہ صفات صفت حق گشتہ

تیس دو مرتبہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوئی۔ پہلی دفعہ کا ذکر میں اُدھر کر آئی ہوں۔ دوسری دفعہ میں نے آپ کی زیارت اُس دن کی جب کہ میں کشمیر سے لاہور



آ رہی تھی۔ میں نے عریفہ بھیج کر درخواست کی کہ چونکہ میں کشمیر سے روانہ ہو رہی ہوں۔ آپ مجھ پر مہربانی فرمائیں۔ تاکہ میں آپ کا دیدار کر سکوں۔ آپ نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور ازراہ کرم اس راستے پر جہاں سے میں گذرنے والی تھی۔ ایک توت کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ میں ہاتھی کی عماری پر تھی۔ جب اس درخت کے برابر پہنچی۔ تو ہاتھی کو نزدیک لے جا کر کھڑی ہو گئی اور آپ کے جمال گیتی آرا کو دیکھا۔ جو ”بدر آسمان و غور شید تابان“ تھا۔ آپ کی خدمت میں تین آدمی حاضر تھے۔ ایک محمد حلیم جسے آپ نے فرزندگی کے خطاب سے سربلند کیا ہے۔ اور دو کشمیری خادم خضر اور حسن جو آپ کے پیچھے تھے۔ ان دو میں سے ایک نے گھوڑا پکڑا ہوا تھا۔ میں نے گلاب کا ایک شیشہ اور کچھ پان اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ بھیجے۔ اور اسے کہا۔ کہ شیشہ گلاب حضرت سے چکمو کر واپس لا۔ میں حضرت کی خدمت سے ”بادیدہ گریان و دل بریان“ روانہ ہوئی۔ اور آپ بھی سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف متوجہ ہوئے۔

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ پیر دستگیر اور مُرشد کامل کے فیض و توجہ سے مجھے ایمان حقیقی حاصل ہوا۔ جو عبارت ہے۔ عرفان و فنا سے۔ جو شخص اس حقیقت سے آگاہ نہیں۔ وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ بلکہ اس کا شمار اُولَئِكَ کَا لَا نَعَامَ بَلْ هُمْ أَصْنَلُ کے زمرے میں ہے۔ جو کوئی اس سعادت عظمیٰ سے مشرف ہوا۔ وہ انسان کامل اور افضل موجودات ہے۔ اس کی ہستی ہستی مطلق میں گم ہو جاتی ہے۔ گو یا وہ سمنر کا ایک قطرہ۔ آفتاب کا ایک ذرہ اور گل کا جزو ہوتا ہے۔ پس اس حالت میں وہ مرگ و عذاب۔ اور بہشت و دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔ جس کی کوفات مطلق سے عشق و محبت ہے۔ وہ انسان کامل ہے۔ اگرچہ وہ عورت

ہو۔ شیخ عطار قدس سرہ حضرت رابعہؓ کے حق میں فرماتے ہیں :-

آن نہ یک زن بود بل صدم و دُود پائے تا سرِ جملہ غرق درد بود  
اتنی ایام میں یہ چند شعر میں نے شوق و وجد سے بغیر کسی فکر و تامل کے  
کہے تھے۔ اس رسالے کے آخر میں انہیں درج کرتی ہوں :-

اینا ہمہ را بطور حق مے بینم

ذاتست یکے جملہ صفت (کذا) می بینم

نقش است فنا بقا ست بے رنگی یار      بیرنگ بشو و رنگہا را مشمار  
یار آمد در بلبل بے محنت شہائے ہجر      عاشق در یوانہ بودم اشتیاقم دادا ہجر  
شوق تو مرا در برے گیر دے مالد      ہر لحظہ و ہر لمحہ این ذوق تو مے مالد  
پیر من و خلائے من دین من و پناہ من      نیست کسے بغیر تو شاہ من و آلہ من  
امروز ندیدیم کسے ثانی تو      ماہیم بروز غید قربانی تو  
اے شاہ زیک نظر بکرمی کارم      شاہ باش بتوجہ خوش نمودی یارم  
خوشا ہجرے کہ باشد آخرش وصل      خوشا فرغے کہ گرد عین کن اصل  
تاثر زبان خاصہ شاہ من است      تقریر عیان خاصہ ماہ من است  
دریاب رہے کوچہ آن کلمہ شاہ      کوہست خزینہ دار تو حیدر اللہ

محمد ابراہیم  
گجرات کالج۔ احمد آباد

# انیسویں صدی کا ایک مفکر اور مصنف

سر سید احمد خان

(۲)

**تفسیر القرآن کی تنقید** تفسیر القرآن کے مضامین و مباحث کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں سے صرف تفسیر حقانی میں علامہ

استدلال اختیار کیا گیا ہے۔ مولوی امداد علی صاحب اور مولوی علی بخش خان نے بھی اپنے اپنے انداز میں ان خیالات و عقاید کے ابطال کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مخالفت، مذہبی اور علمی ہونے کی بجائے ذاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کوششوں کا چنداں اثر نہ ہوا۔ اور سید کا مشن روز بروز ترقی پذیر ہوتا گیا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے مقدمہ تفسیر میں معجزہ، جن و ملائکہ، معراج وغیرہ اخلاقی مسائل پر اس زمانے کے ماحول اور معلومات کے مطابق متفقانہ بحث کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے کہ سر سید کے خیالات، اسلامی ماحول کی روشنی میں جتنے بھی دور از کار کیوں نہ ہوں۔ ابھی تک تجربہ اور تنقید کے محتاج ہیں۔ اور ہنوز ان کی چھان بین اس اسلوب پر نہیں کی گئی جس پر ہونی چاہئے تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سر سید ہر مذہبی مسئلہ کو عقل کی روشنی میں دیکھنے اور پرکھتے تھے۔ وہ یورپ کے اس گروہ کی تقلید میں جسے ”نیچر کاپرستار“ کہا جاتا تھا۔ نیچر اور مذہب میں تطبیق کے خواہاں تھے قرآن میں جو باتیں ”ما فوق العقل آئی ہیں انہوں نے ان کو عقلی تشکیلوں کے ساتھ حل کیا ہے۔ اور جو معاملات تاریخ اور جغرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان پر اس زمانے کی اثری اور تاریخی تحقیقات کے مطابق بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن اور بائبل کے قصوں کو آپس میں تطبیق بھی دی ہے۔

**سرسید کے استدلال کی خصوصیات** | ان مباحث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کی تحقیقات کی ممتاز خصوصیتیں

یہ تھیں :-

- ۱۔ مذہبی عقائد کو نیچر اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنا۔
- ۲۔ مذہبی مسائل اور علوم طبعی (سائنس) میں موافقت پیدا کرنا۔
- ۳۔ موجودہ "انجیل کی اصولی صحت کا قائل ہونا اور قرآن کے مندرجات کے ساتھ اس کے مضامین کا موازنہ۔

۴۔ جغرافیائی اور تاریخی علمی تحقیقات سے قرآن کے حل کرنے میں مدد لینا۔

ہمارے اپنے زمانے میں بعض تفسیری لکھی گئی ہیں جن میں سرسید کے اس طریق کا اثر بدرجہ غایت نظر آتا ہے۔ مثلاً بیان القرآن مصنف مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور، بیان القرآن مصنف مولانا احمد دین امیر جماعت مسلمہ تذکرہ مصنف مولانا غایت خان مشرقی اور تفسیر قرآن مصنف حکیم احمد شجاع نیز ترجمان القرآن مصنف مولانا ابوالکلام آزاد جن میں سے ۱، ۲، ۳ پر سرسید کے پورے پورے اثرات نظر آتے ہیں۔ اور ۱، ۲ پر غیر محسوس عکس دکھائی دیتا ہے۔ البتہ موقر الذکر دونوں کا ماحول اسلامی ہے اور ان کی دلیل اور توجیہ کے مآخذ بھی اسلامی ہیں۔

**عقلی استدلال کی خامیاں** | افسوس ہے کہ آج سرسید زندہ نہیں ہیں۔ اور نہ وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچتے کہ انہوں نے

مذہبی مسائل کو حل کرنے میں جس عنصر سے سب سے زیادہ مدد لی یا جس کی حیثیت کو انہوں نے دیرپا اور مستقل جان کر اس پر اپنا محاذ قائم کیا۔ وہی ان کی پوزیشن

کو سب سے زیادہ کمزور اور بودا قرار دے رہی ہے۔ عقلیات اور سائنس دونوں اس قدر بدل رہی ہیں۔ کہ ان کی تبدیلی اور جلد جلد تغیر پذیر ہونا ہی ان کی کمزوری کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ بلاشبہ انیسویں صدی میں یورپ کے مفکرین اور سائنس دانوں کا رجحان مادہ پرستانہ تھا۔ اور انہوں نے مذہب کے بچنے ٹانگے اُدھیرنے میں سائنس اور جدید تحقیقات سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری کہ انیسویں صدی کے نظریات و اکتشافات تقویم پارینہ کی طرح بیکار قرار دیئے جا چکے ہیں۔ ڈارون کی کتاب *Origin of species* اور *Descent of man* کا بہت پرچا ہے۔ اور ”ارتقا“ اور بقا اصل کی صدا سے اب بھی بعض حلقے گونج رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ اب سائنس دانوں کی ایک جماعت اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ ہمارے ہندوستان میں علامہ مشرقی ”ارتقا“ کا ثبوت قرآن سے دینے کی ایسے وقت میں سعی فرما رہے ہیں۔ جب کہ اس مسئلہ کے وضعین اسے پرانا سمجھ کر پھینک رہے ہیں چنانچہ پسنگلر بھی ارتقائی طریق تخلیق کی بجائے خاص تخلیق (*Special Creation*) کے قابل ہیں۔

فلسفہ و سائنس کا جدید رجحان | جن لوگوں کو سائنس اور فلسفہ کے موجودہ  
 Sir James Jeans اور سر آر تھر ایڈنگٹن Sir Arthur Eddington کے خیالات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ سائنس اور فلسفہ دونوں اپنے پرانے محاذ سے ہٹ چکے ہیں۔ اور سائنس جسے مذہب کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا تھا۔ اب اس مادہ پرستانہ میلان چھوڑ کر بہت سے مسائل کے متعلق روحانی زاویہ نگاہ اختیار کر چکی ہے۔

ہمارے اسلامی فلسفی اقبال نے بھی اپنے مدراس لیکچر میں عقل اور فلسفہ کی اسی تنگ دامانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک لیکچر میں فلسفہ کی ان کوتاہیوں پر جو محققانہ اور عظیم النظیر بحث کی ہے۔ وہ اس موضوع پر قطعی اور آخری رائے ہے۔ مذہب کیا ہے؟ ہمارے ضمیر کی گہرائیوں میں اس کائنات کی نامعلوم علت و معلول کے متعلق ایک غیر فانی اور غیر محسوس خالق سے وابستگی! سو یہ وہ میدان ہے جس میں عقل اور علم کا راہوار گزر نہیں پاسکتا۔ جب تک سلسلہ اسباب کی ابتدائی کڑی پر انسان قدرت نہیں پاسکتا۔ اور جب تک ہماری ضمیر جذبات و حیات، غم اور خوشی سود اور زیاں سے متاثر ہوتی رہے گی اور اس کے اتفاقات کو رفع کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گی۔ اس خدائے کائنات سے ہماری بالغیب وابستگی قائم رہے گی۔ مادہ پرستی کی تحریکیں صرف ہماری پریشانی اور انتشار خیال میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ مگر ہماری فطری اور بنیادی خدا پرستی کو نہیں مٹا سکتیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ سر سید احمد خان اتنی روحانیت کے بھی قابل نہ تھے۔ نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک خدا پرست اور متقی انسان تھے۔ تاہم عقل انسانی کی شوخیاں بعض اوقات ایسی بوجھبوجھوں کا باعث ہوتی ہیں کہ انسانی ضمیر دھوکے میں پڑ جاتی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان ایک ایسے خدا کا قائل ہو جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر بااثر ہم وہ معجزہ اور 'خرق عادت' پر قادر نہیں!

**بائبل اور قرآن کی تطبیق** | بائبل اور قرآن میں تطبیق دینے کا مسئلہ اصولی حیثیت سے تو درست ہے۔ کیونکہ سر سید قرآن کی طرح بائبل کو موجودہ صورت میں بھی منزل من اللہ مانتے تھے۔ پس جب دونوں مقدس کتابوں کا ماخذ ایک ہی ہے۔ تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ سر سید

نے کوشش مستقل طور پر اپنی ایک اور کتاب تیمین الکلام میں کی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے تاہم یہاں پھر انہوں نے اپنے ہی مسلک کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ علوم طبعی کی روشنی میں بائبل کے بہت سے واقعات اور باتوں پر غلط ہونے کا اعتراف وار دیا گیا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ کے محققین نے مذہب اور بائبل پر مختلف اطراف سے جو حملے کئے ہیں۔ ان کی روشنی میں سرسید کا استدلال کم از کم یورپ کے محققین کو مطمئن نہیں کر سکا۔ ۱۸۶۲ء میں "بشپ کلنٹون" نے اپنی ایک کتاب میں طوفانِ نوح کے واقعہ ہونے اور بنی اسرائیل کی ہجرت مصر کے واقعہ پر نہایت سختی کے ساتھ جرح کی اور ثابت کیا کہ تاریخی استدلال کی رُو سے ایسے واقعات کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ بیالوجی، فلسفہ، جیالوجی، فلسفہ تاریخ اور آرٹ کے پرستاروں نے اپنے اپنے رنگ میں مذہب اور انجیل پر شدید حملے کئے ہیں۔ پس جب تک علوم طبعی اور مذہب کے تعلق کے متعلق ایک محفوظ پوزیشن نہ اختیار کی جائے۔ اور علوم طبعی کو مذہب کے اختیارات پر کتہ چینی کرنے کے ناقابل نہ سمجھا جائے۔ بائبل بلکہ کوئی مقدس کتاب ان عقلی اعتراضات سے نہیں بچ سکتی۔ جو ۱۸ اور ۱۹ویں صدی میں متواتر کئے گئے۔ یہاں پھر سرسید کی کوششیں (قرآن کو یورپ کے اعتراضات سے بچانے کی) غالباً مشکور نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ ایک طرف تو انجیل کے موجودہ نسخوں کی صداقت کے قابل ہوتے ہوئے ان کو قرآن سے ملاتے تھے۔ اور دوسری طرف عقلیات اور سائنس کو مذہب پر رائے زنی کا اختیار دیتے تھے جس سے مراد سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ بائبل اور قرآن دونوں ان اعتراضات کا یکساں طور پر نشانہ بن سکتے ہیں۔ سرسید نے مذہب اور روحانیات کو عقل اور سائنس کے دریچے سے دیکھنا چاہا۔ غلطی کی! لیکن اپنے زمانے کی سپرٹ کے مطابق دین اور مذہب کی زیادہ قبول اور معقول توجیہ پیش کرنے کی سعی کی۔ بہان کی دیانت کی

مثال ہے! قصور رائے کا ہے۔ ضمیر کا نہیں! کوتاہی استدلال کی ہے۔ نیت کی نہیں!

پائے استدلالیاں چوبیس بود

پائے چوبیس سخت بے تکلیں بود

خدا مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے!۔

قرآن مجید کے جغرافیائی مقامات کی تحقیق یقیناً ایک محمود اور مستحسن کوشش تھی۔

چنانچہ وہ بہت مقبول بھی ہوئی۔ سرسید کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں سرسید کے خیال کو ہی جاری رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا

کہ مقامات اور افراد کی تعیین میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ تاہم قرآن کی تشریح اور حل کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت ظاہر ہے۔ کہ جب تک تحقیقات کا سلسلہ

جاری رہے گا۔ اس وقت تک یہ تشریحات بدلتی رہیں گی۔ چنانچہ سرسید جس ذوالقرنین کو حییٰ و انگلی مغفور عین قرار دیتے ہیں۔ اُسے جدید اثری تحقیقات کی روشنی میں مولانا

ابوالکلام "سائرس" قرار دے رہے ہیں۔ جس کا مجسمہ اتحر کے ستار قدیم میں دستیاب ہوا ہے (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۰۱) ان دونوں میں سے کون سا خیال

درست ہے؟ یہ معلوم نہیں!

## خطبات احمدیہ

سرسید کی تمام تصنیفات میں سے ہمیں خطبات کے ساتھ جو دلچسپی ہے۔ اور اس کے اوراق میں جلالت ملتی ہے۔ وہ شاید کسی اور کتاب سے نہیں ملتی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس عظیم الشان تالیف کی تحریر ایک بے لوث بے آمیز جذبہ مخلصانہ سے ہوئی۔ جس کے ساتھ کوئی ذاتی، مانیہ سیاسی غرض وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ہر ہر



سطر میں صداقت، عشق اور ولولہ محبت مستور نظر آتا ہے۔ اور شاید یہی خوبیاں ہیں کہ سرسید کا کوئی مخالف بھی اس کتاب کی غلطی کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب انگلستان میں مرتب ہوئی۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اس کے لئے مواد کافی مقدار میں نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی ترتیب اور تکمیل میں جو مشکلات پیش آئیں۔ اور ان مشکلات کو جس مردانہ ولولہ العزمی اور عاشقانہ ثبات و استقلال کے ساتھ دُور کیا گیا۔ اس کی مختصر سی داستان خود سرسید کی زبان سے سن لینی چاہئے۔

ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتے ہیں:-  
 ”ان دنوں ذرا قدرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اور اس کی نا انصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ اور مسمم ارادہ کر لیا۔ کہ اس حضرت معلم کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بیگ ماننے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دی ہیں چھپیات روانہ ہو گئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیکن کی خرید لیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا۔ جولیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔“  
 ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

مواظظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچنے پر میرا ہر حسین کے پاس جائیے۔ اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔ سود اور روپیہ میں ادا کر دوں گا۔  
 ..... ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے۔ اور لکھ دیلے

کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروفِ مہینے تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو..... کیا کیے۔ اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے۔“

**خطبات کی صمیمیت** | مندرجہ بالا خطوں کے بین السطور میں عشقِ رسولؐ کا جو جذبہ صادق نظر آتا ہے۔ وہ ہمارے مصنف کے

مقصد اور غایت پر بخوبی گواہ ہے۔ سرسید کی تصنیف محض خدمتِ علم کے لئے نہیں بلکہ والہانہ عقیدت اور ضمیر کی دعوت پر لکھی گئی ہے۔ سرولیم بیورجن کی کتاب کے بعض مضامین کا یہ جواب ہے۔ ان دنوں صوبہ کے حاکم اعلیٰ تھے۔ لیکن دنیاوی حاکموں کا خوف سرسید کی محبت اور عشق کے راستے میں حایل نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھنا باقی سب چیزوں کی نسبت زیادہ ضروری سمجھا کیونکہ اس کے معاملے میں کمزوری اور مسامحت ضمیر کی کمزوری کی علامت ہوتی۔

اگرچہ خطبات کو ریسرچ کا دعویٰ نہیں۔ تاہم اس کے مصنف نے تحقیق میں کوئی کمی نہیں کی۔ بلکہ بیاگرافی لکھنے کے لئے اردو زبان میں ایک نیا اسلوب قائم کیا۔

چونکہ یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کا فائدہ بجائے محدود ہونے کے ادبھی وسیع ہو گیا ہے۔ جیسا کہ اس کے مضامین سے واضح ہو گا۔ اس میں سیرت رسول اللہؐ کے مآخذ اور ان کی چھان بین کے موضوع پر سب سے زیادہ توجہ کی گئی ہے اور بنایا گیا ہے کہ آپؐ کی بیاگرافی کے ضمن میں ہم کیوں ایک روایت کو قبول اور دوسری کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اگرچہ متقدمین کی کتابیں ان مباحث سے پر ہیں لیکن اردو میں پہلی مرتبہ اسی کتاب کے ذریعے اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرسید کا ماحول اسلامی ہے۔ وہ اپنے دلائل خارجی دنیا سے نہیں لاتے۔ بلکہ خود اسلام کا لٹریچر ان کی رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے۔

اس کتاب میں اسلام کا بلحاظ نظام تمدن کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا گیا ہے اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کے بعض تمدنی اور معاشرتی قوانین کیوں عام انسانیت کے لئے مفید ہیں۔

**خطبات کے مضامین** | خطبات کے مضامین کا مختصر خاکہ فائدہ اور موضوع کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خطبہ اول :- عرب کا تاریخی جغرافیہ۔

خطبہ دوم :- عرب کے عادات اور رسوم اسلام سے پہلے، اس میں جاہلیت کے اشعار سے استفادہ کیا گیا ہے۔

خطبہ سوم :- عرب کے مذاہب قبل از اسلام۔

خطبہ چہارم :- اسلام انسان کے لئے رحمت ہے۔ اور تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت و پناہ ہے۔

خطبہ پنجم :- مسلمانوں کی کتب مذہبی یعنی کتب احادیث، کتب سیر، کتب تفسیر اور کتب فقہ کے بیان میں۔

خطبہ ششم :- مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان کے رواج کی ابتدا۔ خطبہ ہفتم :- قرآن مجید اور اس کے متعلق غلط بیانیوں کا ازالہ۔

خطبہ ہشتم :- خانہ کعبہ اور اس کے گزشتہ حالات اسلام سے پہلے۔ خطبہ نهم :- آنحضرت صلعم کے نسب نامے کے بیان میں۔

خطبہ دہم :- ان بشارتوں کے بیان میں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

خطبہ یازدہم :- شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں۔ خطبہ دوازدہم :- آنحضرت کی سوانح بارہ برس کی عمر تک۔

## خطبات کا موضوع کہ سرسید کی یہ کتاب کسی ایک متعین موضوع پر نہیں نہ

اس سے مقصود محض حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھنا تھا۔ بلکہ اسے اگر مبادیات سیرت یا "تمہید سیرت" کہیں تو بجا ہے۔ ان خطبات میں سرسید نے سیرت نگاروں کو بتایا ہے۔ کہ سیرت لکھنے کے لئے علاوہ واقعات زندگی کی ترتیب کے اور کیا کچھ کرنا چاہئے۔ اور تنقید اور تحقیق کے کن اصولوں پر کام کرنا چاہئے۔ علی الخصوص حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھتے وقت کن کن اصول و مبادی پر عمل پیرا ہونا چاہئے پس یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ جس طرح سرسید نے امور دین میں نقد و تبصرہ کا اصول رائج کیا۔ اسی طرح تاریخ اسلامی میں بھی نقد اور جرح کے اصول قائم کئے۔ اور اس بات کی ضرورت پر خاص زور دیا۔ کہ روایات کو قبول کرنے سے پہلے انہیں عقل و تاریخ منطق کے معیار پر پرکھا جائے۔

خطبات میں مذہبی رواداری کے اس اصول کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ موجودہ بھیل اور زوریت اسی شکل میں منزل من اللہ ہیں۔

اگرچہ اس زمانے میں سرسید کا اختلاف علماء وقت سے اتنا کھلا اور واضح نہ تھا تاہم معراج وغیرہ کو روایا ماننے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں معقول پسندی کا رجحان ہو چلا تھا۔

مناظرہ یا تردید کے لئے جو طریقہ اب تک چلا آتا تھا۔ سرسید نے اس سے اجتناب کرتے ہوئے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا۔ جو معقول اور دلنشین تھا۔ انہوں نے الزامی جوابات سے عام طور پر احتراز کیا ہے۔ تعدد از دواج کی بحث میں مناظروں کے طریقے کے مطابق یہ نہیں کہا کہ حضرت سلیمان کی اتنی بیویاں تھیں۔ اور حضرت داؤد کی اتنی۔ بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ تعدد از دواج فطرت کے عین مطابق ہے۔ اور

منظاہر کائنات سے ایسے شواہد پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ قدرت کا منشا یہی ہے کہ بعض اوقات مرد و تعدد از دواج کی طرف مایل بلکہ مجبور ہوتا ہے۔

**خطبات کے اہم مسایل** خطبات میں وہ نئے نظریے جن پر سرسید نے خاص توجہ دی ہے۔ معدودے چند ہیں۔ مثلاً جبل فاران

کا شام میں نہ ہونا جس کے بارے میں ولیم میور نے خاص توجہ مبذول کی ہے۔ کیونکہ بائبل کی بعض پیش گوئیوں کی رو سے فاران سے نور نبوت کے طلوع کی خبر دی گئی تھی قدیم عربوں کی شاعری سے قدیم عربی تمدن کا پتہ چلانا جو مستشرقین کا ایک خاص اسلوب ہے۔ مذہب اسلام کی فوقیت اس کے نظام تمدن کے اعلیٰ ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر چوتھے خطبے میں لکھا گیا ہے۔ اور خوبی سے نباہا ہے۔ اسلام کا دنیا میں بین المذاہب رواداری کا جذبہ پیدا کرنا۔ اور دوسرے مذاہب کے حق میں مفید ہونا۔ حدیث اغبیر اور فقہ کا قطعی اصول دین میں سے نہ ہونا اور روایت کا نقد و تبصرہ کا محتاج ہونا۔ مسلمانوں کی ترجمہ قرآن مجید سے بے اعتنائی اور اس کے نتائج اس قدر کی تردید کہ آنحضرت بنی اسمعیل میں سے نہ تھے۔ معراج وغیرہ کا حاکم رویا میں ہونا۔ ان محققانہ مباحث سے علم و فن کے جن اہم مسایل پر روشنی پڑتی ہے یا جن موضوعوں پر لوگوں کو زیادہ سوچنے کی دعوت ملی وہ یہ ہیں :-

۱۔ مآخذ سیرۃ رسول اللہ کی تنقید۔

۲۔ بائبل سے تطبیق اور مذاہب عالم کی اصولی وحدت۔

۳۔ عرب کا جغرافیہ تاریخی اور نسلی تحقیق۔

۴۔ ریسرچ کے لئے مغربی محققین کی مفتوں سے فائدہ اٹھانا۔

۵۔ اسلام بحیثیت ایک تمدنی نظام کے۔

مولوی چراغ علی، مولانا عبد الحلیم شرر، مولانا شبلی اور دیگر مصنفین نے سرسید

کے خطبات سے بہت اثر قبول کیا۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ بائبل سے قرآن مجید کی تطبیق کے موضوع کو علی العموم کوئی خاص مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے۔ اس خاص مسئلہ پر سرسید کے بعد بہت کم مصنفین نے توجہ کی۔ صحفِ سماوی کی طرز کی کتابیں ضرور لکھی گئیں۔ لیکن ان کی بنیاد ذرا مختلف ہے۔ خطباتِ سرسید کا شاہکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں صداقت اور عشق کا جوہر موجود ہے۔ دنیا میں بعض نہایت مختصر کتابیں ایک مصنف کی عظمت کو روشن کرتی ہیں۔ خطبات بھی انہی مختصر کتابوں میں سے ہے۔ جنہوں نے جدید طرز پر سیرۃ رسول اللہ کی ترتیب کی طرف توجہ دلائی۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس موضوع پر لکھتے وقت کوئی مصنف سرسید کی ان نمبیدی کوششوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

آئندہ فرصت میں تبیین الکلام، آثار الصنادید اور تہذیب الاخلاق پر تبصرہ کیا جائے گا۔ اور ان نمایاں افکار اور خیالات کو پیش کیا جائے گا۔ جو تعلیم اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق سرسید کی زبان اور قلم سے نکلے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (باقی وارد)

خاکسار سید محمد عبد اللہ

یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور

# فرخی سیستانی

(سلسلہ کیلئے اورٹیل کا لچ میگزین بابت ماہ مئی ۱۳۳۵ء دیکھیے)

حل بعض اشعار مشککہ فرخی موافق ایڈیشن مبارک علی

صفوہ ز شمش تلمیخ چنیرے نہا شد در جہاں ہرگز ز تلخی خشم او نشگفت اگر بلوا شود حلوا  
بلوئی آزمائش محنت مصیبت آفت جس طرح ہائے مختفی پر سے وقت اخافت  
کسرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قدما۔ ی۔ پر سے بھی کسرٹا اخافت ساقط کر  
دیتے ہیں۔ تلخی خشم در اصل تلخی خشم تھا۔ المعنی۔ اوسکے غضب سے بڑھ کے دُنیا میں  
کوئی چیز تلخ نہیں ہے۔ لہذا اگر اوسکے زہر غیظ کی وجہ سے حلوا محنت و آفت بن جائے  
تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

صہم ہر آنکس کو زباں دارد ہمیشہ آفرین خواند بر آنکو آفرین تو بیک لفظ کند املا  
جو کوئی تیری تعریف ایک لفظ میں بھی کرے تو جھکوا اللہ نے زبان دی ہے وہ  
اس تعریف کو نیوالی کی تحسین کرے گا۔

صفوہ فرقت پردہ تو گشت مرا پردہ بردو دیدہ بینا  
تیرے سراپردہ کی جدائی میری دونوں بصارت والی آنکھوں پر ماڑا بن گئی ہے۔  
یعنی تیری جدائی میں اندھا ہو گیا ہوں۔

صفوہ در براں سوے دگر فرمان دہد شمشیر تو فردگر دانند حالی از گہ چین تا عرب  
این سوے دگر سے مراد سمت مشرق ہے۔ المعنی۔ اگر بجانب مشرق تیری تلوار حکم  
دے تو عرب سے لیکر مقام چین تک مقامات کو خالی اور ویران کر دیں +

صفحہ ۱۰ سپید جامہ برد جامہ کزنائش بود سپید صورت او بچہ صورت مشوب  
سپید جامہ کنایہ از سپیدہ صبح - نور کا ترکا - مشوب جسے شیب لاتی ہو - یعنی  
بڈھا المعنی جب صبح اپنا جامہ اتار دیتی ہے یعنی نور پھیل جاتا ہے تو اوسکی ہستی ظاہر  
ہونے سے اوسکی سپید صورت بڈھے کی ایسی صورت دکھائی دیتی ہے - (سپیدی  
میں تشبیہ ہے)

صفحہ ۱۱ مغرمان روزہ پوسیدو تہہ کردو بوخت بوک بازیرہمی راست کند رود و باب  
مغرم دوستدار و حریص المعنی حریصاں روزہ کو روزہ نے فرسودہ اور تباہ کر  
دیا - اور حدت گرنکی سے جل گئے - ہو سکتا ہے کہ ربط و باب پھر سے انہیں  
ٹھیک اور درست کر دے - راست ایک راگ کا بھی نام ہے -

صفحہ ۱۲ بر نیاید برضے ملک از چنگ ملوک ملک دیرینہ چو مرغ زدہ در چنگ عقاب  
اگر مصرع اول بطور استفہام پڑھیں تو یہ معنی ہونگے - وہ ملک دیرینہ جو اونکے  
قبضہ میں اس طرح پھنسا ہے - جیسے عقاب کے پنجہ میں کوئی پرندہ ہو - کیا بادشاہ کی  
اگر مرضی ہو تو وہ ملک اون بادشاہوں کے قبضہ سے نہیں نکل سکتا - استفہام  
نہ ہو - تو مصرع اول میں بجائے چنگ جنگ پڑھو اور معنی یہ ہوں گے - جس ملک  
دیرینہ پر ہمارا مدوح قبضہ کئے ہوئے ہے دوسرے بادشاہ جنگ کر کے اوس سے نہیں  
لے سکتے - ہاں اوسکی مرضی ہو تو وہ بخش سکتا ہے - مگر مصرع اول اس طرح پڑھنا ہوگا  
بر نیاید زید شاہ من از جنگ ملوک

صفحہ ۲۰ برہنہ گشتن روے مر از نقاب کبود حلال کرد بہا بر - حرام کردہ رب  
نقاب کبود کنایہ از آسمان حرام کردہ رب کنایہ از شراب المصنوع - رمضان گذر کر  
ہلال ماہ عید کے نمایاں ہونے نے شراب ناجائز ہمارے لئے جائز کر دی -  
صفحہ ۲۱ ستارگان ہمہ خواند نام او کہ بوند بزیر مرکب او بر کو اکب و مشتب



کوکب سید القوم و فارسم مثقب الخیر الفطن ذوالرے۔ یا۔ کوکب مثقب  
ستارہاے روشن المعنی ستارے اوس مدوح کا نام لیتے ہیں۔ کیونکہ مدوح  
کے آسمان سیر گھوڑے کے پاؤں کے نیچے ہو کر شہسوارانِ خیر پر۔ یا۔ ستارگان  
روشن پر انھیں فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔

صفحہ ۷۱ وانکہ ووتا باشد با تو بدل تادل فرزنداں با او دوتا ست  
جس کسی کا دل تم سے منافق ہوتا ہے۔ تو اس کی اولاد کا بھی دل اوس سے  
منافق ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۷۲ ہنگام خزانست و خزانرا بدر اندر تو نور بنے زرین برجائے بہار است  
زمانہ خزاں کا ہے۔ اور خزان کے لئے کوہ و دشت ہیں تو درخت نور بجائے  
بہار ہے۔

صفحہ ۷۳ بگذر حق مہر مہ ایشہ کہ مہ مہ نزدیک تو از بخت تو پیغام گذار است  
مہر مہرگان۔ ماہ خزاں۔ جاڑوں میں شرابخوری زیادہ لطف دیتی ہے حق مہر  
جو کوئی خوشخبری لاتا ہے۔ اوسے امر انعام دیتے ہیں۔ ماہ مہرگان کا انعام بخواری  
ہے۔ المعنی جاڑا چونکہ تمہاری خوش بختی کا پیغام لایا ہے۔ لہذا اوس کا انعام ادا  
کر و یعنی شراب پیو۔

صفحہ ۷۴ وز جو دوز فضل تنہا نیست در ہمانند خویش تنہا ست  
ہمانند اشراف و امثال (المعنی) وہ صرف بخشش و نصیحت ہی میں بے نظیر  
نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اقربان و امثال میں بھی فرید و وحید ہے۔ صرف لفظ ہمانند کی وجہ  
سے اس شعر کو اختیار کیا۔

صفحہ ۷۵ نتوان گفت کہ دریلے دمان دیگر نتوان گفت کہ در ہلے دیگر جز در دوست  
دیگر بہت بوجہ شعر مافوق بمعنی غیر دل مدوح المعنی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ دریا

جوشان و خروشان دل ممدوح کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ  
انجلیح مرام کے لئے بجز در ممدوح کوئی اور دروازہ ہے۔ (دل ممدوح کو دریغ  
جوشان فیاضی کے لحاظ سے کہا ہے)

صفحہ ۳۷ چگونہ ہول حیوانے زبالاچوں تریان پیلے کجاہیل تریان زوتاہماں باشد جہاں باشد  
ہول یعنی راست و درست و بمعنی بلند۔ یا ہول بفتح زید عدل کی طرح بمعنی  
ہولناک المعنی وہ گینڈا کس طرح کا بلند حیوان ہے۔ کہ بلندی قامت میں لکھنا ہاتھی  
یا برجھایا ہوا ہاتھی معلوم ہوتا ہے۔ برجھایا ہوا ہاتھی اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے  
وہ تو دنیا کے اس سرے تک چھلانگیں مارتا جاتا ہے۔

صفحہ ۳۸ برائے نکس کو نہ محمودی ست ندموی بٹوڈ کہ باشد آنکہ زین جملہ تواند بود آن باشد  
محمودی پیر محمود۔ و بمعنی قابل ستائش۔ انھیں دونوں معنوں نے مفہوم شہر ہے۔  
المعنی جب کوئی پیر محمود اور قابل ستائش نہیں۔ تو ضرور قابل مذمت ہے۔  
کون ایسا شخص ہے کہ محمودی ہو سکے پر ندموی بنے۔

صفحہ ۳۹ برفت بردم آن روشنی دانپے آن بختجوے سواران جلد بفرستا د  
دم بفتح پاس۔ نزدیک۔ و بالنظم بمعنی عقب۔ اس جھکڑے سے بہتر ہے۔ پس  
پڑھا جائے۔ اولیٰ لفظ بختجوے کے آخر میں یاے تختانی زائد ہے برائے اضافت نہیں۔  
المعنی۔ دھننے ہاتھ کی طرف جو روشنی دکھائی دی۔ اس کی طرف چلا۔ اور اس روشنی  
کے پیچھے تلاش میں چلت و چالاک سوار بھی بھیجے۔ جلد شدید القوی (منہج)  
چست و چالاک (منتخب)

صفحہ ۴۰ وازا کہ خواہد کہ دریں خانہ بود ملک اندر ہند ملک نہ خان بادونہ مان باد  
دریں خانہ در دار دنیا المعنی جو شخص بھی ممدوح کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ تمام  
دنیا میں اس کی حکومت ہو۔ دنیا بھر میں یا ممدوح کی حکومت میں اس کا

خان ومان نہ رہے

صفحہ ۳۴ دل عاشق آنت کہ بے عشق نہ باشد اے دوست دے کو رابے عشق بر آید  
مصرع ثانی اس طرح بھی ہے

اے دے دے کو زپے عشق بر آید

المعنی ہر دل اس بات کا خواہاں ہے کہ بے عشق نہ رہے۔ اے مخاطب دوست ایسا دل کسکو میسر  
ہے جسکی بغیر عشق نبھے۔ معنی بلحاظ نسخہ۔ باایں ہمہ اوس دلپہرافسوس ہے۔ جو  
عشق کے پیچھے پڑے۔ کیونکہ تکالیف عشق ناقابل برداشت ہیں۔ یا بر آید کے  
معنی الگ ہو جملے۔ یعنی اوس دلپہرافسوس ہے جو عشق سے الگ رہے۔

صفحہ ۳۵ گل بجنبد زیادہ این برسنگ آب گردوز درد آن پولاد  
گل سے مراد گل لالہ سنگ کی مناسبت سے المعنی محمد بن محمود کی یادیں کوہ  
پر لائے بھی اہتر از اور نشاط میں آجاتے ہیں اور محمود کی موت کے درد سے فولاد  
بھی آب آب ہو جاتا ہے۔

صفحہ ۳۶ سوار باسرا ندر شدے بد و دوازاں ہر وہ شدے ہمہ تن چون ہزار پلے ہسر  
سوار سر لیکے ممدوح کے سامنے آتا ہے مگر پھر اس کے سامنے سے سر پر پاؤں رکھ  
کر بھاگ جاتا ہے۔

صفحہ ۳۷ چوقدرت تو نگہ کرد و عجز خویش بدید چو آگینہ شد آب اندر دوشرم و حجر  
حجر کا عطف آگینہ پر ہے نہ شرم پر (المعنی) جب سمندر نے تیری قدرت اور اپنی  
عاجزی دیکھی تو شرم کے ماے شیشہ اور پتھر کی طرح جم کے رہ گیا۔

صفحہ ۳۸ گرے خواہد کہ در گیتی چو تو کار کنند چون کند چون در بہ گیتی نیابہ پیکار  
اگر کوئی شخص دنیا میں تمہارا ایسا کام کرنا چاہے تو کیسے کر سکتا ہے۔ جب دنیا  
میں اسے کوئی کام کرنے کو ملے ہی گا نہیں کیونکہ تمام کام تو تم نے ختم کر ڈالے۔

صفحہ ۱۰۶ غم و اندیشہ ہمہ زمین دل برفات تمام شک سیہ دیدم کافور ترا بار  
تمام بار فکر و غم میرے اس دسے دور ہو گیا۔ ریا۔ اودھ کھڑا ہوا، جسے کہ کالی  
کالی زلفین تیرے گورے چہرہ پر بکھری دیکھیں یہ یار بجائے بار پڑھو۔  
صفحہ ۱۰۷ کار دل من ساختہ بود است نبودت امروز بکام دل من گشتہ ہمہ کار  
پہلے جو کام دلکانہ بنا تھا وہ اب بن گیا۔ فی الحال میرے مقصد دل کے موافق  
سب کار و بار ہے۔

صفحہ ۱۰۸ زینت و قیمت و مقدار جہاز اتو بود عمر خویش از چہ قبل بر تو نبرد است بکار  
دنیا کی زینت و قدر و منزلت تھی سے تھی۔ پھر زمانہ نے اپنی عمر تجھے کیوں نہ دیدی  
صفحہ ۱۰۹ صدر من ظالم بتوندادے بر خیر گر تو بنودی بصدر ملک سزاوار  
محکمہ خیرات کے ساتھ محکمہ تعزیرات محکمہ کبھی نہ دیتا اگر تم صدر سلطنت کے سزاوار نہوتے  
صفحہ ۱۱۰ بار خدایا خدایگانا شاہا شعر مرا سہل برگذار کن ایں بار  
اے میرے آقا اے میرے مالک اے میرے بادشاہ اس مرتبہ میرے اشعار  
کو نظر سہولت سے دیکھئے۔

صفحہ ۱۰۶ بو بکر عندلیب نوارا بخواں گو قوم خویش را چو بیانی بیار  
ابو بکر گو یا جو بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ اسے بلاؤ اور یہ بھی کمد و جب خود  
آئے تو اپنے ساتھ اپنے طائفہ کو بھی لائے۔

صفحہ ۱۱۱ از پرستیدن کن شاہ کہ دست و دل دوست جو دراپشت و پنہ بہر امان یسرویسار  
یسر سہولت و آسانی یسار تو انگری۔ دست چپ کنایہ از قدرت و اعانت و  
مدد۔ المعنی۔ اے معشوق میرے جسم کے ساتھ اور جو جی چاہے کہ مگر اس بادشاہ  
کی پرستش سے نروک جو سخاوت کا پشت و پناہ اور امان کے لئے سہولت  
اور قوت ہے۔

صفحہ ۱۱۱ چون ملک شان بدید ازان سہ کیے بچشم داد و مابقی بہ حشر  
 راست گفتی زہر ایشان بود آن شکار گرفتہ گرد مگر  
 جب بادشاہ نے اوں شکار کئے ہوئے جانوروں کو دیکھا تو ایک تہائی اپنے  
 نوکر چاکر کو دیدئے۔ اور باقی ہمراہیوں کو سچ تو یہ ہے کہ وہ شکار جمع کیا ہوا انہیں  
 لوگوں کے واسطے تھا۔

صفحہ ۱۱۲ رمضان رفت و رہے دور گرفت اندیدہ خنک آنکو رمضانرا بسزا برد بسر  
 ماہ رمضان گذر گیا اور اس نے غلگی میں دور کا راستہ اختیار کیا۔ اوسیکا دل  
 ٹھنڈا ہے۔ جسے رمضان کو مناسب طور سے بسر کیا یعنی روزے رکھے۔

صفحہ ۱۱۳ دستا کردہ برنگ نو و پا کردہ بلند آنکہ چون چشم نگار راست و چوزلف دلبر  
 دست بر تاج نو کردان یا مھنویہ ہندی لگانا۔ پابند کردن پابند ہونا (انجمن کرام)  
 جلد می چلنا۔ دور مار بہار چشم یہ شراب کی تعریف میں ہے۔ المعنی۔ وہ شراب  
 بہت جلد آتی جس نے اپنے رنگ سے دست ساتی یا میخوار کو رنگیں کر دیا۔ اور وہ  
 شراب مثل حیم یا سرخ ہے اور مثل زلف نگار معطر ہے۔

صفحہ ۱۱۶ تو بگفتی بچہ ماند کہ من ایدون گفتم کہ بمہ ماند و مہ راز ستارہ لشکر  
 ماہ ازان گفتم کا ندر لغت و لفظ عرب چشمہ روز بود مادہ و مہ باشد نر  
 چشمہ روز شمس زبان عربی میں مونث سماعی ہے۔ اور قمر مذکر ہے۔ المعنی۔  
 اے مخاطب تو نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا ممدوح کس چیز سے مشابہت رکھتا ہے۔  
 میں نے فوراً کہا کہ قمر سے مشابہ ہے اور ماہ کا لشکر تار و نکا ہوتا ہے۔ یعنی کثیر۔  
 قمر سے میں نے اس لئے تشبیہ دی کہ لغت عرب میں شمس مونث ہے اور قمر مذکر۔  
 اگر شمس مونث نہ ہوتا تو شمس کتا جو اظہار آیات الہی ہے۔

صفحہ ۱۱۷ ہر درختے پر نیاں پینی اندر سر کشید پر نیاں خرد نقش سبز بوم لعل کار

بہار کے زمانہ میں ہر درخت نے ایسی پر نیاں چینی کی چادر اور ڈھلی ہے۔  
جس پر چھوٹے چھوٹے بوٹے ہوں زمین (متن) کا رنگ سبز اور اد سپر سرخ کام  
کیا ہوا ہو۔

صفحہ ۱۱۸ بس نپاید کو سپرواز اندر آید گرم جوش گر سپرواز اندر آید ملکیت گیر و قرار  
وہ ہمارے رایت بہت نہیں ٹھرتا کہ پھر گر جوشی کے ساتھ پرواز کرنے لگتا ہے  
اور جب وہ پرواز کرتا ہے تو سلطنت کو استقرار اور استقلال ہو جاتا ہے۔  
(یابلس نیاید بہت دیر نہ ہوگی)

صفحہ ۱۲۶ ناوک اوچو برون جیسے از پہلوے رنگ سفرے کردے چند انکہ کند چیم سفر  
اوسکا تیر جب بز کوہی کے پہلو کو توڑ کے باہر نکل جاتا تھا۔ تو اتنی دور جاتا  
تھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرے۔

صفحہ ۱۲۷ غم دیدم چو خشک کردہ زبس پیکان پشت کرگ دیدم چو سفر کردہ زبس ناوک بہ  
غم بضم غین میش کوہی کرگ مخفف کرگدن گینڈا سفر خار پشت۔ سیسی  
المعنی کثرت سے پیکان لگنے کی وجہ سے میش کوہی کی پیٹھ گو گھرو کی ایسی معلوم  
ہوتی ہے اور بکثرت تیر لگنے کی وجہ سے گینڈے کا جسم خار پشت کا ایسا دکھائی  
دیتا ہے۔

صفحہ ۱۲۸ اے از در دیدار بید آئے و بیدار آن روے کز و رنگ ستان گل برابر  
از در سنوار گل برابر وہ پھول جو شاخ میں لگا ہوا اور توڑا انگلیا ہو۔ المعنی  
اے سنوار دیدار دیکھنے میں آ اور اپنا وہ چہرہ دکھا جس سے گل ناچیدہ رنگ  
حاصل کرتا ہے۔

صفحہ ۱۳۱ چندین شرف و فضل و بزرگیت خردا اے از خرد آسنا کہ خرد را بنود بار  
عقل کو بہت شرف اور فضیلت اور بزرگی دیکھتی ہے۔ اے ممدوح تم

اپنی عقل کا دل کی وجہ سے اس بلند مقام پر پہنچے ہوئے ہو کہ جہاں تک خود ذات عقل بھی نہیں پہنچ سکتی ۶

صفحہ ۱۲۲ تا ترا دیدہ ام ایماہ دیگر سان شدہ ام باخل گشت ہی حال من و جان بخند  
اے ماہ جب سے میں نے تجھے دیکھا ہے میرا رنگ اور ہی ہو گیا ہے میری  
حالت میں خلل واقع ہو گیا ہے اور جان قابل استرازا ہے۔

صفحہ ۱۳۲ راست گفتی قضاے نیکستی بر شمتہ مکا برہ بقدر  
سچ جو پوچھو تو تم قضاء نیک ہو اور قدر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو  
صفحہ ۱۳۳ راست گفتی بباد برجم بود گر بود باد راستام بزر

تم تیز رفتار گھوڑے پر کیا سوار ہو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان ہوا پر ہیں۔  
لیکن یہ تشبیہ اس وقت درست ہوگی جب ہوا کی لگام سونپی ہو۔ چونکہ ایسا نہیں  
لہذا تمہارا گھوڑا ہوا سے بہتر ہے۔ اسکو تشبیہ تفضیل کہتے ہیں۔

صفحہ ۱۳۵ نیزہ ساز داود دہرہ تیز از یک اندر نشاقت بہ دیگر

نشاقت نشاندن۔ چھینا۔ چھونا۔ دہرہ۔ اہل دہلیم و طبرستان کا ایک حربہ  
ہے جکا پھل ہنٹنے کی طرح نہایت تیز ہوتا ہے۔ اور اسکا دستہ لوہے کا  
ہوتا ہے۔ المعنی اپنا نیزہ خنجر سے بھی زیادہ تیز رکھتا ہے۔ تاکہ ایک مخالف کو  
توڑ کے دوسرے کو بھی چھیدے۔

صفحہ ۱۳۵ اشم و لشکر بیدل شدہ بودند ہمہ از غم و اندہ دیر آمدن اور سفر  
شکر ایہ زور کا ان اندہ و آن غم بگدشت کار چون چنگ شد و اندہ ہجون آذر  
معدود بن محمود کے ایران سے جلد واپس نہ آنے پر حزم و حشم و لشکر کے سب  
لوگ بیدل ہو رہے تھے اور اس بات کا ان لوگوں کو غم تھا کہ سفر ایران سے  
واپس آنے میں کیوں دیر ہوئی۔ اللہ کا شکر کہ اونکے آجانیسے غم و اندہ دور

ہو گیا۔ اور کام مثل ساز چنگ پر نشاط و طرب ہو گیا۔ اور اندوہ آگ کی طرح سوختہ ہو کے رہ گیا۔

صفحہ ۱۵۶ وزر رعیت نہ عجب نیز کزین دور نیند مرغ و ماہی چہ بہ بحر اندر و چہ اندر بر رعیت سے بھی تیری دوستی عجیب بات نہیں کیونکہ پرندے خشکی میں اور مچھلیاں سمندر میں تیری دوستی سے باہر نہیں۔

صفحہ ۱۵۸ بقاء شہ بود تا از بد اندیش نباید ہیچ متے راستِ غفار بادشاہ اوس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ کسی مت کو اپنی میخواری کی عادت بد سے توبہ کرنا ضروری نہو۔

صفحہ ۱۶۲ تو خورشیدی از بہر تو بر بگردو گراں گہ گزارند بالائے محور گہ مخفف گاہ بمعنی تخت المعنی۔ تم عین خورشید ہو تمہارے لئے آسمان کے محور پر کارکنان قضا و قدر بھاری تخت بچھائینگے۔

دیوان فرخی بقدر نصاب بین میرے نزدیک سوا سوا اشعار قابل توجہ ہیں جنکے معانی میں نے فرہنگ دیوان فرخی میں لکھ دیے ہیں۔ جو چھپ چکی ہے \*

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی



# دیارِ عرب کے مغربی سیاح

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۷) جیمز ویل سٹڈ

James Wellsted .

جیمز ویل سٹڈ ایٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں ایک بھری افسر تھا۔ وہ پہلا مغربی سیاح ہے جس نے عمان کے علاقہ میں دور دور تک سفر کیا۔ اور پھر اپنے سفر نامہ کے ذریعہ سے مغربی دنیا کو عرب کے اس حصہ کے جغرافی طبعی اور دیگر حالات و کوائف سے آگاہ کیا۔ یہ سیاح عمان میں داخل ہونے سے پہلے عرب کے مغربی اور جنوبی ساحلوں کی مساحت کو چکا تھا۔ اور جزیرہ سقطرہ میں بھی دریا کی حالت کے لئے سفر کر چکا تھا۔ اُس نے حضرموت میں بھی داخل ہونے کی ناکام کوشش کی تھی۔

۱۸۳۵ء کے آخر میں ویل سٹڈ مسقط میں اُترا۔ اور امام مسقط کی اجازت سے اور اس کی حفاظت میں اس نے مختلف جہات میں دور دور تک سفر کیا۔ سب سے پہلے اس نے عمان کے انتہائی جنوبی حصہ کی سیاحت کی اور وہاں کے بد دیووں کے ساتھ ساحل سے اندرون ملک میں دو منزل تک گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساحلی علاقہ کے باشندوں کا گزارہ چوپانی اور ماہی گیری پر ہے۔ اور کبھی صرف لوٹ مار پر۔ اس کے بعد اس نے شمال کی طرف عمان کے وسطی پہاڑوں کا رخ کیا۔ اور راستہ میں قنات یا فلج فارسی کاریز یعنی زیریں دوز آب رمان نالیوں

کو دیکھا اور اُن کی ساخت پر حیران ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ میں نے کئی ایک پانی کی نالیاں دیکھیں جو تقریباً چالیس فٹ کی گہرائی پر بہتی تھیں۔ جس جہت میں پانی لے جانا مقصود ہوتا ہے۔ اس طرف خیف سا ڈھلوان رکھتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر وزن ہوتے ہیں۔ جن میں سے آ کر زالی کو صاف رکھتے ہیں۔ اس طریق سے پانی میلوں تک لے جاتے ہیں۔ قنات کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ سورج کی تہاڑت اور تبخیر سے پانی ضائع نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اہل عمان نے یہ طریقہ اہل فارس سے سیکھا ہو۔ جن کے ہاں کاریز کا عام رواج ہے۔

عمان کے درمیان میں ساحل سے فاصلہ پر مگر اس کے متوازی پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ شمالاً جنوباً چلا گیا ہے۔ شہر مسقط کے بالمقابل حصہ کوہستان کو جبل خضر کہتے ہیں۔ ویلیٹڈ نے دیکھا کہ جبل خضر واقعی طور پر اسم با سٹی ہے۔ دامان کوہ کی شادابی اور لہلہاتے کھیت دیکھ کر اس نے دل میں تعجب کیا کہ آیا یہ بھی ملک عرب ہی کا حصہ ہے جو عام طور پر اپنی بیابانی کے لئے مشہور ہے۔ غلے اور گنے کے ہرے بھرے کھیت کھڑے تھے۔ ہر طرف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ اور مزارعین کے چہروں سے اطمینان اور بشارت ٹپک رہی تھی۔ ویلیٹڈ نے اس کوہستان میں ادھر ادھر بہت سے چکر کاٹے۔ اگرچہ پہاڑوں کی چوٹیاں اور بالائی حصے بالعموم عریاں تھے۔ مگر اُن کی درمیانی وادیاں شاداب تھیں۔ جہاں غلوں کے علاوہ انواع و اقسام کے پھلوں کے درخت اُگ رہے تھے۔

ویلیٹڈ نے ساحلی علاقہ کی بھی سیر کی تھی۔ جسے باطنہ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ مسقط سے لے کر شمال کی طرف راس مسند تک چلا گیا ہے۔ پانی کی افراط کے سبب سے نہایت زرخیز ہے اور مسلسل آباد ہے۔ اور بے شمار غلاتوں سے معمور ہے۔ جن کی کھجوریں کثیر مقدار میں دسا اور جاتی ہیں۔

ولیسٹ کا سفر نامہ (*Travels in Arabia*) کے عنوان سے ۱۸۳۸ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔

## (۸) فون وریڈے

Adolf von Wrede.

فون وریڈے ایک جرمن صاحب السیف تھا جس نے کچھ مدت مصر میں بسر کی تھی۔ یہ پہلا مغربی سیاح ہے جس نے حفرة موت کے علاقہ میں سیاحت کی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ولیسٹ اس علاقہ میں داخل ہونے میں ناکام رہا تھا۔ ایسی باشندوں کے شک و شبہ اور ان کے نجس سے بچنے کے لئے فون وریڈے نے عربی نام اور عربی لباس اختیار کیا۔ پہلے عدن پہنچا، پھر مکہ آیا جو کہ بحیرہ عرب کے ساحل پر حفرة موت کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ اور جنوب عرب میں عدن سے اتر کر اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہے۔ یہاں اس نے چودہ پندرہ بدوی ساتھ لئے اور ظاہر کیا کہ وہ حضرت ہود کی قبر کی زیارت کو جا رہا ہے جس کا حفرة موت میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ۲۶ جون ۱۸۴۷ء کو روانہ ہو کر نو دس دن کے سفر کے بعد وادی دوان میں پہنچا جو نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ یہاں بہت سے گاؤں آباد تھے۔ جو غلستانوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں خرمیہ نامی تھا۔ وہاں کا شیخ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور اسل نے اسے ادھر ادھر مختلف جہات میں سیر و سیاحت کرنے میں امداد دی شمال کی طرف وریڈے ربیع الخالی کے کنارے تک پہنچا۔ جس کے حفرة موت کے بالمقابل حصہ کو بحر الصافی کہتے ہیں۔ وہاں سے واپس آکر اس نے قبر ہود کی طرف رخ کیا۔ مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب سے اسے راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ آخر کار ستمبر میں وہ

واپس مکلا آ پہنچا۔

فون وریڈے کے حالات سفر اور نتائج سیاحت کی مختصر رپورٹ دینا شروع کی۔ ۱۸۴۴ء میں انگلستان کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو بھیجی گئی تھی۔ مگر اُس کا پورا سفر نامہ اس کی دفاتر کے بعد بیرن مالٹرن نے ۱۸۷۷ء میں Brunswick کے مقام سے جمعہ نقشہ اور حواشی کے شائع کیا۔

وریڈے کے سفر سے علمی دنیا نے حضرموت کے طبعی و دیگر حالات سے اطلاع پائی۔ اس کی سیاحت سے یہ منکشف ہوا کہ تمام ملک ایک سطح مرتفع ہے۔ اور اس کے بیچوں بیچ ایک بڑی وادی ہے۔ جو پہلے تو مشرق کی طرف بہتی ہے۔ پھر اس کا رخ قدرے جنوب کی طرف ہو گیا ہے۔ اور بالآخر میہوت کے مقام پر سمندر کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اس بڑی وادی کے متوازی اور بہت سی معاون وادیاں ہیں۔ جو بڑی وادی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ یہ سب وادیاں ملک کی سطح مرتفع کو بڑی گہرائی تک کاٹتی ہیں۔

وریڈے کے بعد متعدد جرمن اور انگریز سیاحوں نے حضرموت کی سیاحت کی اور وہاں کے جغرافی، مذہبی، اقتصادی اور معاشری حالات دریافت کئے۔ ان سب کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔ ابھی پچھلے سال ایک انگریز خاتون Freya Stark نامی نے وہاں کا سفر کیا ہے۔ اور واپسی پر وہاں کے حالات پر ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

(۹) ارنو

Arnaud.

جس زمانہ میں وریڈے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر حضرموت میں سفر

کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک فرانسیسی شخص ارنو نامی اس کے مغرب میں بلاد ماوراء کی تاریخی سرزمین میں مصروف سیاحت تھا۔ اہل مغرب میں سے ارنو پہلا شخص ہے جس نے مارب کے کھنڈروں کو برائی العین مشاہدہ کیا۔

یہ شخص پہلے خدیو مصر کے ہاں ملازم تھا۔ پھر سلطان صناعہ کی ملازمت میں چلا گیا۔ اُن دنوں فرینکل نامی ایک عالم جدہ میں فرانس کی طرف سے قصل مقرر تھا۔ اس کی فرمائش اور تحریریں سے ارنو نے مارب کے قدیم کھنڈروں کو برائی العین دیکھنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اور چند ایک عرب رفیقوں کے ساتھ ۱۸۴۳ء میں صنعاء سے مشرق کا رخ کیا۔ اور راستہ میں بہت سے خطروں کا سامنا کر کے بالآخر سبا کے کھنڈروں تک پہنچا۔ اور وہاں سے ایک وسیع وادی میں سے گزرتے ہوئے جہاں اب بھی مشرق اور جنوب کی طرف ندی نالے بہتے ہیں۔ سد مارب پر جا پہنچا۔ اور وہاں کے کتبات اور نقوش کو دیکھا اور تقریباً ساٹھ حمیری کتبوں کی نقول حاصل کر کے واپس لوٹا۔ جو تھوڑے روزی ازیان تک میں شائع ہوئے اور جن کو *Oman der* نے پڑھا اور حل کیا۔ ارنو نے اپنے حالات سفر رسالہ مذکورہ کی پانچویں جلد بابت ۱۸۴۳ء میں لکھے تھے اور اسکے ساتھ سد مارب اور اسکے نواحی کے نقشے اور خاکے بھی شائع کئے تھے۔

اگرچہ ارنو کو کتبات کے حصول میں لحاظ زمانہ سبقت حاصل نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے متعدد کتبے دریافت ہو چکے تھے۔ اور نہ ہی اس نے کوئی طویل سیاحت کی تاہم وہ اہل علم کے شکریہ کا اس لحاظ سے مستحق ہے کہ اس نے محض علمی تحقیقات کے لئے ایک ملک بے آسپن میں سفر اختیار کر کے اپنی جان جو کھوں میں ڈالی بعد میں کلازرد وغیرہ نے اسی علاقہ سے ہزاروں کتبے جمع کئے۔ مگر اسے ترکوں کی حفاظت اور حمایت حاصل تھی۔ ارنو اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس کے مشاہدات اور فراہم کردہ معلومات سے جنوبی عرب کے اثریات کے متعلق ہمارے علم میں ایسے وقت میں معتد بہ

اضافہ ہوا۔ جب کہ ابھی اس موضوع پر ہماری معلومات کا ذخیرہ بہت کم تھا۔

## (۱۰) والین

G. A. Wallin

جیسا کہ بیان بالا سے ناظرین پر ظاہر ہو چکا ہوگا۔ ایک عرصہ دراز تک دیار عرب کے جنوبی حصے اور حجاز کے حرمین مغربی محققوں کی جلا لگاہ بنے رہے۔ اور شمالی عرب کی طرف کسی سیاح نے رخ نہ کیا۔ پہلا مغربی سیاح جس نے پچھلی صدی کے تقریباً وسط میں وہاں کے تمام مشہور اور اہم مقامات کو دیکھا۔ اور پھر علمی دنیا کے افادہ کے لئے اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا۔ سویدی نسل کا ایک عالم والین نامی تھا۔

والین ان معدودے چند نہایت قابلِ افرتگی علما میں سے تھا جنہوں نے عرب کی سرزمین پر علمی تحقیقات یا سیاسی اغراض سے قدم رکھا ہے۔ اول تو وہ عربی زبان میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ عرب کی سیاحت کے بعد وہ *Helsingfors* کی یونیورسٹی میں عربی کا استاد مقرر ہو گیا۔ دوسرے وہ ایک نہایت دیدہ و شخص تھا۔ جس کی نگاہ سے عرب کی جغرافی، فضاء اور وہاں کی معاشرت سے کوئی ضروری بات نہ بچتی تھی۔ مابعد کے سیاحوں کے تذکروں سے مقابلہ کرنے سے اس کے بیان کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں ایک ایسے محقق کی تلاش اور جستجو ظاہر ہوتی ہے۔ جو محض علمی اغراض سے سفر کرے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خدیو مصر نے وسط عرب اور خصوصاً حائل کی ریاست کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بہر حال وہ قاہرہ سے اپریل ۱۸۶۵ء میں ایک مسلمان شیخ کی صورت بنا کر روانہ ہوا۔ اور محان کے راستہ سے الجوف میں وارد ہوا۔ جہاں وہ دو مہینے تک مقیم رہا۔ اس نے یہاں کے حالات اس تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ کہ بعد کے سیاح اس پر کچھ زیادہ اضافہ نہیں کر سکے۔ الجوف سے روانہ ہو کر اس نے صحرا لہ لہ کو قطع کیا اور جبلِ اجا و سلمیٰ کے

علاقہ میں پہنچا۔ جس کو آج کل بحیثیت مجموعی جبل شمر کہتے ہیں۔ حائل کا شہر یہیں واقع ہے جس نے پچھلی صدی میں نجد کے حراہیت ہونے کی حیثیت سے بہت شہرت اور اہمیت حاصل کی تھی۔ جس زمانہ میں والن وہاں پہنچا تو بنو رشید نے وہاں ایک منظم اور طاقتور ریاست قائم کر رکھی تھی۔ شہر صاف ستھرا اور خوب آباد تھا۔ منڈیاں مال تجارت سے بھری پڑی تھیں اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔

قیام حائل کے بعد والن نے ایرانی حاجیوں کے ساتھ حجاز کا عزم کیا۔ افسوس کہ اس نے حرمین کے حالات تفصیل سے نہیں لکھے۔

اس کے بعد والن واپس قاسرہ چلا آیا۔ اور اپنے حالات سفر شائع کرنے سے پہلے دوبارہ عرب کا رخ کیا۔ اس دفعہ وہ سمندر کے راسخ سے مدین کے بالمقابل ساحل پر اترا اور وہاں سے تبوک پہنچا۔ پھر شمالی حجاز کی مشہور نخلستانی بستی تیماء میں وارد ہوا۔ جہاں آج تک کسی مغربی سیاح کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ تیماء صحرا سے محصور ہے۔ اور اس کی شادابی تمام تر ہسٹراٹھوڈج پر موقوف ہے۔ جو ایک بہت بڑا کوآں ہے جس سے لوگ اپنے نخلتانوں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔

تیماء میں ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد وہ دوبارہ حائل میں وارد ہوا۔ جہاں امیر عبداللہ فوت ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ والن نے یہاں مہینہ بھر قیام کیا۔ مگر یہیں معلوم نہیں کہ اُس نے یہ وقت کن مشاغل میں صرف کیا۔ چونکہ امیر عبداللہ کی وفات کے بعد ملک میں پورا امن نہ تھا۔ اس لئے وہ اُس پاس کے علاقہ میں بغرض تحقیق سیر و سیاحت نہ کر سکا۔ اور بالآخر ایک قافلہ کے ساتھ اُس نے عراق کا رخ کیا۔ اور وہاں سے واپس وطن چلا گیا۔

والن چار سال بعد فنلینڈ میں فوت ہو گیا۔ اس نے اپنے دو نو سفروں کے حالات

انگریزی زبان میں لکھ کر انگلستان کی شاہی جغرافیہ انجمن کو بھیجے تھے۔ جو انجمن مذکور کے رسالہ کی بیسیوں اور چوبیسویں جلد میں شائع ہو گئے تھے۔ جہاں تک ہیں معلوم ہے ان دو مقالوں کے علاوہ اُس نے اور کوئی روئے داد اپنی سیاحت کی نہیں چھوڑی۔  
(باقی دارو)

## عنایت اللہ

ازملتان

# پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھیو یہی رسالہ بابت ۱۹۳۷ء)

کھٹوں کا ذکر راسا میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ پرتھی راج کی جہتیں شکار گاہ معلوم ہوتی ہے جہاں متعدد موقعوں پر وہ شکار کھیلتا دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ (۱) جب حسین پناہ لینے کے لئے پرتھی راج کے دربار کا رخ کرتا ہے۔ اس وقت پرتھی راج کھٹوں پور میں جس سے مقصد یہی کھٹوں ہے شکار میں مصروف تھا حسین کھانوں داستان چھند ۹ ص ۳۰ (۲) سلکھ جلد ۱۳ ویں داستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ پرتھی راج شہاب الدین سے زرفدیہ وصول کر کے اور اس کو آزاد کر کے کھٹوں شکار کو چل دیتا ہے۔ (۳) کھٹوں چوک بنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھٹوں میں شکار کو جاتا ہے۔ شہاب الدین کو جاسول کے ذریعہ سے یہ اطلاع غزنویں پہنچ جاتی ہے۔ شاہ لشکر لے کر پہنچ جاتا ہے۔ اور بن کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے (۴) جیت راو جلد ۴ ص ۳ ویں داستان۔ دلی پہنچنے سے ڈھائی سال بعد پرتھی راج کھٹوں شکار کو جاتا ہے۔ اس کی اطلاع نیت راو کھٹوں شہاب الدین



کو پہنچا دیتا ہے۔ (۵) ہنساوتی وواہ ۳۶ ویں داستان۔ شاہ کو جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کھٹو پور شکار کو گیا ہے (چھند ۱۱ ص ۱۲۹) کیماں جدھ ۳۶ ویں داستان۔ دھرمائن کا بیٹہ پرتھی راج کے کھٹوبن جانے کی اطلاع شہاب الدین کو پہنچاتا ہے (چھند ۱۱ ص ۱۱۱)۔ (۶) دھن کتھام ۲ ویں داستان۔ پرتھی راج اسی کھٹو کے بن سے ایک خزانہ نکالتا ہے۔ یہ داستان راسا کی مقتدر داستانوں میں سے ہے۔

راسا کی روایات میں کھٹو کے اس قدر اہم ہونے کی وجہ سے ہم مطلق تاریکی میں ہیں۔ اس کے بیانات سے تو ایسا واضح ہوتا ہے کہ سند بن اور کجلی بن کی طرح کھٹو بن بھی کوئی بہت بڑا بن ہوگا۔ جس میں پرتھی راج مہینوں شکار کھیلتا رہتا ہے حتیٰ کہ شہاب الدین غزنویں سے اگر اسے گھیر بھی لیتا ہے۔ یہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کھٹو کا فقط نام بن رکھا ہے۔ وہ اس مقام کے طبعی اور جغرافیائی حالات سے بالکل ناواقف ہے۔ کھٹو تمام تر ریگستانی علاقہ ہے۔ یہ موضع ایک پہاڑ کے ضلع میں جو تبیل لمبا ہے آباد ہے۔ پانی اس قدر نایاب ہے کہ اس علاقہ میں کسی وقت بھی کوئی وسیع و عریض جنگل محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ شکاری جانور آباد ہو سکتے۔ شیر۔ تیندو۔ چیتا سانہر جھانک وغیرہ ان اطراف میں نہیں پائے جاتے۔ ہرنوں کی اقسام ہیں صرف چکارہ ملتا ہے۔

کھٹو نام کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ ایک کو دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے مغربی قصبہ کو آج کل بڑی کھاڑ اور شرقی قصبہ کو جھوٹی کھاڑ کہتے ہیں۔ راسا کا مصنف صرف ایک قصبہ سے واقف ہے جو اس کے نزدیک کھٹو ہے۔ کھٹو اس میں شک نہیں قدیم تلفظ ہے۔ اور کھاڑ جدید۔ راقم نے اس قصبہ کے متعلق جن قدر پُرانے فرامین اور کتبے دیکھے ہیں۔ ان پر بصورت کھٹو نام ملتا ہے کھٹو کلاں قدیم الایام میں نہایت اہم مقام ہوگا۔ وہاں کا سب سے قدیم قصبہ جو سابق

میں کسی تالاب پر واقع تھا۔ سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی عہد کی ایک جامع مسجد بھی موجود ہے۔ کھٹو میں شیرانیوں کا قبیلہ نہایت قدیم زمانہ سے آباد معلوم ہوتا ہے۔ ان کے متعلق سب سے قدیم تلمیح کتاب 'مرقاة الوصول الی اللہ والرسول' میں ملتی ہے۔ جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی ایک تالیف ہے۔ کھٹو کی شہرت وہاں کے پتھر اور بابا اُختی مغربی کے مزار نیز ان کے مرید شیخ احمد کھٹو کی بنا پر ہے۔ جن کا مزار سر کھچ احمد آباد میں ہے۔ کھٹو پر گرنے والی نگر میں شامل ہے اور بڑی کھاٹو کے نام سے ریلوے اسٹیشن بھی ہے جو ڈیگناہ اور بجان گڈھ لائن پر آتا ہے۔ محمد شاہی عہد سے یہ تمام علاقہ ریاست جو دھپور کے قبضہ میں چلا گیا ہے۔ تب سے موضع کھٹو چانپاوت راجپوتوں کی جاگیر میں ہے۔

## پدماوت

پدماوتی سے بیویوں داستان کے بعض خط و خال محمد جالیسی کی پدماوت کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ جو شیر شاہ متوفی ۹۵۲ھ کے زمانہ کی تالیف ہے۔ دیکھا جاتا ہے۔ کہ دونوں کہانیوں میں شہزادیوں کا نام پدماوت ہے۔ دونوں شہزادیوں کے پاس طوطے ہیں۔ جالیسی کے ہاں طوطا پدماوت کے حسن و جمال کی تعریف کر کے رتن سین دالی چٹوڑ کو اس کا عاشق بنا دیتا ہے۔ راسا میں طوطا پرتھی راج کی تعریف کر کے پدماوتی کو اس کا نادیدہ شیدائی بنا دیتا ہے۔ دونوں کہانیوں میں طوطا قاصد کا کام دیتا ہے۔ رتن سین بھی جاکر مندر میں ٹھہرتا ہے۔ پرتھی راج بھی پدماوت کو لانے کے وقت مندر میں پہنچتا ہے۔

ان کہانیوں میں واقعات و حالات کا یہ اشتراک اتفاقی نہیں مانا جاسکتا۔ منور ہے کہ ایک دوسرے سے لے رہا ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ راسا کا مہنت جالیسی



کا استعمال ایک خاص حصہ کو ہستان تک محدود ہے۔ جو ہر دوار سے شروع ہو کر کانڈہ پر ختم ہوتا ہے۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ پرتھی راج اور اس سے قریب تر زمانہ میں سواک کا استعمال ایک بالکل مختلف خطہ زمین پر ہو رہا تھا۔ جو غالباً ہانسی و سرتی منڈ و ناگور کے مابین محدود تھا۔ طبقات ناصری میں جو ۶۵۰ء کی تالیف ہے۔ کئی موقعوں پر سواک کا تذکرہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے بہرام شاہ غزنوی م ۵۴۶ء کے حالات میں ایک فقرہ محمد باہلم والی ہندوستان کے متعلق یہ آتا ہے :-

”وولایت ہندوستان تمام اوراد وادو بار ویکر عاصی شد وقلعہ ناگور در ولایت سواک۔ محمد بیرہ بنا کر“ ۳۳ ملوک نیروز کے ذکر میں تاج الدین یئال تگین خوارزمی کے متعلق لکھا ہے :-

”واین تاج الدین در خدمت ملک کریم الدین حمزہ بود و ناگور سواک۔ ناگاہ فرستہ جست وخواجہ نجیب الدین را شہید کرد“

ترائیں کی دوسری جنگ کے موقعہ پر جس میں پرتھی راج مارا جاتا ہے۔ پھر سواک کا نام نہیں ملتا ہے چنانچہ

”و دار الملک اجمیر و تمام سواک چون ہانسی و سرتی و دیگر دیار فتح شد منڈا“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سواک کے ذیل میں ہانسی و سرتی بھی شامل ہیں سلطان شمس الدین اہتمش منوی ۶۳۵ھ کے بیان میں بذیل ۶۳۴ھ یہ فقرہ مرقوم ہے :-

”و بعد ازان بیک سال در شہور سنہ اربع و عشرين و ستایع بیت قلعہ مندور کرد از

حد و سواک۔ حق تعالیٰ آن فتح اور ایسر گردانید“ ۳۴

منڈ و مارو ڈار کی پرانی راجدھانی ہے۔ جو موجودہ شہر جو دھپور سے پانچ میل کے

فاصلے پر واقع ہے۔

طبقات کے ان فقروں سے ایسا مفہوم ہوتا ہے۔ کہ سوا لک ایک بڑی قسمت کا نام ہے۔ جس میں ناگور اور منڈور سے لے کر ہانسی اور سرتی تک کا تمام علاقہ شامل ہے۔ لیکن یہ بیان اس خطہ کی حد بندی کے لئے بڑی حد تک مبہم اور نا کافی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے۔ کہ غزنوی دور میں سوا لک کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ ناگور کے واسطے ہو رہا ہے۔ ناصر الدین محمود <sup>۴۴۰-۴۶۴ھ</sup> کے عہد میں ہانسی اور ناگور کا علاقہ غیاث الدین بلبن کی جاگیر میں تھا۔ منہاج سراج اس جاگیر کو بعض موقعوں پر ہانسی و سوا لک کے نام کے ساتھ یاد کرتا ہے چنانچہ

”الغ خانرا فرمان داد تا بسرا قطع خود بطرف سوا لک و ہانسی برو“ <sup>۲۱۶ھ</sup>  
ایک اور مثال یہ ہے :-

چون بخطہ ہانسی رسید بر سبیل ہر چہ تمام تر فرمان داد تا جملہ لشکر ہای سوا لک - ہانسی و سرتی و جیند و بروالمہ و اطراف آن بلاد در مدت چہار دہ روز جمع شد <sup>۲۵۵ھ</sup> [اور برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے :- ”سو لک تا جالور و ملتان تا مرلیہ و از پالم تا لوہور <sup>۲۶۹ھ</sup> (دیگر) کرت دیگر سہ چہار امیران من مغل باسی چہل ہزار سواران مغل سرزدہ در سرزمین سوا لک کو را کرد در آمدند“ <sup>۳۲۱ھ</sup> تاریخ فیروز شاہی]

ان فقروں میں سوا لک سے مقصد یہی ناگور ہے جس میں یہاں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آج بھی پرگنہ ناگور کو مقامی تقسیم کے مطابق جو یقیناً کسی قدیم روایت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ مار ڈاڑ کے لوگ سوا لک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی ایک ضرب المثل ہے۔ کہ سوا لک کے بیل عمدہ ہوتے ہیں۔ ایک مشہور دوہرہ میں اہل سوا لک کی مذمت یوں کی گئی ہے :-

سہ بیٹی ندیکے سوا لک باجے دیجے تو جوئے روٹی دے ہے جواری پلو کو دے ہے روئے  
ایک اور دوہرہ مٹینے :-

سوالکیوں کی ڈیکری پڑی پول میں پیسے اور ٹن کالی لوگرڈی ڈاکن ہو جوں دیسے جب پر پختی راج کے زمانہ میں سوالک کا استعمال ناگروہانسی کے علاقوں پر ہو رہا ہے۔ تو تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی عہد کی ایک تالیف میں جیسا کہ راسا کے واسطے دعویٰ کیا جاتا ہے سوالک کو ایسے معنوں میں لایا جاتا ہے جو پر پختی راج کے زمانہ سے دو ڈھائی صدی بعد رواج میں آئے ہیں۔

## آئین وضوابط دربار

راسا میں درباری اور شاہانہ زندگی کے جو بعض مناظر دکھائے گئے ہیں وہ مغلیہ زمانہ کی رسوم دربار سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ ہمیں ان میں اختلافی عنصر کی تلاش میں بڑی دقت محسوس ہوتی ہے۔ جو لوازمے مغلوں کے ہاں دیکھے جاتے ہیں۔ وہی پر پختی راج اور جے چند کے درباروں میں کسی قدر ضمنی اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔ نقیب ہیں۔ نسبت نقارہ ہے۔ چتر اور چتر دار علی ہذا چو نری بردار و چوبدار ہیں۔ دربار فرش و فرش اور قیمتی قالینوں سے آراستہ ہے۔ دیواروں پر کچی کاری کا کام ہو رہا ہے۔ امرا کی باقاعدہ نشستیں مقرر ہیں۔ اہل نغمہ و نشاط ہیں۔ موسیقی ساز بچ رہے ہیں اور خوشبوؤں سے تمام دربار مہک رہا ہے۔ سلام اور درباری تسلیم کا بھی رواج ہے۔ نسبت نشان بچتا ہے۔ نسبت نشان دربار بجتے چھند اصح ۱۹ دلی وزن انٹھویں داستان میں نگودھ گھاٹ پر جتنا کے کنارے ایک باغ کا ذکر آتا ہے۔ جہاں بسنت کے ایام میں پر پختی راج علی الصباح دربار کرتا۔ میٹھے سروں والے ساز بجاتے اور گویئے اپنی شیریں اور دلکش آوازوں میں عمدہ عمدہ راگ اور راگنیاں چھیڑتے عنبر عمیر اور گلال کی لپٹوں سے تمام دربار بس جاتا۔ وسط میں مہاراج پر پختی راج کا سنگھاسن (تخت) ہوتا۔ اس پاس سادتوں کی نشستیں ہوتیں۔ راجہ کے ڈائیں بائیں

خدمت کار چنور لئے کھڑے ہوتے۔ بائیں طرف گویند رای بڈرا اور سلکھ پر پار بیٹھتے اور دائیں طرف سویشور کا سکا بھائی کنہچوہاں بیٹھتا۔ جس کی آنکھوں پر ہمیشہ پٹی بندھی رہتی۔ تخت کے پیچھے گرو رام پر دھت کا آسن ہوتا اور سامنے کوی چند بیٹھتا۔ چند پڈیر۔ چامند رای۔ لکھن گھیلاد وغیرہ سامنت اپنے اپنے آسنوں پر ادب سے بیٹھے ہوتے۔ فرش پر گدی تکیے لگے ہوتے جن پر زری کا کام ہوتا۔ دیواروں میں نلیم یا قوت وغیرہ رنگین جواہرات کی چچی کاری ہوتی :-

سہ چچی لئی نئی مالکین آرٹھن جٹھن منی تیج کین ۱۱ (چھند ۳۰ ص ۱۵۵)۔ دلی ورن ۵۹

ویس داستان

دوپہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا بن بیر پڑھیار آتا اور ہاتھ جوڑ کر اطلاع دیتا کہ کھانا طیار ہے۔ اس پر راجہ مع اپنے ساونتوں کے جا کر دسترخوان پر بیٹھتا اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ قیلولہ کرتا اور پھر دربار میں جا بیٹھتا۔

بست پنچی کے موقع پر راجہ بست کے دربار سجانے کا حکم دیتا ہے حکم ہوتے

ہی ملازموں نے "نیت استھان" آراستہ کرنا شروع کیا جشن کے لئے سادا ضروری سامان نکالا۔ بات کی بات میں منوں اگر عبیر اور گلال لاکر حاضر کیا۔ ہرے ہرے پتوں شاخوں۔ بیلوں اور بوٹوں سے مجلس کو سجایا۔ سوتی۔ ریشمی زرتار اور قسم قسم کے بسنتی رنگ کے کپڑوں سے دربار کے مقام کی آرایش کی گئی۔ زعفران۔ مشک۔ اگر اور صندل کی خوشبو

بسائی۔ زمین پر جام اور انمول دلیچے (ذیلیچے) بچھائے۔ گلاب کا چھڑکاؤ ہوا اور عبیر کی گرداڑنے لگی۔ درمیان میں گوپال لال جی کا سنگھاسن قائم کیا گیا۔ پوجا کا وقت آتے ہی گھنٹے۔ سنگھ۔ جھار۔ مردنگ۔ جنتر۔ نفیری۔ بھیری۔ ٹھنائی۔ چنگ۔ ڈھول۔ پینگ۔ دمامہ۔ بنسی وغیرہ ساز بجنے لگے۔ پوجا کے اختتام پر راجہ بھی اپنے مقام سے اٹھ کر گوپال لال کے سنگھاسن کے پاس آ بیٹھے۔ اب مجرا شروع ہوا۔ ارباب نشاط

نے اپنا اپنا کمال دکھایا۔ ادھی رات کے وقت دربار برخواست ہوا اور راجہ انعام دے کر زمانہ محل میں چلے گئے۔

جے چند کے دربار میں بھی جس کا نقشہ شاعر نے قنوج سے اکٹھویں داستان میں کھینچا ہے۔ قریب قریب یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ رنگین قالینوں کے تھان کے تھان بچھے ہیں۔ جن کو دیکھ کر قوس قزح کے رنگ شرانے ہیں۔ ریشمی دھاگے سنہری تاروں کے ساتھ ٹکٹے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے زمین سورج کی شعاعوں سے منور ہو جائے نیلم اور یاقوت کی چٹی ایسی خوش آئند نظر آتی ہے۔ گویا دیرائے نیل میں مچھلی تیر رہی ہے۔

سہ برن تھان تھان دلیچے ورا جے      تہن دیکھ رنگن دھن پنتی لا جے  
گٹھے رکت پٹن سوی ڈوری ہمین      منوجھم روکرن مل نچل ہی تہین  
چرے رکت نیلن نکلن پٹ ساہی      منوآورے بندھو دھر نیل ماہی  
(چھند ۶۳-۵۶۴ ص ۱۶۶ قنوج سے)

جے چند کے سر پر ایک خواص چاندی کی ڈنڈی کا چتر لئے کھڑا ہے اور دائیں بائیں دو چوڑی بردار ہیں:-

سہ سر سبت چتر منڈیو سو بھوپ      ہو دیس رڈی ہوتاس روپ  
دو ہو پٹھ ساجی ورجنور ڈھار      رجبی روپ جانی آسونی گسار  
(چھند ۲۱-۵۱۹ ص ۱۶۴)  
جو بدار بھی سو جو دیں:-

سہ پان دھار چھر چھگرہ      راج گرہی بر بھٹ  
(چھند ۴۸ ص ۱۶۴ قنوج سے ۶۱ ویں داستان)

نقیب بھی ہیں جو حکم احکام پہنچا تے ہیں:-

سہ حکم نقیب کہ پھرے ڈیرا ڈیرا گا ہے      (چھند ۲ ص ۱۲۰ چوٹیلیوس داستان)



میں بخوف طوالت صرف اتنی چند امور پر قناعت کرتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں کہ دربار کی آرائشی اور تکلف کے ساتھ اس کی سجاوٹ مغل سلاطین کے ہاں ایک مقبولہ روایت رہی ہے قیمتی اور اعلیٰ اعلیٰ قالینوں اور ریشمیں پردوں سے وہ اپنے درباروں کو سجاتے بلکہ جشنوں کے موقعوں پر عام آئین بندی کرتے تھے میں یہاں ایک مختصر بیان بدایونی کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں جو ۲۵۰ جلسہ اکبری کے جشن نوروز کے متعلق ہے۔

” آئین بندی ہر دو دیوان خانہ خاص و عوام با نواع قاشہائے لطیف فرمودہ اشیای قیمتی گوناگون ترتیب نمودہ و پردہای فرنگی و تصویر ہای بے نظیر گرفتند و سرپردہای اعلیٰ افراشتند و بازار آگرہ و فتح پور را نیز بایں دستور آراستہ تا ہرزدہ روز و شب جشن عالی داشتند و اقسام طوائف اہل نغمہ و ساز ہندی و فارسی و ارباب طرب از مردوزن ہزاران ہزار طلبیدہ“ (۲۳۸- نو کشور ۱۸۶۹ء)

بلکہ ارباب موسیقی تو ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ آئین اکبری سے یہ فقرہ مٹے۔  
”نمشیر بازان چابکدست و پہلوانان ہر سرزمین در انتظار فرمایش پای خدمت افتند و غیاگران مردوزن آمادہ فرمان پذیر ی باشند۔ شعبیدہ بازان شگفت آور و بازیگران نشاط افزا و سنوری نمایش جویند“ (۱۸۵۵-۱۸۶۹ء نو کشور)  
موسیقی مغلیہ دربار کا ایک مقبول ضابطہ رہا ہے جس کو صرف عالمگیر بادشاہ نے اپنے عہد میں موقوف کیا تھا۔ ورنہ ان کے ہاں سازندے اور اہل نغمہ باقاعدہ ملازم رہتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں خوشبو خانہ پر ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے۔ وہ لکھا ہے کہ پادشاہ کو خوشبو کا بید شوق ہے۔ وہ اس کو عبادت الہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ عنبر اور عود اور دیگر کبات قدیم سے نیز جدید قسم کے مرکبات ساختہ بادشاہی سے

محل خسروی ہر وقت معطر رہتی ہے۔ طرح طرح کی تسکوں کی سنہری اور پہلی ٹنگیوں میں بخور سلگایا جاتا ہے۔ خوشبودار پھول کثرت کے ساتھ فراہم کئے جاتے ہیں۔ ان کا روغن طیار ہوتا ہے۔ جو جسم اور سر پر ملا جاتا ہے۔ میں اصل عبارت بھی سنا دیتا ہوں۔

”بزم آرای سلطنت بوی خوش را دوست دارد و آرا و ستایہ ایزدی پریش داند۔

ہموارہ از عنبر و عود و شکر گف امیر شہای پاکستان و فراہم آور دگیتی خداوند قدسی محل عطر آگین باشد و وزیرین و مہین مہر ہا کہ بگو ناگوں بیکہ بر سازند بخور کنند۔ گلہا سی بویا خرمن خرمن برآیند۔ از گل روغن بر سازند و بدن دموئی سر بہد و برآیند“ چھٹے نوکشتور ۱۸۶۵ء

ابوالفضل نے اور امور کے علاوہ ان مرکبات کے جو دربار میں طیار ہونے تھے۔ مثلاً سنٹو کھ۔ ارگہ۔ کلکامہ۔ روح افزا۔ اوپینہ عبیر مایہ۔ کشتہ۔ فقیلہ۔ بارجات۔ عبیر اور غول وغیرہ کے نسخے بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے عبیر کا نسخہ یہ ہے۔

تین پاؤ صندل چھپیں تولے عود (اگر)۔ دو تولے اور آٹھ ماشے مشک۔ سب کو پیس کر سایہ میں خشک کر لیں اور استعمال میں لائیں۔ ان ایام میں سیر بھر عود کی قیمت دس روپے سے پانچ اشرفی تک ہوتی تھی اور تولہ عنبر کی قیمت ایک اشرفی سے تین اشرفی تک۔

دیواروں پر رنگین اور قیمتی پتھر دس سے چھٹی کاری کا مصنف نے جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ یہ دستور ہندوستان میں مغلوں کے عہد سے زیادہ قدیم نہیں۔ شاہجہان کا زمانہ اس کے لئے بہترین مانا جاتا ہے۔ دہلی کے قلعہ میں دیوان خاص کی اور آگرہ میں تاج محل کی چھٹی کاری بے مثال مانی گئی ہے۔ چھٹی کاری دراصل فارسی پرچین کاری کی بگوشی شکل ہے جس کے معنی لغت میں یوں دیئے ہیں:-

”موزع نقاشی کہ از سنگ پار ہا بر سنگ دیگر کنند“

درحقیقت یہ ایک مسلمانی و منکاری ہے۔ پر پختی راج کے عہد میں اس کا رواج تسلیم

کرنا عقل و نقل پرستم توڑنا ہے۔ میں نقیب چوہدار اور چوہری بردار وغیرہ کے لئے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ کیونکہ ہندوستانی سرکاروں میں بھی ابھی تک ان کا رواج باقی ہے نقیب کا ترجمہ کڑکیت اور ڈونڈی والا ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارا مصنف اہلی لفظ نقیب ہی استعمال کر رہا ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔

جاجم اور دلیچہ جن کے فرش شاعر نے دربار میں بچھتے بیان کئے ہیں۔ دونوں ایرانی الاصل ہیں۔ دلیچہ زلیچہ یعنی زلیوچہ کی بگڑی شکل ہے۔ زلیو بمعنی پلاس و قالی فرہنگوں میں مل جاتا ہے۔ زلیوچہ اس کا اسم تصغیر ہے۔ پلیٹ نے اپنی فرہنگ میں دلیچہ کو غالیچہ کی تغیر یافتہ شکل کہا ہے جو ناقابل تسلیم ہے۔ زلیچہ کی مثال مثنوی خوب ترنگ تصنیف ۹۸۶ء سے دی جاتی ہے۔ جو میاں خوب محمد چشتی متوفی ۱۰۲۳ء نے بزبان گوجری (اردو کی گجرات) لکھی تھی۔ دہوندا :-

(۱) بڈا زلیچہ اک بچھو اے سوتا چھتا تس اوپر جاے

(دیگر) نوتا یوں زلیچہ سوے جیوں پوتا چتر یا ہوے

سلام اور تسلیم بجالانے کا بھی دستور ہے۔ جب لورک راے کھتری شہاب الدین کی رہائی کے لئے غزنین سے دلی آتا ہے۔ پرتھی راج کے حضور میں تین مرتبہ تسلیم کرتا ہے

سے سمکھ آے چودان کو سیس نانی تسلیم کیے

(چھند ۳۰۳ ص ۲۳)۔ دھن کتھا چوہیویں داستان

یہی نہیں بلکہ جب راجہ اسے بیٹھنے کا علم دیتا ہے وہ پھر سلام کر کے بیٹھتا ہے۔

سے بیٹھن سکرم راجان کئے اگری سلام بیٹھو زریے ۱۱ (چھند ۳۰۴ ص ۲۴)

اور جب تنار خاں مفروضہ وزیر شہاب الدین کی عرضداشت راجہ کی خدمت میں

پیش کرتا ہے تین بار پھر سلام کرتا ہے۔

سے تب کھتری بدھتی راج کوں کری سلام تے بار

لکھی اور اس بتار خاں | سہمی بیرو چار || (چھند ص ۳۵۵ ج ۲۲)  
یہ ادنیٰ بات پر سلام کرنے کا طریقہ درحقیقت مغلیہ دربار کا دستور ہے جب دھڑاٹن  
کایتہ پر پٹی راج کے وزیر کیاس کی خدمت میں پادشاہ کی چٹھی پہنچاتا ہے۔ حسب دستور  
تین بار سلام کرتا ہے:-

سہ دیے پتری ایکی سوکر اکر سی سلام تئے بار || صاحب تم سن لرن کو آ یوسندھو اتا را ||  
(چھند ص ۳۸ ج ۱۱ پہاڑی رای سے ۳۷ ویں داستان)

حین کنھانوزیں داستان میں جب پر پٹی راج شہاب الدین کو قید سے آزاد کرتا ہے۔  
شاہ تین بار سلام کرتا ہے:-

سہ کئے سلام تئے بار ا جاہو اپنے سونھانہ || متی ہندو پر ساہ || سچی آؤ سوتھانہ || (چھند ص ۳۸ ج ۱۱)  
دھیر پٹڈیر چوٹھویں داستان میں پھر شاہ اپنی رہائی کے وقت پر پٹی راج کو تین مرتبہ  
سلام کرتا ہے:-

سہ کری سلام تہوں بار | دھرانگرے ترکان || (چھند ص ۳۷ ج ۱۱)  
یہاں یہ کہنا بے موقعہ نہیں ہو گا کہ اکبر پادشاہ نے دو قسم کی تعظیم مقرر کی تھی۔ پہلی  
کورنش جس میں سیدھے ہاتھ کو پیشانی پر رکھ کر سر کو جھکانا پڑتا تھا۔ دوسری تسلیم جس میں  
سیدھے ہاتھ کی پٹھ کو زمین سے چھو کر اور آہستگی کے ساتھ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو کر سر کو  
تھیلی کے ساتھ چھونا پڑتا تھا۔ خاص خاص موقعوں پر مثلاً رخصت و ملازمت و عطاے  
جاگیر و منصب و بخشش فیل و اسپہن مرتبہ تسلیم کرنی پڑتی تھی۔ دوسری قسم کی داد و  
دہش کی صورت میں صرف ایک مرتبہ۔ ملازم بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ ہی دستور برتنے  
تھے۔ گویا اسی ضابطہ کے ماتحت ہم دیکھتے ہیں۔ کہ شہاب الدین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا  
ہے پر پٹی راج کے آگے اپنی رہائی کے وقت تین تین مرتبہ تسلیمات بجا لاتا ہے۔ میں  
اپنے بیان کی تائید میں آئین اکبری سے ایک فقرہ یہاں درج کرتا ہوں جو کورنش

سے متعلق ہے :-

گیتی خداوند روی دست رانیں بر فرزند پیشانی ہنادرہ سرفروہ آردون قرار  
فرمود و آن را بہ زبان وقت کونش گویند (۱۵۱)

اور تسلیم کے لئے لکھا ہے "آئین چنانست بندگان عاطفت پذیر پست دست  
راست بر زمین ہنادرہ آرا امیدگی بردارند و راست ایستادہ روی دست را بتارک  
سرنہند و بدین دل گزین روش سپرد خود را گزارش نمایند و آنرا تسلیم برگویند... ہنگام  
رخصت و ملازمت و منصب و جائز و تشریف و بخشش فیل داسپ تسلیم را پیشگاہ نیایش  
گردانند و در باقی مراتب داد و دہش و گوناگوں عنایت یکان یکان بجایند" (۱۵۲ جلد اول  
نزل کشور ۱۸۶۹ء)

ہیں یاد رہے کہ مغلوں کے درباری ضابطے اس عہد کی دیگر سرکاروں کے لئے  
دستور العمل بن گئے تھے چنانچہ مصنف راسا پر پختی راج کے دربار کو انہیں ضوابط کے  
مطابق دکھا رہا ہے۔ بلکہ اسی دستور کی پابندی اسے گو کہ یعنی جھرو کے کے ذکر پر مجبور  
کرتی ہے چنانچہ اس کے ہاں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ پرتھی راج  
بھی جھرو کے میں بیٹھا کرتا تھا۔ درگاہ کیدار سے اٹھا و نویں داستان کی تمہید میں وہ لکھتا  
ہے کہ پرتھی راج کیماس وزیر کے غم میں مبتلا ہے۔ رات دن اسی کے دھیان میں گھلا  
جاتا ہے۔ نہ اسے جھرو کے میں بیٹھنے سے چین آتا ہے نہ انتر محل میں جانے سے بلکہ  
ساونتوں کے ساتھ چوگان کھیلتے وقت بھی یہی غم اس کو ہلکان کئے جاتا ہے چنانچہ  
کہا ہے :-

نہ سچ کٹھ گوتھ تھ نہ سچ اندر راج  
اُر انتر کیماس دکھ سمانتاں سرتاج (چھند ۱۵۱ ص ۱۳)  
نرپ کریت چوگان ستھ سامنت سو بھر

جب رامت رس رنگ اُنٹب سنبھرے فتر برد چھند ۲ ص ۱۵۱  
یہ جھروکا ہیں اکبر کے جھروکہ ورثن کی یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح چوگان بازی  
بھی مسلمانی کھیل ہے۔ جس کا وطن ایران ہے۔

دعا گوئی بھی درباری ضوابط میں داخل ہے۔ مغلوں کے ملازمین اپنے آقا کی  
خدمت میں حاضر ہوتے وقت سب سے پہلے اس کے حق میں دعائیں دیتے نظر آتے  
ہیں اور پھر حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ راسا میں اس دستور کو بھی فراموش نہیں کیا  
گیا ہے۔ سکھ جڈھنیر ہویں داستان میں پرختی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج کشی  
کی خبر لے کر آتا ہے۔ اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر وہ راجا کو یوں دعا دیتا ہے۔

اچھو اے چھو آن غازی خلق تو کھگ راضی

میواس مار باجی پرو تو سرن ساجی

بھے بھیت بھوکن ترکھیون پھل پتر کنڈن بھیکون

آواس نرواس نیرن جہاں نہاں کھی دھتور کھیرن

اچھیر پیر سہائی دشمن پیال لکھو دیو ہائی

پیر پیغمبر دواہ گیر سارے ان بین مٹی ترن دنت چاے

دھلی تخت بھر راج تیں تنگ جل جن روی چند جے تیں

(چھند ۲ ص ۵۲)

یہ دعا بالکل مسلمانی طرز کی ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ پرختی راج کا  
مخبر مسلمان ہو گا۔ وہ دعائیہ کہتا ہے کہ اے غازی چوہان! خلق خدا تیری شمشیر سے  
خوش رہے۔ تو میوات کا فاتح کلمات ہے۔ خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اجمیری  
پیر تیرا دشگیر ہو۔ اور دشمن پامال ہوں۔ تمام اولیا اور پیغمبر دعا گو ہیں کہ جب تک  
لنگا اور جہنا چاند اور سورج قائم ہیں تب تک تو دلی کے تخت پر باقی رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دعا گیر بہ قیاسِ زمیں گیر، دُعا سن گیر نہیں ہے بلکہ دُعا گر کی بگڑی شکل ہے۔

۱۔ دعا گر نہ بشاخ چنار مر گل را    تمدو و فاخه و عنذیب و قمری سار  
اگر دعا گر گل بر چنار مرغانند    چرا چو دستِ دعا گر شدت دست چنار

اس چند میں یہ الفاظ مسلمانی ہیں۔ ۱۔ غازی (گاجی)، کھلک (خلق)۔ راجی (راضی) کھیر (خیر)۔ پیر۔ دشمن (دشمن)۔ پیال (پایال)۔ جہلا آج بھی پیال بولتے ہیں۔ پیر۔ پیگیمر (پیغمبر)۔ دواہ۔ (دعا)۔ گیر (گر) تکھت (تخت)۔ مسلمانی الفاظ کی یہ ہنات اگرچہ استعجاب انگیز ہے مگر اس کی توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہو سکتی ہے۔ کہ شاعر اس موقع پر ایک ایسے مخبر کو راجہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے جو مذہباً مسلمان ہے اور اپنے جذبات و خیالات کے مطابق دعا دہی میں مصروف ہے۔ اجیر پیر کی حمایت۔ دشمن کی پائمالی اور پیروں کی دعا گوئی خالصاً مسلمانی جذبات ہیں۔

’اجیر پیر کی ترکیب بھی قابلِ لحاظ ہے۔‘ اجیر پیر سے مقصد خواجہ معین الدین چشتی اجیری ہیں۔ لوگ انہیں ’اجیری پیر‘ اور پیر اجیری کہتے ہیں۔ مسلمانی روایت پٹھی راج کے عہد میں خواجہ صاحب کو اجیر میں موجود بتاتی ہے۔ لیکن انہیں مقبول عام ہو کر اجیری پیر کے خطاب سے مشہور ہونے کے لئے صدیوں کا زمانہ درکار ہے۔ خواجہ اجیر پیر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے پیشوا ہونے کے لحاظ سے اگرچہ ہر عہد میں مقبول و محترم مانے گئے ہیں۔ لیکن سلاطین مغلیہ کی اراکمنندی نے ان کی شہرت و عظمت کے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ خصوصاً اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہان کے زمانوں میں۔ اکبر ایک زمانہ میں خواجہ صاحب کا اس قدر معتقد تھا۔ کہ اپنی منت پوری کرنے کے لئے فقیہ و سیکری سے اجیر تک پیادہ پا جاتا ہے۔ جہانگیر بھی اجیر گیا ہے اور درگاہ پر دمکیں چڑھاتا ہے۔ جواب بھی موجود ہیں۔ شاہجہان چاندی کا کٹہر بنواتا ہے۔ اور جہاں آراگم آپ کے

حالات میں ایک رسالہ مونس الارواح نامی تصنیف کرتی ہے۔ جس کا اصل نسخہ لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور یہی زمانہ ہے جب عوام میں بھیر پیر کی قسم کی ترکیبیں رائج ہوتی ہیں۔

دہلی تخت (دلی تخت) فارسی ترکیب تخت دہلی کا پر تو ہے تخت دہلی کثرت استعمال سے ایک مقبول عام ترکیب بن گئی ہے۔ اور اس وقت راج میں آئی۔ جب دہلی مسلمانی حکومت کا پایہ تخت بن گیا۔ مگر اس موقع پر جاسوس کو پرتھی راج کو جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ دلی کے تخت پر قائم بننا قبل از وقت ہے۔ کیونکہ پرتھی راج ابھی تک ایک راج کنوار کی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا باپ سومیشور زندہ ہے۔ جو بھیر پیر حکومت کرتا ہے۔ اور دہلی اس کے مفروضہ نانا انگ پال کے قبضہ میں ہے یا درجہ کہ سلکھ جدتیرہویں داستان ہے جس میں انگ پال پرتھی راج کو متبئی بنا کر دلی کی کدسی اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

اب تک ہم نے پرتھی راج کے درباری لوازمہ کا مطالعہ کیا ہے۔ جو اکثر امور میں مغلیہ درباروں کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے پرتھی راج کے عہد کی خصوصیات تمدنی سے ناواقفیت کی بنا پر اس کے دربار کو اپنے عہد کے انداز میں سجایا ہے۔ بلکہ مسلمانی اصطلاحات کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کیا ہے مثلاً عنبر عبیر وغیرہ جن سے دربار بسایا جاتا ہے۔ گلاب جس کا چھڑ کاؤ ہوتا ہے جاجم اور دیچے (قالین) فرش پر بچھائے جاتے ہیں۔ سوبقی سازوں میں چنگ۔ شہنائی۔ دمامہ اور نفیری موخر الذکر کو مصنف نے پتھیری بیا سے جمبول لکھا ہے۔ سلام اور تسلیم۔ نقیب اور تخت وچوکان بھی اسی مد میں داخل ہیں۔ اب ہم ایک اور زاویہ سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ جو پرتھی راج کی رانیوں۔ ان کے محل اور ڈیوڑھی کے امور پر روشنی ڈالتا ہے۔



آکھیٹ چکھ سراپ نام پرنتا و تریٹھویں داستان میں یہ قصہ آتا ہے۔ کہ پرتھی راج قنوج کی مہم سے واپس آنے کے بعد اپنے مقتول پہلوانوں اور ساتھیوں کے لئے بچہ معوم رہنے لگا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے رانیاں یہ تدبیر کرتی ہیں۔ کہ راجہ سے فرمائش کرتی ہیں کہ میں بھی تو کبھی لے جا کر شکار کی سیر کر ایسے اور دکھائیے کہ شکار کیونکر کھیل جاتا ہے۔ شیر۔ ہرن اور سور کس طرح مارے جاتے ہیں۔ شیر ہرن کو کس طرح مارتا ہے اور کتے زنجیروں سے آزاد ہو کر اپنے شکار کو کس طرح دبوچتے ہیں۔ اس پر راجہ ان کی درخواست منظور کر لیتا ہے۔ اور ایک ماہ کے لئے پانی پت جانے کی ٹھہرتی ہے۔ اور جے چند کی دختر سنجو گتا پور سے ماہ کے اخراجات کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے۔ وہ اپنی ڈیوڑھی کے ہتھم بھگدو ساہ کو حکم دیتی ہے کہ ہر چیز کا انتظام کرے اور اعلیٰ پکوان پکوائے۔ پیچی (الہی)۔ لونگ مرغ۔ سکر (سکر) کھانڈ۔ کھنڈ اور بہت سا چار پانی پتھہ بیانی پت) پہونچو اے جب جانے کی تیاری ہو چکی ہے۔ سواری کے لئے پلکیاں (پالکیاں) ڈول (ڈولیاں)۔ سکھپال۔ رتھ۔ سکھاسن اور ہاتھی آتے ہیں۔ رانیاں اپنی اپنی پسند کی سواریوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ لونڈیاں خوشبو کی کپیاں۔ پانوں کا سامان اور صندوق وغیرہ سر پر لئے پیدل ساتھ بولیں۔ ان کے پیچھے عصا لئے خواجہ سراؤں کا جھرمٹ ہے۔ ان کے پیچھے بھروسہ کی فوج کے دستے ہیں اور انتظام کے لئے چودہ کابیتہ ساتھ ہیں۔ پانی پت پہنچ کر رانیاں خیمے ڈیرے کھڑے کئے جانے تک ایک باغ کی سیر کو جاتی ہیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ باغ کی روشیں بڑی صفائی کے ساتھ بنی ہیں۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لد رہے ہیں۔ اور پرندے ان پر بیٹھے چہچہا رہے ہیں۔ آم۔ نیبو۔ جنبو وغیرہ کے درخت جھوم رہے ہیں۔ چنپہ۔ کیلے۔ بدلم۔ انار۔ ٹار۔ چھو ہارے۔ سپاری۔ کیوڑا۔ کینگی۔ کمال۔ پھالے۔ لونگ۔ داکھ۔ چندن۔ پنڈر (بیر) وغیرہ کے درخت بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ ان میں مور۔ چکر۔ لال۔ فالتہ

وغیرہ پرندے پھر رہے ہیں۔ درختوں کے سینچنے کے لئے چرس۔ رہٹ اور ڈھیکلی (ڈھیکلی) کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان میں جو گتا اپنے کارپرداز جھگڑوسا کو چارہم پنچانے کے لئے خاص طور پر ہدایت دیتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آچار ایرانی الاصل لفظ ہے۔ اور مسلمان ہندوستان میں اس کا رواج دیتے ہیں۔ لیکن کیا پرتھی راج کے عہد میں اس کا استفادہ رواج ہو چکا تھا۔ کہ ہندوؤں کے ہاں بھی عام استعمال میں آ رہا تھا۔ شکل سے یقین کیا جاسکتا ہے۔ نظامی کے ہاں سکندر نامہ میں یہ شعر ملتا ہے۔

آچار ہا ہر چہ باشد عزیز ترنج و بہ و سیب و نارنج نیز  
لیکن یہ مغلوں کا زمانہ ہے۔ جب آچار کا کثرت کے ساتھ رواج دیکھا جاتا ہے۔  
ابو الفضل نے آئین اکبری میں پچیس قسم کے آچار کی فہرست مع قیمت درج کی ہے۔  
(مآثر آئین اکبری)

اسی طرح آب کشی کے جو ذرائع بتائے ہیں۔ مثلاً چرس ڈھیکلی وغیرہ مغلوں کے عہد میں عام رواج میں آ رہے ہیں۔ رہٹ البتہ آب کشی کا ایسا ذریعہ ہے۔ جس کا رواج پنجاب کے ساتھ مخصوص تھا اور بابر کے عہد تک ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا۔ جب بابر آگرہ میں اپنا باغ طیار کراتا ہے۔ رہٹ جس کی اشاعت لاہور و دیپال پور تک محدود تھی۔ اس باغ کی خاطر آگرہ میں طیار کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ واقعات بآری میں آتا ہے :-

”بدستور لاہور و دیپال پور چرخ ہارا راست کردہ آباہا جاری کردہ“ (طبع بلوچی)  
اب یہ خیال کرنا کہ پانی پت جیسے قصبہ میں پرتھی راج کے ایام میں رہٹ کا رواج تھا  
ہیں ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے۔

پانی پت کے مذکورہ بالا باغ میں مصنیف کے بیان کے بموجب باو ام لونگ۔

چندن اور سپاری کے درخت موجود ہیں لیکن ایسا بیان وہی شخص دے سکتا ہے جبکہ درختوں کی کاشت اور خاص خاص زمینوں کے ساتھ خاص خاص درختوں کی کھابست وغیرہ نسبت کا راز معلوم نہ ہو۔ یاد رہے کہ درخت ہے جو ہندوستان کے شمال مغربی ممالک میں ملتا ہے مثلاً کشمیر و افغانستان و ایران و غمبیرہ۔ لونگ جزائر شرق الهند سے آتی ہے۔ ان میں جاوا اور بتاویا قابل ذکر ہیں۔ صندل اور سپاری دکن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان درختوں کے لئے یہ تصور کرنا کہ پانی پت کے ایک باغ میں بہہ پڑتی راج موجود تھے۔ ہمارے نزدیک بالکل بے معنی ہے۔ مصنف نے پرتھی راج کے زمانہ کے ساتھ خواجہ سراؤں کو موجود بتا کر سلاطین اسلام کے زمانہ محلوں کی ایک اہم خصوصیت کو اجاگر کر دیا ہے وہ کہتا ہے:-

چڈھیو علی کھوجن کو ستھ سنگ      نہی جن کے سب انگ انگ

چھند ۳۷، ص ۱۹۹، اکھٹ چکھ سراپ نام پرستا ۶۳ ویں داستان۔

خواجہ سراؤں کا دستور قدیم معلوم ہوتا ہے۔ بعض قدیم سلاطین ایران نے یونانیوں سے نراج میں خواجہ سرا وصول کئے ہیں۔ ایرانیوں سے مسلمانوں میں ان کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ضابطہ ہندوستان میں آیا۔ مسلمانوں کی تقلید میں راجپوت حکمرانوں نے اپنی حرم سراؤں کے لئے خواجہ سرا رکھنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ راجپوتوں میں یہ دستور کس زمانہ سے جاری ہوا۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ خواجہ سراؤں کی ضرورت انہیں اسی وقت پیش آئی ہوگی۔ جب انہوں نے پردہ کی رسم اختیار کر لی ہے۔ پردہ اور خواجہ سرا لازم لزوم ہیں۔ راجپوتانہ میں تو ہمارے اپنے زمانہ تک اکثر ریاستوں میں خواجہ سرا باقی تھے۔ بلکہ قدیم وضع کی ریاستوں میں تو اب بھی موجود ہوں گے اس سلسلہ میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ راجپوتوں کے یہ خواجہ سرا اکثر اوقات مسلمان ہوتے تھے۔ جو دہپور میں ہمارا راج کی ڈیوڑھی کا سردار الماس نامی ایک خواجہ سرا تھا۔ جو اپنی دولت مندی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے اپنا روپیہ خیر و رفاه عامہ کے مصروف میں استعمال

کیا بلکہ مشہور ہے کہ ہنر زبیدہ کی بھی مرمت کرائی تھی۔ اس کے انتقال کو چالیس برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔

اگرچہ مصنف نے پرتھی راج کے محل میں پردہ کے رواج سے متعلق صاف الفاظ میں اقرار نہیں کیا ہے۔ مگر راسا میں ایسی علامات فرو ملتی ہیں جن سے یہی قیاس ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کے زمانہ محل پردہ کی پابندی سے غلی نہیں تھے۔ اسی آکھینگ چکھ سراپ میں ہیں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ رانیوں راجہ کے دل بہلانے کے خیال سے اسے پانی پت لے جانا چاہتی ہیں اور شکار دیکھنے کا عذر تراشتی ہیں۔ مگر راجہ رانیوں کے ساتھ نہیں جاتا۔ بلکہ پہلے انہیں روانہ کرتا ہے اور پھر آپ سافوتوں کے ساتھ جاتا ہے۔ اس ظاہر ہے کہ بوجہ پردہ رانیوں اور سافوتوں کا اجتماع اسے منظور نہیں تھا۔

خواجہ سراؤں کے علاوہ پرتھی راج کے ہاں دایوں (کنیزوں) کا بھی دستور تھا۔ جو محل کے باہر بھیت آمد و رفت رکھتی ہیں۔ اور محل کے تمام معاملات انہی کے ذریعے طے ہوتے ہیں۔ ان دایوں کا راسا میں کئی مقام پر مذکور آتا ہے۔ تمام پیغامات انہیں کے وسیلے سے زنانہ میں راجہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ سواری کے وقت وہ رانیوں کا ضروری ضروری سامان اپنے سر اور کندھوں پر لے کر پیادہ چلتی ہیں۔

مخلوں کے ہاں قلم قنبیوں اور ادا بیگنیوں کا دستور تھا۔ جو مردانہ لباس زیب تن کئے پانچوں ہتھیاروں سے مسلح پہرہ چوکی اور محلات کے حفاظتی کاموں پر متعین ہوتی تھیں۔ اسی تقلید میں مصنف نے جوگتا کے محل کے دروازے پر نار بھی بھیںڑا یعنی مردانہ لباس میں پہرہ دار عورتوں کو موجود دکھایا ہے۔ جو لال لال ڈنڈوں سے مسلح ہیں:-

دکھ دیئے دربار پنگ کنور چہر بارہی

ناری بھیں نروستر ستر لکری کر جھارہی دھند ۲۵ فرخ ۲۱۴  
تلخ کو صاف کرنے کے لئے ہیں بڑی لطافت و ہریتا ۶۱۰ میں دستان کی طرف رجوع کرنا چاہئے

جس میں تھہریوں آتا ہے کہ جب دلی میں یہ خبر پھیلی کہ شہاب الدین بڑی طیاروں کے ساتھ دہلی پر  
 عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔ شہر کے مہاجنوں کو اپنی غیر محفوظ حالت کا پورا پورا احساس ہوا۔ اس  
 کے انتظام کے لئے سب کے سب مل کر سری منت نگر میٹھ کے پاس پہنچے۔ وہ اگرچہ انہیں کوئی  
 معقول تدبیر نہیں بنا سکا۔ مگر سب کو ساتھ لے کر گرو رام کی خدمت میں جو پتھی راج کا پرہت  
 تھا جا پہنچا۔ پرہت جی بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن حرف مطلب سنتے ہی لگے بہانے  
 کرنے کہ میں تو ایک غریب برہمن ہوں۔ پوچھی پاٹھ جانتا ہوں۔ سیاسیات سے میرا کیا واسطہ  
 اس پر مہاجنوں نے انہیں قائل کرنا چاہا کہ راج گرو جو کہ آپ کا اس قدر غیر متعلق رہنا  
 بے حد نامناسب ہے قصہ مختصر گرجی اپنی باری میں انہیں لے کر کوئی چند کے پاس  
 آئے۔ کوئی جی سارا قصہ سن کر یہ شورہ دیتے ہیں۔ کہ راجہ کی ڈیوڑھی پر چلنا اور عرض  
 معروض کرنا چاہیے۔ چنانچہ تمام جماعت بہ سرکردگی کوئی چند بنوگتا دختر جے چند راجہ  
 قنوج کے محل سرا کے دروازہ پر پہنچتی ہے۔ مہاجن لوگ بڑے مالدار طبقہ سے تعلق رکھتے  
 تھے۔ کوئی چوڑو دل پر سوار تھا اور کوئی سکھاسن پر۔ ابھی یہ لوگ مشکل سے ڈیوڑھی تک پہنچے  
 پائے تھے کہ وہ مردانہ لباس میں پرہ دار عورتیں ان کی طرف بکلی کی سی تیزی کے ساتھ  
 جھپٹیں اور اپنے ڈنڈے پوری طاقت کے ساتھ ان کے سر اور کمر پر برہمانے شروع  
 کئے۔ انہوں نے نہ چند کوئی کا لحاظ کیا اور نہ گرو رام کی پروا کی۔ سب کو ایک ہی لاٹھی  
 سے ہانکا۔ گرجی اور چند کوئی تو پھر بھی مضبوط رہے۔ ڈنڈے پڑے تاہیں کھائیں مگر  
 اپنی جگہ سے نہیں ٹلے۔ مہاجن بیچارے اپنی اپنی سواریاں اور جوتے چھوڑ کر کھاگے  
 کسی کی چوڑو دل رہ گئی اور کسی کی پالکی۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا اور کسی کا ماتھا پھوٹا۔ اور ان چڑیلوں  
 نے جب تک کہ شاہی محل سے انہیں دور دوڑ تک نہیں بھگا دیا دم نہیں لیا۔

نارتھ ہند سے واقفیت رکھنے والا کوئی شخص بھی بنیدگی کے ساتھ یقین نہیں کر سکتا  
 کہ مذکورہ بالا ہند چھٹ پورو دارنیاں درحقیقت پرتھی راج کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں جاری

رائے میں مصنف ان تاثرات کا چربہ آنا رہا ہے۔ جو اس کے اپنے عہد میں ان قلمافیوں اور ادیب گینیوں سے متعلق عوام میں قصہ کہانیوں میں مشہور تھے۔

یہی نہیں بلکہ یہ جو مصنف نے پرتھی راج کو بیسیوں بیویوں کا شوہر بیان کیا ہے۔ اور جس کے لئے شاعر کو ۷۵ ویں داستان وادہ کے بعد اگانہ لکھنی پڑی اس میں بھی ہیں مسلمان سلاطین کی تقلید کی برآتی ہے۔ جن کے محلات میں حرموں کی کثرت اور کنیزوں کی افراط ان کی شان امارت کے قیام کے لئے ایک لازمی امر خیال کیا جاتا تھا۔

شکار ترکوں اور مسلمانوں کا ایک خاص مشغلہ ہے۔ مسلمانوں میں شکار کے بیسیوں طریقے مروج ہیں خصوصاً وہ جن میں شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعہ سے شکار کھیلا جاتا ہے یعنی تازی گتوں چیتوں۔ باز۔ جرہ باز۔ شاہین و چرغ وغیرہ کے ذریعہ سے۔ راسا میں پرتھی راج کو شکار کا بے حد شائق ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کو اس دلچسپ تفریح کا اتنا ہی پکا ہے۔ جتنا فیروز شاہ تغلق یا جہانگیر کو ہو سکتا ہے۔ وہ شکار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ شکاری پرندوں کا بے حد شوق ہے۔ اور شہاب الدین سے فدیہ میں ہاتھی گھوڑوں کی طرح باز اور جرہ باز بھی وصول کرتا ہے۔ کیماں جدہ ۴۳ ویں داستان میں منجملہ چوبیس ہاتھیوں اور دو لاکھ روپے کے سو باز بھی شاہ کے فدیہ میں شامل ہیں۔ بچوں پاتساہ جدہ ۵۴ ویں داستان میں سلطان پندرہ ہزار باز دینے پر اپنی رہائی خریدتا ہے۔

یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہے۔ کہ اگر ہندو مذہبی زندگی کا عنصر پرتھی راج کی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو پرتھی راج میں اور قرون وسطیٰ کے کسی مسلمان والی کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا میں اس کے شکار کے بعض واقعات یہاں عرض کر رہا ہوں:-

(۱) آکھٹک بیربر وہ چھٹی داستان میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہزار شکاری لگتے۔ ایک سو چلتے اور ایک سو شکاری بہن ہیں۔ اس لوازمہ کے ساتھ وہ ایک گھنے جھل میں شکار کیلئے نکلتا ہے (صفحہ ۱۱۰-۱۱۱)

(۲) آکھٹک چوک برنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھٹوبن میں شکار کو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ پانسو پیدل۔ پانسو پھندیت۔ ایک ہزار کتے۔ پانسو ہمراہی بچپن چلتے۔ اور بے تعداد باز اور بھری تھے۔ (چھند ۳ ص ۲۴)

(۳) بھوی پن پرستاد۔ سترہویں داستان۔ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے۔ ہانکا کر ایجا جاتا ہے۔ ایک شیر سامنے آتا ہے۔ راجہ تیر مارتا ہے۔ مگر خطا جاتا ہے۔ شیر طیش میں آکر چھٹتا ہے۔ جب قریب آچکتا ہے۔ راجہ تلوار کے ایک ہی وار میں اس کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ (چھند ۳ ص ۲۵)

(۴) جیت راو جہ ۳۴ ویں داستان۔ دلی پنہنے کے ڈھائی برس بعد پرتھی راج کھٹوبن میں شکار کو جاتا ہے۔ اور نیت راو کھتری اس کی اطلاع شہاب الدین کو بھیج دیتا ہے۔ مدفعہ راجہ کے ساتھ سوچیتے۔ ایک سوہیں کتے بیالیس سیاہ گوت اور ایک سوہرن تھے۔ (چھند ۳ ص ۲۶)

(۵) دھن کھتا چریسویں داستان۔ پرتھی راج ایک دن سنگار بار مشہور ہاتھی پر سوار ہو کر شکار کو گیا۔ کتہ بھی ساتھ ہو لیا۔ دونوں بہادر گھنے جنگل میں شکار کی تلاش میں پھیر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بیڑبان نے آکر خبر دی کہ ہمارا راج یہاں سے قریب ہی ایک زبردست تور موجود ہے۔ راجہ نے اس کے گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی طرف بڑھا۔ جب سونے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھر چکا ہے۔ ہنکاڑا ہوا ایک سمت کو ہو لیا۔ راجہ نے موقعہ پاتے ہی فوراً اسے تیر سے مار لیا۔ اس آٹنایں ایک شیر کی خبر آئی۔ راجہ نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہیں لوں گا۔ اتنا کہہ کر شیر کی طرف چل دیا۔ دیکھا کہ ندی کے کنارے ایک خونخوار شیر ایک ہیل کو مار کر اس کا گوشت کھا رہا ہے۔ راجہ نے ہاکے کا حکم دیا اور مہات نے سنگار ہار کو اسی طرف بڑھایا شور غل کی آواز شیر بڑی تیزی کے ساتھ راجہ پر آیا۔ راجہ نے تیر چلا یا جو خطا گیا۔ خواہی میں کرمہ راہی چھیا ہوا تھا اس نے شیر کے ایک تلوار سی ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ (چھند ۳ ص ۲۷-۲۸)

(نمود شیرانی)

(باقی آئندہ)

۲۷/۲۸

# سندھ کے بعض کتبے

(سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۷ء)

## سکھر، بھکر اور روہڑی

ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ صرف کتابوں ہی میں محفوظ نہیں ہے۔ اور بھی بہت سی یادگاریں ہیں جو اس عہد کے مختلف ادوار کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے میں مفید ہیں۔ ان میں سے بہت سی یادگاریں مرور زمانہ سے تلف ہو گئیں۔ مگر بہت سی ابھی باقی ہیں خصوصاً مغلیہ عہد کے لئے جو ہم سے نسبتاً قریب مبادی کا کافی افراط ہے۔ اس مواد میں قدیم شہر، ان کے کھنڈر، ان کی عمارات اور خرابے، سکے، مخطوطات، تصاویر و صلیاں، صنایع کے نمونے اور کتبے شامل ہیں۔ اس مواد کو نظر غور سے دیکھا جائے تو تاریخی کتابوں کے مضامین کی تصدیق یا تکذیب کے علاوہ بعض اوقات بالکل نئی باتیں اس سے معلوم ہوتی ہیں اور اس وقت کی طرز معاشرت، مذاق، لوگوں کی ذہنی حالت اور اسی قسم کے اور بہت سے امور پر ایسی روشنی پڑتی ہے۔ جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں، گویا اس عہد کی زندہ تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

ہمارے مطلب کے قدیم شہروں میں سکھر، بھکر اور روہڑی کا بھی شمار ہے۔ یہ تینوں شہر ایک دوسرے سے بالکل قریب واقع ہیں ۲۲، اور ۲۳ مارچ ۱۹۳۷ء کو میں ڈیڑھ دن تک وہاں مقیم رہا اور میں نے وہاں کی بعض عمارتوں، اور خرابوں کو دیکھا صفحات ذیل میں جن جن مقامات کو میں نے دیکھا اور جو جگہیں میں نے وہاں سے نقل کئے انکا حال پیش کیا جائیگا ترتیب وہی ہوگی جس ترتیب میں ان مقامات کو دیکھا، انوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ ان شہروں کی قدیم یادگاروں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سارے سندھ کی اسلامی یادگاروں پر گزیمسٹیر فزیوں



اور محکمہ آثار قدیمہ نے کافی توجہ نہیں کی ہے۔ صوبہ سندھ اور اس کے ضلع وار گریڈوں میں اس موضوع پر جو کچھ درج ہے وہ بالکل نا کافی ہے۔ سندھ کے کتبوں کے نقول اگر محکمہ آثار نے حاصل کئے ہوئے ہیں تو وہ شائع نہیں ہوئے۔ کم سے کم راقم حروف کو محکمہ کے بعض حکام سے کوئی اطلاع ان آثار کی نقول کے متعلق حاصل نہ ہو سکی۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے باوجود عجلت اور عرصہ قیام کی قلت کے راقم سطور نے سعی بلیغ سے جس قدر کتبوں کو نقل کرنا ممکن ہو سکا کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بعض کتبوں کے چر بے حاصل کئے جاتے۔ مگر اتنا وقت نہ تھا۔ شاید کوئی اور صاحب اس کی توفیق پائیں اور اس کام کو مکمل سر انجام دے کر ان سماعی کو تکمیل و تنہیم تک پہنچائیں۔

## سکھر اور اس کے نواح کی اجمالی تاریخ

ضلع سکھر کے گزٹیر طبع ۱۹۰۹ء میں (ص ۵۳) پر جو حال سکھر وغیرہ کا دیا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ سکھر دو ہیں قدیم اور جدید۔ ان دو بستیوں کو ریل کی پٹری ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ نئی آبادی ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے آس پاس بسی ہوئی ہے جو دریائے سندھ کے کنارے شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا ہوا ہے، یہ سلسلہ دراصل روہڑی سے شروع ہوتا ہے۔ دریائے سندھ اس سلسلے کو کاٹ کر گزرتا ہے۔ پھر روہڑی کے مقابل دریا کے پار سکھر کی جانب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو کر قریباً ۵۰ میل تک دریا کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ دریا کے بیچ میں بھکر کا جزیرہ ہے۔ وہ بھی اسی سلسلہ کوہ میں شامل ہے بھکر چوٹ کے پتھر کی ایک چٹان ہے جو ۸۰۰ گز لمبی تین سو گز چوڑی اور قریباً ۴۰ فٹ اونچ ہے۔ بعض کہتے جو غالباً باطل صاف اور واضح ہیں ان کی نسبت ضلع سکھر کے گزٹیر میں ہم سے

بیانات دیئے گئے ہیں مثلاً دیکھئے گزٹیر مذکور ص ۴۱ و ص ۵۴،

۵ ضلع سکھر کا گزٹیر ص ۶۰،

اونچی ہے کہتے ہیں کہ دریائے سندھ پہلے اُلوڑ کے پاس بہتا تھا، بعد میں آغا ز عبد عباسیہ یعنی ۱۵۰۰ء کے قریب دریائے ان پہاڑیوں کو کاٹ کر موجودہ راستہ بنایا۔ بھکر کے سنگلاخ کو دریائے کاٹ سکا اور وہ شروع میں شاید بصورت شبہ جزیرہ اور آخر بصورت جزیرہ دریائے قائم رہا۔ دریائے کا عرض بھکر اور سکھر کے درمیان سو گز سے زیادہ نہیں ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مقام پہلے اس سے بھی زیادہ قریب قریب ہوں گے۔ اور ان کے مشابہ نام بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، جلال الدین خوارزم شاہ کے حملہ کے حالات میں جوینی نے ان مقامات کا نام اگر و بکر لکھا ہے۔ اور یہی صورت اس نام کی اس تانے کے سکتے پر ہے جو مجھے اُلوڑ سے ملا اور سن کا ذکر آگے آئے گا۔

فوجی نقطہ نظر سے جزیرہ بھکر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ ہی میں اس کو قلعہ کی صورت دے دی گئی۔ اور تازنخ میں بھکر کا نام سکھر سے زیادہ نمایاں طور پر مذکور ہوتا رہا۔

۹۲۶ھ کے قریب شاہ بیگ ارغون نے بھکر کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اس غرض سے بھکر کی تفصیل اور برج و بار و کو پہلے سے زیادہ مستحکم کر دیا۔ بھکر کی آبادی کو اس نے وہاں سے باہر منتقل کرنا ضروری سمجھا اور یہ لوگ روہڑی اور سکھر میں جا بسے، تب سے ان بستیوں کو روہڑیوں ترقی حاصل ہوئی۔ ۹۸۲ میں اکبر نے بھکر لیا اور صوبہ ملتان میں شامل کر دیا۔ حملہ نادریہ کے بعد ماورائے سندھ کا علاقہ ایران سے ملتی ہوا اور اس میں بھکر اور سکھر بھی شامل تھے، انیسویں صدی کے راج اول میں یہ علاقہ تالپروں کے قبضہ

۱۷۶۲ء میں جہانگشاہ جوینی ۱۷۶۲ء سے ۱۷۶۲ء قباچہ درگشتی باکر و بکر و قلعہ است در جزیرہ ایٹ و قلعہ در آن جزیرہ، کہ قلعہ ایٹ گئے ہیں۔ زیادہ درست معلوم ہوتے ہیں یعنی: جزیرہ ایٹ و قلعہ در آن جزیرہ، کہ قلعہ ایٹ

در جزیرہ "قلعہ ایٹ در جزیرہ"، ۱۷۶۲ء تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۴ پر ہے، بہر حال آن بھکر بجای تدریج و لوہری و سکھر از ان جدید قلعہ دی و یعنی بھکر آرا شاہ بیگ ارغون شاہی اور اس کے دادہ سادات ساکن درون قلعہ راہرون در لوہری قاسم دادہ بنادشاہ بادشاہ قلعہ را خراب ساخت،

میں آیا اور ۸۴۲ھ میں رگڑاگریزی سے متعلق ہوا۔ اس وقت بھکر کو فوجی چھاؤنی بنایا گیا اور چھاؤنی نے تجارت پیشہ لوگوں کو کھینچا جنہوں نے دریا کے کنارے سکھ جدید کو آباد کیا، ۸۴۵ھ میں چھاؤنی توڑ دی گئی۔ جب ریل نے کراچی کو کوٹری اور ملتان کو لاہور سے ملا دیا تو کوٹری اور ملتان کے درمیان تجارت اور آمد و رفت جہازوں کے ذریعہ ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں سکھ کو بہت اہمیت حاصل رہی۔ جو پنجاب اور سندھ کے درمیان ریلوے لائن کے کٹل ہونے سے کم ہو گئی۔ ہمارے زمانہ میں سکھ کے بند نے سکھ کو پھر رونق تازہ بخشی ہے۔ اب میں ان مقامات کا ذکر کرتا ہوں جو میں نے مارچ ۱۹۳۷ء میں دیکھے،

## روہڑی

روہڑی دریائے سندھ کے مغربی کنارے پست چٹانوں پر واقع ہے اور بہت پرانی بستی ہے۔ سکھ گریٹر (بذیل روہڑی) میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے دور حجری کے آثار یہاں بکثرت ملتے ہیں، قریب یقین ہے کہ عربوں کے حملہ سندھ کے وقت یہاں کوئی قافلہ ذکر ہستی نہ تھی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دریا کا گزر گاہ روہڑی کے پاس نہ تھا، جب دریائے اپنا راستہ بدلاتو روہڑی اور سکھ دریا کے دائیں اور بائیں کنارے پر بس گئے، اور بھکر کی قلعہ بندی کو دی گئی پھر ان غونوں کے زمانے میں سادات بھکر یہاں بسا دئے گئے، عہد اسلامی کی متعدد یادگاریں یہاں اب تک موجود ہیں، ۸۴۶ھ کے قریب تھارٹن (Tharhtan) کا اندازہ تھا کہ اس میں ۴۰ آباد اور ۸۰ ویران مسجدیں موجود ہیں۔ ریلوے سٹیشن کے تنہا ہی فاصلہ پر رضوی سیدوں کی قلعہ نابیستی ہے۔ جو ایک کچی فصیل کے اندر واقع ہے۔ یہ حضرات شیعہ ہیں مگر باوجود  
 ۱۹۲۵ء میں بنائی گئی، خیر الدین آدم شاہ  
 اور میر عبدالباقی پورانی کے مقبرے، میر صفائی کی جامع مسجد، ست مہین، درگاہ خواجہ خضر، میر مصوم کی مسجد جس میں اب کسی کا قبضہ ہے، قلعہ خیمہ اللین اور پیرانی کا حال تحفۃ الکرام ۳: ۳۳۰ میں درج ہے،

محرم انہوں نے ازراہ عنایت مجھ کو بعض چیزیں جو ان کے ہاں موجود ہیں دکھائیں  
 سے یہی معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ سید میر یعقوب علی رضوی بھکری بن سید میر میراں  
 رضوی نقوی عہد عالمگیری میں بھکر کے حاکم تھے۔ ایک معافی نامہ عہد عالمگیری کا جو  
 سید یعقوب علی کی اولاد کے نام ہے۔ ان کے پاس موجود ہے۔ وہ میں نے دیکھا ایک  
 سیدھی سیف بھی ان کے پاس ہے، دستہ پر نہری کوفت کاری ہوئی ہے اور حال ہی  
 میں تلوار پر ان کا نام بھی کندہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں تلوار کو موصوف سے  
 منسوب کرنا کہاں تک درست ہے۔ یہ تلوار ان حضرات کو کسی اور گھرانے سے دستیاب  
 ہوئی ہے۔ ان کے پاس متعدد تصویریں اولیاء اللہ کی ہیں۔ جن میں بیشتر اولیاء ہند کی  
 ہیں۔ ایک کتاب وظائف کی ہے۔ جس میں دو ازادہ امام رضی اللہ عنہم کی رنگین تصاویر  
 ہیں۔ یہ بارہویں صدی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کو ایک سپر ماشی کے  
 بکس میں رکھا ہوا ہے۔ جس پر جہانگیر کی تصویر اور نثار گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس بستی  
 کے پاس ہی میر یعقوب علی شاہ کی مسجد ہے جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ مگر ابھی ٹالیں  
 اس میں بعض بعض جگہ باقی ہیں۔ سکھر گزیر میں ۱۲۴۷ھ پر اس کی تاریخ تعمیر ۱۶۷۷ء  
 دی ہوئی ہے۔ اس بستی سے کچھ فاصلے پر سید سلطان رضوی کا سکتہ سامبرہ ہے  
 جس کے دروازے پر کچھ کاشی کاری ابھی باقی ہے۔ اور تاریخ تعمیر ذیل کے  
 کتبے میں درج ہے:-

سید سلطان رضوی چون ازین دار پلنج	زرد بدولت چار بحیر و بخت کردہ جا
سبز پوشان بہشتی را چمن پیرای خلد	داود ہفت از پی آن سید نعم الفتا
سال قتل او ز پیر عقل می کردم طلب	از سرش غیب در گوش من آمد این ندا

یہ ان کی اولاد کا بیان ہے تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۸ پر سید یعقوب خان کو از نابیر میران

لکھا ہے، اور میر میراں کا مختصر حال بھی اسی کتاب میں ۱۲۵: ۱۲۵ پر دیا ہے،

یک ہزار و صد ز ہجرت بدمدان و سیزده  
بعد سے سال دیگر از اہل بیت آن امام  
تا بود بر پای این روین حصانہفت خوان  
سال نازخ نبایش چون بستم از خسد  
در جمل بشمر حروف جملہ این مصرع را  
یافتہ تعمیر نو این روضہ مینو نما  
چار کنش بر بساطش جہت ماند بجا  
گفت در گوش ضمیرم روضہ آل عب  
۱۱۱۶

## خانقاہ دین پناہ کے متصل کی مسجد

یہ چھوٹی ٹیٹہ مسجد دریا کے کنارے پر واقع اور پختہ گج گار بنی ہوئی ہے۔ باہر چھوٹا سامن ہے۔ ایوان تین حصوں میں منقسم ہے۔ چھت گنبدی ہے۔ محراب کے اوپر لکھا ہے محمد عربی الخ صحن کی جانب ایوان کے باہر کی طرف ذیل کا کتبہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر بعد شاہ اورنگ زیب ۱۰۹۲ھ میں شروع اور ۱۰۹۶ھ میں ختم ہوئی۔ کتبہ دو لمبی سطروں میں لکھا ہوا ہے، ہر سطر کے شروع اور آخر میں تین مصرعوں سے کچھ زیادہ دائیں اور بائیں طرف کی دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ مگر بیشتر حصہ سامنے کی طرف لکھا ہے۔ کتبہ یہ ہے:-

سطر اول

در زمین بادشاہ صاحب تیغ و قلم  
حامی فرض و سنن ماحی آشکار کفر  
جالس اورنگ عدل اور (کذا) دین و دول  
عادل خاقان دہرا عالم گیر آنکھ دوست  
خواجہ محمد حسین مسجد عالی کہ ہست  
کرد بنا بہر خیر کز قدر و منزلت  
جامع اسرار حق فایض الوار دین  
امن تخت و کلاہ مفتخر خاقین  
مالک گنج و حشم فتنہ بر شور و شین  
گوہر دیہیم ملک، زیب دہ شرقین  
خسرو عالی مقام بادشہ مغربین  
مسجد اقصی نمای زینت اسلام عین  
کرد ووتا چون فلک قد فر فرقیں  
معبود نیکو بنای سجدہ گہ عالمین

سطر دوم

کعبہ طاعت [طاعات حق] ہنصد حاجات خلق      قبلہ انس و ملک تاج سربقتین  
گنبد تابان او مردم چشم پھر      شمسہ رخشان او خیر و کن نقلتین  
گوشہ محراب او کرسی محراب عرش      منبر مہ پایہ اش منبر اوج بطنین  
بلوچو بیت العقیق سالم زانات دہر      تاثر آب ہست در دھن دو دغین  
سال دو تاریخ را علم غیبی ادا      کرد بدینسان مرا زانکہ بر دودوین  
جامع اسرار حق مسجد اقصیٰ نما      معبد نیکو ازان خواجہ محمد حسین  
مصرع اول بود صالح آغاز سال      مصرع ثانی ہمی یافت را تمام زین  
بظاہر صالح شاعر کا تخلص ہے جس نے یہ قطعہ تاریخ تصنیف کیا،

## جامع مسجد روہڑی

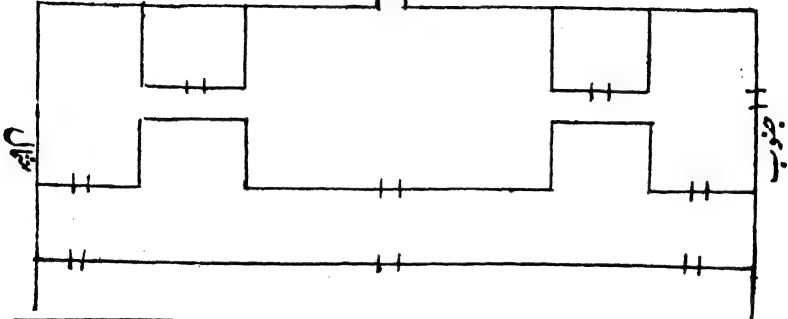
عہد اکبری کی یہ مسجد لب دریا ایک پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ داخل ہونے کا دروازہ بالکل معمولی سا ہے۔ البتہ اس پر ایک کتبہ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ پرانے بیرونی دروازے کے باہر تھوڑی سی جگہ ہے جس میں نیم کے متعدد دبست بڑے بڑے اور پرانے درخت ہیں۔ دروازے سے داخل ہوں تو مسجد کی عام ترتیب کے مطابق پہلے صحن ہے۔ پھر ایوان یا مسقف حصہ، ایوان کا فرش نیلی ٹائلوں کا ہے اور چھت گنبدی ہے۔ عمارت سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، ایوان عرضاً دو حصوں میں منقسم لہٰذا ہر مصرعہ ناقص نقل ہوا۔ شاید کعبہ طاعات حق تھا مگر یقینی نہیں،

۳ منازل قریب سے دوسری منزل کا نام ہے،

تہ بادل جو آسمان پر چھایا ہوا ہو،

۴ کتبہ میں دوسرا مصرعہ پہلے ہے اور پہلا مصرعہ بعد میں درج ہو گیا ہے،

ہے۔ ایک حصہ محن سے متصل اور دوسرا اس سے آگے جو تین حصوں میں منقسم ہے اور جس کے وسطی حصہ میں محراب ہے۔ ذیل کا تقریبی سا خاکہ صرف ایوان کی عام شکل ظاہر کرتا ہے۔ محراب کے متصل دو کوٹھڑیاں ہیں۔ اور جنوبی دیوار میں دریا کی جانب



کھڑکی ہے۔ اور ایک سوراخ دار پتھر جو خوشخط حرفوں میں قل هو اللہ احد الخ لکھ کر بنا یا گیا ہے، گویا یہ پتھر بھی ہے اور خوشخط قطعہ بھی، ایوان بعد کے زمانے کی ساجد کی طرح زیادہ فراخ نہیں ہے۔ البتہ عمارت اس کی بہت مضبوط بنی ہے۔ محراب والے حصہ میں مشرقی دیوار کو چھوڑ کر باقی تین جانب میں چینی کا سطح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم انا فتحنا الی اجر اعظمیما بخط ثلث درج ہے اسی حصہ کے بیرونی کتبوس معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت رجب ۹۹۲ھ میں کسی شخص حبیب نامی کے اہتمام سے مکمل ہوئی، بانی مسجد خان جم قد ر مسند دوران فتح خاں ہے، ۱۳۲۰ھ میں بادشاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے موقع پر کلب علی مختار کارسروکار کے اہتمام سے اس مسجد کی مرمت بھی ہوئی،

یہ مسند دوران فتح خان کون ہے؟ تاریخ سندھ میر معصوم رنسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۳۵ ب میں ہے کہ ۱۰ بیع الاول ۹۵۶ھ کو اعتماد خان والی بھکر اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوا تو دولاہیت بھکر شرکت جالگیر مسند عالی فتح خان مہاوۃ اور راجہ پرمانند خویش راجہ ٹوڈرمل کو تفویض ہوئی اور رجب ۹۵۶ھ میں مذکورین بھکر پہنچ

کر محال متعلقہ پرتصرف ہوئے، دو سال کے بعد پرماتند حکم چرکی دربار درگاہ بادشاہی کی طرف روانہ ہوا۔ مادہ وہو اس اس کے بھائی کو قبیلہ دایر سب کے لوگوں نے قصبہ الور میں گھیر لیا، فتح خان نے اپنے آدمی بھیج کر مفسدوں کو شکست دی اور شورش کو فرو کیا، انہی دنوں میں فتح خان عازم درگاہ ہوا، بادشاہ نے اس کا منصب بڑھایا۔ اور پرماتند کی جاگیر اس کو تنخواہ میں دی، فتح خان مرد سادہ لوح زر دوست تھا، لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا۔ اس کے وکیل شہا بخان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے خان ناصر کے آدمیوں سے اس کا فساد ہو گیا۔ جس میں فتح خان کے بہت سے آدمی مع شہا بخان کے مقتول ہوئے۔ جب یہ رپورٹ بادشاہ کے پاس پہنچی تو فتح خان کی جاگیر بدل دی گئی۔ اور اس کی بجائے نواب محمود ق کو والی بھکر مقرر کیا گیا جو ۲ ربیع الاول ۹۹۷ھ میں بھکر پہنچا معلوم ہوا کہ فتح خان کی حکومت بھکر کا زمانہ ۸۶۶ تا ۹۹۴ تھا، غرض بانی مسجد جامع یہی مسند عالی فتح خان ہے ”مسند عالی“ افغانوں کے ہاں لقب تھا۔ یہ شخص پہلے اسلام شاہ کے امرا میں سے تھا۔ اکبر کے ۳۴ سال جلوس (یعنی ۹۹۷ھ) میں وفات ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین اکبری ص ۵۲۳) اس کو فتوا افغان بھی کہتے تھے، طبقات اکبری (طبع کلکتہ ج ۲ ص ۴۴۰) میں ہے کہ وہ دو ہزاری منصب تک پہنچ کر فوت ہوا، بلاخمن کے بیان سے گمان ہوتا ہے کہ مسند عالی فتح خان اور فتح خان فیل بان (جس کو تاریخ سندھ میں مہاوڈ لکھا ہے) دو مختلف آدمی ہیں، مگر میر محمد معصوم نے واضح کر دیا ہے کہ مسند عالی فتح خان ہی فتح خان فیل بان ہے، اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) مسجد کے بیرونی مشرقی دروازے کے اوپر بیرونی جانب پر یہ کتبہ کاشی کار ٹائلوں پر پانچ ٹکڑوں میں درج ہے، خط نستعلیق ہے مگر بعض خصوصیات تعلیق اس میں باقی ہیں، اصل کی ترتیب کے مطابق یہ کتبہ درج ذیل ہے:-



چو فردوس برین | روی زمین | اہتمامش از صدق | مرادش بیقین | سے | تاریخ | اواخر اثنی عشرین  
 بن مسجد با صفا | بی مثل فتاد رہمہ | چو کرد جبیب | خواہم کہ دہد خدا | ات | العادہ | الشریفہ شہر رجب المرجب

یعنی

این مسجد با صفا چو فردوس برین بے مثل فتاد در ہمہ روی زمین  
 چو کرد جبیب اہتمامش از صدق خواہم کہ دہد خدا مرادش بیقین  
 تمت العمارۃ الشریفۃ فی تاریخ اواخر شہر رجب المرجب سنہ اثنی عشرین و تسعمایہ  
 ۲۔ ابوان کے بیرونی طرف درمیانی قوس کے اوپر ذیل کا کتبہ درج ہے، کتبہ قوس  
 کے دائیں طرف کی دیوار سے شروع ہوتا ہے۔ قوس کے اوپر اس کا بیشتر حصہ آیا ہے  
 اور بائیں جانب کی دیوار پر نہ ختم ہوتا ہے۔ خط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ بھی  
 مائلوں پر لکھا ہے۔ ترتیب تحریر حسب نمونہ بالا ہے یعنی

شاہ اکبر | بخشیان ملک | سریرخ | زمان | مقتدا | حامی شرع و  
 خسروی دین | کہ بود تاج | شاہ انجم سپاہ | حامی شرع و

اب اس کتبے کو مفصل درج کیا جاتا ہے :-

خسروی دین پناہ اکبر شاہ کہ بود تاج بخش ملکستان  
 شاہ انجم سپاہ چرخ سریر حامی شرع و مقتدا زمان  
 بند گانش چو قیصر و فقور چاکر انش چو طغرل و خاقان  
 بندہ کمترین او یعنی خان جم قدر مند دوران  
 سروری نیک رای دریا دل منبع جود و مجمع احسان  
 فتح خان آن کہ تیغ خونریزش کرد بنسیا دظلم را ویران  
 مسجد جامع از برای ثواب ساختہ بر امید قصر جتناں  
 دل کشا چھو مسجد کعبہ جان فزا پیمجور و ضہ رضوان

تا بود گنبد فلک بر پا باد سالم ز آفت دوران  
سال تاریخش از خرد جستم مسجدی کرد خان بگفت روان  
ایوان کی درمیانی قوس کے دائیں اور بائیں تھے زمانے کی کاشی کار ٹائلوں پر  
ذیل کا کتبہ درج ہے :- دائیں جانب

تاج پوشیدہ خسرو دوران زینت [زینتی] یافت خانہ یزدان  
مسجد یادگار اکبر شاہ اوقنادہ ز مدتی ویران  
در زمان [ایڈورڈ شاہ] جان کردہ کلب علی مرست آن  
بائیں جانب

آنکہ مختار کار سرکار ست زیر فرمانروای ہندوستان  
سال ترمیم مسجد اکبر دوش بودم بجان و دل جویان  
باسرناز ہاتھم فرمود کار گلدستہ بربل مہران  
کتبے میں سے 'ایڈورڈ' کا لفظ مل گیا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کا سن جلوس ۱۳۲۰ء  
ہے مگر تاجپوشی ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ء میں ہوئی ہوگی۔ کار گلدستہ بربل مہران کے عدد  
۱۴۰۰ ہیں اور اس میں سرنازی یعنی ۴۰ کے ۵۰ عدد جمع ہوں گے،

## زیارت گاہ موسیٰ مبارک

جامع مسجد کے متصل موسیٰ مبارک کی عمارت ہے۔ جس کے اندر میں نہ جاسکا تختہ الکرام  
۲: ۲۴ میں بذیل بلکہ لکھا ہے: بوجہ تبرک آثار شریفہ یعنی موسیٰ مبارک کہ حسب مرویات  
صحیحہ پی اردو نیم موات کہ از آنحضرت برای زیارت یادگاری مومنان ہانڈہ مخصوص گرا  
سکھر گریٹر میں ۴۷ ہے کہ یہ موسیٰ مبارک عبدالمباقی ختن شیخ نظام الدین صدیقی سندھ  
میں لائے وہ روٹری میں آباد ہو گئے مگر موسیٰ مبارک کو ظاہر نہ کیا۔ آخر ایک

بزرگ کو خواب میں اس کے وجود سے آگاہ کیا گیا، ظاہر اس سے بہتر سند موجود نہیں،

## ڈھک بازار والی مسجد

اس مسجد میں محراب کے اوپر **بسم اللہ** کا ایک کتبہ ہے  
 بخشش اللہ از اللہ بخش مسجدی راداد درگیتی ثبات  
 سال تاربخ بنایش را خرد ثبت کرد الباقیات الصالحات

کتبہ لکھنے والے نے اس پر دستخط بول کئے ہیں **محمد**  
 شاید یہ نام سید محمد بخش ہو،

## صفہ صفا

روہڑی میں لب دریا قلعہ بھکر کے مقابل ایک پہاڑی پر میر ابو القاسم نمکین  
 کے خاندان کا گور خانہ ہے۔ اس پر میر ابو القاسم اور اس کے عزیز واقارب کی کئی  
 قبریں ہیں، دریا کی طرف ٹھیک پشتہ بندی کی گئی ہے اور اس کے مقابل کی سمت  
 (جنوب) میں بہت سی سیڑھیوں کو چڑھ کر قبروں والے چبوترے تک پہنچتے ہیں  
 جنوبی سیڑھیوں کے درمیان میں دروازہ اور ڈیوڑھی سی بنی ہے۔ جس میں کچھ نقاشی  
 بھی ہوئی ہے۔ جس سطح پر قبریں ہیں۔ اس کا فرش سرسبز چتہ ہے۔ اکثر قبروں پر  
 نفیس سنگ تراشی سے زنجیرے اور کتبے کندہ ہیں،

صفہ صفا میر ابو القاسم نے خود بنایا اور اس کا نام بھی خود ہی تجویز کیا یہ جگہ نہایت  
 منظرہ اور خوش منظر ہے، اس کے دامن میں دریا بہتا ہے۔ سامنے قلعہ بھکر ہے

دور دور تک باغوں اور عمارات کا نظارہ یہاں سے دکھائی دیتا ہے، صاحب  
مآثر نے لکھا ہے کہ چاندنی راتوں میں یہاں کا منظر ”بے نظیر عالم“ ہے،

میر ابو القاسم بن ملا میر ہرات کے حسینی سیدوں میں سے تھے۔ پہلے میرزا  
محمد حکیم کے پاس نوکرتھے۔ پھر اکبر بادشاہ کے ملازموں میں داخل ہوئے۔ بھیرہ اور خوشاب  
جاگیر میں ملے، ایک مرتبہ بادشاہ کو رکابی اور پیالہ نمک کا بنو کر پیش کش کیا تو نمکین  
کی پھبتی ان پر کسی گئی، اس مردم خیز عہد کی بہت سے لوگوں کی طرح میر بہت سی  
خوبیوں کے مالک تھے، پیش گاہ اکبری میں ان کو قرب و منزلت حاصل تھی، داد و خان  
کر رانی کی جنگ میں موجود تھے، پھر کچھ عرصہ تنگ سوات باجوڑ اور تیراہ کے کروڑی  
اور فوجدار رہے اسکے بعد تنگ میں حکومت بھکر پائی، مگر رعایا سے بدسلوکی کی اور ان  
کی شکایت پر معزول ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے پھر مہربانی کی اور  
اضافہ منصب اور خطاب خانی اور تیول داری گجرات (پنجاب) سے ان کو سرفراز  
کیا، شروع عہد جہانگیری میں خسرو کو گرفتار کرنے پر منصب میں ترقی ہوئی  
اور دوبارہ بھکر کی حکومت ملی، اب کے میر نے بھکر کو وطن بنا لیا، اور اسی زمانہ میں  
صفہ صفا تعمیر کیا، بھکر کی ایک عالیشان مسجد بھی میر ہی نے بنوائی، تحفۃ الکرام ۳: ۲۷۰ پر  
ہے کہ میر جنگ قندھار میں قتل ہوئے۔

اس گورخانہ میں بہت سی قبریں ہیں جو اسی قسم کے زرد پتھر کی بنی ہوئی ہیں جو ٹھٹھ کے نواح میں

لے مآثر ۳: ۲۷۰ بلا حتم (ترجمہ آئین اکبری) ۷۰، تحفۃ الکرام ۳: ۲۷۰ بقول صاحب تحفۃ ملا میر متولی

درگاہ امام موسیٰ رضاؑ تھے، سکھر گزٹیر ص ۸۷ پر صفہ صفا کا عام نام نقان قاسم شاہ دیا ہے،

لے مآثر ۳: ۷۵، نموس ہے کہ قیام بھکر کے اثنا میں یہ معلوم نہ تھا کہ میر ابو القاسم نے سکھر میں مسجد بھی

بنوائی تھی جس پہاڑی پر صفہ صفا ہے۔ اس کا نام گزٹیر میں متجہین دیا ہے اور لکھا ہے کہ

یہ نام اس عمارت کی وجہ سے ہے جو پہاڑی کے جنوبی جانب پر ہے، میں نے اس کو فقط دور سے دیکھا،

کوہکلی کی قبروں پر استعمال ہوا، قبروں پر ۱۸۰۰ کتبے لکھے گئے ہیں۔ لیکن سکھر  
گریٹر میں ۴۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتبے بعد کے بھی ہیں۔ یعنی ۱۳۰۰  
کے، یہ کتبے نہیں متعلق ہیں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک بلند چوڑے پر میر ابو القاسم  
کی قبر ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں:-

پائین: خان زمانہ میر ابو القاسم آنکھ او لوح وجود از رقم غیب سادہ کرد  
نبراس دودمان وفا گلین حیا سال وفات او طلب از داغ دادہ کرد  
۱۰۱۹ بالین

گر بود بستر از حسر چسود چون نہ مرگ زیر بالین خشت  
خلف خمیر او ز داغ ابی چونکہ تاریخ سال فوت نوشت  
گفت ملہم مرا بگوش غمیر سال فوتش کہ باد جاش بہشت  
۱۰۱۹ بظاہر داغ دادہ میں ایک عدد زاید ہے،

میر ابو القاسم کثیر الاولاد تھے، مائیں ہے کہ ان کے ۲۲ بیٹے تھے، جس چیز سے  
پر میر کی قبر ہے اس پر تین اور قبریں، وہ غالباً میر کے لڑکوں یا اور عزیزوں کی ہیں۔ ان کے  
کتبے درج ذیل ہیں:-

مسدود خلق امیر خان کہ بسی خلق عالم بخلق او آسود  
تادین دہر بود صاحب جاہ در رضای خدای خود می بود  
کوس رحلت چوزد ز دار فنا رخت آسودگی بخشد کشود  
سال نقلش بگفت بافت غیب ہادی دین امیر خان آسود

یہ امیر خان میر ابو الباقا بن ابی القاسم نمکیں ہے (دیکھو بلاغی کا ترجمہ آئین ص ۴۷۲)  
اس ابو البقا کے بیٹے عبدالرزاق کی قبر بھی یہیں جو ۱۰۶۲ میں کسی سنی شیعہ فساد میں مارا  
گیا، اس کی قبر کے بالین پر یہ کتبہ ہے:-

لہ توڑک جاگیر (ترجمہ ۳۱:۱) میں تیس لکھے ہیں،



میر والا نژاد سعد الدین      آن بہر فن یگانہ مکمل  
 دل ازین خاک دان گرفت اورا      جنت عدن ساخت سر منزل  
 سال فوٹش چو جستم از دل گفت      شد بفردوس میر صاحب دل  
 صفہ صفا کے دامن میں جنوبی طرف ایک عورت کی قبر پر پائیں جانب ذیل کا کتبہ ہے:-  
 چون برون شد ز بہان صاحبہ      کز خدا بود بہشتین امید  
 سال تاریخ وفاتش گر دون      زورستم شد بہشت جاوید

۱۰۳۷

## الرور

الرور، ارور، یا آلور کا خرابہ روٹھری سے ذیل جنوب مشرقی کو ہے، محمد قاسم کے حملہ کے وقت یہ مقام سندھ کا دار السلطنت تھا۔ اس زمانے سے قریباً دو صدی بعد یہ بستی اجڑ گئی، قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے اجڑنے کی وجہ یہ تھی کہ دریائے اپنا راستہ بدل لیا۔ اور یہاں کی آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ روٹھری میں جا کر اپنی پرانی بستی کا نام بھی ساتھ لیتے گئے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس وقت کے الور میں کامل ویرانی ہو گئی کیونکہ عہد مغلیہ میں اس کی آبادی کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے، مارچ گذشتہ میں میں اس کو دیکھنے گیا تو میر بھی خیال تھا کہ وہاں صرف کھنڈ رہی کھنڈ رہیں گے۔ لیکن میں نے اس میں ایک بستی کو آباد پایا۔ ہاں پرانی بستی کے کھنڈ بھی نئی آبادی کے پہلو پہلو موجود ہیں۔ لوگوں نے کھود کھود کر اس کھنڈ میں گھرے گرٹھے بنا دیئے ہیں۔ اور دور مہنہ دو کی بڑی بڑی اینٹیں ہر طرف اس میں نظر آتی ہیں بستی کے پاس مگر

لے سکھر گزیر میں ۴۱، تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۲، لے الور کے اجڑنے کے متعلق عام قصہ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۴۴ بعد پر دیکھئے،

اس سے قریب ہی شاہ اور نگ زیب کے زمانے کی ایک مسجد بھی ہے جو دیران اور نقابل استعمال ہے۔ گو اس کے بعض حصے ابھی قائم ہیں۔ المور میں بیدنگر گنج شاہ اور سید ختل الدین شاہ دکنڈا کی قبریں بھی ہیں۔ آخر الذکر کی نسبت کہتے ہیں کہ حضرت لال شہباز قلندر مدفون سہون کے معاصر تھے۔ بستی پہاڑی کے اوپر ہے۔ اس کے دامن میں دیا کی سابق گذرگاہ ابھی تک صاف اور واضح طور پر نظر آرہی ہے۔ بستی سے دریافت کرنے پر بعض لوگوں سے کچھ تانبے کے سکے ملے، جن میں سے ایک غالباً ناصر الدین محمود بن التمش (۶۴۴ھ تا ۶۶۶ھ) کے زمانے کا ہے۔ اور دوسرا جس کے ایک طرف اکر اور دوسری طرف بکر لکھا ہے۔ پروفیسر شیرانی اس کو خط کے اعتبار سے ارغونوں کے عہد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بستی والوں سے پوچھا گیا کہ کوئی کتبہ بستی میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ عربی کا ایک کتبہ دیبا کی خشک وادی میں موجود ہے جس کو ان کی اصطلاح میں نیں ونگو کہتے ہیں۔ بستی سے قریباً آدھ میل کے فاصلے پر ازرائی اتر کر ہم خشک گنگا میں ایک جھلوی کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بڑا سا سفیدی مائل زرد پتھر ملا جو روہڑی میں عام طور پر نظر آتا ہے اور چونہ کے پتھر کی قسم کا ہے۔ اس پر دو سطروں میں ذیل کا فارسی کتبہ نفیس نستعلیق میں لکھا ہوا ملا:

بردار قدم چو رہ نوردان   در بادیه پایی نہ چو مردان
بفرمودہ سیادت پناہ امیر محمد معصوم مرقوم

میر محمد معصوم نامی کا ذکر آگے آتا ہے،

لہ ونگ سندھی میں محراب ناچینہ کو کہتے ہیں۔ ونگ بھلی میں

بھی ٹیڑھے بن کو کہتے ہیں، میں ندی کو کہتے ہیں،



## سکھر

سکھر کی نہایت نمایاں عمارت میر معصوم بھکری کا مینار ہے۔ اس مینار کے متصل ایک نیشن گنبدی ہے۔ اور اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ ہے تینوں پر کتبے ہیں۔ ان کا مفصل حال آگے آتا ہے،

میر محمد معصوم کو مغلیہ زمانہ کی کتابہ نویسی میں جو اہمیت حاصل ہے شاید ہی کسی شخص کو ہوگی وہ خود خوشخط کتابہ نویس تھا۔ اور اس کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان سے تبریز و اصفہان تک جہاں موقع ملا اس نے رستوں اور منزلوں پر مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں کو اپنے اشعار سے آراستہ کیا کہ وہ قندھار میں ایک پتھر پر صرف کثیر سے اسامی ممالک محروسہ اکبر شاہی کندہ کئے۔ آج بھی اس کے کتبے ہندوستان میں موجود ہیں، الور کے کتبے کا ذکر ابھی ہوا۔ دروازہ قلعہ ہگرہ اور مسجد جامع فتح پور کا کتبہ اسکے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سکھر کے مینار اور اس کے متصل مقامات میں بیسیوں کتبے ہیں جن میں سے شاید بعض اسکے اور بعض اسکے ملازمین کے لکھے ہوئے ہیں۔ مآثر (۳: ۳۲۸) میں ہے کہ اس نے بہت سے بقاع خیر بادگار چھوڑے، خصوصاً سکھر میں جو اس کا مسقط الراس ہے اس نے کئی عمارتیں اور باغات بنوائے، دریائے سندھ کے اندر ستیا سر کے نام سے ایک عمارت بنوائی، جو بقول صاحب مآثر نواز در روی زمین سے ہے۔ سکھر گزٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ سوائے مینار کے سکھر کی متعدد اور عمارتیں میر معصوم کی طرف منسوب ہیں۔ دریا کے کنارے نئے تالاب (recreation) کے نیچے ایک مسجد اور آرام گاہ (rest house) ہے جس کو انگریزی عہد میں دروازے، کھڑکیاں لٹاکر

لے تحفہ الکرام ۳: ۱۲۷، قند ہا میں ایک پہاڑ پر بار نے ایک پیش طاق بنوا کر اس پر کتبہ کندہ کر دیا تھا، میر معصوم بھکری سے خوش نویسی اور سنگ تراشی بلوکر ہا یوں وہ مالیک کا نام اور گہری سلطنت کے شہر وال ملک کے نام، از نفاذی حدود و بنگالے تا جند لاہری و از کابل و غزنین تا دکن، وہاں درج کرائے، قریباً چار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ راولپنڈی: ۱: ۲۳۹ تاریخ سندھ فتح پنجاب یونیورسٹی ورثی، باب ۱۷، شاہ باغ میں گنبد دریائی (سندھ) اسکی تاریخ دی ہے،

رہائشی مکان کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پر ایک کتبہ بھی ہے، جس میں لکھا ہے۔ کہ میر معصوم نے یہ عمارت نماز اور مسلمانوں کے آرام کے لئے بنوائی، (پڑانے سکھر میں ایک جامع مسجد ہے جو کہتے ہیں کہ میر معصوم کے والد میر صفائی نے توڑی تھی)

میدان وغیرہ کا حال بیان کرنے سے پہلے میر کی زندگی کے حالات مختصر بیان کرتے ہیں کہ یہ غیر معمولی شخص بیک وقت خطاط، شاعر، مورخ، ہنسی طیب، بہادر سپاہی اور مرد سیاسی (ڈپلومیٹ) ہونے کی حیثیت سے فخر روزگار تھا۔ میر معصوم کے بزرگ سادات ترمذ سے تھے۔ درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے بڑے دروازہ کے پہلو میں میر نے ایک کتبہ لکھا ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے: قابلہ و کاتبہ محمد معصوم نامی ابن سید صفائی الترمذی

اصلاً و البکر سیسکن والمنتب انامالی سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال السبزواری مولد اول القند ہاری موطن اردو بجاچہ توزک جہانگیری مرتبہ سید احمد علی گلدھ ۱۸۶۷ء حاشیہ ص ۴۴ جہاں یہ کتبہ پورا درج ہے) مآثر الامم (۳: ۳۲۶) میں ہے کہ دو تین پشت پہلے ان کے بزرگ قند ہار میں آجے اور بعض اور سادات کی شرکت سے بابا شیر قلندر کے مقبرہ کے متولی بنے، میر معصوم کے والد میر صفائی بھکرائے اس زمانے میں سلطان محمود میرزا شاہ جہین ارغون والی سندھ م ۹۶۳ کا حکم حاکم بھکر تھا۔ وہ بہت عزت سے پیش آیا۔ اور میر صفائی بھکر ہی میں بس گئے۔

سیدستان کی ایک سید زادی سے شادی کی اور میر معصوم اور ان کے دو بھائی بھکر ہی میں پیدا ہوئے۔ ابھی تحصیل علم کی نوبت نہ آئی تھی کہ انکے والد میر صفائی کا انتقال ہوا میر معصوم نے ملا محمد ساکن گنگری (از توابع بھکر) کی خدمت میں علوم تحصیل کئے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد چونکہ میر نے شکار کا شوق حد سے زیادہ پیدا

لے میر نے شیر کا مفصل حال تاریخ سندھ میں دیا ہے، دیکھو نسخہ پنجاب یونیورسٹی درق ۴، بعد ازاں یہ سادات کھلروت سیوستان نسبت نمود، ۱۳۵: ۱۳۵ پر ہے کہ گنگری بادشاہ پور بہرہ کو سے ۴ کوس پر اور بہرہ اولوہری سے تقریباً ۱۵ کوس اور، سید صفائی کو سلطان محمود خان نے شیخ الاسلام بھکر بنایا۔ ان کا سن وفات ۹۹۱ ہے (تحفۃ الکرام ۲: ۱۲۷) یہی سن ان کے لوح مزار کے کتبے سے حاصل ہوتا ہے، جیسا

کر لیا تھا۔ وہ اکثر اسی میں مشغول رہنے لگے لیکن یہ حالات جلد ہی بدل گئے اور میر کو مفلسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے ہم وطن اور ہم سبق شیخ اسحاق فاروقی، خواجہ نظام الدین احمد ہروی دیوان گجرات کی سرکار میں ملازم صاحب اختیار تھے۔ میر معصوم نے پایادہ گجرات کا رخ کیا۔ شیخ نے خواجہ سے ملاقات کرادی۔ اتفاق سے خواجہ ان دنوں میں طبقات اکبری کی تالیف میں مشغول تھے۔ میر معصوم تاریخ دہلی میں یکا نہ روزگار تھے۔ اسلئے خواجہ نے انکے آنے کو غنیمت سمجھا اور میر اور بعض دوسرے اہل کمال اس کتاب کی تالیف میں شریک رہے، کچھ عرصہ کے بعد میر شہاب الدین احمد خان صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ شجاعت و مرادنگی میں ناموری حاصل کی تکتہ خصوصاً خانخاناں کے ہمراہ تخیرندھ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آخر اکبر بادشاہ سے روشناسی پیدا ہوئی اور چالیسویں سال جلوس یعنی <sup>۱۵۷۳</sup> ۱۵۷۳ء میں ان کو دوسروں کے ساتھ ہی منصب ملا اور بتدریج تقرب اور اعتبار پاؤں بڑھا۔ تا آنکہ ان کو ایران کی سفارت پر بھیجا گیا۔ اور وہ دہلی

۱۵۷۳ء ۱۶۳۱ء میں شہاب الدین نجہزاری امرا میں سے تھا۔ بہت سے کارہائے نمایاں اس سے ظہور میں آئے، وہ مدتوں تک گجرات کا اور سالہا سال تک مالہ کا حاکم رہا، ۹۹۹ھ میں اچین میں فوت ہوا (ملائقین ترجمہ آئین ص ۳۳۲) ۱۵۷۳ء اکبر نامہ میں ۹۹۹ھ اور ۱۵۷۳ھ کے درمیان میر کی فوجی کارکردگیوں کا ذکر کئی بار آیا ہے اور اس کا شمار دلاوران اور کار کاہان اور خدمت گریبان کا رہنما اور بجاہدان اخلاص گر کے زمرہ میں ہوا ہے، پھر وہ دہلی میں وہ محب علی کے ہمراہ ہے اور بہار میں میرزا کوکر خان اعظم کے لیکوئوں میں شامل ہے، پہلے کئی برس تک شورش گجرات کے فرو کرنے میں مدد دیتا ہے، پھر خانخاناں کے ہمراہ ہم قدم ہار میں شمولیت کا حکم پاتا ہے اور فتح سندھ میں خان خاناں کا مہجن کار ہے (دیکھو فرست اکبر نامہ طبع کلکتہ ج ۳ بذیل میر معصوم بکری تحفۃ الکرام ص ۳: ۱۶۷) یہ بیضون تکمیل اکبر نامہ سے ماخوذ ہے، ابوالفضل ۱۵۷۳ء میں مارا جا چکا تھا،

اور کاروانی کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے مورد عنایت بنے (تکمیل) اکبر نامہ میں (۳، ۸۲۵) پر شیخ عنایت اللہ نے لکھا ہے کہ میر معصوم بھکری کو ۲۷ ذی قعدہ ۱۰۱۲ھ کو تبریز میں سفارت ایران جانے کی اجازت ملی، وہ محاصرہ قلعہ ایروان کے آستان میں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ نے ان کی بزرگداشت میں بہت مبالغہ کیا شہنشاہی خط کو ادب کے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، ”حضرت شاہ بابا ام“ کا حال پوچھا تحائف ایک وسیع بارگاہ میں چنوا کر ملاحظہ کئے اور برابر دو تین دن تک ایلچیان گرجستان اور سرداران ترکستان اور باہر کے آدمیوں کو ان تحائف کے دیکھنے کیلئے بھیجا تقی کاشانی نے لکھا ہے کہ میر معصوم کے ساتھ ایران میں ایک ہزار ملازم تھے۔ (فہرست اودھ ص ۳۷)، روز روشن (ص ۶۷۹) پر ہے کہ میر موصوف ”در اصفہان با حکیم شفقانی و محمد رضا فکری و تقی اوحدی در مشاعرات ہم طرح ماند و بعد ورود ہندوستان انداز ادا سی سفارت او پسندیدہ محمد اکبر شاہ بادشاہ افتاد و بحضور بادشاہ قبولی عظیم یافت“

ایران سے واپسی کے بعد جہانگیر بادشاہ نے ۱۵۱۷ء میں ان کو ابن الملک بنا کر بھکرہ بھیجا اور میر وہیں فوت ہوئے (ماثر)، سن وفات ان کا روز روشن میں (ص ۶۸۰ پر) ۱۵۱۹ء دیا ہے اور تاریخ وفات بودہ نامی صاحب ملک سخن، یہ مصرعہ اس قطعہ تاریخ سے لیا گیا ہے۔ جو نامی کی قبر پر کندہ ہے اور جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ میر معصوم کا منصب رفتہ رفتہ ہزار اکبری تک پہنچ گیا تھا،

لے عالم آرای عباسی (طبع طہران ج ۲ ص ۴۴۸) پر اس کے برعکس لکھا ہے کہ سرویوں کا زمانہ تھا، بادشاہ محاصرہ میں معروف تھا سو ائے ایک تنوار کے جس کو تھادل کے لئے شاہ نے منگو لیا۔ باقی چیزیں در دولت خانہ پر بار خانہ میں پڑی رہیں اور باوجود شدت سراچار میں تک میر کے آدمی ان چیزوں پر پیرہ دیتے رہے، یہ شاہ عباس کے ۱۷ سال جلوس کا واقعہ ہے، ۸ سال جلوس (۱۵۱۷ء) میں میر کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت میں (عالم آرای ۲: ۶۱۱) ملے معلوم نہیں ایوانی نے کس بنا پر اسکا سال وفات ۱۵۱۷ء دیا ہے (فہرست ۱۸۵)

میر مکارم اخلاق سے بدرجہ اتم متصف تھے،

طبقات الکبریٰ (طبع کلکتہ ۲ : ۵۰۰) میں ان کی نسبت لکھا ہے: جو اہمیت

بصلاح و تقویٰ آراستہ و سالہا بفقیر صدم و مصاحب بود، مآثر (۳ : ۳۲۸) پر

ہے: زہد و تقویٰ بکمال داشت و ہمت و سخاوت را بجائی رسانید کہ تا بلر دم اجلاف

بمکر سوغات از ہندوستان می فرستاد و بہ اکابر و اصاغر مسانہ و مشاہرہ و میاومہ

و فصلانہ جمعی مقرر کردہ بود، ہاں یہ ضرور لکھا ہے۔ کہ آخری دنوں میں میر

وطن آیا تو وہ سلوک نہ رہا بلکہ ایک خاص وجہ سے لوگوں نے ابد اپائی۔ روز روشن

ع ۶۹۹ پر ہے: مرد و رویش مزاج و خوش خلق لطیف الطبع سخی و شجاع و متدین

و متقی بود، مآثر میں ہے کہ میر معصوم صاحب دیوان تھا اور نامی اس کا تخلص تھا،

مآثر میں ہے کہ دیوان نامی، مثنوی معدن الافکار در جواب مخزن الاسرار

تاریخ سندھ اور طب کی ایک مختصر کتاب موسوم مفردات معصومی اس نے تالیف کیں

مگر تقی کاشی (فرستادہ ص ۳) نے لکھا ہے کہ نامی نے پانچ مثنویاں لکھیں جن

میں دس ہزار بیت ہیں، ایک ہفت پیکر کے، دوسری سکندر نامہ کے بحر میں

تیسری لیلۃ الجنوں کے بحر میں جس کا نام پری صورت ہے، چوتھی یوسف زلیخا

کے بحر میں جس کا نام حسن و ناز ہے، پانچویں مخزن الاسرار کی بحر میں، نیز اس نے

دو دیوان غزلیات اور دو ساقی نامے لکھے، روز روشن میں اس کو طب نامی

کا مصنف بھی بتایا ہے جو ریوص ۲۹۱ کے نزدیک مفردات معصومی سے الگ

کتاب ہے، میں نے سکھر میں سنا کہ دیوان نامی بخط مصنف اس کی اولاد کے ہاں ایک

محفوظ ہے۔ تاریخ سندھ کے نسخے عام ہیں مفردات نامی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں دیکھو فرستایا نامہ ۱۵۵

لے یہ کتاب غالباً مسئلہ میں ختم ہوئی (ربوبندیل تاریخ سندھ)، ۱۵۵ نسخہ اکلم ۳۲۷ پر

ہے کہ نامی نے ناز و نیاز در قصہ سٹی دینوں لکھی ہے، شاید یہ وہی کتاب ہے،

میر نے عمارتوں املاک اور باغات پر کثیر رقم صرف کی ہوگی، باوجود اس کے اس نے تیس چالیس لاکھ روپیہ نقد چھوڑا (ماثر) اب ہم میر کے منار وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جو ایک پہاڑی پر واقع ہیں۔

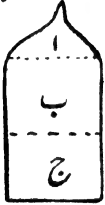
## میر معصوم کی بنا کردہ عمارتیں

تین عمارتیں ہیں۔ ایک مینار، اس کے متصل ایک گنبد دار مشن عمارت اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ۔ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہاں ۹۹۱ھ میں میر صفائی اور میر ابوالقاسم کی قبریں بنیں۔ پھر ۱۰۲۲ھ میں اس جگہ پتھر کے ستونوں اور قبوں والی عمارت کھڑی کی گئی۔ یہی گورخانہ میر معصوم ہے، کتبے میں اس کی تاریخ تعمیر عمارت سرکودہ ہے۔ اسی سال یعنی ۱۰۲۲ھ میں مینار کی تعمیر شروع ہو کر ۱۰۳۱ھ میں ختم ہوئی، غالباً میر معصوم اس زمانہ میں سفر ایران سے ابھی واپس نہ ہوئے تھے اس لئے ان کے لڑکے میر بزرگ نے مینار کی عمارت اپنے اہتمام سے ختم کی، مشن کی عمارت ۱۰۴۰ھ میں ختم ہوئی، اکی تاریخ مکان بانی ۱۰۰۴ھ ہے، ۱۰۱۹ھ میں خود میر معصوم کو گورخانہ مذکور میں دفن کیا گیا،

یہ منار جو محروطی سی شکل کا اور سُرُخ اینٹوں سے بنا ہوا ہے، عمود سے قدرے ایک طرف کواٹل ہے۔ اس کے قاعدے کا محیط ۸۴ فٹ اور بلندی قریباً ۱۰۰ فٹ ہے، سیڑھیاں اوپر تک جاتی ہیں، چوٹی پر اس زمانے میں ایک آہنی پنجرہ لگا دیا گیا ہے۔

۱۰۴۳ھ تکلام ۳: ۱۶۴ پر ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک گر اندر رقم ترین بھیجی تھی وہ واپس آئی میر معصوم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس رقم سے نشینہائے پاکیزہ اور منارہ معروفہ یادگاری ترتیب دیئے، اگر یہ درست ہے۔ تو یہ عمارتیں بادشاہی خرچ سے تیار

کہ کوئی گرنہ جائے، مینار کی بلندی کی وجہ سے شہر اور اطراف کا نہایت شاندار منظر اوپر سے دکھائی دیتا ہے (سکھر گزٹیر ص ۵۹) مینار کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت ۱۳۰۰ھ میں شروع ہوئی اور ۱۳۰۳ھ میں تمام ہوئی، ذیل کا کتبہ جس میں قطعہ تاریخ بھی ہے منار کے دروازے کے اوپر کندہ ہے۔ اور میر بزرگ بن محمد معصوم کی تصنیف ہے، یہ کتبہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ جیسا کہ ذیل کے خاکے سے ظاہر ہوگا متن کتبہ کا یہ ہے۔



(۱) بنی هذا المنار فی زمان سلطان جلال الدین (کذا) محمد اکبر بادشاہ غازی۔

کرمی بزمانہ صیت نیکو نامیت	رب) بدرِ فلکِ علا محمد معصوم
افراختہ سر بچرخ مینا فامیت	افراشت چنین بناء عالی کہ ز قدر
گفتند جهان نما منار نامیت	تاریخ بناء او ملایک از عرش
کہ از و کار دین بآیین است	(ج) میر معصوم آل رفیع العتدر
کین پی یادگار دیرین است	کرد طرح منار تا گویند
طاق عرشی برین بگفت این است	پیر چرخ از برای تاریخش

قابله میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم  
شمن گنبدی

یہ شمن جو ۱۳۰۳ھ میں تعمیر ہوا۔ منار میر معصوم کے متصل اور اس کے اور میر معصوم ۵۹ گزٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ منارہ کی تعمیر میر معصوم کے لڑکے نے تاریخ بناء عمارت یعنی ۱۳۰۳ھ سے ۴۴ سال بعد ختم کی۔ لیکن ۴۴ نہیں ۱۱ سال کنا چاہئے،

۱۳۰۳ھ میر بزرگ کا حال ۳: ۳۲۸ پر دیا ہے۔ اس میں میر بزرگ کی نسبت کمال ہے، در نظم و نثر ہمہ مربوط و خوش می نوشت، تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۱ پر میر بزرگ کی اولاد کا حال بھی دیا ہے،

کے گورخانہ کے درمیان واقع ہے، اس کے چار دروازے ہیں۔ باقی چار محرابیں بند ہیں۔ اندرونی جانب تمام چینی کار ہے۔ دروازوں کے اوپر شمال و جنوب میں روشندان ہیں جو چھوٹے چھوٹے نشیمنوں کی وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ ان نشیمنوں کی چھت پر ربا عیات ذیل بخط نستعلیق کندہ ہیں۔ جو فرش پر سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

جنوبی نشیمن: سر منزل در دما ہویابی دارد ویرانہ غم نیز صفای دارد  
دیوانہ دل مر املامت نکنید این وادی نیزہ بجایی دارد  
شمالی نشیمن

فریاد حیل از ہمہ کس مشغوی آواز دراز پیش و پس مشغوی  
کردہ ہمہ شب گیر بسر منزل دور تو خفتہ برہ بانگ جرس مشغوی  
متمن کے اندر دروازوں سے اوپر ذیل کا کتبہ مسلسل صورت میں لکھا ہے:-  
جانب مغرب

ای بندہ نواز ذرہ پرورد از لطف تو ذرہ مهر انور  
روزی کہ چو سبزہ سر بر آرم زابر کرمت امید دارم  
ہر چند کہ خار بوستانم بخشا بطغیل گلستانم  
نوری بدلم فلک خدایی تا با تو رسم بروشنایی  
من بیخود و رفتہ دل زدستم دستی! کہ بخاک اندہ پستم  
صد دیو گریزد از بروم زین دیو کہ ہست در بروم  
کو دیدہ کہ ہرچہ دوست بینم بکشایم و روی دوست بینم  
ہر چند کہ چشم ماست ناپاک یک رشخہ لطف بس برین خاک

جانب مشرق

چون مو بتن ارگناہ روید عفو تو زابر لطف شوید

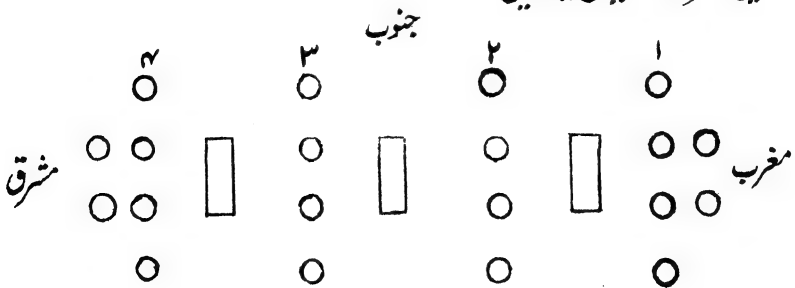


بخشش بود از بہ نیک کاران پس وای ہما نہاہ کاران  
 ہرچند گناہ رحمت بیش زان روی امید و اہم از خویش  
 من خفتہ و دشمنم نگہبان از دشمن خانہ چون برم جان  
 جانب شمال

نامی کہ چو خاک آستان است زان خاک سرش بر آسمان است  
 اسی خاک بر آن کہ خاک نبود بر خاک درت ہلاک نبود  
 جانب مغرب

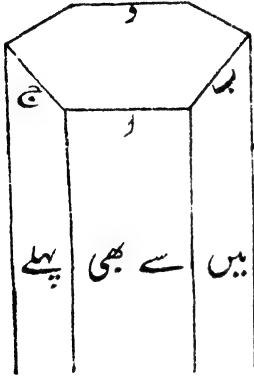
این گنبد باشکوہ نامی کہ قدر شد آسمان با فیض  
 چون بود محل فیض از ان رو تاریخ شدش مکان با فیض  
 میر معصوم کے خاندان کا گور خانہ

یہ عمارت جو شمن گنبدی کے متصل ہے تمام پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ درمیان  
 میں قبریں ہیں۔ میر صفائی، میر معصوم اور میر ابو القاسم کی قبروں پر قبے ہیں۔ اور  
 قبول کے اندر اور قبروں کے اوپر کتبے لکھے ہیں۔ درمیانی قبہ دار حصے کے اطراف  
 میں سنگین ستونوں پر برآمدہ قائم ہے۔ ان ستونوں پر بھی کتبے ہیں۔ اس عمارت کا  
 تقریبی خاکہ ذیل کے نقشے سے سمجھ میں آئے گا گول دائرے ستونوں کو ظاہر کرتے  
 ہیں۔ قبریں درمیان میں ہیں :-



شمال

قبروں کے اطراف کے درمیانی آٹھ ستونوں کو چھوڑ کر باقی ہر ستون کے چار طرف کتبے لکھے ہیں۔ ویکھو ذیل کے خاکے میں ا، ب، ج اور د :



میر صفائی اور میر معصوم کی قبروں کا پتھر سنگ کھٹو ہے۔  
اس گورخانہ کے تمام عربی اور فارسی کتبوں کا خط نستعلیق ہے  
**ستونوں کے کتبے**

میں نے صرف جنوبی ستونوں کے کتبوں کو نقل کیا۔ ان  
ستون کے صرف دو کتبے نقل ہوئے۔ ہر نئی سطر کو گھڑی لکیر سے  
نظا ہر کیا گیا ہے۔  
ستون ۱

الناس علی اربعۃ اقسام | الاول سعید | فی الحال والمآل یعنی | عیش مومن و بیوت |  
مومن و الثانی شقی | فی الحال والمآل یعنی عیش | کافر و بیوت کافر | و الثالث شقی فی  
الحال | سعید فی المآل یعنی عیش | کافر و بیوت مومن | و الرابع سعید فی الحال | شقی فی  
المآل یعنی عیش | مومن و بیوت کافر |

جانب د : سالت الدار اشبرنی عن الاحباب ما فعلوا  
فقلت لی اقام القوم ایا ما ومنہم رعلوا  
فقلت [فقلنا] ابن اطلبہم وای منازل نزلوا  
فقلت فنوا فی القبور [والصواب : فی القبور فنوا] لقوا واللہ اعلموا  
ستون ۲

جانب ا ، وعن بعض الحكماء | الدنيا دار دوایر یا | دایرة و ذخایر یا بایرة | لذتها  
فانیة و طاعتها | باقیة حاصلها فوت | و آخرها موت غناء یا | فقر و قصر یا قبر اصلها |  
سم و ما لها ضم فاحذر و اذکذا | حتی اذا جاءکم | الموت | لہ .....  
لہ افسوس ہے کہ اس کے بعد کے فقر نقل ہونے سے رہ گئے،

وعن سليمان داراني (كذا) | اصل كل خير في الدنيا | والآخرة الخوف و | مفتاح  
الدنيا الشيع | ومفتاح الآخرة المجموع

### جانب ب

وعن حاتم الهم | رحمة المد عليه | امان صباح | الا وليقول | الشيطان لي | انا كل  
وما تلبس و | اين تسكن | انا قول له | اكل الموت و | ليس الكفن و | اسكن القبرا و  
عن ابي بحر الصديقي | ارضى الدعته عز الدنيا | بالمال وعز الآخرة | بالا عمل

### جانب ج

وعن سفيان | الثوري | انه قال | كل مصيئة في | الشهوة فانه يرجي | غفرانها وكل |  
مصيئة في الكبر | فانه لا يرجي غفرانها | الان | والصواب | الا | ان مصيئة | ابليس كان  
من الكبر و | مصيئة آدم | كان اصلها | من الشهوة ،

### جانب د

وعن بعض العباد | انه قال | في المناجات : الهي | طول الامل غرني | وحب الدنيا  
الكني | والشيطان الرجيم اضلني | والنفس الامارة عن الحق منعي | (و) قرن السوء على  
المصيئة اعانني | فاعثني يا غياث المستغِيثين | فان لم تضل فمن ذا الذي يرشني | و  
عن بعض الحكماء من اذنب | ذنبا وهو يضيحك فوالله | اذا كان يوم القيمة يدخل | النار  
وهو يبكي ومن | اطاع الله وهو يبكي فوالله | يدخل الجنة وهو يضحك

### ستون ٣ : جانب د

وعن علي رضي الله عنه | من اشتاق الى الجنة | ساع الى الخيرات | ومن اشتق عن  
النار | انتهى عن الشهوات | ومن تفكر (كذا) الموت نهى | عن اللذات و | من عرف  
الدنيا | اهنت عليه المصيبات | بعض (كذا) الحكماء | لا تحقرن الذنوب | الصغائر فانها |  
تتشعب منها | الذنوب الكبار ،

### جانب ب

ومن عثمان | ابن عفان | رضی اللہ عنہ | حم الدنیا | ظلمتہ فی القلب | وحم الآخرة |  
نورا | کذا | فی القلب | وعن یحیی | ابن معاذ | الرازی | انہ قال ما | عصی اللہ | کریم و ما |  
آثر الدنیا | علی الآخرة | حکیم

### جانب ج

ومن علی | رضی اللہ عنہ | کن عند اللہ | خیر الناس و | و رکذ الکمر را | کن عند انفسک |  
شر الناس | و کن عند الناس | احد من الناس

### جانب د

ومن علی رضی اللہ عنہ | ان من نعیم الدنیا | کیفیک | الاسلام نعمتہ و ان من | اشغل |  
کیفیک الطاعة | اشغل و ان من العبرة | کیفیک الموت عبرة | وعن الاعمش رضی |  
اللہ عنہ من کان راس | ماله التقوی کلت اللسان | عن وصف ربح دینہ | و من کان |  
راس ماله الدنیا | کلت اللسان عن | وصف خسران دینہ

### ستون ۴: جانب ۱

ومن ابراہیم | النخعی | رحمۃ اللہ علیہ | انہ قال | انما | اهلك من | اهلك من | قبلکم بثلاثة | اشیا |  
بفضل الكلام | وفضل الطعام | وفضل المنام | قال علیہ السلام | من دخل القبرا |  
بغیر زاد فکانما | ركب البحر بلا سفینة

### جانب ب

ومن جن | البصری رحمۃ | اللہ علیہ من لا | ادب له لا علم له | و من لا صبر له | لا دین له | و لا |  
ورع له | لا زلفی له | و قال علیہ السلام | المقرب بالتقصیر | محدود | الاقرار بالتقصیر | علامتہ |

### جانب ج

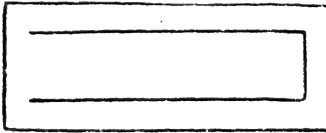
ومن بعض | الحكماء | طوبی لمن | اکان غفله | امیرا و هواہ السر [سیرا] | و الویل |

لمن کان عقله اسیرا | و هو اہ | امیرا | اری طالب | الدنیا و ان طال عمره | قال  
من | الدنیا سرور | اد | و الصواب : و | انما کبان | [بنی] بنیانہ فائزہ | ... نوی  
ماقدینا (و) تہدا

جانب د

عزیزی را گفتند | دلہامی ما خفتہ | است و سخن تو | در و اثر نمی کند | بکنیم گفت  
کاشکی کہ (کذا) خفتہ | بودی کہ چون خفتہ | را بخیبانی بیدار | شود دلہامی شما | مردہ است  
ہر | چند می بخیبانی | بیدار نمی شود | قال علیہ السلام | خصلتان لاشئ | افضل منہما  
الایمان | بالمد و النفع للسلبین

## میر صفائی والد میر معصوم کی قبر کے کتبے

یہ قبر میر معصوم کی قبر کے پاس مغربی جانب پر ہے، قبر کے ہر طرف کتبہ لکھا ہے۔  
جو خط نستعلیق میں ہے۔ درمیان میں خطوط سے مستطیل بنا کر، پھر اس مستطیل کے  
چار طرف اس طرح ہے :  جہاں خاتمہ سطر میں  
نے ضبط کیا ہے۔ اس کو  
سے ظاہر کیا ہے

جانب جنوب درمیان میں :

ماہ قرشی سید صفایی کافر اشت فلک لوای نورش  
ناگاہ ازین جہانگہ سیر اقتاد بآن جہان عبورش  
نامی ز برای سال تاریخ گفتا پر نور باد گورش  
درمیانی کتبے کے گرد اگر دچار طرف مسلسل کر کے لکھا ہے :-

اے آمدہ بر سر مزارم از آمدنت امیدوارم

سے پیشتر ہیں :- اری طالب الدنیا و ان طال عمره - و قال من الدنیا سرور | اد | انما کبان [بنی] بنیانہ فائزہ ... نوی ماقدینا و تہدا، چوتھے مصرعہ سے فعلین کے برابر ایک لفظ  
مٹ گیا ہے۔

حسرت زدہ ام بچناک ماندہ      افتادہ درین معناک ماندہ  
یک فاتحہ بخوان باخلاص      تاحق کنت بمغفرت خاص  
جانب شمال : درمیان میں :-

نشہ ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد | یحییٰ ویمیت  
وہو حی لا یموت | بیدہ الخیر وہو علی کل شیء قدیر

درمیانی کتبہ کے چار طرف :- من زار قبر اقبال اللہم انی اسالک بحق محمد و  
آل محمد ان لا تعذب هذا المیت رفع العذاب عنہ الی یوم القیام |  
بسم اللہ وباللہ وعلی ملتہ رسول اللہ | من قرء علی قبر رفع العذاب عنہ اربعین سنۃ  
اوپر کی جانب درمیان میں : یا اللہ | لا الہ الا اللہ | محمد الرسول اللہ | بسم اللہ الرحمن  
الرحیم الحمد للہ رب العالمین تا المفلحون  
جنوب مشرقی کنارہ :- اللہ لا الہ الا اللہ | تا العظیم  
شمال مغربی کنارہ :- آمین الرسول | تا کما حملة  
جانب مشرق :- کنارہ پر اوپر کی جانب کا کتبہ یوں ختم کیا ہے :-

علی الذین من قبلنا ..... الکافرین یا حی یا قیوم برحمتک استغیث || اللہ  
الذی لا الہ الا اللہ | تا الشہادۃ | اللہ الرحمن الرحیم | تا اسماء الحسنی | سبح لہ | ما فی السموات  
تا الحکیم  
درمیان میں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا یرہ ، بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اللہ الخ ،

جانب مغرب

درمیان میں : بسم اللہ الرحمن الرحیم | اللہم النکاتہ تا النعیم ، بسم اللہ  
الرحمن الرحیم اذا جاء نصر اللہ تا قواہا ،  
کناروں پر : بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اعوذ برب الناس تا والناس | بسم اللہ الخ

قل یا ایہا الکافرون | لا اعبد تا ولی دین قل اعوذ ب اللہ من شر النفات  
تا حد

اس قبر کے بنیادی پتھر (Plinth) پر چار طرف ابیات ذیل کندہ ہیں:-

مغرب	اے آمدہ بر مزار نامی	وز آمدنت شدہ گرامی
	چون آمدہ زیارتی کن	از فاتحہ یک اشادتی کن
	از مر حلہ جان غمناک	شد منزل ما سراچہ خاک
	رحمی رحمی کہ بس غم و بیم	از عیش زمانہ بی نصیبم
مشرق: جان قاصد راہ آن جهان است		اینجا دوسہ روز میمان است
	ہمپایہی شعلہ کن برفتار	ہمگامی برق کن شر و وار
	سنگی کہ نہ سادہ بر مزار است	سرتاسر ش از عشم نگار است
	بشگافی اگر درون این سنگ	گر سنگ بود دلت شود تنگ
شمال: این راہ بود دراز و تاریک		وین حسانہ گور تنگ و تاریک
جنوب:-	محتاج لطیفہ دعائیم	گو فاتحہ کہ بی نوائیم

میر صفائی کی قبر کے گنبد اور ستونوں کے درمیان کا کتبہ

گنبد ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں اور گنبد کے درمیان پتھر کی سلیں ہیں جن پر ذیل کے کتبے ہیں، از ترتیب یہ ہے کہ شمال کی جانب اوپر کے پتھر پر سہ از نیک و بد زمانہ الخ لکھا ہے۔ پھر اس کے نیچے سہ بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد لکھا ہے، علی ہذا القیاس ہیں نے ان قطعہ اور رباعیوں کو یکجا کر کے لکھا ہے:

اول جنوب: چون دلتی حاصل دنیا را	امروز بگیر تو شہ سر دارا
مشرق: فردات چو امروز ہی دست دہد	ز نہار بفسر و مشکن سودا را
شمال: از نیک و بد زمانہ پرہیز و برو	زین کنہہ رباط پر خطر خیز و برو

مغرب۔ چون کار زمانہ سر بسود و سراسر  
دستی رہے سر خود نہ بگریز و برو  
(ب) جنوب۔ بیا نائی دمی از مرگ کن یاد  
شمال۔ بکن در مقام خود نوحہ بنیاد

مغرب۔ بیا تائیک نفس بر خود لمویم خدا رحمت کناد خود بگمہ تیمم  
شرق۔ قرین مغفرت باد آشنایی کہ گوید بعد ما بر باد عیسی  
میر معصوم مختلص بہ نامی کی قبر کے قتبہ

پائین مبد معصوم آن بہ برج شرف آفتاب شرع و دین فخر زمین  
روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت عازم جنت بامر ذوالمنن  
سال و تثن از خود جستم بگفت بود نامی صاحب ملک سخن

مادہ تاریخ سے ۱۰۱۴ء حاصل ہوتے ہیں مگر روز روشن ص ۶۸۰ پر بودہ الحجہ بجای  
بود الحجہ ہے جس سے ۱۰۱۹ء تاریخ نکلتی ہے۔ مادہ الامر این ہے کہ میر معصوم کو ۱۰۱۵ء  
میں امین الملک بنا کر بھکر بھیجا گیا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ میں نے بود بجائے  
بودہ غلط لکھا ہے۔ اور غالباً روز روشن کا مادہ تاریخ صحیح ہے،

قبر کے اوپر کی جانب کا قتبہ: در میان میں :- بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین تا  
الضالین، الم تمنا المفلحون،

گرداگرد: اللہ  
جانب مشرق: کنارہ: اصراتا کافرین: یا حی یا قیوم بر جنتک استغیث | اھو اللہ الذی  
لالہ اللہ

در میان میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم اذ از زلزلت تا شرایرہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم  
قل ہو اللہ احد النعم

جانب مغرب: قل اعوذ برب الناس تا والناس، بسم اللہ النعم اللہم انکافرتنا، نعیم،





(۳) نی گل برخ باد صبا می خندد      نی فی همه بر غفلت مای خندد  
گویم گویم که او چپ را می خندد      بر یک دم عمر بیوفای خندد  
از تفرقه و دهر اگر رستی بیج      در جای شدت بلند و رستی بیج  
چون آخر کار بایدت خاک شدن      دایستی بیج و رندانیستی بیج  
(۴) الذنب لانیسی والبر لیلی الیدیان لایموت فکن کما شیت فکما تین تدان  
الدنیا لایبس مزرعه واحلها له حراش پیر بیج سر نخمن زیدان نموت حتی نتوب  
و نحن لانتوب حتی نموت قبل الفقر ملک لیس فیہ محاسبه

(۵) نامی که ز دست دهر ورتاب شده      پژمرده گلیمت از رخس آب شده  
زود است که بنگری توان غمزه را      آسوده بزیر خاک و در آب شده  
جو غم دل اهل در و خندان که کند      جز ناله دوا می مستندان که کند  
جز گریه نوازش حزینان که کند      جاروب مزار خاکساران (کذا) کند  
(۶) در دهر اگر گدا گر محتشم است      آخر همه را روی بسوی عدم است  
عمر تو اگر بیش بود کم ز کم است      زیرا که چونیک بنگری یکدم است  
روزی که دلم ز دهر نوسید شود      جان نیز بسر منزل جاوید شود  
ذرات وجودم که بهر ش شده خاک      کمتر ذره ازو چو خورشید شود  
(۷) مثل الدنیا مثل الحیة لین مسها قتل سهما

مانده بودیم درین باغ بگشت      چون ابر روی سبز و چون باد بگشت  
چون زر گس پر شمار ناگاه از خراب      تا چشم کشا ویم ز هم عمر گشت  
مان نامی مان بخویش یکدم پرواز      مردانه باز تو شع رفتن ساز  
واری در پیش بس ره دور و دراز      ای کاش امید آمدن بودی باز  
(۸) در موسم گل چمن رخ آتش گون کرد      دل دیده بیا دوستان پرخون کرد

سبزہ نبود بختاک ما غمزدگان غم سبز شد وز خاک سر بیرون کرد  
 این اہل قبور بین بخواب اندہمہ آسودہ ز دادن جواب اندہمہ  
 از نشاہ جام واپسین تا دم حشر در زیزین مست خراب اندہمہ  
 نامی من ازین دیر پشیان رفتم ناپجیدہ گل ازین گلستان رفتم  
 بودم دو ہزار آرد و در دل بیش ناکردہ یکی از ان بسامان رفتم  
 (۹) ای آنکہ جهان گرفتہ خوش بختار دانی کہ ترا بوقت کار آید کار  
 گر ملک جش داری و در ملک تبار با خود نبری ہیچ بغیر از کردار  
 ماقصہ گفتیم کلام آخر شد حرفی نوشتیم پیام آخر شد  
 صبح طربم نانشہ شام آخر شد چون نوبت ما رسید جام آخر شد  
 زد شیشہ چرخ سنگ بر ساغر ما خون شد چو انار دانہ دل در بر ما  
 گردی نشتہ بود بر افسر ما اکنون بنگر خاک سیہ بر سر ما

(۱۰) <sup>بسم اللہ الرحمن الرحیم</sup> الناس نیام فاذا ماتوا انبہوا لا یفیع النجیح من التوبۃ فی بلع الدنیا بالآخرۃ  
 ترجمہ: بقیۃ العمر لاقیمۃ لہا فی تدارک فی آخر العمر ما فاتک فی اولہ فی طرف بزرگ  
 الذنوب فی ثواب الآخرۃ خیر من نعیم الدنیا فی خوف الدنیا من غیرہ (کذا) فی مخالف نفسک  
 قس طرح فی قیل ای عیش یطیب و لیس للموت طیب رہیجی کسیں من تامل ان لعیش  
 خدا فانه تامل ان لعیش ابد

قبر میر معصوم کا کتبہ ختم ہوا، قبرہ اور ستونوں کے درمیان پتھر کی چار سلیں ہیں  
 ان سلوں کے اوپر اور سلوں سے ہشت پہلو شکل بنا کر قبرہ اس پر قائم کیا گیا ہے اوپر  
 اور نیچے کی سلوں پر فارسی اشعار کندہ ہیں، نیچے کی سلوں پر چار طرف ۵ اشعار ہیں۔  
 جن میں سے جانب شمال و جنوب کے شعر درج ذیل ہیں:-

شللا، اسیر سید فاضل محمد معصوم بروی کوہ بنا کر دمنزی بشکوہ

عجب خستہ مقامی کہ خلق می آئند  
چو از دیر خرد سال این بنا جستم  
جنوب - نامی ز گنہ روی سیاہ آورده  
گویند بعاصیان بود مغفرتت  
پی زیارتش از ہر طرف گروہ گروہ  
قلم گرفت و رقم زد عمارت سر کوہ  
وز کردہ خود یا تو پستہ آورده  
تو غفاری دمن گستہ آورده

نامی بکشا چشم بصیرت در یاب  
بیا د زمانہ آنچو نقشی است بر آب  
باتو گویم کہ حاصل دنیا چیست  
بیداری یک زبان و باقی ہمہ خواب  
میر ابو القاسم کی قبر کے کتبے

میر معصوم اور اُن کے والد کی قبروں کے قبول کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان سے  
شرق کی جانب ایک تیسرا قبہ ہے اُن دونوں سے پست تر ہے۔ اس کے نیچے ایک  
قبر ہے۔ جس پر جانب جنوب ذیل کا کتبہ درج ہے :-

چو شد میر ابو القاسم نیک راسی  
سوی دار عقبی ز دار فنا  
چو نامی طلب کرد تاریخ اد  
خرد گفت رفتا (کذا) بدار بقا  
اس قبہ کے نیچے اور ستونوں کے اوپر ذیل کے اشعار کندہ ہیں :-  
رقیم چو از میان یاران رحمی  
بر حال خراب دل نکاران رحمی  
چون خاک شدیم خاک مآشت غبار  
رحمی رحمی بن خاکاران رحمی  
شادی زمانہ جز غمی بیش نبود  
دین عمر گر انما یہ دمی بیش نبود  
سودای بتان جز المی بیش نبود  
خونائہ دیدہ جز زخمی بیش نبود

چون خاک شود ز غم وجود پاکت  
وز حادثہ بر باد دہد افلاکت  
جز سبزہ کسی سر نکشد بر گورت  
جز باد کسی پانہ نہسد بر خاکت

تراگر آسمان منزل نشین است ہم آخر جای تو زیرین است  
 او پر مذکور ہوا کہ قبہ قبروں کے اوپر ہیں، ان قبوں کے اطراف میں برآمدہ ہے  
 (دیکھو خاکہ) اس برآمدہ میں آٹھ سنگین چھتیں شامل ہیں، جو ستونوں پر کھڑی ہیں  
 ستونوں کے اوپر اور چھتوں کے نیچے پتھر کی سلوں پر  $۸ \times ۴ = ۳۲$  شعر کندہ ہیں  
 جو یہاں درج نہیں ہوئے،

## خطاطی کے نمونے

پانچویں صدی سے دسویں صدی ہجری تک کے نمونے جو اس رسالے میں شائع کئے جا رہے  
 ہیں ان سے غرض یہ ہے کہ ارتقا سے خط عربی کے مدارج معلوم ہو سکیں اور مختلف ادوار کی خصوصیات  
 خطی کا غائر نگاہ سے مطالعہ کیا جاسکے اور اس مطالعہ سے ایسے نسخوں کی نسبت جن پر تاریخ کتابت  
 ثبت نہ کی گئی ہو صحیح قیاس کی بنیاد قائم ہو سکے اس مطلب کے لئے متعدد کتاب خانوں کے بہت سے  
 نسخوں کو دیکھ دیکھ کر چند مستند نسخوں کو نمونوں کے لئے منتخب کیا گیا جن اصحاب نے اپنے نسخے مستعلاً  
 دیئے انہوں نے علم و فن کی خدمت کی اور ہم کو شکر گزار ہی کامو تھے دیا، ذیل میں ان نسخوں کے متعلق  
 بعض اشارے درج کئے جاتے ہیں اگر میرزا کا نواس سلسلے میں انشاء اللہ اور بھی عکس شائع کئے جائیں گے

### پانچویں صدی ہجری

۱۔ کتاب المدونۃ الکبریٰ، لاملام مالک بن انس الامویؒ ربروایت امام بخاریؒ کے ۱۱۹ اور اق  
 خط کو فی میں رق پر لکھے ہوئے حافظ محمود شیرانی صاحب کے کتاب خانے میں ہیں اور کتاب الضیق  
 الثانی من المدونۃ مشتمل ہیں، جس حصے کا عکس شائع ہوا ہے وہ نسخہ مذکورہ کے خاتمہ کی عبارت  
 ہے اور مطبع خیریت قاہرہ کی طبع ۱۳۲۷ھ کی ج ۲ ص ۴۰۲ تا ۲۶۳ کے مطابق ہے۔

### پانچویں (۹) اور چھٹی صدی

۲۔ المختصر من کتاب الوقت، نسخہ ۲۲۷ھ میں لکھا گیا، اور کو فی خط کے آخری دور سے تعلق رکھتا ہے اس میں  
 کو فی کے کچھ اثرات باقی ہیں مگر نسخی کی خصوصیات غالب ہیں۔ اول الذکورین کتب الناس وغیرہ میں اف کی درازی مختصر  
 کی خ اور لا (جو کو بیٹہ لکھا گیا ہے) شامل ہیں، اول نسخہ کی تفسیر  $۹ \times ۶ \frac{1}{2}$  انچ چار وکس کی  $۶ \times ۶ \frac{1}{2}$  انچ

۳۔ کتاب مذکور کی جلد بھی قدیم اور تحریر کتاب کے ساتھ عام معلوم ہوتی ہے باریک چمڑے کے اندر کی جانب پرانے ردی کاغذ لگا کر اس کو دب زبنا نے کے لئے ان اوراق کو گوند سے باہم چپکایا گیا ہے گوند چمڑا نے اور ورق علیحدہ علیحدہ کر نیسے معلوم ہوا کہ غصری کی واثق و عذر کے متفرق اوراق ہیں۔ یہ موضوع زیر مطالعہ ہے اور اسکے نتائج انشاء اللہ الگ شائع کئے جائینگے، قیاس ہے کہ یہ خطحدود ۷۵۰ء کا ہے یہ کتاب اس وقت میرے کتاب خانہ میں ہے،

۴۔ مقتب لیل والنحل للشہرستانی، یہ نسخہ عبد المجیب جیلی نے ۱۰۹۹ھ میں ایک ایسے نسخہ سے نقل کیا جس کا مقابلہ مصنف کے نسخہ سے کیا گیا تھا، ۲۰۹ ورق ختم ہوا ہے، تقطیع  $9 \frac{1}{2} \times 6 \frac{1}{2}$  انچ، سطروں ۱۹، ورق ۹۷، کاپی پہلی اسطروں کا عکس لیا گیا ہے، یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتابخانے میں ہے،

### ساتویں صدی

۵۔ الصالح للبحرہری (م۔ ۳۹۳) یہ نسخہ صحاح کی آخری جلد ہے اس کا آغاز باب الغبن کی فصل لصاد و ماہ صیغ سے ہوتا ہے اور ۲۸۸ ورق و ۹۸۸۸ کاتب اصل کے سوا کسی اور نے لکھے ہیں عکس میں ورق ۲۹۹ و ۱۳ تا ۱۲۳ اور ورق ۳۱۸ کی آخری سطر شامل ہیں۔ یہ نسخہ کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی صاحب میں ہے،

۶۔ تحفۃ الاریب من تاریخ الخطیب تاریخ بعد از مصنف بن الخطیب (م۔ ۴۶۳) کا یہ انتخاب امام عبداللہ بن عبد العزیز بن ابی القاسم بن عثمان بن عبد الوہاب بغدادی معروف بابا مری زبیل دمشق نے مرتب کیا، امام عبدالعزیز نے تاریخ مذکور کی حاشیہ اپنے اسناد قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحیم بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامتہ المقدسی سے لی جس میں ۳۳۱ قوت ہوئے (پر اکمل ۱: ۲۹۹) کتاب کے سرورق کی پہلی چند سطروں اور ورق ۲ کا عکس دیا گیا ہے یہ نسخہ الحسن بن محمد البوسنی الشافعی (م۔ ۱۰۲۴) کے قبضہ میں بھی رہ چکا ہے، ان کے دستخط کتاب کے نام کے اوپر درج ہیں دیکھئے عکس، اصل کی قطع

### ۸۷۰ھ انچ ہے، آٹھویں صدی

۷۔ ادب الخیص مجمع الآداب فی معجم الانقلاب، لابن الفوطی (م۔ ۴۳۰) اس کتاب کا مفعول اور نہایت دلچسپ طرز و خیال سے فیروز میر محمد تقی نے ۱۰۳۵ھ میں اسی رسالہ میں دیا ہے وہاں دیکھئے یہ نسخہ خط مصنف ہے اور عکس اسکے ورق ۱۲ و ۱۳ کا ہے پہلے صفحہ پر ہر شخص کا لقب نام نسب وغیرہ دیا ہے اور دوسرے پر اس کا حال،

۸۔ کتاب الکفایۃ فی شرح الہدایۃ، حدایہ مرغینانی (م۔ ۵۹۳) کی ذیل میں حاجی خلیفہ (۲: ۶۴۹) نے لکھا ہے: قيل ان الکفایۃ شرح الہدایۃ لمحمد بن عبید بن محمود ذناج الشریقی مولف الوقایہ اس نسخہ

میں جس کو محمد بن محمود و امغانی نے ۸۲۷ھ میں بخارا میں لکھا ۹، ورق ہیں، عکس  
ص ۵، ب س، ا تا ۳۱ اور ص ۹، ب صفحہ آخر ص ۹ تا ۲۳ شامل ہیں، شروع و حواشی کے خط  
کا یہ اچھا نمونہ ہے، از کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی،

۹ صحیح مسلم نصف اول، اس نسخہ کے اخیر میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاسم نے خود ۸۹۰ھ  
میں اجازت نامہ لکھا ہے اس وقت وہ شیراز میں ٹھہرے ہوئے تھے، اور اس تقریب کے لئے مجلس شام حدیث منتقد کی کتاب  
آخر میں ان لوگوں کی مصدقہ فرست ہے جو مجالس میں شامل ہوئے، یہ فرست غالباً کتاب کے قلم سے  
ہے، تقطیع ص ۱ × ۶ ۱/۵، انچ، افسوس ہے کہ عکس میں ۸۹ کی بجائے ۸۹۰ چھپ گیا ہے،

### نویں صدی

۱۰ صحاح جو مری کا یہ نسخہ بھی جو شیراز کے نواح میں لکھا گیا شیرانی صاحب کے کتابخانہ سے لیا گیا، یہ نسخہ جلد  
ثانی پر مشتمل ہے، ورق ۲۲۳ ہیں عکس ص ۱۱۹ سے لیا گیا ہے جس میں مادہ جعفر کا آخری حصہ آیا ہے،

۱۱ کتاب المسایرة فی العقائد لابن الہمام، یہ نفیس نسخہ جو بظاہر شام میں لکھا گیا صحاح جو مری کی طرح نصف میں  
تحریر ہوا لیکن ایرانی اور عربی خط کا فرق ملاحظہ ہو اس نسخہ کے اخیر میں علامہ قاسم بن تطلوبغا الجعفی کا تصدیق  
مورخہ ۸۵۵ھ موجود ہے، انہوں نے جس نسخہ کو مصنف سے سنا تھا یہ نسخہ اس کی نقل ہے، علامہ قاسم نے متعابلاً  
تبصیح اس نسخہ کی کرائی اور اسی کی تصدیق کی ہے،

۱۱۲ شرح ہدایۃ الحکمہ یہ نسخہ ۸۸۳ھ میں بلخ میں از بلاد خراسان میں نقل ہوا، ورق ۴۵، سطور ۲۱، تقطیع ۵ × ۵ انچ  
عکس آخری ورق کی پہلی ۸ سطور کا ہے۔ یہ کتاب بھی شیرانی صاحب کے کتابخانہ کی ہے

۱۱۳ باب رسول اللہ ﷺ مجازی، مجازی کا مفصل حال ماہی ۱۹۳۳ء میں اس بیگزین میں شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھیں یہ نسخہ  
مصنف کے اصل سے بظاہر مصر یا شام میں نقل ہوا اصل کی تقطیع ۵ ۱/۲ × ۲ ۱/۲، انچ ہے عکس میں آخری صفحہ کی ۸ سطور میں سے

مرتبہ الی گئی ہیں۔ دسویں صدی

۱۳ حاشیہ غیاث الدین بربری علی منطق عشق کا حال معلوم نہیں اصل کی تقطیع ۵ ۱/۲ × ۵ ۱/۲، انچ، ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں آخری صفحہ

کی پہلی ۱۱ سطور کا عکس لیا گیا ہے،  
منہج التبع یہ کتاب بھی بخط مصنف ہے جس کا حال کشف الظنون ج ۱ ص ۳۰ پر ملاحظہ ہو مصنف کا نام جلال الدین  
بن کھب الدین المعروف بالمجیدی البغوی ہے اصل کے ۲۰۲ ورق ہیں تقطیع ۴ ۱/۲ × ۶ ۱/۲، سطور ۲۳، عکس ص ۱۲۹ کی  
پہلی ۸ سطور کا ہے۔

ایڈیٹر

له فكله فهو له العروة التي تسمى له او اسماؤها او احد حظ  
 وهو المدعي ولا يتغيره ولا يورثه ولا يورثه المدعي له  
 عليه ان يثبت او لا من عهده ولا عهده لغيره انما كان  
 يكون في العروة في عهده لا يورثه الا في العروة التي  
 يملكها ملكا والعروة لا تكون الا ما له الا لو كان له  
 وله عهده وانما كان العروة له ما لا يملكها له  
 لو سجدوا بها للزوج في دونه تملكها منه مستوفى  
 منه المدعي انما له تملكها منه عسره اسره وانما له  
 اعني ان كان العروة له في العروة التي تملكها له  
 كمل في العروة التي تملكها من العروة التي تملكها له  
 انما عسره وانما له عهده عهده من العروة التي تملكها له





عن محمد بن بك حسن • وفي الخفش وعيونه الوقف  
السورة لسورة تكتب لسم الله الرحمن الرحيم  
ب • وما طسب احسن • قول ابي حاتم وعينه •  
وكذلك ذات لهب • وقال ابو بكر ذات لهب وامراته  
حسن • هو قول عبي بن عمرو ولا خفش وايضا وعينه •  
وقال قوم الخطيب وقال اخرون من مسند • سورة  
الاخلاص بسم الله الرحمن الرحيم • قل هو الله احد •  
قوله بن العلاء جماعة • وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد •  
الله الصمد • ولم يكن له كفوا احد • وقال لا خفش •  
وابو بكر الوقف آخر السورة لانه امره ان يقول ذلك كله  
سورة الفلق بسم الله الرحمن الرحيم قالوا  
الوقف آخر السورة سورة الناس  
بسم الله الرحمن الرحيم والناس آخر السورة  
واسه اعلم بجميع ذلك ثم الكتاب المختصر  
من كتاب الوقف محمد بن عتيق • ووقفه صلى الله عليه  
عليه وسلم وكسه عبد الله بن علي احمد بن محمد  
ح • الحزير النجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسر  
وقفه الله العلم والادب برحمته يا ارحم الراحمين  
في انتصاف من شهر رمضان سنة ست عشرين وخمسين

صه محمد ركب حسن و فم الخفش و غيره الوقف  
 والسورة مسورة ثلث لسم الله الرحمن الرحيم  
 بت وما طسب احسن قول ابي حاتم و غيره  
 وكذلك ذات لهب وقال ابو بكر ذات لهب وامراته  
 حسن وهو قول عيسى بن عمرو ولا خفش وايضا و غيره  
 وقال قوم الخطيب وقال آخرون من مسند مسورة  
 الا خلاص لسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد فدا ابي  
 عمرو بن العلاء و جماعة و روي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد  
 الله الصمد ولم يكن له طفوا احد وقال لا خفش و ابو حاتم  
 و ابو بكر الوقف آخر السورة لانه امره ان يقول ذلك كله  
 سورة الفلق لسم الله الرحمن الرحيم قالوا  
 الوقف آخر السورة سورة الناس  
 لسم الله الرحمن الرحيم والناس آخر السورة  
 والله اعلم بجميع ذلك ثم الكتاب المختصر  
 من كتاب الوقف محمد الله و توفيقه و صلى الله على محمد  
 و آله اجمعين و كسه عبد الله بن علي احمد خط من حجت  
 ح العزيز الجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسر  
 رحمه الله العلم و الادب برحمته بالارجم الراحمين  
 في المنتصف من شهر رمضان سنة ست و عشرين و خمس

و طر هرج رفتی بیار	جهان خیره مانده ز دیدار اوی
خوار خردمند مادرش را کرده بود	بدر نین دیگر ز فی کرده بود
دی بد کنش معشوقه بستم	نبودش می جریه بیع کام
ز یاد اگر خون من رو شست	میامین با او که امیر ماست
دلش با پدر کرده بود در رفت	منم تخ تو یزداد به امست
هر از مرد کورفت بر ای زن	تکو میوه با شده این زار
برای زن اندر زن سود نیست	اضرائش بایده خرد و نیست
برای زن اندر زن سود نیست	کارالش نماید خرد و نیست
داد به هر و را این دست طاه	بنیکر که در سوید او نگاه

هنگامی که شد دل بد و بد	جو بخش بد و بد
بیاورم کار دل دو حنه	برافتن نه و نه
به بیرین مانده کردند نیز	کر نمود این شد شمن با نیز
کر بینده با سستی کاروش	کر به وقت به سستی کاروش
همان که با او بگویند بخند	جویند با او و نه
رحمت او بد توان رسنا	نه بد به هیچ بیوسنا
خوار از و امن بعد را وسید	یکو نیم مهر از دلش بدید
چه خواست از سیم تن سردین	کباد دل را پیش بودیم سوز
بانه بدان تا اندازد ر	کر او دست کرد از در هم



على هذا العالم وتحت إليه أبواب المشاعر مما يلي ذلك العالم وهما مثلثة أعضاؤها ثلث  
 لا بد منها المبعدة التي تميز الطيب بالغيث والزينة التي تميز القلب بترويح الهواء والبرق  
 التي تميز الدماغ بالحرارة فإذا التركيب الإنساني استوفى التراكيب فإن منها جميع انوار العلم  
 الجسماني والروحاني وترتيب القوى فيه أكمل التراكيب فهو مجمع انوار المعرفة والعلم  
 فكل ما هو في العالم منتشئ فيه مجتمع وكل ما هو فيه يدخل في الاجتماع وليس للعقل البتة  
 لأن الاجتماع والتراكيب خاصة لا توجد في حال الاقل في حال الاقل والاعين فيه  
 حال السكر والحل وحال السكينة وكذا الحكم في كل راج هذا وجه تركيب البدن  
 وترتيب القوى الخاصة به أما وجه اتصال النفس وترتيب القوى الخاصة  
 بها بما يلي هذا العالم ومما يلي ذلك العالم **فصل** في النفس الإنسانية جوهر هو  
 اصل القوى المحركة والمدركة والحاوية للراح في مركب الشجر والادراك في جهات  
 مثيله الطبيعي وتصرف واجزائه ثم في جلته ويحفظ مزاجه عن الاخلال ويدرك



الْأَخْشَ لَا تُصَرَفُ لِأَنَّهُ مَثَلُ عَمْدٍ وَحَيَّ الْبَحْيِيَّةُ الْمَيْلُ وَمِنْهُ قَوْلُ جَدِّهِ  
 كَأَكْوَرِ بَحْيِيٍّ أَيْ مَا يَلَا لَأَنَّهُ إِذَا مَا لَ انْصَبَّ مَا فِيهِ وَأَنْشَدَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَفَى  
 سَوَاءً أَنْ لَا تَزَالَ بَحْيِيَّةً وَحَيَّ الشَّيْخُ أَيْ الْبَحْيِيَّ وَقَالَ هُوَ لَا خَيْرَ فِي  
 الشَّيْخِ إِذَا مَا بَحْيِيَّةً وَيُرْوَى أَجْلَخْنَا فِي الْجَدِيدِ أَنَّهُ حَيَّ فِي سَجُودِهِ أَيْ هُوَ وَمَنْ  
 ضَبَّحَهُ وَتَجَاوَى عَنِ الْأَرْضِ جَدِي الْجَدِيدُ بِشَيْئَيْنِ الدَّلَالَةِ شَيْءٌ مَجْشُوعٌ  
 وَفَتَى الشَّرِجِ وَالرَّجُلِ وَهُمَا جَدِيَّتَانِ وَالْمَجْمُوعُ جَدِيٌّ وَجَدِيَّتَانِ بِالْمَجْرُكِ وَكَذَلِكَ  
 الْجَدِيدُ عَلَى فَعِيلَةٍ وَالْمَجْمُوعُ الْجَدَايَا وَلَا تَقُلْ جَدِيدَةً وَالْعَامَّةُ تَقُولُهُ وَالْجَدِيدُ  
 أَيْضًا طَرِيقَةٌ مَثَلُ الدَّمِ وَالْمَجْمُوعُ جَدَايَا قَالَ ابْنُ زَيْدٍ الْجَدِيدُ مِنَ الدَّمِ هَذَا الْقَدْ  
 وَالْبَصِيرَةُ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَالْجَدِيُّ مِنَ وَلَدِ الْمَعَزِ وَتَلَكُ أَجْدٍ فَلَا الْكُرْثُ  
 فَهِيَ الْجَدَا وَلَا تَقُلْ الْجَدَايَا وَلَا الْجَدِيَّ بِكُسْرِ الْجِيمِ وَالْجَدَا أَيْضًا الْعَطِيقَةُ وَالْجَدَوِيُّ  
 مَثَلُهُ وَالْجَدِيُّ بَرْجٌ فِي السَّمَاءِ وَالْجَدِيُّ الْجَمُّ إِلَى جَنْبِ الْقُطْبِ تُعْرَفُ بِهِ الْقَبْلَةُ

وَفَرَعَ مِنْ طَرَفِ خَامِسٍ صَفَرٍ سَنَةِ ثَمَانٍ وَارْبَعِينَ وَتَمَّيَّهَ





هذا الكتاب في تاريخ العرب  
 من قبل محمد بن عبد الله بن  
 الخطيب  
**الاول**  
 من تخلفه اذ رتب من تاريخ الخلفاء  
 مني انتخابه القضاة والعقود  
 عبد العزيز بن ابي القاسم  
 البغدادي عوف الياسم  
 بن زياد بن  
 بن  
 بن

الخطيب البغدادي والسيرة لاجل للاصغر  
 ابو عبد الله محمد بن يعقوب بن ابراهيم بن ابراهيم  
 السلاوي وذلك بحق الاجازة منها كما اخبره الامام  
 الحافظ ابو الفرج عبد الرحمن الجوزي اذ ما في شجاع  
 الكندي بن الجوزي من ابي منصور عبد الرحمن  
 ابن محمد بن زرقا القزاز في اخبره الخطيب  
 وهذا القدر كاف في اتصال السند فاملت  
 في الخطيب او ذكر الخطيب فاعا اريد به بالاستناد  
 المذكور وما ذكرته بطريق السند والرواية الاجل  
 سبيل البركة واليقين وهذا خير من مما ذكرناه  
 والله تعالى الموفق وبه الحول والقوة وهو حسبي وعلوي  
 قال الخطيب ذكر اقاليم الارض السبعة  
 وقسمها وان الاقليم الذي فيه بغداد سبعة  
 ذكرها الاوائل ان اقاليم الارض سبعة وان الهند  
 رستمها محلت صفة الاقاليم كانها حلق  
 فالاقليم الاول منها اقليم بلاد الهند  
 والاقليم الثاني اقليم الحجاز والاقليم الثالث





الوزير	ابو جندب	ابو هريص	الضبي	الحسام	كافي الدين
الشاعر	النجاشي	خالد بن عبد الله	الحجيري	الحسام	كافي الدين
الوزير	الطافقي	عبداس العباس	الطافقي	السميلان	كافي الكافي
الفيق المقل	سليمان	ابو جندب	عبد الله	ابو جندب	كافي الدين
الوزير	النجاشي	محمد بن حميد	النجاشي	محمد بن حميد	كافي الدين
الاديب	الاديب	علي بن ماس	الاديب	الاديب	كافي الدين
الفيق	الفيق	الحسن بن محمد	الحسن بن محمد	الحسن بن محمد	كافي الدين
الرئيس	الرئيس	الحسن بن القاسم	الحسن بن القاسم	الحسن بن القاسم	الكان
الغائب	الغائب	اسماعيل بن محمد	اسماعيل بن محمد	اسماعيل بن محمد	كافي الدين
الاديب	الاديب	عبد العزيز	عبد العزيز	عبد العزيز	كافي الدين



















رُسُلًا وَأَوْصِيَاءَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْزَلَ كِتَابًا آخِرَهَا  
الْقُرْآنَ وَأَنَّهُ تَعَالَى الْخَشْيُ الْمَوْلَى لِبَاسِهِمْ لَا يَحِبُّ عَلَيْهِ سُبْحَى وَخَيْرُ حَبِيبَةٍ  
وَمُسْكَمٍ عَلَى خَلِيقَتِهِ وَأَنْ سَوَّالَ الْمَلَكِينَ وَمَعَادَابَ الْقِسْرِ وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ الْحَمْدُ  
وَالْقِسْرَ أَطْحَقَ وَأَشْرَاطُ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدَّجَالِ وَخُرُوجِ عِيسَى صَلَوَاتُ اللَّهِ  
عَلَيْهِ وَخُرُوجِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ وَالْدَّابَّةِ وَطُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا خَرَّانَ  
الْخَلِيقَةِ الْخَيْرِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عَلِيٌّ ثُمَّ عَلِيٌّ وَالثَّقَلَيْنِ  
كَأَمْرِ التَّرْتِيبِ وَاللَّهُ بِحَالِهِمْ لَسَّالَهُ مِنْ عَظِيمِ حُجُومٍ وَكَبِيرِ مَنِيهِ أَنْ يَتُوفَانَا سَيِّدُ  
يَقِينٍ ذَلِكَ كُلُّهُ مُسَلِّمِينَ أَنَّهُ دَوْلَةُ الْفَضْلِ الْعَظِيمِ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ  
وَكُلُّهُ وَكَافَى الْآبَاءَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا  
وَوَقَعَ الْفَرَاغُ مِنْ كِتَابِهِ فِي يَوْمِ الْخَمِيسِ الْمُبَارَكِ الْمُوَافِقِ لِسَادِسِ عَشَرَ  
بِجَادِي الْآخِرَةِ سَنَةِ خَمْسِينَ وَثَمَانِي مِائَةٍ عَلَى يَدِ رَاضِعِ عِبَادِ

وَاللَّهُ وَاجِبُ الْعَفْوِ وَمَغْفِرَتِهِ عَلَى بَنِي سُدُونِ

وَعَبْدُ اللَّهِ الْإِبْرَاهِيمِيُّ الْخَفِيُّ عَامِلُهُ اللَّهُ بِطَفْهِ

وَالْخَفِيُّ الْخَفِيُّ وَغُفْرَتُهُ وَلَوْلَا ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ

وَدَعَا لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ وَكُلُّهُ

وَالْمُسْلِمِينَ أَجْمَعِينَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ

بَلِغَ كَاتِبُهُ الْيَتِيمُ الْإِسْلَامِي الْحَالِمُ

الْعَلَامَةُ الْمُسْتَبِي بِأَعْلَاءِ مَقَابِلَةِ

٢

وَقَرَأَةُ عِلَالِ الْفَقِيرِ كَمَا مَعَهُ

الْأَهْلُ الَّذِي سَمِعَتْهُ عَلَى الْمُصْطَفَى

عَامِلُهُ اللَّهُ بِالْمَغْفِرَةِ وَشَيْئُهُ بِغُفْرِهِ

فِي تَحَارِيرِ الْخَفِيِّ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْمَغْفِرَةِ

رِسْمُهُ تِلْكَ فِي خَمْسِينَ وَثَمَانِي مِائَةٍ

فَالِدُهُ تِلْكَ وَكُتِبَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى طَرَفِ الْكَلِمِ



على الأئمة وكان مثل الخدر الذي لم يحسن عمله فإذا أراد أن يخدمه  
وعادته أحسن من ذلك **باب** من كتب على العبد والشر إذا فارقته الدار  
وكانت حالته من الهبات البدنية الزمنية لا تعذبون لأنهم غير فنيين  
بكل أتهم فإن الحكم بأن النفوس كالات حقيقة ليست بأولى غير متناقض  
لها لأنها لم يعرفوا أصلاً فكانت الملائكة أدنى إلى الخلاص من  
القطاة البتة حتى فإن العور التي عرفته بالانكسار النظر  
إنها لا لا تأمل أنهما لم تكتسب الكمال سواء اكتسب ما يقاد الكمال

٨٨٤ هـ — شوح هداية العكدة

إن لا إله إلا الله وإن محمداً رسول الله وما ذرعه الله وهو على مثل تلك الحالة  
فسالت عنه ما كان اسمه فالوا كان اسمه خيراً فقلت والله لم تحب التسمية  
وقلت لهم هذا ليس منكم ونحن أخيه إن تنزلوا أمره فالواقع فأخذته وجرته  
هو وأخي معا وصلينا عليهما وواريناها الزراب جميعاً ثم قلت في أمراخي كيف  
أحتوت عليه الدنيا حتر أنس الشهادة عند الحاجة فقلت والله لا أخذت  
من هذا شياً وعاهدت الله على ذلك ثم قلت يا رب أشهدك على أن لا أتمس  
من هذا المال ولا من غيره شياً ولن عليك شرط وهو أني إذا جعت تطعمني بما  
أشتهي وإذا عربت فلكسوني وإذا عيبت تحملي وفي ذلك لي بالشرطنة  
عليه وهانا أسير معه على هذا السير وختم الكتاب بخير  
اللهم توفنا مسلمين، والحق بالصالحين، وأمن علينا بحائمه خير أجمعين  
وكان الفراغ من هذا المجموع المبارك من خط  
جامعه الشيخ الإمام العلامة شهاب الدين  
أحمد بن محمد بن علي بن الحجازي الشافعي  
عفا الله عنه وعن والديه يوم  
الثلاثاء حادي عشر محرم  
الأول سنة ست وتسعين  
وثمان مائة  
وولي الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم وعفوا الله لكاتبه وجامعه والمسلمين أجمعين

٨٩٦ هـ — روض الأداب لاهججاري









# اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴- عدد ۱ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۷ء عدد مسلسل ۵۱

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	نمبر شمار
۳	حافظ محمود شیرانی	پرتھی راج راسا	۱
۱۶	پروفیسر محمد قبال ایم۔ اے۔ پی ایچ اڈی	بحر الفوائد	۲
۲۸	صوفی ضیاء الحق ایم۔ اے۔ پروفیسر محمد رفیع شاہ کالج	کلام منوچہری	۳
۴۵	سید اولاد حسین صاحب شاہ داں بگرامی	جواب استفسار ادبی	۴
۵۵	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی۔ لٹ	مولینا حالی کی کتب سوانح	۵
۶۵	ایڈیٹر	اقتباس از آداب الحرب والشجاعة	۶
		للمرور وادی	
۸۳	ادارہ	تفتید و تبصرہ	۷
۳۳ تا ۶۴	مولوی عبدالقیوم ایم۔ اے	فہرست اسماء شعرا	۸
		رجن کے اشارسان العرب میں بطور شاہد	
		دبج ہوئے ہیں۔	
۶۰ تا ۷۱	مولوی محمد عبداللہ چغتائی	ضمیمہ (بیاد و شہادت و فتنہ تاج محل آگرہ)	۹

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر ملچ ہذا امدادین ابن مترانے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

# ورنٹیل کالج میگزین

## عرض واجب

**اغراض و مقاصد** | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احباب و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاجدارِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو

سنگت، عربی، فارسی اور دینی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقسط شائع کئے جائیں گے۔

**رسالے کے دو حصے** | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی و ہندو

فارسی حصہ دوم سنگت ہندی پنجابی و ہندو گورکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

**وقت اشاعت** | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا۔

**قیمت اشتراک** | سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے پندرہ اور نٹیل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا

کسی سماجی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ

جانی چاہیے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر

سے شمار کرنی چاہیئے۔

**خط و کتابت و ذیل زر** | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ذیل زر صاحب پرنٹل اور نٹیل کالج کے

نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجئے چاہئیں۔

**محل فروخت** | یہ رسالہ اور نٹیل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔

**قلم تحریر** | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنٹل محمد شفیع ایم اے اور نٹیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ

حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

لے جو کہ گت میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسے پندرہ سو روپے جتنی رقمیں شائع ہوتا ہے۔

# پرہتی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ ماہ اگست ۱۹۳۷ء)

(۶) ششیوڑا ورن پرستلو ۲۵ ویں داستان :- منقوں ہے کہ پرہتی راج گگہ بدی مگل وار کو اپنے سرداروں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے نکار کو چلا۔ پیربان نے اگر ایک سورا کا پتہ دیا۔ اور عرض کی کہ راجہ پیدل چلے۔ راجہ فوراً گھوڑے پر سے اتر گیا۔ اور تک کندھے پر رکھ کر سورا کی تلاش میں بڑھا جب نظر آیا فوراً مار لیا۔ اور پیربان کو انعام و اکرام دیا۔ سب طرف سے راجہ کے نشانہ کی تحسین و افرین ہونے لگی۔ اور راجہ نے سورا بڑی میں آکر قیام کیا ۶ (پہند ۵۰ ص ۶۷)

میں صرف ان بیانات پر اکتفا کرتا ہوں۔ تلاش سے نکار کے اور موقع پرہتی راج کی ان داستانوں میں ملیں گے ۶

## بانغ

ولی ورن ۵۵ ویں داستان میں شاعر نے دریائے جمن کے گمبودھ گھاٹ کے ایک بانغ کا بیان دیا ہے جس میں اس کے سپہ دار درختوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اصل اقتباس کتاب سے لے کر یہاں درج کرتا ہوں :-

سُدمن گمبوجھین، جن تھ سو دھین	تہاں سو باگ برھین، بنے سو گل آہین
سمیرتا سو باسین، پھلن سو پھول آہین	برکھ بلی ڈنبرن، سرنگ پان امرن
جو کبیرن کن کن، دھوپ واس تن بھرن	اناردا کھ پلون، سو چھتر پتی ڈھلون
سری کسندھندوا سین، لکھا کھاب پھول آہین	جو چنکین گندھنیں، کھجوری جھوری آہین
سوان ناس جیرن، ستوتین جنیمیرن	اکھوٹ بیو دامن، اوال پلی سیامین

سری چلن دیکھیں ، سداود ہو تین      چونت سو رو اکین ، منو سنگیت گامکین  
اچم بگت راجین ، منو کی اندر ساچین      .....

اوڈی سو داس گلال اتی - اوڈی عبیرن اسلمان

منہو بھان غنبر سرت - بجی تنتی مسر گان (چند ۵-۱۲ قسط ۱۵۵۴ء)

اس اقتباس میں ان ان دفتروں وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں۔

باغ - محل - کیسر - کمکن - انار - داکھ - سری کھنڈ - گلاب - چنڈہ - کدم - کجور - آم - اناس - چیری  
زرہ - ستوت - شتوت - جنبی - اکھوٹ - اخروٹ - سیو - سیب - دام - دلاہم - سری پل (نارنگی) - نارنگی  
نارنگی - گلال - عبیر - آسمان - غنبر - ان میں باغ - محل - گلاب - انار - شتوت - نارنگی - عبیر - غنبر - آسمان -  
مسلمانی الفاظ ہیں۔ اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ جس طرح پرتھی راج کے عہد کی زبان مسلمان الفاظ  
سے اس قدر مخلوط متصور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بعض درخت جو مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان  
میں آئے ہیں۔ ایسے قدیم زمانہ میں دہلی کے ایک باغ میں کینڈر موجود مانے جاسکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا  
زیادہ صحیح ہوگا۔ کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں باغات کا دستور ہی نہیں تھا۔

مصنف سب سے پہلے کیسر زعفران کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی ناواقفیت ملاحظہ ہو۔ اس کے  
نزدیک زعفران بھی مولیٰ گاجر کی طرح ہر باغ اور باڑی میں لگائی جاسکتی ہے۔ حالانکہ تمام ہندوستان  
میں کشمیر کے سوا اور کسی مقام پر پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہاں بھی ایک خاص زمین میں ہوتی ہے۔  
جس پھول کو ایرانی محل کہتے ہیں۔ اہل ہند اسے 'گلاب' کہتے ہیں۔ لیکن یہ ہندوستانی تصرف  
ہے۔ اس بدعت کے لئے سوائے استعمال ہند کے ہذر پیش کرنے کے ہمیں کوئی اور معقول  
وجہ معلوم نہیں۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں آلودہ کر ایسے مختلف فیہ ناموں کے بنانے اور رواج عام  
میں لانے کے لئے بھی تو وقت درکار ہے۔ یہی حالت نارنگی کی ہے۔ یہاں شاعر نے اس لفظ  
کو نارنگی بتضییع الف لکھا ہے۔ لیکن اور موقع پر الف کے ساتھ نارنگی لکھ رہا ہے۔ ایرانی اسے  
نارنگ کہتے ہیں۔ جس کی عرب شکل نارنج ہے۔ نارنگ کے آفریں 'یے' کا اضافہ ہندوستانی اوج

ہے۔ اس لیے کو خواہ بقاعدہ فارسی زائد کما جائے۔ یا بقاعدہ ہندی یا ئے تائیسٹ مانا جائے مگر اس کے اضافہ کی ذمہ داری بحق استعمال ہندو مانڈ ہوتی ہے +

اناس کے متعلق یہ یاد رہے۔ کہ اگرچہ آئین اکبری میں وہ یودوں کی فہرست میں شامل ہے مگر ہندوستان میں تازہ وارد ہے۔ پہلے لگالی دسویں صدی ہجری میں باہر سے یہاں لاتے ہیں۔ ابو الفضل اناس کو کھٹل سفری کہتا ہے۔ کیونکہ اس کے پورے گھلوں میں رکھ کر سفر میں آسانی لے جائے جاسکتے ہیں۔ وہ اس کے بیان میں کہتا ہے۔ کہ اناس شکل اور رنگت میں مستطیل نازگی کی مانند اور ذائقہ اور خوشبو میں آم کی طرح ہے۔ پھل ڈنڈی کی جڑ میں لگتا ہے جس پر چند پتے لگتے ہیں، جب میوہ توڑ لیا جاتا ہے۔ پتے اتار کر زمین میں الگ الگ لگا دیتے ہیں۔ اور یہی پتے تخم کا کام دیتے ہیں۔ درخت صرف ایک بار پھل دیتا ہے جس میں ایک ہی پھل آتا ہے (دین کبریٰ ص ۱۷۸) اکبر کے عہد میں اناس اس قدر قلت کے ساتھ معلوم تھا۔ کہ مختصر نگار ابو الفضل کو بطور اطلاع جدید اس کی صراحت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جہاں گھر بھی اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ کہ اناس ان سواہلی ملاقول سے آتا ہے۔ جو فرنگیوں (پرتگالیوں) کے قبضہ میں ہیں۔ (توزک ص ۱۷۸) اور پرتگالی بیابانگ دہل کہتے ہیں۔ کہ اناس ان درختوں میں سے ہے۔ جن کا ہمارے سورہیہ سے ہندوستان میں رواج ہوا ہے۔ ان امور کو جاننے کے بعد ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ جب ہم راسا کے مصنف کو یہ کہتے سنتے ہیں۔ کہ پرتھی راج کے عہد میں جہنا کے کنائے نگبہ و دہ باغ میں اناس کا درخت موجود تھا +

درختوں کے جس قدر نام اوپر گزرے ہیں۔ بہت ہی خفیف فرق کے ساتھ سب کے سب آئین اکبری میں ملتے ہیں۔ ان کا حوالہ ذیل میں درج ہے -

گل ص ۸۹۔ زعفران ص ۹۹۔ گل زعفران ص ۱۰۹۔ انار ص ۱۰۹۔ انگور ص ۱۰۹۔ سرکھندی ص ۱۱۰۔ چنپہ ص ۹۹۔ کدو ص ۱۱۰۔ راسا میں لکھنبا (ہے) کھجور ص ۱۱۰۔ آنب ص ۱۱۰۔ ابنہ ص ۱۱۰۔ (راسا میں بحالت جمع انہیں ہے) اناس ص ۱۱۰۔ توت ص ۱۱۰۔ راسا میں ستوت



آیا ہے۔ جو شہنشاہ کی گڑھی ہوئی شکل ہے، جنبیری مٹہ - اخروٹ مٹہ (راسا میں اس موقع پر اکھوٹ ہے۔ مگر دوسرے موقع پر صاف اکھروٹ لکھا ہے، سیب مٹہ (راسا میں سیو ہے، امرت پھل مٹہ - نازگی مٹہ - گلال مٹہ - عمیر مٹہ - عنبر مٹہ +  
 راسا اور آئین اکبری کی فہرستوں میں وہ فرق جو بمطابق اختلاف زمانہ ان میں ہونا چاہیئے۔ بالکل مفقود ہے۔ بلکہ ان کا توافقی حیرت انگیز ہے +

## کھانے

اکھیٹ چکھ سراپ - ۹۳ ویں داستان میں پانی پت کے مقام پر سبھوگتا ایک بھاری دعوت دیتی ہے مصنف نے اس موقع پر مختلف کھانوں - پکوانوں و دیگر اشیاء کے نام دیئے ہیں۔ جو میں یہاں نقل کرتا ہوں :-

پٹرول (پاتل)، دونے - پوپ (روٹی)، پوری - سکھ پوری - لچیں (لوچی)، پیٹھی کی بھری پکوری - گھیور - جلیبی (جلیبی)، چینی (فینی)، سکر پارے (شکر پارے)، بیوٹنگارے (سنگارے کے سیو) کسار - گندورن (گندوڑے) اکھرا (خرا) پنڈکھور - ہی - اکھروٹ - (اخروٹ) ناسپاتی (ناشپاتی)، گڑ (گڑ) - سکر (شکر) پار (پار) - کند - میدا کے پیدا (میدے) کے پڑے - کمند - گنج (نیلوفر) چنپک (چنبہ) چنبیلی - کرنی (کرنا) - کبیر - بکبن (مولسری) بچکند کبورا (کیوڑہ) کیتی - جوہن (جونی) +

چرب - چنا - چروچی - چوزا (چولہا) کسیر - کرہری - گوند گٹا - کپور - کھیرا وٹلی کھیر تاکی مین - کرنا - کروندا - کندورے (کندوری) نیو - نازگی - ناسپاتی - امرتاں (امرتیاں) - کبیتھ (کیت) - وجوہیں (بجوڑے) کدھی (کدھی) پکوری (پکوری) - بری مونگ ری (مونگ کی بڑیٹیں) میداں کی روٹی (میدہ کی روٹی) مانڈہ - روٹین مسرین (مصری کی روٹیں) سالن (سالن) مارو - بیگن - برے (بڑے) - سیم - کنکورا (کنگورا) - کرلا - مرلا - بھینڈا (بھنڈی)

رواسن پھری (روانسا پھلی) چھونکری - لیدھری - کلی کچنار - بالکل (بالکل) بھورا (بھوڑا) - رائیٹو (رائیٹا) - لونگ - مرچیں - دھنا - سونٹھی (سونٹھ) - رائی - وہی +  
 سرسوں - سوا - ساگ (ساگ) بھتوا (بھتوا) - بڑساگ - چنک (چنانا) - چک (چوکا) -  
 دووڑو (دیوڑو) - نیب (نیب) - مسوری (مسور) - ماش - چنا - ودھی (ودھی) - کیسر - مٹھا  
 حیر (زیرہ) - دارم (دار) - ڈاکھ (ڈاکھ) - کھارک (چوہارا) +

مصنف نے ان کھانوں کا نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے میں نے صرف ناموں پر قناعت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا ہندو تمدن ترقی کے بلند معیار پر پہنچا ہوا ہے۔ مگر اس تفصیل میں ایسا عنصر بھی تو پایا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ تمدنی حالت خالص ہندو عہد سے جیسا کہ پرچھی راج کا زمانہ تھا - تعلق نہیں رکھتی بلکہ ایسے عہد سے جب ہندو مسلمان عرصہ تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے کی تہذیب و مدنیت سے متاثر ہو کر ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے آثار ہم الفاظ - فکر - فکر پارے - جلیبی - خرا - نارنگی - ہی - ناشپاتی - مصری - میدہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں۔ خالص ہندو تمدن میں ان اشیاء کا تصور بھی نہیں آسکتا۔ مٹھائیاں اکثر و بیشتر مسلمانوں کے اصل ہیں۔ جلیبی جس کی قدیم شکل زلابی - زلیبا و زلیبیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آتی ہے۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے اشعار میں زلیبیا آتا ہے۔ چنانچہ -

سے نان کھلی اگر بیابم نیز راست گوئی زلیبیا باشد

شکر پارہ تو خالص مسلمان نام ہے۔ مصری نبات و طبرزد کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی نبات کی ابتدا مصر سے ہوئی۔ اس لئے ہندوستان میں اس کا نام مصری ہی رکھ دیا گیا۔ خرا - ہی اور ناشپاتی فارسی ہیں۔ مگر ہندوستان میں ان کا استعمال مسلمانوں کی آمد سے قبل تصور میں نہیں آسکتا۔

جب ہم اس فہرست پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں۔ تو یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے کہ ان

الفاظ میں کوئی ایسی ندرت نہیں جو انہیں ٹھٹھ پر تھی راج کے عہد کے ساتھ وابستہ کر سکے۔ آج بھی یہ تمام چیزیں ہماری ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ اور تقریباً اسی طرح بولی جاتی ہیں۔ جیسے کہ فہرست بالا میں ۛ

اس فہرست میں بعض الفاظ کے آخر میں لون کے اضافہ کی بنا پر جو جمع و اضافت کے لئے مستقل ہے۔ مثلاً جوہین (جوہی)، روٹین (روٹیاں) گندورن (گندوڑے) سالن (سالن کا) مصرن (مصری کا) وغیرہ کی ناموں شکلوں سے ہمیں مرعوب نہیں ہونا چاہیئے ۛ

## کالیستھ۔ کھتری اور بھاٹ

کالیستھ اور کھتری ہندوؤں میں وہ قومیں ہیں۔ جنہوں نے اکبر کے عہد سے ٹوڈرل کے اثرات میں فارسی سیکھنا اور اہل قلم کے ذمروں میں ملازم ہونا شروع کیا ہے۔ ایک روایت یہ تبدیلی سلطان سکندر لودھی کے زمانہ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اور ٹوڈرل کا نام پہلے ہندو شاعر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ مگر دفاتر پر ہندوؤں کا دخل اور اقتدار اکبری عہد ہی سے شروع ہوتا ہے ۛ

راسا کے مصنف کے سامنے چونکہ عہد منلیہ کی زندگی ہے۔ اس لئے وہ کالیستوں اور کھتریوں کو شہاب الدین کے زمانہ میں بھی جبکہ اس کا دار السلطنت غزنی ہے۔ نہ آگرہ اور دہلی حسب دستور منغل مسلمان ملازمت میں تصور کرتا ہے۔ جس طرح اکبر ٹوڈرل اور ہیر کو اور شاہجہان چندربھان کو بعض سیاسی مسائل طے کرنے کے لئے ہندو راجگان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح تارخاں شہاب الدین کا وزیر لورک رائے کھتری کو غزنی سے دہلی پر تھی راج کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ لورک رائے ایک سے زیادہ مرتبہ غزنی سے دہلی سفارت پر آیا ہے۔ (دھن کمتھا اور پھاڑ رائے سمے) نیت راڈ ایک اور کھتری ہے۔ جو اگرچہ بظاہر شہاب الدین کا ملازم ہے۔ موقوفہ پر پر تھی راج کے ساتھ بھی ساز باز کر لیتا ہے۔ (انگ پال سمے) دھڑائٹ

کالیستہ ہے۔ جو دہلی ہی میں مقیم ہے۔ مگر یہاں کی تمام اطلاع شہاب الدین کو غزنین بھیجتا رہتا ہے۔ گوبابادشاہ کا وکیل ہے۔ دھرمائن کا ذکر متعدد داستانوں میں آتا ہے۔ مثلاً دھن کھتا۔ پہاڑ رائے سمے۔ درگاکیدار سیمو۔ بڑی لڑائی روپرستا وغیرہ۔ ایک امرعجیب ہے۔ کہ شہاب الدین کے یہ ہندو ملازم خواہ وہ کھتری ہوں۔ خواہ کالیستہ سب کے سب جاسوسی پیشہ کرتے ہیں۔ اور دربار دہلی کی خبریں شاہ کے پاس غزنین بھیجتے رہتے ہیں۔

ایک اور لطیف کی بات سنئے۔ جس طرح چند پرستی راج کا بھاٹ ہے۔ درگاکیدار شہاب الدین کا بھاٹ ہے۔ درگاکلم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی مراد دیوی سے مانگتا ہے۔ دیوی جواب دیتی ہے۔ کہ تو اوروں پر غالب آسکتا ہے۔ مگر چند پر غالب نہیں آسکتا۔ اس پر درگاکے التماس کی۔ کہ میں پرستی راج سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیوی نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ تیری یہ آرزو قبول کی جاسکتی ہے۔ دوسرے دن درگاشاہ کے دربار میں جا کر خدمت مانگتا ہے۔ نتارا خاں کہتا ہے۔ کہ دشمن کے گھر جانا قرین مصلحت نہیں۔ خدا جانے کیا افتاد پڑے۔ پادشاہ نے فرمایا۔ کوی چند کو دیکھو۔ وہ کبھی غزنین نہیں آیا۔ درگاکے بھاٹ لا جواب ہو گیا۔ مگر بادشاہ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اجازت دے دی۔ درگاکے غزنین سے چل کر دھائی مہینہ میں پانی پت پہنچا۔ جہاں پرستی راج شکار کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے عزت کی جگہ بٹھایا اور بڑی دلجوئی کی۔ درگاکے آتے ہی سحر و طلسم میں چند سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے اس نے سحر کے زور سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ لگا کر چند نے جواب میں ایک گھوڑے کے منہ سے اسیر باد (سلام) کھلویا۔ اس پر درگاکے پتھر کی ایک بڑی چٹان جادو سے متحرک کی۔ اور اس میں ایک انگوٹھی غائب کر دی۔ کوی چند نے اپنے علم کے زور سے چٹان کو پانی بنا کر بہا دیا۔ اور انگوٹھی نکال لی۔ اس کے بعد درگاکے اور عجائبات دکھاتا ہے۔ اور چند ان کے توڑ کرتا ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چند کو ہی ان فنوں میں اپنے حریف پر فضیلت رکھتا ہے۔ پرستی راج پانچ روز تک کیدار کو ممان رکھتا ہے

اور بہت سا انعام و اکرام دے کر خدمت کرتا ہے \* (درگاہِ رومیہ ص ۵۸ میں داستان)

ماہو بھاٹ شہاب الدین کا ایک اور بھاٹ ہے۔ اور اس کے نام پرانیسویں داستان ہے یہ شخص اکثر علوم و فنون میں باکمال تھا۔ ایک مرتبہ دلی آیا اور ایک مدینہ تک رہا۔ دلی اس کو بہت پسند آئی۔ جاسوسی کے خیال سے پرختی راج کے دربار میں بھی آنے جانے لگا اور اپنے کمال کا اہل دربار پر خوب سکھایا اور پرختی راج کی داد و دوش نے اسے المالال کر دیا \*

مسلمانوں میں بھاٹ رکھنے کا دستور اسی عہد سے رواج پاسکتا ہے جب وہ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد اس ملک کے رسم و رواج کے پابند ہونے لگے ہیں۔ یہ خیال کہ شہاب الدین کے پاس وحقیقت ہندو بھاٹ تھے۔ بے سند محکمہ خیر اور بے بنیاد ہے۔ مگر اس کا مصنف جس زمانہ میں رہتا تھا۔ کیا ہندو کیا مسلمان ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو کر ایک مخلوط قسم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ جس میں ہندو مسلمانوں کے لئے اور مسلمان ہندوؤں کے لئے لازم و ملزوم بن گئے تھے اور ایک کا دوسرے کے بغیر گزارنا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مصنف اپنے عہد کی زندگی اور اس کے اوضاع کا اس قدر عادی ہے کہ اس کے قلم سے بے ساختہ وہی خط و خال رقم پذیر ہوتے ہیں جو غلیہ اور اس سے قبل کے زمانہ کی ہندوستانی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً ایچم کمار کو سی چند کے سامنے راجہ جے چند والے قنوج کی تعریف میں یہ دوہا کہتا ہے۔

سہ بیرہی کاٹن راج پتہ۔ ڈنڈ بھران پر دھان \* سیوا مان بھے وین۔ ہندو مسلمان \*

(چند ۴۶۹ ص ۱۶۴ قنوج سے ۶۱ میں داستان)

بھلا ہے چند کے زمانہ میں قنوج کی قلمرو میں مسلمان کہاں آباد تھے۔ جو اس کی تعظیم و تکریم میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو سکتے۔ مگر مصنف کے زمانہ میں یہ قول بالکل صادق آتا ہے۔ جب ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی رعیت بن کر رہتے تھے \*

مسلمان ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے۔ مفتوحین شروع شروع میں تو ان سے غیر متعلق رہے۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ ان کی آمد ہنگامی نہیں اور نہ یہ لوگ اس سرزمین سے

ٹٹنا چاہتے ہیں۔ جب تنازعہ اسے وقت صلح و آشتی کا ہاتھ ان کی طرف ڈرایا۔ خود مختار راجاؤں نے تعلقات قائم کر لئے۔ کمزور رئیس اپنے طاقت ور ہمساہ کے خلاف ان سے امداد کے جویا ہوئے۔ جوں جوں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے رہتے زیادہ زمانہ گزرتا گیا۔ توں توں یہ تعلقات زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ قرون وسطیٰ کا ہندوستان اپنی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات کا ایہندہ دار ہے۔ مغل بادشاہ کے خلاف رانا سنگرام عرف رانا ساگا اور حسن خاں میواتی باہم متحد ہو کر ایک ہی محاذ پر جنگ کرتے ہیں۔ اسی بار کے مقابلہ میں راجہ بکرماجیت ابراہیم لودھی کے ساتھ پانی پت کے میدان میں مارا جاتا ہے۔ سلاطین گجرات و مالوہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں ایک ہندو راجہ کی خاطر یہ طاقت ور سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئی ہیں۔ ان میں مذہبی اختلافات جنگ و صلح کا محرک نہیں تھا۔ جیسا کہ آج کل کے مؤرخ ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد۔ یہی خصوصیت راسا کے صفحات میں نمودار ہے :

اٹھائیسویں داستان میں انگ پال پٹنی راج سے اپنے ملک کے استرداد کا خواہشمند ہے۔ وہ خود فوج کشی کر کے پٹنی راج سے لڑتا ہے۔ مگر شکست کھاتا ہے۔ بالآخر مادھو بھاٹ کو شہاب الدین کے پاس غزنیہ انحضرت استاذ بھجنا ہے۔ شہاب الدین ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کی امداد کو آتا ہے۔ اور انگ پال کے شریک ہو جاتا ہے۔ اتحادی پٹنی راج سے جنگ کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے اور یہ بد قسمتی شہاب الدین کے لئے راسا کے صفحات میں نہایت عام ہے سلطان میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اتحادیوں کو شکست ہو جاتی ہے :

چھتیسویں داستان ہنسواتی وواہ میں چندیری کا راجہ پنچاٹن شہاب الدین سے رن تھنڈ کے راجہ کے خلاف فوجی امداد مانگتا ہے۔ اور شہاب الدین اپنا لشکر اس کی امداد کے لئے بسر کر دگی نوری حجاب اور کلی خاں روانہ کرتا ہے :

یہی نہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کی شادی غمی و دیگر دستور و رسوم میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اکیسویں داستان پر تھا ویاہ ورنن میں ملتی ہے۔ اس داستان کی رو سے پٹنی راج

کی بہن پر بخا بانی راول سمرنگہ والی چٹوڑ سے بیاہی جاتی ہے۔ اس موقع پر شہاب الدین بھی دولہا  
 دھن کے لئے تحفے بھیجتا ہے۔ جن میں علاوہ دیگر مال و متاع کے سچاس ہاتھی۔ سو گھوڑے۔  
 اور ایک سو بانڈیاں شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تحفے فی الحقیقت شہاب الدین نے  
 راول جی کو شادی کے موقع پر دیئے تھے۔ تاریخ کی رو سے راول سمرنگہ اور پرتھاک شادی ناممکن  
 ہے۔ کیونکہ راول مذکور پرتھی راج اور شہاب الدین کے زمانے سے ایک صدی بعد ہوتا ہے لیکن  
 مصنف نے شہاب الدین کا جو تحفہ دنیا بیان کیا ہے تو درحقیقت وہ اس رواج کو اجاگر کر رہا ہے  
 جو اس کے عہد میں ہندو اور مسلمان باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ برتتے تھے۔

## مسلمانی الفاظ

اس میں مسلمانی الفاظ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا مصنف فارسی زبان کی مبلوکیا  
 سے ضرور واقف ہے۔ مسلمانوں کے بعض مذہبی معاملات سے بھی اس کو آگاہی ہے۔ اسے معلوم  
 ہے۔ کہ ان کی مذہبی کتاب کا نام قرآن ہے۔ جسے مصحف بھی کہتے ہیں۔ اس کے تیس پارے ہیں۔  
 ان میں خدا کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں۔ جو تیسوں دن نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کے  
 قریب نہیں جاتے۔

پنچ میں پنچ دن کریں نواج حق احق وست جن نہیں کاج

(چھند ۲۴ مج ۵۲۱ سلکھ جلد۔ تیرہویں داستان)

پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور سیپارے تو رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔

نہیں دن سائیں لیے پنچ بگمت (وقت) سیپارے تیں پڑھیں دن رت

(چھند ۹۰ مج ۴۲۴ حسین کتناویں داستان)

تسبیح کا استعمال مستحسن سمجھتے ہیں۔ پیر کے چادر چڑھاتے ہیں۔ کُلا اذان دیتا ہے۔ قاضی  
 نماز پڑھتا ہے۔ جو لوگ مذہب کے لئے مارے جاتے ہیں۔ شہید کہلاتے ہیں۔ اور زندہ جاوید ہیں

گوری کی جو تصویر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ گور یعنی قبر کے منوں سے واقف ہے  
مسلمانوں کی جنگی اصطلاحات واسلحہ سے کافی آشنا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً آتش۔ بلیغ۔ تیغ۔ زره۔  
کمان۔ تیر۔ ترکش۔ گرز۔ تفک۔ ہدف۔ نشان۔ چوگان۔ چشم۔ سوار۔ گام۔ پیلوان (پلیان)  
عراقی۔ تازی۔ ذبت۔ شہنائی۔ نفیری۔ چنگ۔ دسامہ وغیرہ۔ الفاظ تیر و تیغ اس کے ہاں کثرت  
کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح اعداد میں ہس کے ساتھ ہزار بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ بلغ  
و باغبان کے لئے بھی فارسی الفاظ باغ و باغبان پر قناعت کرتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے۔ مسلمان  
الفاظ کافی تعداد میں لاسکتا ہے۔ یہ بتالیں ملاحظہ ہوں :-

۱۔ جاسوہیاں ۲۔ سہاب دین سلطان ۳۔ پگمہر پور دگہ ۴۔ الہ کریم کوار (کبار)  
سلطان جلال سکندر جایا ۵۔ سلطان شہاب الدین الہ آبادیا ۶۔ ج ۱۴ ص ۲۱۶ بڑی لڑائی

دیگر

میں فقیر سلطان ۱۔ آپ کہیں کچھ قاضی ۲۔ بھیت بھاگہ جو کہ ۳۔ ہوئے حاجی کے غازی  
جو امید جیے ہوئی ۴۔ راج دوئی اسد بندی ۵۔ کوئی گمان جن کرو ۶۔ کے کا یا ایہ گندی ۷۔

ج ۶۶ ص ۲۲۲ بڑی لڑائی

اس زمرہ کے بعض الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ استعمال ہند کے ذیل میں آتے ہیں۔  
استعمال ہند سے مراد غیر ہندی الفاظ کی وہ خاص صورت ہے۔ جو ہندوستان میں اختیار کر لی گئی  
ہے۔ مثلاً حامل کو حیل کہا جاتا ہے۔ (چند ۲۹ ص ۶۱) اور پالان کو پلان (چند ۶۵ ص ۵۸)  
وقت کا بخت بن گیا ہے (چند ۷۴ ص ۴۰) اسی طرح رسالہ سے رسالہ (چند ۱۴۱ ص ۴۵)  
مبئی سونات بن گیا۔ اور خواص حجام کے معنوں میں آیا ہے۔ (چند ۵۸ ص ۵۹) اسی طرح نماز  
کو نیاج کی شکل میں بدل دیا ہے۔ کاغذ گد بن گیا ہے۔ (چند ۸۵ ص ۶۳)

بعض ترکیبیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جو نیم ہندی اور نیم فارسی ہیں۔ مثلاً پنگ پوش رچند  
۸۴ ص ۵۹) اسی طرح جم جو ہے۔ جس میں جم (موت) ہندی اور جو فارسی زور کی گویا شکل ہے



ورجو رکاجی اسی پر فاس لیا جائے۔ بہر حال یہ ترکیبیں اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔ کہ یہ رزمیہ  
پر مبنی راج کے عہد کی تالیف ہو سکتا ہے۔ بعض وقت ایسے فارسی مرکبات بھی ملتے ہیں۔ جیسے تراج  
(چھند ۱۰/۱۳) (نیل ماہی (چھند ۵۶ ص ۱۶۶) ) یعنی دریائے نیل کی مچھلی۔ جگلی جوان (چھند ۳  
ص ۱۰۵)۔ (زردوزن (زردوزی) اور زکشی (چھند ۵ ص ۵۴) ) کسادہ کسادہ (کشادہ کشادہ)  
چھند ۱۲ ص ۹۰) اور راہ بیراہ (چھند ۹۵ ص ۴۴) :

کوچ بر کوچ۔ کوچ در کوچ اور کوچا کوچ ایک فارسی روزمرہ ہے۔ مصنف نے بادنی تغیر  
اس پر تصرف کر لیا ہے۔ مثال سے چلیز کوچ پر کوچ کھری (چھند ۲۹ ص ۲۳) دیگر۔ در کوچ  
کوچ اتیے سندھ (چھند ۱۴ ص ۹۱) دیگر۔ اتی کوچ کوچ دلن کھریں چل بنتہ جائے سو  
اترین (چھند ۱۶ ص ۶۲) :

ذیل کے چھند میں 'کھیت پڑنا' کھیت رہنے کے مفہوم میں آیا ہے۔

کھیت پرے تتار : ساہ گوری گئی ستیا : (چھند ۱۹۲ ص ۶۲۵)  
سرو صنا ایک اور محاورہ ہے۔ چنانچہ :-

سرو صنت پتی : ساہ : دشاہ سنی سینا سنی : (چھند ۲۹ ص ۹۵)  
وہ پانی ملتان گیا

وہ پانی ملتان گیا۔ ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب ہے کہ اب وہ موقع ہاتھ سے  
بھل گیا۔ استاد ذوق :-

پنجاب میں بھی وہ نہ رہی آب و تاب جن : اے ذوق ! پانی اب تو وہ ملتان بگیا  
پر مبنی راج راسا میں بھی ضرب المثل یوں آئی ہے :-

چاٹھنر کھت : کھت لینو سرتانی : اوتروے ساہاب : گیو ملتانہ پانی :

(چھند ۳۵ ص ۴۳)

اس ضرب المثل کی تشریح میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے :-

ایک دن گورکھ ناتھ زیداس بھگت کے پاس آیا۔ پیاس لگ رہی تھی۔ پانی مانگا۔ زیداس پانی لینے گیا۔ اس وقت گورکھ ناتھ کو خیال آیا۔ کہ زیداس تو ذات کا چارہ ہے۔ میں اس کے ہاتھ کا پانی کیونکر پی سکتا ہوں جب زیداس پانی لیا۔ اس نے اپنے تونے میں بھر والیا۔ مگر پیا نہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور رخصت ہوا۔ پھر کبیر کے پاس جا بیٹھا۔ اور اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گیا۔ بس وقت کبیر کی بیٹی کمالی آئی۔ اور وہ پانی اٹھا کر پی گئی۔ پیتے ہی اکاس لوک۔ مہرت لوک۔ اور پتال لوک کے تمام اسرار اس پر آشفت ہو گئے۔ جب گورکھ ناتھ کو معلوم ہوا۔ کہ اس پانی کے پینے سے کمالی میں یہ وصف پیدا ہو گیا ہے۔ ہاتھ ملنے لگا۔ دوبارہ زیداس کے پاس جا کر پانی مانگا۔ زیداس کشف کے ذریعہ سے جان گیا تھا۔ کہ گورکھ ناتھ نے اپنے غرور کے سبب سے وہ پانی نہیں پیا تھا۔ اور اب پھر اسی کی تلاش میں آیا ہے۔ اسی اثنا میں کمالی کے سسرال والے ہارس آئے اور کمالی کو ملتان لے گئے۔ جہاں وہ بیاہی گئی تھی۔ اس وقت زیداس نے یہ دوہا کہا :-

پیاوے تھے جب پیا نہیں تب تم نے یہ اجماع کیا  
بھولا جوگی پھرے دوانہ وہ پانی ملتان گیا

محمود شیرانی

## بحر الفوائد

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ ادبیات فارسی میں نظم کا ذخیرہ نشر سے بہت زیادہ ہے، ہر چند کہ یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نشر فارسی کا بہت سا خزانہ ابھی تک قلمی کتابوں میں مدفون ہے جس کا کچھ حصہ توقع گمنامی میں پڑا ہے اور جو معرض علم میں آچکا ہے وہ نشر و اشاعت کا منتظر ہے۔

فارسی نشر کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ایک قابلِ توجہ تصنیف بحر الفوائد ہے جس کے ساتھ ناظرین کو ان سطور میں روشناس کرنا مقصود ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کا موضوع مسائل تصوف و اسباق ہے لیکن گوناگوں دلچسپیوں کی سینکڑوں اور باتیں معرض بحث میں لائی گئی ہیں جن کو مصنف نے بے شمار حکایات اور جدتِ خیالات سے بہت دلچسپ بنایا ہے۔

بحر الفوائد چھٹی صدی جبری کی تصنیف ہے۔ اور فقط یہی ایک بات کہ یہ منجملہ اُن معدودے چند فارسی کتابوں میں سے ہے جو تاریخی حلقے کی تباہی سے محفوظ رہیں۔ اس کی اہمیت کو دوبالا کرنے کے لئے کافی ہے لیکن ایک اور غیر معمولی صفت جو اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ ہے کہ وہ شام میں لکھی گئی ہے۔ فارسی کی شاید یہ پہلی کتاب ہے جس کا شام میں تصنیف ہونا ہمارے علم میں آیا ہے۔

بحر الفوائد کے صرف دو نسخوں کا ہمیں علم ہے جن میں سے ایک تو پیرس کے کتابخانہ ملی میں ہے۔ اور دوسرا مارسیہ فاضل دوست پروفیسر محمود خاں صاحب شیرازی کے پاس ہے، مصنف نے اپنا یا اپنے وطن کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں لے دیکھو فرست خطوط فارسی و کتابخانہ ملی پیرس ۱۲۷۱ء، اس نسخے کی تاریخ کتابت ۱۲۷۹ء۔ پروفیسر موصوف کا نسخہ بھی غالباً دسویں صدی کا لکھا ہوا ہے،

یالینکن اپنی اس تصنیف کو اس نے آتابک شام امیر ارسلان آہ بن آقمنقر کے نام پر  
مخون کیا ہے۔ جس کا ذکر وہ آغاز کتاب میں اس طرح پر کرتا ہے:-  
”واین کتاب در انواع علوم در زمین شام کہ ملک تعالیٰ- ویرا مبارک خواند  
بمدت پنج سال جمع کردم بنام ولقب پادشاہ عالم عادل عماد الدین عباد الاسلام قطب  
الدولہ و بہاء الملتہ شرف الامتہ قاصح الکفرۃ والمشرکین اب قلع جوغا لغ آتابک ابی  
سجید ارسلان آہ بن آقمنقر ظہیر امیر المؤمنین خلد الد دولہ و صرس علیہ نعمتہ واین کتاب  
را بحر الغواید نام نہا یم زیرا کہ ہمہ جواہر ہا در بحر باشد و از انواع علوم درین کتاب  
توان یافت“

آقمنقر (قیم الدولہ) آتابکان شام کے خاندان کا بانی ہے۔ اس کے بیٹوں میں  
عماد الدین زنگی والی حلب و موصل تاریخ میں زیادہ مشہور ہے۔ جس کا عہد حکومت  
۵۲۱ھ - ۵۴۱ھ ہے۔ ارسلان آہ بظاہر زنگی کا چھوٹا بھائی ہے۔ جو مسند  
حکومت پر جاگزین نہیں ہوا۔ بلکہ غالباً کسی چھوٹے سے علاقے کا فرماں روا تھا۔ اب  
قلع جوغا لغ آتابک اس کے القاب ہیں۔ لیکن قاصح الکفرۃ والمشرکین کے لقب  
سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بھائی زنگی کے دوش بدوش جبلبلی لڑائیوں میں نمایاں  
حصہ لیتا رہا۔ راجحۃ الصدور میں دو تین جگہ ۵۴۲ھ - ۵۴۷ھ کے واقعات میں ضمناً  
اس کا ذکر آیا ہے۔

لہ پیرس والے نسخے میں ”نصرۃ الدین“ ہے۔ ۷ موسیو بلوشے (مرتب فرست  
مخطوطات کدخانۃ ملی) نے ارسلان آہ کو غلطی سے بوزاہ والی فارس خیال کیا ہے۔ جو ایک  
بالکل مختلف شخص ہے اور ۵۴۲ھ میں سلطان مسعود بلجوتی کے خلاف جنگ کرتا ہوا ہمدان  
کے نزدیک مارا جاتا ہے، برخلاف اس کے ارسلان آہ ۵۴۷ھ میں زندہ تھا (دیکھو راجحۃ الصدور)

صاحب بحر الفوائد نے باب سیر الخلفاء میں جہاں خلفاء عباسی کی فرست دی ہے۔ وہاں مقتنی (۱۵۳۰ء - ۱۵۵۵ء) کو خلیفہ معاصر بتلایا ہے۔ اس سے در آگے چل کر عقاید باطنیہ کی بحث میں اس نے محمد بن کیا بزرگ امید (جانشین حسن صباح) کے مرنے کا ذکر کیا ہے۔ جس کی تاریخ ۱۵۵۵ء ہے۔ چونکہ اس کے اپنے بیان کی رو سے کتاب پانچ سال تک زیر تالیف تھی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف کا زمانہ ۱۵۵۲ء - ۱۵۵۵ء ہونا چاہئے۔

پروفیسر شیرانی کا نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے عمدہ خط نسخ میں لکھا ہوا ہے اور خاصا صحیح ہے، تعداد اوراق ۱۸۰، تقطیع ۹ x ۶ اور فی صفحہ ۱۲ سطروں، بالمجاہد مبحث کتاب کو ۳۴۴ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصے میں دس دس بارہ بارہ باب ہیں، ان مباحث کی پوری فرست کتابچہ ثانی ملی پیرس کی فرست مخطوطات میں دی گئی ہے جس پر فقط ایک نظر ڈالنے سے ان کے تنوع کی طرف فوراً توجہ مبذول ہوتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلا حصہ کتاب الجہاد ہے۔ اس کے بعد کتاب الحکمۃ ہے آگے چل کر ایک دلچسپ حصہ کتاب تربیۃ الاولاد ہے۔ پھر طلب المعیشۃ، آداب الاسلام، معالجات الذنوب، لوا اور العلماء، مناقب الائمۃ، عجائب الدنیا، کتاب السلطان، کتاب الوصایا، کتاب الغرائب وغیرہ وغیرہ ہیں، مصنف کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سنی ہے۔

باطنیوں کا سخت مخالف ہے، علوم دینیہ، تاریخ و سیر اور تصوف سے خوب

۱۵ ورق ۱۳۰ اب ، ۱۵ ورق ۱۳۲ اب ، ۱۵ جلد ۲ ص ۳ ،

۱۵ کتاب "اصول الدین" کے باب اول میں لکھا ہے "بدانکہ مذہب ستیاں آنست کہ خدای عزوجل آفریدہ است"۔ ۱۵ "خرن محمدی ریختن اولیترست کہ ہفتاد کافرو روی کشتن"

(ورق ۱۳۷ اب) -

واقف ہے، منجمل، طیبوں اور شاعروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے:۔ ”اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند اور از ہفت آفت نگاہ باید داشت اول صحبت منجم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہا و ن کنند۔ دوسری جگہ کہتا ہے:۔ ”وہر کہ گوید در قرآن تحریف خمریت جاہلت، طیب و منجم و شاعر چہ دانند کہ اصول و فروع و حلال و حرام چہ بود“۔ منجم و طیب کی مذمت ایک اور جگہ یوں کی ہے:۔ ”بادشاہ سلف کہ برخاستی بردست راست وی فقیمی بودی تا حلال و حرام ازو پرسیدی و بردست چپ وی مفسری بودی تا تفسیر قرآن ازو شنیدی، امروز سلطان روزگار بامداد بر نیزہ منجمی بردست راست وی بود و طیبی بردست چپ وی بود“۔

نجوم، طب اور شاعری کے علاوہ وہ فلسفہ اور فلسفیوں کی بھی سخت تحقیر کرتا ہے چنانچہ کتاب الحلال و الحرام کے آخری باب ”حکمت کتب گذشتگان“ میں لکھتا ہے:۔ ”اول کتاب اخوان الصفا زندہ است و طعن بر مسلمانی است شاید ز اندن و نشاید و انتن بیاید سختن، ہفت ملحد در بصرہ جمع شدند و آن کتاب بنہا دند و نام خود پر شنیدند دوم ابو الحلّا معری ملحد بودہ است کتاب لزوم مالا یلزم و فصول غایت الفصول العالیات در مجارضہ قرآن کردہ است بیاید سختن، و دلیل بر الحاد وی آنست کہ انکار قیامت و حشر اجماع [می کند]، دیگر بوعلی سینا کافری بی دین بود شفا و نجات وی بنیاد خواندن کہ نفی حشر اجماع می کند و نفی صفات باری، و زکریا رازی ملحد بودہ است۔۔۔۔۔“

لیکن زاہد خشک ہم نے کے باوجود اس کو شعر کا نہایت اچھا مذاق معلوم ہوتا ہے، عربی و فارسی کے اشعار جو اس نے جا بجا تحریر کئے ہیں۔ عموماً نہایت بر محل اور برجستہ ہیں، نشر میں اس کا انداز تحریر نہایت دلکش۔ سادہ اور بے تصنع ہے

لے باب ترمیمۃ الاولاد ، لے ورق ۸۰ ب ، لے ورق ۳۰ ب ،

لے ورق ۸۵ ب - ۸۶ الف ،

اور چھٹی صدی کی دلفریب فارسی نثر کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ذیل میں ہم بحر الفوائد کے بعض مقامات کی عبارت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مصنف کی جدت فکر اور اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہو سکے، ہمارے نزدیک اس کتاب کو قابوس نامہ اور کیلیدہ و منہ کے پہلو میں جگہ ملنی چاہیے، اس کی اشاعت سے یقیناً فارسی ادب کے کتب خانہ میں ایک جلیل القدر اضافہ ہوگا،

## کتاب نصیحتہ الملوک والاسلاطین

بدانکہ بادیۃ قیامت در پیش بس آدم و بیابان بی نہایت در راہست و دی  
 غافل نشسته و نمی داند کہ در بستر خواب خفته است و سفر می کند زیرا کہ ایں شب و روز  
 دو مرکب است تیز و پس آدم را بربند و بدان سرا ی غریبان فرود آرد تا قافله ہمہ  
 بیکدیگر رسند پس جملہ را بر انگیزانند و ایں خطاب بشنوائند کہ فرقی فی الجنتہ و فرقی فی النجی  
 ایں فلک دوآر و ایں بوقلمون عمروی بتاراج بر میدہد و دی بیج خبر ندارد ہمہ مردگان  
 در آرزوی یک روزہ عمر ندانند تا تقصیر با بدان تدارک کنند و نمی توانند یافتن و دریافتہ  
 و عمر ضائع می گذرانی و سرمایہ بہاد بر میدہی، سرمایہ آخرت عمر است و مایۃ قیامت  
 تقوی است مایۃ دوزخ ہواست، وقت آن نیامد کہ از خدمت مخلوق با خدمت  
 خالق شوی و وقت آن نیامد کہ خود را باشی کہ در آنچه بودی ہمہ بر خود بودی کہ ہر کس کہ  
 زاد وی تقویست سزاوارست اگر بساط تنہیت بیفکند ہمہ عالم ملک و ملک تو شدہ  
 گیر و بجای بگذاشتہ گیر آخر چہ، --- ایں خلق بیشترین در غم معدۃ خود مانده اند کہ نباید  
 کہ بر ہنہ و گرسنہ مانند بیج کس نمی اندیشد کہ نباید کہ امشب بخیم و باید اور برنجیزم و آنچه  
 من جمع کردہ ام دیگران بردارند، اسی بکا برۃ عقل برخاستہ و بر سر پل خانہ ساختہ و  
 بر موج دریا افکندہ چون ناصیہ ملک الموت بینی ہشیار شوی فریاد بر آری کہ

یا حسرتی علی ما قرطت فی جنب الله، هیچ زندانی دیدی که در زندان شادی و رحمت  
 طلبد تو آن زندانی هستی که شادی در زندان می طلبی، من طلب مالم بختی آتیب نفسه  
 ولم یرزق، هیچ اسیر را دیدی که شهرباری طلبد، آدمی اسیر قضا و قدر است و امیری و  
 شهرباری می طلبد، هیچ بنده را دیدی که خواگی طلبد هیچ خاکی را دیدی که خواگی طلبد  
 یا ابن التراب و ماکول التراب انت غذا ماکول و مشروب، آدمی تماشای بوستان  
 می کنی یک ساعت بیاید تا تماشای گورستان کند تا آن حسرات و زفرات بینی  
 شاهان جهان در ظلمت گور اسیر خاک شده بینی خسرو از اجبوس گور و لحد شده بینی  
 جمعه جباران بوسیده بینی سرهای سروران در خاک شده بینی جوانان با حسرت در  
 خاک خوار شده بینی گیسوی عروسان در خاک بوسیده و پاره شده بینی، پشت زمین  
 بر غفلت است و شکم زمین بر حسرت و آدمی در وادی پنداشت و قنای خود گم شده که  
 امروز چنین کنم و فردا چنان کنم و مرگ بروی می خندد و اجل بر اهل می خندد و تقدیر  
 بر تند بیری می خندد و مرگ بر زندگانی می خندد، . . . چون عمر مختصر باشد مال بسیار  
 چه سود چون خانه گور خواهد بود حجره زرین و سبین چه سود چون تخت و کلاه دولت مملکت  
 حسرت خواهد بود جمع و منع چه سود چون عمر و فانی خواهد کرد تو فیروزانه را چه سود اگر آواز  
 مارت پسر آدم بشرق و غرب رسد و اهل مشرق و مغرب بروی خطبه کند و چراغ  
 بدیوان وی آورد جان تنها باید بکنند و در گور تنها باید خفتن و حساب تنها باید داد و  
 بیت: - پسر بلند ارشد زین تو سرانجام مرگت بالین تو

و خبر است که مروی پیش رسول صلی الله علیه و سلم آمد و گفت یا رسول الله مرا  
 وصیتی کن گفت کار کن دور و زیاده شب را، گفت یا رسول الله کدام روز و  
 شب گفت آن روز را که ملک الموت در خانه تو در آید بجان استاد تو و آن  
 شب که مرده را در گور نهند بمتر خاک بود و بالین و پشت و زیارت کنان مار و مور بود و



کارکن آن روز را کہ ایستادہ باشی پیش خداوند جل جلالہ نامہ بدست تو ندانی کہ ترا بہشت می فرستند یا بدوزخ و کارکن آن شب را کہ درگورنخی پس از آن شب نباشد با دوش قیامت باشد نمایان جہان فردای قیامت از بادشاہ و رعیت خاص و عام با حشرت و ندامت خواہند بودن و دست بر سر می زنند و خود را اعلاست می کنند نیکو کرداری گوید و احسرتا تا چہ اینکی بیش نکردم و خیرات زیادت نکردم و بد کردار گوید و احسرتا چہ ابد کردم، و خبر است کہ جبرئیل پیش مصطفی علیہما السلام آمد گفت یا رسول اللہ چہ ارشاد کنی از چہ ہزار سخن بشنود امت از اخیر کن، اول گو کہ خراب میکنند آنجا را کہ شمارا چارہ نیست از بازگشتن بدو، دوم بختم میارید و مخالفت میکنند آنکس را کہ شمارا چارہ نیست از بازگشتن بدو، سوم ہمدکنید بچتن چیزی کہ لابد شماست رحمت خدای و بہشت خدای، چہارم چیزیے مطلبید کہ با او نخواہید ماند، مکیں آدمی بی خواست وی دین جہان آمد و در رنج و بلا و نا کامی عمر بسر برد و بحسرت از دنیا بیرون شد آمدنش بیخاست وی بود و بودنش بی کام و مراد وی قنوت بیخاست وی چون زندانی کہ ویرای زندان بند و بیرون آرند، حکایت: پادشاہی بود نیک مردی را برنجانید گفت ای نیک روز از من بہتر از من چہ میخوای گفت چگونہ گفت دی گذشت و من د تو طعم ندانیم و فردا ہنوز نیامد تو بدین یک زمان از من بیشتر ہستی عمر آدمی و نفس است چون نفس برسد کار با سری رسید این چندین ہوس در یک نفس از سعادت مرد آنست کہ دین جہان نیکو نام بود و در آن جہان رشکاری یابد، مرد عاقل کامل داند کہ خدای بہتر است کہ خلق و آخرت بہتر است کہ دنیا عمل و صالح بہتر است کہ خرمیہ و مال، و عاقل کسی بود کہ بداند کہ مال مرد آن بود کہ بخورد و بہشت بدان بدست آرد دیگر یا سلطان پاک بر و یا فرزند پاک بر و یا نصیب خاک بود، دست نہی و رآمدی و دست نہی خواہی رفت، بیت :-

انگشت زنان و رآدیم از در تو      انگشت گزان در آدیم از بر تو  
 حکامیت :- ذوالقرنین از مشرق تا مغرب بشد و در ظلمات پادشاهی برانند چون  
 وقت وفاتش بود گفت دستم تنی و برهنه کنید و از تابوت بیرون آرید تا عالمیان بدانند  
 که ازین دنیا و مملکت هیچ باخوشتن نبردم دست تنی در آدم و دست تنی بر دم آن کمیت  
 که خزینة عادیان امروزمده درم بخر و خدای عزوجل سفرشته است هر روز بر سر عالمیان  
 ندای میکند کی میگویدین لم یحرم نفسه لایرحمه الله هر که بر خود رحمت بخشد خدای بر وی رحمت  
 عملکند و فرشته دیگر که میان را دعای کند وخیلان را نفوس می کند میگوید بار خدایا هر که  
 بخورد و بخشد روزی وی فراخ گردان و هر که بخیل بود بر خود روزی وی تنگ کن  
 فرشته دیگر میگوید مال فلان کس را دادیم وزن فلان را دادیم و فلان را دولت دادیم و  
 فلان را دولت دادیم و فلان را معزول کردیم، در خبر است که شبان روزی بیست و  
 چهار ساعت است در هر ساعتی حق تعالی ششصد هزار را زندگانی می آفریند و در  
 وجودی آر و ششصد هزار را می میراند و ششصد هزار را عزیز می گرداند و ششصد هزار را  
 ذلیل می گرداند و ششصد هزار را از خاک بر میدارد و بر تخت می نشاند قوله تعالی تعزین  
 من تشاء وتنزل من تشاء.....

حکامیت :- هفتاد و یکم جمع شدند گفته بیایید تا این دنیا را این سرای حسرت و حشت  
 را بچیزی مانند کنیم بهفت چیز وی را مانند کردند اول بسراب که در بیا با نها باشد مرد  
 تشنه امید طبع در وی بند دیندار که چیز بیست چون بد و در سبب نبیند همه امیدش  
 باطل شود و در بخش ضائع شود و همچنین خداوند دنیا هزار امید دارد یکی آنکه عمر وی دراز باشد  
 تا مقصودها در یابد یکی آنکه با او وفا کند و دیگر با وی موافقت کند دیگر دشمنان وی  
 نشاء و نکند این دنیا غدار ازینها هیچ نکند، دوم مانند که درند باب شور که هیچ منفعت  
 نکند و سر او را سیر نکند و همچنین از دنیا کسی سیر نشود و از منفعتی بر ندارد، سیوم بهر مانده

کردند نباید منفعت کند، چهارم بسخن تابستان مانند کردند که مردم از گرمای تابستان باشد در زیر میخ  
 گریزند همی چون برقی برگردد آن تنای ایشان باطل کند، پنجمین خداوند دنیا از فقر و فاقه و  
 رنجوری عزل و ذل و خواری دل در وی بندد بناگاه برگردد و ایشان را امید گردد و اندر پنجم بسایه  
 آدمی مثل زدند که با او بهم می رود راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد ناپدید شود همچین دنیا و دی می  
 نباید راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد پشت برگردد و اندر برگردد و آخرت بخواب آشفته مانند کردند  
 و این درست تر [از] همه قولهاست زیرا که آن در ویلش عرب بیمار در خواب می بیند که بتخت  
 نشسته است و شهر بیادشاهی و سیت و فرمان می دهد و فلان خاتون در کنار و سیت و غلامان  
 که رسته پیش وی ایستاده و چندین خزینه بحکم اوست و چندین قلعه بفرمان و سیت و دولتی  
 یافت و آن در بنجا با سری شده همی از خواب در آید ازین هیچ بیند آن محنت و مصیبت خویش  
 بیند بشرم در افتد و تشویر و خجالت خورد گوید :-  
 در دا و دریغا که از آن خاست نشست خاکیت مرا بر سر و بادیت بدست

## در تربیت اولاد

جهانکه صلاح فرزندان بسبب مادر و پدر است و بلاک فرزندان بسبب مادر و پدر  
 است، و قرآن کریم میگوید یا ایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود و اهلکم ناراً - ای کسانی که بجزای و  
 رسول ایمان آرید خوب بشنید و فرزندان را از آتش و زخ نگاه دارید و رسول صلی الله علیه  
 و سلم گفت لعن الله والد عقی و لده گفت لعنت خدا بر آن پدری باو که فرزند از عاق کند  
 و محمد آنکه فرزند از او در حق پدران وصیت کرده است بنزیت پدر از او در حق فرزندان وصیت  
 کرده، عاق کردن پدر فرزند را اچنان باشد که ویرا مهمل گذارد و آداب شرع ویرا نیاموزد  
 تا بر پدر عاق شود و پندارد که آن عاقی طاعتت زیرا که ادب نیا موخته باشد و آن نگاه  
 له گذا

پدر است، و اگر کسی خواهد کہ تربیت فرزند کند او را از ہفت آفت نگاہ باید داشت، اول صحبت پنجم و شاعر حکیم کہ این قوم در امر شرع نیاون کنند آن وقت کہ مسلمانی ایشان دست باشد و تماون کہ دن مودی بود بدست بد اشتن و دست بد اشتن سبب بود کہ بد لہا ایشان گران بود و آن سبب بود کہ شکی در دل آید لغو باند نہ و صحبت این قوم آفتی عظیم است الا ماشاء اللہ از ہزار یکی سلامت نیاید با خلق کہ ضال شدند ازین سبب، دوم ہمنشین بد کہ هیچ چیز در عالم از ہمنشین بد بتر نیست و پانصد سال است کہ این بیت گفتہ اند:-

عن المرء لا تسأل و البصر تریہ فان القرین بالمقارن یقتدی

زیرا کہ طبع از طبع بدزد و بیاموزد و بفساد دلیر شود و شیطان بیرون آید، سیدم مجالست زنان کہ مجالست زنان بر سبیل دوام کو دکا از طبع بگہ داند و از ادب و حرمت و ہمت دین محروم شود و فرزند ان ب رنگ زنان بر آیند... چہارم از خمر خوردن نگاہ دارد کہ سر بہ افتہاد شر با خمر است و فرزند انرا بکودکی نگاہ باید داشتن تا بزرگی ادب یافتہ بود چون بکودکی دست باز دارد کی توان یافتن چون لذت خمر و بی نمازی بجا کی کودکی رسید فلاح ہر دو جهان از در بخواست پنجم از خواندن کتب پارسی کہ نہ بشریعت تعلق دارد مانند ویس و رامین و حکمت جاماسپ و لہر اسف و دامن غدر را کہ خواندن این کتابا ہما فتن است و بعضی کفر است و مردم نشناسند و کمترین آفت آنست کہ مردم مشتاق شوند و در دل طلب آن پدید آید و از حق باز ماند و عمر در باطل بسر برد... ششم اگر صلاح فرزند خواهد در حال کودکی ایشانرا از پنجم نگاہ دارد جامعہ اطلس و کلاہ زرین و کوزہ سیمین و انگشتری زرین کہ جملہ مردان از احرامست کمترین آفت آن بود کہ بجرام خصمت دادہ باشد و در ان برہ نزدیک بود و ایشانرا بر محصیت دلیر کردہ باشد، چون این نعمتہا میسر شود شیطان بیاید گوید بکار ہمنشین غلامچہ باید زنی بلا بے باید فلان و فلان طبع در تقاضا آید فرزند بطلب بر خیزد و فدا پدید آید تیج تدارک نتوان کردن، ہفتم کہوتر بازی و

برہم شدن کہ این قاعدہ شومست از آن آفتماے خیز و بزنان مسلمان مطلع شود و شرہا ازین تولد کند۔ پس ہر کس کہ توفیق یابد و فرزندان را ازین نگاہ وارد موافق کسی بود، و علامت آن بود کہ خانہ اور بخوابد و اگر حمل فرو گذارد فساد و رفساد پدید آید و ان التوفیق عزیز، اگر کسی گوید تربیتہ فرزند چون باید کردن تا ازین جملہ دور باشد گوئیم ہد آنکہ دل کودک بچو مرغ نقش پذیر است اگر صلاح یا بد بپذیرد و اگر فساد میند پذیرد و الخیرہ والصلاح بیداند و تربیت فرزندان را شرائط است اول آنست کہ شیر فرزند را کسی دہد کہ پارسا و مصلح و حلال خوار و نماز کن باشد زنی نصرانی یا زنی نابکار ندید کہ شیر دادن غذاء و یست و طبع بدان مائل شود، و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می گوید الرضاع بنیر الطباع، این شرائط نگاہ باید داشت، دوم آنست کہ ظہیر و می بکشد و نام نیکو ہند عبد اللہ و احمد محمد و محمود و ابوبکر و عمرو مانند این و ناما بید نہند خبلہ و رشلہ و دلفا و کلب و ضبہ و ذیب و گوسفند کہ این جفا باشد با فرزند، سوم آنست کہ ویرا پیش مقری بفرست تا نخست قرآن بیا موزد کہ مبارک تر چیزی قرآنست و سبب آنست کہ نخست قرآن می باید خواندن تا دیش مشغول چیزی دیگر نشود و ملاوت قرآن با گوشت و پوست او بر آمیزد چہارم آنست کہ او را عربیت و ادب بیا موزد و قدری از فقہ و احکام و نماز و طہارت و فرض عین کہ آن پنج رکن مسلمانی است تا در قیامت معذور باشد کہ در خبرست کہ فروای قیامت فرزندان دست در وامن پدرال زنند و زنان در امن شوہران گویند بار خدا یا مارا احکام شریعت نیاموختند تا ما دوزخی شیم از سبب جبل زیر کہ خلق بہشت بسبب علم می شوند و بدوزخ بجل، پنجم اگر کودک رسیدہ بود و بر خواندن و آموختن ویرا بنوازد و چیزے بد بد و وعدہ کند تا دلش خوش شود و آموختن کہ بیارے بادشاہان بودند کہ فرزندان را بعد ہاء خوب

لے غالباً اس جملے میں عبارت کا کچھ حذف ہو گیا ہے :

مصلح گردانیدند و عالم و مؤدب و مہذب شدند برای و تدبیر ایشان زیرا کہ پیغامبری  
گوید علیہ السلام جبلت القلوب علی حب من احسن الیہا خداے عزوجل دلمارا  
چنان آفریدہ است کہ ہر کسی کہ باوی احسان کند ویرا بدوستی گیرند، ششم اگر گناہی  
کند فرزند در کودکی ویرا بزند و دوبارہ تانگو نہ شود و یک بار و دوبار تغافل کند تا اندو  
ہمیت گیرد کہ از سہو و غفلت و نشاط و کودکی معصوم نیست خاصہ آتش جوانی کہ شجہ  
ایست از دیوانگی . . . . . ہفتم آنست کہ درین اسباب توکل بر خدای  
تعالی کند و اعتماد بر فضل اور کہ صلاح اور دہد و بقضا و قہر دست تا او نگاہ  
ندارد مادر او پدر بیچ نتواند کردن و چون او نگاہ دارد بیچ نتوان کردن +

محمد اقبال

---

# کلام منوچہری

(گزشتہ سے پیوستہ)

منوچہری نے اپنے قصائد میں وہی روش اختیار کی | منوچہری کے کلام کی نوعیت ہے۔ جو زمانہ جاہلیت کے عربی شعرا سے مخصوص

تھی۔ اس کے قصائد پر عربی شعر کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے۔ کہ ایک مصنف کا خیال ہے کہ باوجودیکہ منوچہری میں تمام شاعرانہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اسے ہم عصر شعرا میں ممتاز خیال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے کلام کا موضوع عموماً شراب، عشق و محبت، موسم بہار، اور مدح و ثنا وغیرہ فرسودہ اور مبتذل مضامین ہیں۔ جو عربی نظم میں کثرت ستمل ہیں اور وہ تکلفات اور تصنیفات سے خالی نہیں۔

مگر ہم اس مصنف کے مذکورہ بالا خیال میں متفق الراء نہیں ہیں۔ منوچہری جیسا کہ اس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔ فطرتاً شاعر تھا۔ جو کسی شاعر کے حسن کلام کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ وہ بچپن میں ہی مشکل سے مشکل طرح پر شعر کہ سکتا اور ہر وزن و زمین میں طبع آزمائی کر سکتا تھا۔ روایت میر تقی کا شی سے جسے صاحب مجمع الفصحاء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سلطان مستود کے دربار میں ملک الشعراء عنصری کے بعد متعل جگہ پایا کرتا تھا اور دیگر تمام شعراء اس پر رشک کرتے تھے۔ بلکہ صاحب مجمع الفصحاء کا تو یہ خیال ہے۔ کہ گوہ عنصری کا نتیجہ کرتا تھا۔ لیکن شعر گوئی میں اس سے بھی افضل مانا جاتا تھا۔

۱۔ مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۴۲ باب الاباب جلد دوم ص ۵۳ + ۱۲ منہ

۳۔ مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۴۲ + ۱۲ منہ

۲۔ مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۴۶ + ۱۲ منہ

## میر تقی کاشی کی ایک غلطی

صاحب خلاصۃ الافکار کہتے ہیں کہ منوچہری عنصری اور عسجدی کا ہم عصر تھا۔ اور دربار میں عنصری کے

سوا تمام دیگر شعرا مع فردوسی اور فرخی کے اس سے پچھلے درجہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ فردوسی جو کہ منوچہری کے غزنی آنے سے پہلے ۳۵۰ھ میں مرجکا تھا۔ اس کا صاحب کی ذکر ہو سکتا تھا۔ فردوسی تو سلطان محمود سے بھی پہلے مرجکا تھا اور منوچہری محمود کے بعد مرا۔ اس لئے فردوسی اور منوچہری کا دربار محمود میں ایک دوسرے کا صاحب ہونا ہرگز قابل تسلیم نہیں +

کچھ ہو لیکن ہمیں اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ دربار غزنی میں منوچہری کا کیا پایہ تھا۔ تقریباً تمام تذکرہ نویس اس بارے

## غزوی دربار میں منوچہری

میں ہم آہنگ ہیں۔ کہ سلطان مسعود کے دربار میں منوچہری کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔ اس نے اپنا زیادہ تر کلام جو ہم تک پہنچا ہے مسعود ہی کے زمانہ حکومت میں کہا۔ کیونکہ دیوان کے تقریباً تمام قصائد مسعود اور اس کے بعض درباریوں کی مدح میں ہیں۔ جس کی وجہ سے مسعود بھی اس پر بہت مہربان تھا اور اسے منصب ترخانی حاصل تھا۔ یعنی جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آدورفت کر سکتا تھا۔ چنانچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ اس کا تمام کسب و مال و دولت اس کے مدحیہ کلام کا صلہ تھا۔ دربار میں اس کے جاہ و منصب پر اس کے ہم عصر شعراء اس پر حسد کیا کرتے چنانچہ وہ ایک حاسد کے متعلق کہتا ہے ح

داؤ مظلوماں بدہ اے عز امیر المؤمنین  
بفسر زچوں بنگد گل پیش ماہ فردوس  
ہر کہ بیماریِ وق دارد کج گردو سمیں  
کو ز گشتی چوں کمان و تیر گشتی چوں کمیں  
دوستان را خود برابر و بودا ز وے زخم چیں

حاسداں برین حسد کرند و من فردم چیں  
حاسد بر من ہی بیشی کند وین زو خطاست  
حاسدم خواہد کہ اوچوں من ہی گرد و بفضل  
حاسدم گوید چرا بر من بیک گفتار من  
حاسدم گوید بہر دی دوستانم راز من



حاسد م گوید چرا باشی تو در درگاه شاه  
 اینت بغض آھکارا اینت جل راتین  
 حاسد م گوید کہ ما پیریم و تو بر ناتری۔  
 نیست با پیراں بد انش مردم برنا قرین  
 حاسد م گوید چرا خوانند کمتر شعر من۔  
 زان تو خوانند ہر کس ہم نوات و ہم نہیں  
 حاسد م گوید چرا تو خدمت خسرو کنی  
 رو بہا زاکر دبا بد خدمت شیر عریں  
 حاسد م گوید چرا در پیش گاہ ہنتران  
 باز نشناسد کسے بر بلطز چنگ رامین  
 حاسد ا ہرگز نہ بینی تا تو باشی روئے عقل  
 ماذلیلیم و حقیر و تو امینی و میں  
 حاسد ا تو شاعری و نیز من ہم شاعرم  
 دوزخی ہرگز نہ بیند روئے و موئے عوریں  
 حاسد ا تا من باں در گاہ سلطان آدم  
 چوں ترا شعر ضعیف است و مرا شعر سمیں  
 حاسد ا تا من باں در گاہ سلطان آدم  
 رفتاد غلغل و برخاست و یل و حین

ایک اور قصیدہ میں وہ حاسد کو یوں خطاب کرتا ہے :-

بد گفتن اندر آنکس کو مارج تو باشد  
 باشد ز زشت نامی باشد ز بد عیاری  
 اے میر مصطفیٰ را گفتند کافر اں بد  
 باں ہمہ بتوت با فرد و کرد کاری  
 چنداں دروغ و بہتال گفتند اں جہوداں  
 بر عیسا ابن مریم بر مریم و حواری  
 من کیستم کہ بر من نتوان دروغ گفتن  
 نہ قرص آفتابم نہ ماو وہ چہاری  
 اے شاعر سبک دل با من چہ افتاد  
 پنداشتم کہ عقلت بیش است و ہر شاری  
 با من ہی غبی تو و اگر نہ کہ نشیرہ  
 دنبال بسر غائی چنگال شیر خاری  
 چوں روئے من بہ بینی با من کئی مطلق  
 مہاں بری خجاست نقل و نیذ آری  
 و انجا کہ من نباشم کوئی مثال من  
 نیک است کت نیاید زین کار شمر ساری  
 یا باش دشمن من یا دوست باش و یک  
 نہ دوستی نہ دشمن اینت سپید کاری

لے ہمارے خیال میں اگر زمین کی جگہ چین (بناؤ مجھ) ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ ممکن ہے کہ کاتبوں نے تصحیف

کروی ہو ۱۲ منہ لے حنین کی جگہ انین یعنی نالہ و گریہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے

تزویر گنیم من - تزویر گر تو باشی  
 از بہر آنکہ شمر شہ را بدل خوش آمد  
 چوں تو نیم کہ خدمت کمتر کنی و منتر  
 دانی کہ من میتمم بر در گہ شہنشاہ  
 خشم آیدت کہ خسرو بر من کند کوئی  
 اے کا شکے حسودم چوں تو ہزار بودے  
 حاسد چو بیش باشد بہتر رود سعادت  
 شاہا بر غم حاسد خواہم کہ من رہی را  
 ایک اور جگہ وہ اپنے حاسدوں کی یوں شکایت کرتا ہے :-

ایا خواجہ ہداستانی بکن کہ بر من تحمل کند ابترے  
 فراواں مرا حاسداں غاسند زہر گوشہ وز ہر کثورے  
 تو گر حافظ و پشت باشی مرا بذرہ نیندیشم از ہر خورے

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم میں عموماً دو قسم کے خیالات کا نتیجہ کیا جاتا تھا۔ ایک جماعت وہ تھی جو شخصی احوال کے متعلق شعر کہا کرتی تھی۔ اور دوسری قومی

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم کی دو مخالف جماعتیں

اور سیاسی امور میں اپنی طبع آزمائی کرتی تھی۔ پہلی جماعت کا قافلہ سالار عنصری اور دوسری کا فردوسی تھا۔ سلطان محمود کے زمانہ تک فردوسی کے قدم بقدم چلنے والوں کا دور دورہ تھا۔ لیکن محمود کی وفات اور ناصر الدین قاجار کی تخت نشینی کے درمیان کے زمانہ میں فردوسی کے مداح تو بہت رہے۔ مگر کسی نے اس کی تقلید کا موقع نہ پایا۔ ایرانی لوگ شاہ نامہ پڑھتے تو تھے مگر وہ عربی نظم کو بمقابلہ فارسی نظم کے چنداں مرغوب خیال نہ کرنے کے علاوہ فارسی نظم کے بھی اتنے دلدادہ نہ تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عربی ادبیات کا ذخیرہ صرف ایسے علماء تک محدود تھا

جنہیں اشعار عربیہ سے صرف اتنا ہی تعلق تھا۔ کہ وہ کتاب و سنت کے لئے استشہاد کر سکیں اور وہ خود شعر سے زیادہ مانوس ہونا اہم خیال نہیں کرتے تھے +

فارسی نظم کے متعلق منوچہری کا مسلک

مذکورہ بالا حالات میں عنصری کے متقلدین کے لئے رستہ صاف تھا۔ کیونکہ مخالف جماعت کا نامزدہ صرف خود فردوسی تھا۔ منوچہری ضرورت وقتی کی بنا پر اپنے استاد عنصری کا جانشین تھا۔ اس لئے وہ جماعت عنصری کا سب سے بڑا علم بردار مانا جاتا تھا۔ وہ فارسی نظم میں عربی لفظ اور ضرب الامثال کے استعمال کا بڑا حامی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص جو عربی نظم اور عربی شعرا عربی رسم و رواج اور تاریخ عرب سے نا آشنا ہو۔ منوچہری کے کلام کی تعریف کرنا تو بجائے خود اسے اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ غالباً اسی خیال پر مذکورہ بالا مصنف کی وہ رائے جو صدر مضمون میں ہم نے نقل کی ہے۔ مبنی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے۔ کہ ہم منوچہری کو اس کے اپنے زمانہ کا بڑا شاعر ماننے کو تیار نہیں +

منوچہری کے بہت سے قصیدے بلحاظ موضوع و زبان زمانہ جاہلیت کے عربی قصیدہ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اس کے ایک قصیدہ سے چند اشعار انتخاب کرتے ہیں :-

سَلَامٌ عَلٰی دَارِ الْکَوَاعِبِ	تباں سیہ چشم عنبر و دائب
رَسُوْمُ الْطَلَلِ وَالَّذِیْ اَرَادَ اِس	چو بر صدر نشور تو قیع صاحب
مَقَامِ غَوَانِیْ غَرَفَتِ نَوَاحِ	بساطِ عنادل سپردہ عنکاب
سَمْنِ زَاغَشْتِ دِیَارِ سَلَا حَف	چمن زار شستہ و جار ثعالب
چو سیر کہ اکب بدیگو نہ دیدیم	براندم خجیب از مقام مصائب
شب تیرہ و باد غضبان فدفد	ہمی آمد آواز غول از جوانب
ہمہ راہ و بیراہ خار نیلماں	عقابان وادی لبان عتارب
فتاد آہمئے چشم من بر قوافل	عیوں فرود درخون و آہم ساکب

زہنِ پیما دیدم اندر مجاری      درخشاں چو درویر صباغِ ثاقب  
 زخمیہ ہرول آمدہ خوبریاں      گرازاں چو طاؤسِ گروِ شارب  
 لبِ لعلِ ضامکِ خمِ جدا فر      رُخِ خوبِ لایحِ سر زلفِ لاعب  
 معنیز واثبِ معقِ عقائض      مسلسلِ ندائِ سمجھلِ ترائب  
 خراماں بُتِ بنِ میانِ جواری      چو حورِ بہشتیِ میانِ کواعب  
 زار و احِ صافی تر اندر لطائف      ز غورِ شیدِ روشن تر اندر کواکب  
 گلندمِ رحالِ و زمامِ نجیبیم      دُلہنتُ بالْخُورِ وَالْخُورِ دَاجِبِ  
 نگہِ کر دمِ اندر جہانِ لطائف      بختِ عمیدِ ولِ فریدِ ولِ مرابت

اس قصیدہ میں مضمون - سلسلہ خیال اور زبان تمام امور میں شاعر کا میلان زیادہ تر عربی کی طرف ہے۔ عربی اس قدر نمایاں ہے۔ کہ خواہ مخواہ یہ خیال آتا ہے۔ کہ شاعر فکرِ مضمون تو عربی میں لیکن انہماکِ خیال فارسی میں کر رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غزنوی دورِ حکومت کا کوئی شاعر زمانہ جاہلیت میں عرب کا باشندہ ہے۔ جن اصحاب نے ملک الشعراء امرؤ القیس کے مشہور قصیدہ سے

قَفَّائِبُكَ مِنْ ذِكْرِي جَنِيْبٍ وَمَنْزِلٍ      يَسْقِطُ اللَّوْلُيُ بَيْنَ الدُّخُلِ فَحَوْ مَلٍ

کا مطالعہ کیا ہوگا۔ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ کہ شاعر نے اسی قصیدہ کے الفاظ و معانی کو فارسی تراکیب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اس لئے اگر خالص ایرانی مذاق کے شعراء کو منوچہری کے ان اشعار سے زیادہ دلچسپی نہ ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ مگر بایں ہمہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ فاضل شاعر نے اس میں ایک گوندِ جدت پیدا کر کے شعر گوئی میں ایک انوکھی راہ نکال لی ہے۔ کُلُّ جَزِيْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَيَرْحُونَ ج

ہر یکے را بہر کارے ساختند

مندرجہ بالا قصیدہ کے علاوہ ایک دوسرا قصیدہ ہے جس میں تشبیب - تخلص - مدح -

اور قطع وغیرہ عربی قصیدہ کے تمام لازم پائے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ بہتر شعر کا ہے۔ ہم کچھ اشعار نقل کرتے ہیں۔

## تشبیب

الایا نیگی خمیس فروہل  
بیرہ زن زدہ طبل سختیں  
کہ پیش آہنگ بیروں شذر نزل  
شتر باناں ہی بند محل  
ماہ شام نزدیک است اشب  
ولیکن ماہ وار قصہ بالا  
فروشدا آفتاب از کوہ بابل  
چناں دو کلفہ سیہیں ترازو  
کہ میں کلفہ شود زراں کلفہ مائل

اس کے بعد شعرا اپنے محبوب کے کوچ کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے اس طرح

خطاب کرتا ہے۔

نداستم من اسے سیہیں صنوبر  
من و تو غافلیم و ماہ و خورشید  
نگارین من بار گردو مگری  
زمانہ حال ہجر است و لا بد  
نگارین چو حال بن چین دید  
تو کوئی پہل سودہ کبت داشت  
بیاد و قتال خیراں بر من  
مرگفت اسے ستمگارا بجانم  
چہ دامن من کہ بازائی تو یا نہ  
دو ساعد را حائل کرد با من  
ترا کامل ہی دیدم بہر کار  
کہ گرد و روز چوین زو زائل  
بریں گردون گرداں نیست غافل  
کہ کار عاشقان را نیست حاصل  
نہدیک روز بار خوش حال  
ببارید از شرہ باران وابل  
پراگند از کف اندر ویدہ پیل  
چناں مرغے کہ باشد نیم بسل  
بکام حاسد مگردی تو عادل  
بداں گاہے کہ باز آید تو افل  
فروا و نیت از من چوں حائل  
ولیکن نیستی در عشق کامل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کو تسلی دیتا ہے۔ جو آخر کار اس کو اکیلا چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ وہ کارواں سرائے کی طرف نظر کرتا ہے۔ لیکن اسے کوئی انسان یا حیوان۔ پیادہ یا سوار دکھائی نہیں دیتا۔ صرف اس کا اپنا اونٹ ہے۔ جس کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہیں۔ اور وہ گھبراہٹا ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر زین کستا ہے۔ اور سوار ہو کر اسی راستہ پر جاتا ہے جدھر قافلہ والے گئے ہیں۔ وہ ایک لق و دق گیتان میں سے گزرتا ہے۔ جس میں انتہا درجہ کی سرودی ہے۔ اور بہت سرد ہوا چلتی ہے۔ جو خون تک مہمکد کرتی ہے۔ سنہری ریت پر روپہلی برف کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور سورج کی گرمی سے برف گپھلنا شروع ہوتی ہے۔ اس کے اونٹ کے پاؤں میں کچھ دھبے لیسدار مادہ کی طرح چھٹ جاتا ہے۔ آخر وہ افتان و خیزاں قافلہ کو جا پاتا ہے۔ جو میدان میں نیچے لگائے پڑا ہے۔ وہ دُور ہی سے اونٹوں کی گھنٹی کی آواز سنتا ہے۔ جو اس کو میل کے راگ سے زیادہ بجلی معلوم ہوتی ہے +

اس کے بعد کہتا ہے

گرہیزن

الایاد سگمیر مرد فاضل	نجیب خویش را گفتم سبک تر
بچمکت آئینیں باد افساں	بچمکت عنبریں باد چہرہ گاہ
منازلہما بکوب و راہ بکسب	بیاباں در نورد و کوہ بگذار
فردو آوردن اشئیں بباہل	فردو آور بدرگاہ وزیرم
معالی از اعالی و زاسا فل	بعالی درگہ دستور کو راست

چو پنہیر بنوش و ان عادل	ہمیں ناز و بہدش میر مسعود
درآید پیش او سائل چو عائل	درآید پیش او بدرہ چو قائل
رود از پیش او بدرہ چو سائل	شود از پیش او سائل چو بدرہ

مدت

آخر میں ہم اس قصیدہ کے آخری ساٹ شعر نقل کرتے ہیں۔ جن میں شاعر اپنے مدوح کے جوہر و سخا کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے دعا دیتا ہے۔ جس کو اصطلاح شعراء میں حسن طلب کہتے ہیں یعنی شاعر مدوح سے ایک لطیف پیرایہ میں حصول مطلب کے لئے التماس کرتا ہے۔ قصیدہ کے آخری تین اشعار میں حسن مقطع بھی پایا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدہ کسی ایسی بات پر ختم ہو جو بہت دلکش اور موثر ہو تاکہ سامع اخیر میں اکتانہ جائے اور اگر نظم میں کوئی عیب یا غلطی واقع ہو گئی ہو تو آخر میں اس کی تلافی ہو جائے۔

خداوند امن ایجا آمدستم	بامید تو و امید منفل	حسن طلب
افاضل نزد تو نازند ہموار	کہ ز می فاضل بود و فصل فاضل	
گرم مرزوق فرمائی بخدمت	ہماں گویم کہ عشی گفت و عبل	مقطع
وگر از خدمت محروم ماندم	بسوزم کلک و بگنجم انال	
الاتا باگ دُراج است و قری	الاتا نام سیرغ است و لخل	
تنت پایندہ باد و چشم روشن	دلت پاکیزہ باد و بخت مقبل	
دہادیزد مراد نظم شعرت	دل بشار و طبع ابن مقبل	

اس قصیدہ میں شروع سے آخر تک عربی عنصر تقریباً ہر شعر میں پایا جاتا ہے۔ اور شاعر عربی رسوم و رواج کا ذکر کرنے کے علاوہ عربی شعراء کو بھی یاد کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی حد تک ان کے حالات سے باخبر ہے۔

قبلہ والد صاحب بزرگوار مدظلہ نے ایک نعتیہ قصیدہ منوچہری کے اسی قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا۔ جس کی تشبیہ کے چند اشعار ہم مضمون ختم کرنے کے بعد ہدیہ ناظرین کریں گے۔

در حقیقت عربی شعراء ہی کو منوچہری کے اساتذہ رہبر خیال کرنا چاہیے۔

جن سے وہ لفظاً و معنیاً استاد کرتا ہے۔ اور جن کے نقش قدم پر چلنے

کا گرویدہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک اور جگہ کہتا ہے۔

منوچہری کے کلام پر  
عربی شاعری کا اثر

چل من زادت کنم گویم کہ خود اعشی منم  
 از بسکہ اندرد انم از چرخ بار و قافیہ  
 وہ وہی وزن شری استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جو عربی شعراء نے کیا ہے  
 براں وزن ایں شعر گفتم کہ گفت است ابو شنیص اعرابی باستانی  
 اور اسی قافیہ و ردیف کا شائق ہے۔

بزیر و ہم شعر اعشی و قیس زنده ہی زو بعنا ہا  
 وَ أَخْرَى تَدَاوَيْتُ مِنْهَا بِهَا  
 اَخَذْتُ الْمَعِيْشَةَ مِنْ بَابِهَا  
 اِنِّیْ اَمْرُوْ

ایک اور قصیدہ عربی شاعر ابوشیص کے اس قصیدہ کے قافیہ و ردیف میں ہے۔ جس کا

مطلع یہ ہے۔

سَأَلْتُكَ وَاللَّيْلُ مَلَقَ الْجُرَانِ غَدَابُ يَنْوَحُ عَلَى غَضَنِ بَابِ

منوچہری کتاب ہے۔

جہانا چہ بدمر و بدخو جہانی  
 چو آشفستہ بازار بازار گانی  
 وہ پھر عربی شعراء کو یاد کرتا ہے۔

ریدم بنزدیک تو شعر گویاں  
 چو نزدیک ہاروں صریح الخوانی  
 بامید آں تا کنم خدمت تو  
 رہا گردم از محنت ایں جہانی  
 شنیدم کہ اعشی بشہر میں شد  
 سو سودہ بن علی ایسیانی  
 برو خواند شعرے بالفاظ تائی  
 بشیریں معانی و شیریں زبانی  
 کیے کارواں اشتر گشن دوش  
 ہر اشتر بسان کہے از کلانی  
 شنیدم کہ سوئے خطیب ملک شد  
 بدستگری بونواس بن ہانی  
 بیک سماعت او گم دہانش بیگند  
 بیا قوت و حیا دہ بھرمانی



علی بن راہم از شہر موصل      بیاد معبد ادا از شہر خوانی  
 بدادش ہم آگاہ رشید خلیفہ      بواسل دوسہ بدرہ از زرکانی  
 سوئے تاج عمرانیال ہم بینیاں      بیاد منوچہرئی دامن فانی

وہ عربی شعراء کا ذکر صرف اس غرض سے کرتا ہے کہ اپنے مدوح کو یاد دلائے کہ انہیں اپنے مدوحین کی مدح کا کیا صلہ ملتا رہا۔ شروع سے آخر قصیدہ تک عربی شعراء کے ناموں کی بھرمار ہے۔ تاکہ وہ اپنے مدوح کو بھی ان مدوحین کی سی فرائح حوصلگی کی طرف توجہ دلائے۔ اسی طرح ایک اور قصیدہ (جس کے ایک دو شعر ہم اوپر نقل کر چکے ہیں) ابن المعتز کے ایک قصیدہ کے ردیف و قافیہ میں کہا گیا ہے۔ جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

وَتَحْنُ بَنُو الْعِلْمِ أَذْلَىٰ بِهَا

منوچہری نے ضمیر ہا پر بہت عمدہ گرہ لگائی ہے۔

چو از زلف شب باز شد تاہما      فروم و قندیل محرابہا  
 سپیدہ دم از بیم سار سخت      بپوشیدہ بر کوہ سنجابہا  
 بخوار گاہ ساقی آواز داد      فگندہ بزلت اندرون تابہا  
 بباغ تختیں ازین باب خوش      بختیم ما ہیچو طبل تابہا  
 منہم بسام آمد از نور مے      گرفت ارتفاع سطل تابہا

وہ عربی شعرو شعراء کا اس قدر دلدادہ تھا کہ وہ ان کی تقلید میں شعر کہنے سے کبھی سیر نہ ہوا۔

از میان غائب کعبہ فرو آویند      شعر نیکو را بر تریں سلسلہ پیش عربی  
 امر و القیس و لبید و ال عشی قیس      برطلما نوحہ کردندے و بر رسم تلای  
 ماہمہ بنظم و شعرو قافیہ نوحہ کنیم      نہ بر اطلال و دیار ونہ وحش و نہ ظبی  
 بو نواس و بو حداد و بولمیک ابن البشر      بود و بود و بود و ابان احمدیا فتی

آنکہ گفت است اذ نبتنا و انکہ گفت الذ انبتین      آنکہ گفت السیف اصدق و انکہ گفت ابلی الہوی

بو العلاء و بو العباس و بولیک و بولش  
گر مدیح و آفرین شاعران بونے دروغ  
و انکہ آمد از لواح و انکہ آمد از مہری  
شعر حسان بن ثابت کے شنیدے مصطفیٰ  
بر لب و دندان آں شاعر کہ ناش بالغہ  
شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد  
جعفر و سعد و سعید و سید اقم القری  
و عطاء و ادون بشعر شاعران بکونفس  
احمد مرسل ندا و کعب راہدیر روی

منوچہری کے کلام میں عربی اثر | چونکہ منوچہری کا دیوان شروع سے آخر تک عربی نظم  
و شعراء اور عربی الفاظ و محاورات سے پُر ہے اور

اس میں تاریخ عرب اور عربی رسوم و رواج کی طرف باجبا اشارے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے  
بے محل نہ ہوگا۔ اگرچہ ان تمام چیدہ چیدہ امور کی ایک مختصر فہرست اس جگہ دیں :-

پہلا نمبر قصیدہ کا اور دوسرا شعر کا ہے :-

- ۳ - ۹ بزیر و ہم شعر اعشی و قیس  
۱۰ - و کائس شربت علی لکذا  
۱۱ - لکی یعلمہ الناس انی امرؤ  
۱ - سلام علی کاد اقم الکواغیہ  
۵ - ۲ نسوم الطلل والذیاء الذلای  
۲۷ - فلکندم رحال و زمام نجیم  
۲۹ - شدم از صحرای من اندر صحرای  
۳۳ - بداں وقت کز آبس گر و خیر و  
۳۶ - تو چوں جبرئیل اندرائی زبالا  
۷ - ۱ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَیُّ ماہِ خزان ہست  
۱۱ - ۱۲ کلب دری کوس و ارگرد و قفانک یاد
- زندہ ہی زد لبنا ہسا  
و اُخری تداویت منہا بھا  
اَحَذْتُ الْمَعِيشَةَ مِنْ بَابِهَا  
بتان سیہ چشم غنبر وائب  
چو بر صدر نشور تو بیع صاحب  
و اَلْهَيْئَتُ بِالْفَعْلِ وَالْفَعْلُ وَاجِبُ  
وَقَدْ حَصَرْتُ حَقّاً سَعِيداً لَعَوَاتٍ  
وَصَافَتْ مِیَادِیْنِ جَنَمَ الْکُنَائِبِ  
کئی حملہ بر خصم من کلّ تجانب  
ماہ شدن و آمدن راہ رزان است  
بارغ پراز جملہ شدر اغ پراز حملہ شدر

- ۲۹ - ۳ ہمیں راندم حبیب خویش چوں باد  
ہمیں گنہگار کہ اللہ مہم سہل
- ۴۵ یکے شجر تو شاعر تر ز حسان  
یکے لفظ تو کمال تر ز کابل
- ۶۸ گرم مرزوق نسرانی بخندست  
ہمیں گویم کہ اعشی گفت و عمل
- ۷۲ دہاد ایزد مراد در نظم شعرت  
دل بشار و طبع ابن مقبل
- ۳۱ ۶۰ علی بن عبید اللہ صادق  
رفیع الشان امیر صادق الظن
- ۶۱ جمال ملک ایران و قوراں  
مبارک سایہ ذی الطول و الدن
- ۳۳ ۲۷ کوجریر و کوفرزوق کوزہیر و کولبید  
رؤبہ و عجاج و دیک ابن و صیف و دوزن
- ۲۸ کوطیب و کواشیہ کوطیہ کواکیت  
اخطل و بشار بر داک شاعر اہل سین
- ۳۱ ابن ہانی ابن رومی ابن مختار ابن فیض  
و عمل و بوشیس و آل فاضل کہ بودند در قرن
- ۳۳ و آل دوامرو و الفیس و آل دو طرفہ و کالبہ  
و آل دو حسان و سرہ اعشی و آل حماد و وزن
- ۳۶ تابران آنا و شعر خویش تن گر نید باز  
نہ بر آنا ریدار و رسم اطلال و دین
- ۳۶ ۳۵ من بسے دیوان شعر تازیان دارم زہر  
نوندانی خواند اکا ہیقی یضغیک فایضین
- ۴۱ ۱ نوروز برنگاشت بصحرای شک و مے  
تمثالہائے غرہ و تصویر ہائے مے
- ۱۸ بانظم ابن رومی و بانشرہ امعی  
باشرح ابن حنی و بانخوسیبوے
- ۱۵ بانکتہ مغنی و بادانش مطیع  
با خاطر مہر و و غسق لفظ وے
- ۲۰ باخط ابن منقلہ و با حکمت ظہیر  
باحفظ ابن مغنر و با صحبت ابے
- ۴۱ ۱۶ بادبرین صناعت مانی کند ہمیں  
مرغ حزین روایت معبد کند ہمیں
- ۴۱ ۲۸ کثیر الثواب و قلیل العقاب  
ثقیل الرکاب و خفیف العنان
- ۴۵ رسیدم نیز دیک تو شمر گویاں  
چونزدیک ہاروں صریح الغوانی
- ۴۶ شنیدم کہ اعشی بشیرین شد  
سوی سوقہ بن علی الیمانی
- ۵۰ شنیدم کہ سوئے خطیب ملک شد  
بدחקری بنو ناس بن ہانی

- ۵۲ علی بن براہیم از شہر وصل  
بیامد بہ بغداد و در شعر خوانی
- ۶۵ بدان زن این شعر گفتم کہ گفت است  
ابو شعیب اعرابی باستانی
- ۶۶ ساقبل و اللیل ملقی الحبران  
غزابت یمنوم علی عَصْن بَاب
- ۵۱ ۲۰ ایا کریم زمانہ علیک عین اللہ  
توئی کہ چشمہ خورشید ابنور رضوی
- ۵۵ ۳ گل زرد و گل خیری و بید و باد شہگیری  
ز فر دوس آمدند امر و ز سُبْحان اَلْکَلْبِ اَسْرَی
- ۶ یکے چوں عاشق بیدل دوم چوں جود شوق  
سیم چوں مژدہ مجنوں چہارم چوں لب لیلیا
- ۸ یکے مقصورہ غائب دو دیگر مابدا عقل  
سہ دیگر غلص اخل چہارم مقطع ا غشی
- ۹ زبان و اقحوان و ارغوان و ضمیران اود  
جہاں گشت است از خوشی لبان لث العزلی
- ۱۱ نوائے قمری و طوطی کہ بار دست مے بر سر  
نشد بلبل و صلصل قفائتک ذمن ذکر لی
- ۱۶ یکے چوں جیل آمد دوم مانند بی شبیبہ  
سہ دیگر چوں جریر آمد چہارم چوں اُم اونی
- ۱۸ یکے چوں دیدہ یعقوب و دیگر چوں سُخ یوسف  
سہ دیگر چوں دل فرخوں چہارم چوں کف ہوی
- ۲۴ یکے ماہدین آمد دیگر عین اقیسین آمد  
سیم چوں المتین آمد چہارم عروۃ الوثقی
- ۲۶ یکے چوں چشمہ زرم دوم چوں زہرہ ازہر  
سیم چوں جنگ بوالحارث چہارم دست بوسعی
- ۳۰ یکے تہانہ آذر دوم بُت خانہ مشکو  
سہ دیگر حنبت العدن و چہارم حنبت المادی
- ۳۲ یکے چوں بشر بوا دم دوم چوں عمر بویکے  
سیم چوں عیسیٰ بن ہداں چہارم نیشل حریمی
- ۳۵ ۳۵ زیر گل زند چنگے زیر سر و بن ناے  
زیر یا میں عروہ زیر نسن سلی
- ۳۸ یکے یعقوب بن اسحق و دیگر یوسف چاہی  
سیم ایوب بنمیر چہارم یونس متی
- ۵۹ ۳۱ رزبال رابد و ابروے بر افتاد گرہ  
گفت لَاحُولٌ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ
- ۶۳ ۳ باوہ فرزا و دید چہارم سیا رنگاں  
قَوْمًا شَرًّا لِّالصَّبْحِ یَا اَیُّهَا الشَّامِیُّنِ
- ۷۷ ۱ نبیند پیش من آمد بشاد می برکہ  
بجندہ گفتم طوبی لمن یرى عکھ

اسی بنا پر منوچہری اپنی وسیع عربی دانی پر بدیں الفاظ فرماتا ہے ۷۷

من بے دیوان شہر تازیان دارم زبر توندانی خواند لاہتی بصحبک فی صبحین  
یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ منوچہری کا کلام بوجہ تلمیحات کے غزنوی دور حکومت  
کے تمام دیگر شعراء کے کلام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ ہم اور انتخاب پیش کرتے مگر طوالت کے اندیشہ سے  
اسی پر اکتفا کرنا مناسب خیال کیا ہے

حاکم وقت کا طبعی حق  
دربار غزنوی کے تمام شعراء اپنے مدوح کے مناقب بیان کرنے میں  
مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور منوچہری ان کا لیدر تھا۔ پروفیسر  
براؤن کا خیال ہے کہ غنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ منوچہری۔ اور دیگر شعراء غزنوی کے قصائد اتنے ہی  
بناوٹی اور دُور از قیاس تشبیہات سے پُر ہیں۔ جنہیں دربار سلاجقہ یا بعد کے شعراء کے قصائد تاہم قدیم  
کے اشعار بالعموم سادہ قدرتی خیالات اور آئندہ سے منصف ہیں

در حقیقت مشرقی شاعری میں عام طور پر ان قصائد کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے۔ جن میں مدوح  
کو ان اوصاف کا قدرتی حقدار مانا جائے۔ جن سے وہ انفاقہ طور پر متصف ہو۔ غالباً کسی ایرانی شاعر  
نے اس امر پر منوچہری سے بڑھ کر زور نہیں دیا۔ اس کے قصائد بڑے بڑے مبالغات اور خوشادانہ  
مضامین سے پُر ہیں۔ جو غلو کی حد تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ مدوح کو یوں خطاب کرتا ہے

ایں جہاں کردہ رائے تو خداوندِ جہاں      وال جہاں سن بقیعیم کہ برائے تو کند  
ہمہ عدل است ہمہ حکمت انصاف تمام      ہرچہ از فضل و کرم با تو خدائے تو کند  
نمواند کہ جزائے تو کند خلقِ نجیب      ملک العرش تو اند کہ جزائے تو کند

ایک اور جگہ مدوح کے بارہ میں کہتا ہے

مسعود ملک آنکہ بنودست و نباشد      از مملکتش ابدالہ سر جدائی  
ایں مملکت خسر و زنا ئید سماوی است      باطل نشود تا ہرگز تا ئید سمائی  
ایزد ہمہ آفاق با و داد و بحق داد      ناحق بنود آخسر بود کا خدائی

ایک قصیدہ میں بدیں الفاظ غائب کرتا ہے

اے میر جہاں ایزد سپرد ہو گیاں      گیاں یہ تم نگارے دائم کہ نہ لپساری  
 این ملک مشرق راویں ملک مغرب را      آرے تو سنراواری آرے تو سنراواری  
 ایک جگہ تمام دنیا کو اس کے پاؤں کی خاک کے برابر بنا دیتا ہے ۔  
 اے ملک ایزد جہاں برائے تو کردست      ماہم را از پٹے ہوائے تو کرداست  
 ہر چہ بگرداے ملک سزائے تو کرداست      نیکو کارے کہ او بجائے تو کرداست  
 عالم را خاک کف پائے تو کرداست      عزوجل ایزد ہمیں متعال  
 ایک اور جگہ کہتا ہے ۔

ایں ولایت شدن حکم فدائیت ترا      بنود چون و چہ را کس را حکم الہ  
 ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح کی مدح کو قرآن مجید کے برابر درجہ دیا ہے ۔  
 گر سپیر زندہ بودے برسان جب سرائے      آمدے در شان جودش آیت از عرش خدای  
 وہ اپنے ممدوح کو کسی پیغمبر سے بھی برتر خیال کرتا ہے ۔  
 گر کسے گوید کہ در گیتی کسے برسان اوست      گر ہماں پیغمبرے باشد بود یا فدراے  
 اس کے خیال کے مطابق دونوں جہان میں اس کے ممدوح کا کوئی ہمسر نہیں ۔  
 بروئے پاک و رائے نیک فعل خوب کا بخوش      نظیر اوندائے کس چہ در دنیا چہ در عقبے  
 ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کرنے کے علاوہ حسن طلب اور دعا کے مقام پر اس سے بھی  
 بڑھ کر غلو سے کام لیا گیا ہے ۔ اور ممدوح کی درازی عمر اور برقرار رہی تخت و ملک کے لئے بالکل  
 نئے نئے طریقوں سے دعا کرتا ہے ۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

ہمی تابر زند آواز بلبلہا بلبلہا      ہمی تابر زندق اوس خنیا گر ہمزمر ہا  
 بہر پیروزی و بہر پیروزی ہی زی باد لافروزی      بدولتائے ملک انگیز و تخت آویز اختر ہا  
 ایک اور جگہ کہتا ہے ۔

ہمی تاکہ خورشید ز نشان بر آید      کند جانور قصد سوئے مکاسب

مبادا ولایت ز تخت تو خالی      مبادا سعادت ز پیش تو غائب  
یا مثلاً تابریم و بر زیروائے گل نوش است      تابریم و بر بازویش و رشناست  
عمر و تن اورا نہ قیاس و نہ کراں باد      چون فصل و تنش را نہ قیاس نہ کرانست  
باد ابر بہار اندر چند آنکہ بہار است      باد ابر خزاں اندر چند آنکہ خزانست  
یا مثلاً ملکا بر خور و کامرانی مے کن      ہرگز ایں مملکت و دولت یغما زود  
اورے شادیا نہ بزی اسے میر کہ گردنہ فلک      ایں جہاں ز رنگین غلغائے تو کند  
ملک عرش چو بر خیزی ہر روز ثنائے      ہمہ بر عمر و تن و جان و بقائے تو کند  
یا جیسے تانگل خیری بود چو روئے معصفر      تانق سنبل بود چو زلف مجعد  
تا بچہ رنگ در میانہ کسار      تا بچہ گورد رسیا نہ فند  
باش ہمیشہ ندیم بخت مساعد      باش ہمیشہ قرین ملک مؤید  
بست بے گفت بجام و گوش بہ ربط      دلست قوی تن جوان و روئے مورد

اورے

تا طرب و مطرب است مشرق با مغرب است      تائین و تیرب است و آمل و استار باد  
بنشین خورشید وارے خورشیدوار      فرخ و امیدوار چوں سپر کتیباد  
اورے تا موعدہ رادل اندر معرفت روشن شود      تا بنعمہ راد و چشم اندر فلک ناظر بود  
طالع مسعود پیش بخت تو طالع شود      طائر میوں سر از فرق تو طائر بود  
یا مثلاً تا ہی باد بہاری باغ را رنگیں کند      تا ہی ابر بہاری را رخ را بہر ناکند  
قدر تو پیشی کند کردار تو پیشی کند      بخت تو خوشی کند گفتار تو و الا کند  
اورے یا رب نہر سال ملک را بقادہی      در عز و در سلامت و درین و در سیار  
الغرض فرید انتخاب باعث طوالت ہے۔ تقریباً ہر ایک قصیدہ کا یہی حال ہے۔

(باقی دارد)

## جواب استفسار ادبی

اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۳۷ء میں ادبی استفسار کے عنوان سے کسی صاحب نے اخبار الشعرا علیجناب مولوی عبدالباری صاحب اسی کے شعر ذیل کی نسبت یہ پائی ہے حیات شمع ہم سوختہ جانوں نے ظاہر میں اقامت ہے باطن میں رونی ہے جو لکھنؤ کے دریائی مشاعر میں پڑھا گیا تھا۔ سوال کیا ہے کہ شمع کا مین تقطیع سے خارج ہے۔ اسکے جوازی کی کیا صورت ہوگی ؟

اس سوال کا جواب سلی القاب علیجناب نواب مرزا جعفر حسین صاحب المعروف بہ نواب پیارے صاحب آنتیش مل لکھنؤ اور خود جناب اسی صاحب نے لکھا ہے جو اخبار حقیقت ٹوئیر ۲۷ جولائی اور ۲۹ جولائی میں چھپا ہے۔ علیجناب نواب صاحب موصوف اس کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں :-

”یہ شعر جناب اسی کا بحر ہرج مشن ضرب مستغ میں ہے، اور وزن مصرعہ اولیٰ کا مفعول مفعلاً مفعول مفعلاً ہے۔ صدر وابتدا۔ اور رکن سوم و ہفتم میں ضرب واقع ہوا ہے۔ اور رکن دوم مصرعہ اولیٰ مستغ ہے۔ باقی رہا عروض اور مصرعہ ثانیہ کا حشو اول و ضرب (عجز) یہ سب سالم ہیں ؟ اہل فن ضرب و تسبیح درمیانی کے مخالف ہیں۔ اس لئے یہ وزن اور یہ نام بحران کے سلامت کی بنا پر صحیح ہونا چاہیئے۔ گوئیں ان کی اس رائے سے بہم و جوہ موافق نہیں جس کا بیان آگے آئے گا۔ بحر موقوف خاص ضرب و تسبیح درمیانی کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ ان اساتذہ کے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے بعض تشریحات و مصلحات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے :

### بیان ضرب

خرم میرے دور کے رشتہ دار اور بہن جناب سید غلام حسین صاحب قدر نگرامی اعلیٰ بیٹا



اپنی قابل قدر کتاب قواعد العروض کے صفحات ۴۵ - ۴۶ میں خرم کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں :-  
 یہ زحاف خرم صدر وابتداء میں واقع ہوتا ہے، علی الخصوص صدر میں - نصیب الملتہ والدین  
 عالیجناب محقق طوسی علیہ الرحمۃ والنفوس اپنی کتاب معیار الاشعار میں اس زحاف کو  
 ان زحافات میں شامل کرتے ہیں - جو اوائل مصارح سے خاص ہیں (مگر خفش) اس  
 زحاف کا صرف ہر جگہ جائز جانتا ہے، جناب قدر محقق طوسی سے اس لئے موافق ہیں کہ  
 وہ حضرت خلیل علیہ الرحمۃ کے ہنر بان ہیں - جو موجود فن عروض ہیں ۛ

تعریف خرم - اس کا شمار زحافات مفردہ میں ہے - جو تہ مجموعہ کہ کسی رکن کے اول میں  
 واقع ہو اور وہ رکن صدر یا ابتداء میں بھی ہو اس وقت مجموعہ کے متحرک اول کے حذف کرنے کا نام خرم  
 ہے - اگر یہ عمل رکن خماسی میں ہو تو ثلثم اور سباعی میں ہو تو اسے خرم کہتے ہیں - رکن اعضب و  
 اثرم و موزر کا ذکر اس محل پر طول لا طائل ہوگا ۛ

خریب جناب قدر فرماتے ہیں - کہ یہ زحاف اجتماع خرم و کف سے بنتا ہے - جب صدر  
 یا صدر وابتداء دونوں میں کوئی ایسا رکن واقع ہو جس کے اول میں تہ مجموعہ اور بعدہ دو سبب خفیف  
 ہوں (ایسا رکن صرف معاعیلین ہے، تو معاعیلین کے میم کو بوسیلمہ خرم اور حرف میغم نون کو بذریعہ کف  
 حذف کرنے کا نام خرب ہے - اس عمل سے معاعیلین سے فاعیل باقی رہتا ہے - اس کو مفعول سے  
 بدل لیتے ہیں - اگر اس عمل والا رکن درمیان مصرع میں واقع ہو تو اس کی ترکیب خرم و کف سے نہیں  
 مانتے بلکہ و کف کے درمیان تحقیق جلتے ہیں - یعنی دونوں معاعیلین معاعیلین شوی سے دونوں  
 نون بذریعہ عمل کف حذف کرتے ہیں تو معاعیل فاعیل رہ جاتا ہے - اب (ل - م - ف) نین  
 متحرک متوالی ہو گئے - لہذا معاعیل فاعیل عمل تحقیق سے معاعیل فاعیل ہو جاتا ہے - جو برابر وزن  
 مانوس معاعیلین مفعول کے ہے (قواعد العروض صفحہ ۵۲) ۛ

ان تعریفات سے ظاہر ہے کہ خرب صدر وابتداء سے خاص ہے - پھر اس شعر جناب کسی  
 کے رکن سوم و ہفتم کو (یعنی مفعول کو) اخر ب کیسے مانیں - جناب قدر اپنی کتاب قواعد العروض صفحہ ۱۵۵

بیان ضرب شتم بجز میں تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۔

جو لوگ وزن مفعولُ مفاعیلین - مفعولُ مفاعیلین میں حشو دوم کے مفعول کو بھی اُخرِ مانتے ہیں۔ وہ سخت مغالطہ میں ہیں۔ کیونکہ خرب در اصل خرم ہے اور خرم اوائلِ مصاربع سے خاص ہے کما قال النصیر فی المعیار۔ "اما سچہ باوائلِ مصاربع خاص بود اسقاطِ متحرکِ اول باشد از تذبجوع کہ آذر خرم خوانند"۔ (صفحہ ۱۲۶ قواعد العروض)

جو عرضی کہ خرب در میانِ کو بہ نتیجہ خلیل و محقق ناجائز مانتے ہیں وہ ہر ایسے رکن کو تاویل ذیل بنا لیتے ہیں۔ بطور مثال شعر شریع شیراز علیہ الرحمۃ

گل در چمن نباشد ہر نگاروئے عیش و عاشقِ بوسے او

یہ شعر بحر مضارع مشتمل ہے۔ وزن سالم اس بحر کا مفاعیلین فاع لاتن چار بار ہے۔ اور شعر مذکور شمس الدین فقیر کے نزدیک بحر مضارع اُخرِ مقصور میں بروزن مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاعلن ہے یعنی رکنِ اول و سوم اُخرِ دوم سالم اور چہارم مقصور ہے۔ لیکن تدقین اس وزن میں صدر وابتدا اُخرِ اور ارکانِ اواسط یعنی حشویں کو مفعولُ محبت یا سکن اور رکنِ چہارم کو مقصور مانتے ہیں۔ لہذا ان کے خیال کے موافق اصل وزن مفعولُ فاع لاتن مفاعیلُ فاعلن تھا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب تین متحرک متوالی مصرع کے ایک رکن میں یا دو رکنوں کے اتصال سے پیدا ہو جائیں تو متحرک وسطی کو ازروئے تحقیق یا تسکین شاعر کو ساکن کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اس محل پر ہر دو حشو کے درمیان تا سقرت فاع لات اور میم اور ف مفاعیل کے متحرک متوالی ہیں۔ لہذا ذاتِ تحقیق یا تسکین سے میم در میانِ کو ساکن کیا تو وزن فاع لاتم فاعیلُ ہو گیا جس کا وزن فانوس فاعلاتن مفعولُ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وزن تو وہی ہو گیا۔ مگر ترکیب کے غیر ہونے کی وجہ سے خرب در میانِ کا محذور رفع ہو گیا ۛ

## دفعِ ظل یا حفظاً تقدم

عرضیوں نے ہزار ہا اوزانِ رباعی میں سے چوبیس اوزانِ خوش آمد کو منتخب کیا۔ اور خواجہ

حسن نطقان غراسانی نے بارہ اوزان کو جو مفعول سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو دائرہ اعراب میں۔ اور جو بارہ مفعولن سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو اعرام میں داخل کر کے دائرہ اعراب و دائرہ اعرام نام رکھا۔ جناب قدر ان کے اس فعل کو سخت سہوا اور مغالطہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حقیقتہً صدر دونوں اُڑوں کے لُخرب ہیں کہ نہ کہ دونوں اُڑوں کے صد کے بعد کن کفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اسلئے صد کے ساتھ تحقیق ہو کر خرم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ جب رکن کفوف کے ساتھ تحقیق ہوتی ہے تو رکن ثانی مفعول بن جاتا ہے۔ اس رکن محبق کو لوگ اعراب مانتے ہیں۔ حالانکہ خرب درمیان فی اصولاً خلاف ہے اور جب رکن مقبوض کے ساتھ تحقیق ہو تو اس کو شتر مانتے ہیں۔ مگر شتر بھی ترکیب خرم کی وجہ سے دبیان مصرع میں نہیں آسکتا۔ اسی خرب و شتر کے دھوکے میں لوگ صدر و ابتدا کو اعرام کہتے ہیں۔ چونکہ خرب و شتر درمیان مصرع میں نہیں آتے لہذا یوں ماننا چاہیئے۔ کہ رکن آغاز مصرع اور رکن بالبعد میں تحقیق ہوئی ہے۔ اسی سبب سے جناب قدر مفعول والے دائرہ کو شجرہ اعراب غیر محبق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مفعولن والے دائرہ کا نام شجرہ اعراب محبق رکھتے ہیں۔ بنابرین مصرع جامی سے چوں گفتم باگل زجالت سخن۔ کا جو وزن مفعولن مفعول مفاعیل فعل ہے۔ جناب قدر کے نزدیک اس کا صدر اعراب ہے۔ اور حشو اول مکفوف محبق۔ اور حشو دوم صرف مکفوف اور عروض محبوب ہے ۛ

اصل وزن رکن اول و دوم کا مفاعیلن مفاعیلن مفعول۔ رکن اول میں زحاف خرب لانے سے مفاعیلن۔ مفعول ہو گیا۔ اور دوسرے رکن مفاعیلن میں کف کرنے سے مفاعیل بن گیا۔ اب مفعول مفاعیل کے درمیان دل۔ م۔ ف۔ تین متحرک متوالی پائے گئے۔ لہذا بیچ کے متحرک میم کو عمل تحقیق سے ساکن کیا تو مفعولم فاعیل ہو گیا۔ اس کو وزن مانوس مفعولن مفعول سے بدل لیا ۛ

## فرق تسکین و تحقیق

تسکین اپنا عمل ہر تین متحرک متوالی میں کرتا ہے۔ چاہے وہ تین متحرک متوالی ایک لکن میں

واقع ہوں۔ جیسے متفاعِلن سے متفعِلن۔ اور متفعِلن سے مفعولِ معلّٰی تسکین ہو جاتے ہیں۔ یا وہ تین متحرک متوالی دو رکنوں کے ملنے سے پیدا ہوں۔ مگر تجلیق ایسے دو رکنوں میں عمل کرتا ہے کہ رکن اول کا حرف آخر متحرک ہو اور دوسرے رکن کے اول میں وہ مجموع ہو۔ جب اس طرح تین متحرک متوالی پائے جائیں تو وہ تہ کے پہلے حرف کے ساکن کرنے کا نام تجلیق ہے۔ گویا ان دونوں میں نسبتِ عمومِ خصوص مطلق کی ہے ۛ

## بیان تبیین

قواعد العروض صفحہ ۱۲۶ بیان بحر ہرج میں دیوان حضرت عرفی علیہ الرحمۃ سے یہ شعر ۛ  
ہوشم بنگا ہے برد جانہ چنن باید یک جرد خراجم کرد پانہ چنن باید  
نقل کر کے جناب قدر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ لوگ اس بحر کا نام ہرج مثنیٰ اخرب متبغ بلا قیدوں غنہ رکھتے ہیں۔ بروزن مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن۔ مگر یہ نام صحیح نہیں۔ کیونکہ حشو میں زحافت تبیین خلافِ اصول ہے۔ چنانچہ خواجہ نصیر اپنی کتاب معیار الانشاء میں تحریر فرماتے ہیں  
اما تفسیر زیادت کہ خاص بودہ او اخر مصاریع و ان دونوع بود اول حرف ساکن قبل  
حرف آخر و اخر مصاریع زیادہ کنند اگر در آخر رکن سببہ ضعیف بود و آزا تبیین خوانند و ان  
رکن مزاحف را تبیین نامند ۛ

جب زحافت تبیین عروض و ضرب سے خاص ہے تو رکن ثانی یعنی حشو میں تبیین کا ہونا خلافِ سلّمات ٹھہرا۔ جناب قدر تبیین و اذالہ و ضرب درمیانی کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہر ایسے عمل پر حتی الامکان ان کو تاویل کی رحمت اٹھانا پڑتی ہے چنانچہ شعر مذکور عرفی کا وزن بجائے مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن ۛ مفعول مفاعیلن مفاعیلن جناب قدر تجویز فرماتے ہیں اور بحر کا نام ہرج مثنیٰ اخرب مفعول بتاتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد کرتے ہیں۔ ”دیکھیے کہ تبیین و ضرب درمیانی کا جگہ لاکسیا صاف ہو گیا۔“ کف درمیانی کو کوئی مانع نہیں۔ پہلی صورت میں بھی تو

خرب درمیانی ماننے سے کفت درمیان میں آتا تھا۔ کیونکہ خرب خرم اور کفت سے مرکب ہے۔ اس بیان کے بعد جناب آسمی کے شعر کے پہلے مصرع کا وزن مفعول مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن حسب تجویز جناب قدر قرار پاتا ہے :

عالمجناب پیارے نواب صاحب آف شیش محل لکھنؤ جناب آسمی کے شعر کے مصرع اول کا وزن جناب شمس الدین فقیر دہلوی کی رائے کے موافق مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن تجویز فرماتے ہیں۔ جس میں تسبیح و غرب درمیانی کا جھگڑا اُپر آتا ہے۔ اس وزن کے تجویز کرنے کے بعد جناب نواب صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

اب صرف یہ ثابت کرنا باقی رہا کہ اس عین کا اضافہ اصولاً جائز ہے یا ناجائز اور

حرف متحرک بھی موزون میں بجائے حرف ساکن وزن آسکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال سے ظاہر ہے۔ کہ نواب صاحب اُردو و فارسی میں بھی شمع کے عین کو متحرک تجویز

فرماتے ہیں :

پھر تسبیح و سبب خفیف و عروض و قرب و حشو کے تعریفات لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

اب ثابت ہو گیا کہ تسبیح مصرع اولی کے عروض میں یعنی رکن آخر مصرع میں جائز ہے یعنی مفاعیلن مفاعیلان ہو سکتا ہے۔ اور حشویں بھی تسبیح ہاڑ ہے۔ یعنی سبب خفیف جو کسی رکن کے آخر میں ہو

اس کے ساکن سے پہلے ایک الف ساکن کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ چاہے حشویں ہو یا عروض و ضرب

میں۔ اس کے بعد تسبیح و درمیانی کے شواہد جناب نواب صاحب نے کلام نظیری اور غالب سے

پیش فرمائے ہیں۔ اور انہیں شواہد کو دلیل تسبیح حشوی قرار دیا ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ تسبیح و درمیانی کا معرض تحریر میں نہیں لائے۔ حالانکہ اساتذہ کی تعریف تسبیح۔ تسبیح و درمیانی کی مخالفت ہے صاحب

جناب آسمی نے بھی کلام بلبل شیراز سے اسناد لکھ کر کوئی قاعدہ نہیں بیان کیا :

جو لوگ کہ علم عروض و قوافی سے واقف ہیں۔ اور انہوں نے کلام اساتذہ کا مطالعہ کیا ہے

وہ بحر مسطحات چہار غانہ میں تسبیح و درمیانی سے انکار نہیں کر سکتے۔ مگر قاعدہ و اصول عروض کی اثبات

دعا میں بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ صرف اسناد و شواہد پیش کرنے سے معترض کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ صاحب سند سے بھی سو یا تسامع ہوا ہے۔ خصوصاً جبکہ تعریف تسبیح۔ تسبیح درمیانی کے خلاف ہے ۛ

جناب نواب صاحب نے تسبیح کی تعریف عام تر تحریر فرمائی جو مدققین عروضیوں کی تعریف سے کسی قدر مغایر ہے ۛ

**تعریف تسبیح نوشتہ نواب صاحب**۔ جو سبب خفیف کہ کسی رکن کے آخر میں ہو۔ اس کے ساکن سے پہلے ایک الف زیادہ کرنا ۛ

**تعریف تسبیح محققین**۔ جو سبب خفیف کہ عروض و ضرب میں رکن کی تمامی پر واقع ہو۔ اس کے متحرک اور ساکن آخر کے درمیان ایک الف ساکن بڑھادینے کا نام تسبیح ہے ۛ

یعنی یہ زحاف تسبیح عروض و ضرب سے خاص ہے۔ بلکہ محقق طوسی عروض و ضرب میں بھی غیر از وزن غنہ موزون میں ہوا وزن میں نہیں ملنے۔ خصوصاً جب کہ بحر غایت درازی کو پہنچ جائے کیونکہ کوئی رکن عروضی سباعی سے زیادہ نہیں۔ اور کوئی بحر متقدین کے نزدیک مثنیٰ سے بڑھ کے نہیں۔ لہذا ایک مصرع زیادہ سے زیادہ اٹھائیس حرف کا ہو سکتا ہے۔ پس جو بحرین کہ آٹھ ارکان سباعی سے مرکب ہیں۔ اگر کوئی ایسی بحر دوں کے رکن آخر میں بھی تسبیح غیر از غنہ لائے تو ان کے نزدیک ثقیل ہے، کیونکہ اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر نون غنہ کے ساتھ عروض و ضرب میں تسبیح کو جائز مانتے ہیں۔ اول تو اس میں ثقالت نہیں دوم الف و نون غنہ ان کے نزدیک بمنزلہ ایک حرف کے ہیں سولہ اور تیس رکن کی ہیئت اختراع متاخرین ہے۔ خلیل موجد عروض کے زمانہ میں بحر ہزج مسدس سے زیادہ نہ تھی۔ مثنیٰ ہو جائے تو گویا اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بحر ہزج مثنیٰ سالم کو وہ ناموزون کہتے ہیں۔ بنا بر قاعدہ مذکور بحر زمان کا شعر ذیل محقق کے نزدیک ثقیل ہے۔ اگرچہ تسبیح عروض و ضرب میں اپنے محل پر ہے۔ مگر غیر از وزن غنہ ہے ۛ

یہاں اسے کہ در گلین نوائے مرغ زار افتادہ ز افغان دل بلبل صدا در مرغزار افتاد

یہ بحر اصلاً ہرج منہن سالم ہے بروزن مفاعیلن آٹھ بار۔ چونکہ عروض و ضرب میں تسبیح کی وجہ سے مفاعیلن مفاعیلان ہو جاتا ہے۔ جو کلمہ ثانیہ ہے اور دس ارکان میں سے کوئی کلمہ سابعی سے زیادہ نہیں۔ چونکہ بحر خود ہی غایت درازی کو پہنچی ہوئی تھی لہذا یہ اصل پر اضافہ تسبیح کی وجہ سے ہوا۔ جو محقق کے نزدیک بدعت ہے۔ اگر افتاد کی جگہ ایسا کلمہ ہوتا جس کے آخر میں الف اور نون غنہ ہوتا جیسے افتال تو عدم نقالت یا الف و نون کو ایک حرف ماننے کی وجہ سے جناب محقق اپنے زمانہ میں بھی اسے جائز سمجھتے۔ مگر اس شعر میں تسبیح غیر از نون غنہ ہے۔ اس لئے وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر شعراء خصوصاً متأخرین نے اس کی پابندی نہ کی اس لئے تسبیح غیر از نون غنہ والے اشعار کلام شعرائیں بکثرت ملتے ہیں ۛ

تقطیع کا عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ حروف قابل حذف کے بعد وزن کے ارکان اس طرح مقابل موزون لاتے ہیں۔ کہ متحرک کے مقابل متحرک اور ساکن کے مقابل ساکن واقع ہو۔ لیکن شعرا بالافتراع میں جناب ذاب صاحب کو شمع کا عین متحرک معلوم ہوا جو مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہوا ہے۔ لہذا ذاب صاحب کو وقت پیش آئی۔ اور جناب اسی سے اس کی نسبت استفسار کرنا پڑا چنانچہ جناب اسی فرماتے ہیں:-

اب دوسری گزارش یہ ہے۔ (اس بیان کو دوسری گزارش اس لئے فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ تسبیح درمیانی کا تھا جس کے ثبوت میں صرف اشعار بلبل شیراز پیش کئے ہیں) کہ شمع بفتح اول و سکون ثانی و ثالث فارسی والوں کے یہاں ہے۔ لہذا عین متحرک نہ مانا جائے گا۔ اس کے ساکن ہی ہونے سے تسبیح کا زعم پیدا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ادا کرنا دو ساکنوں کا ایسی حالت میں دشوار ہوتا ہے۔ لہذا عین کو متحرک پڑھتے ہیں۔ اور بعض اس کے بھی پابند نہیں۔ عین کو ظاہر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ شتم پڑھتے ہیں۔ مگر تسبیح تقطیع میں رہتی ہے ۛ

جب تقطیع کا دار و مدار حروف ملفوظہ پر ہے۔ اور وقت تقطیع متحرک کا مقابل متحرک اور ساکن کا مقابل ساکن ہونا وزن اور موزون میں لازم و واجب ہے۔ تو پھر شتم کو شتم یا عین کو متحرک پڑھنا

بعضوں کا کیسے درست ہو سکتا ہے، اب میں جواب جناب آسی کی کسی قدر توضیح و تشریح کرنا چاہتا ہوں۔  
 الفاظ عربیہ جب کہ ان پر حروف جوازم نہ ہوں۔ یا وقت مقصود نہ ہو۔ یا ضرورت بشری لاحق  
 نہ ہو تو وہ زبان عربی میں ضرور متحرک الآخر از روئے وضع ہوتے ہیں۔ لیکن الفاظ فارسیہ موقوف الآخر  
 ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اہل ایران الفاظ عربیہ کو بھی اپنی زبان میں موقوف الآخر ہی مانتے ہیں۔  
 مگر معطوف۔ موصوف اور مضافات اضافت و عطف سے مل کر متحرک الآخر ہو جاتے ہیں۔ لہذا شمع و جمع  
 و صبح وغیرہ کے ایسے الفاظ بھی فارسی اور اردو میں متعل ہو کر موقوف الآخر ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے  
 شمع کا عین ساکن بھی اس مصرع میں مفاعیلان کے ذون ساکن کے مقابل واقع ہوا ہے ؟  
 کسی لفظ کے ساکن دوم کو جو آخر لفظ میں ہو وقت تقطیع اس وقت متحرک کر لیتے ہیں۔ جب  
 یہ دونوں ساکن درمیان مصراع میں واقع ہوں اور تسبیخ مقصود نہ ہو۔ اگر آخر مصرع میں دو ساکن  
 ہوں۔ تو ان دونوں کو ساکن ہی رہنے دیتے ہیں۔ مصرع باب النزاع میں اگرچہ عین شمع دوسرا  
 ساکن درمیان مصرع میں معلوم ہوتا ہے، مگر تاویلاً وہ آخر مصرع میں ہے۔ جس کا بیان آگے  
 ملاحظہ ہو :-

یہ صحیح ہے۔ کہ غرب و تسبیخ درمیان مصرع یعنی حشو میں نہیں آتے۔ غرب صدر وابتداء کے  
 لئے خاص ہے۔ اور تسبیخ عروض و ضرب کے لئے۔ ساتھ ہی قافیہ بھی تو آخر مصرع یا آخر بیت یعنی  
 عروض و ضرب سے خاص ہے۔ اہل عرب میں ردیف نہیں ہوتی ہے، ایرانیوں نے ردیف ایجاد  
 کی۔ اس لئے ان کو تعریف قافیہ میں ”بمنزلہ آخر“ کی قید بڑھانا پڑی۔ تاکہ ردیف کو شامل ہو جائے۔  
 لہذا قافیہ کو بھی درمیان مصرع میں نہ ہونا چاہیئے ؟

جب قافیہ کی تعریف میں قید آخر مصارع کی مطالع کے لئے اور قید آخر بیت کی غیر مطالع  
 کے لئے ہے تو چاہیئے۔ کہ قافیہ بھی حشو یعنی رکن دوم میں نہ لائیں۔ حالانکہ کثرت اشعار قوافی و قافی  
 کے ہر شاعر کے کلام میں ملتے ہیں۔ جناب ناسخ مرحوم فرماتے ہیں :-  
 یہ ساعدوں کا ہے اسکے عالم کہ جسے دیکھا ہوا ہوہیم نیام تیغ قضا بہر مقلب ہے قاتل کی آستیں کا



قوانی عالم اور مبہم حشو میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ بار تعریف تافہ یحل ان کا نہیں ؛  
 اساتذہ ماہرین فن ایسے بجز ثمن کے (جو چار برابر کے حصول پر تقسیم ہو سکتے ہوں) جن کا نام وہ بجز  
 مسطحات چہار خانہ رکھتے ہیں۔ ایک شعر کے دو شعر ملجے جاتے ہیں۔ مرلج کے پہلے مصرع میں صرف  
 صدر و عروض اور ثانی میں صرف ابتداء و ضرب ہوتے ہیں۔ حشو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح  
 جب دوسرا اور چہار رکن بجائے عروض۔ اور تیسرا اور ساتواں رکن ثمن بجز کا بجائے ابتدا ہو گیا تو پھر دوسرے  
 اور چھٹے رکن میں تسبیح کو اور تیسرے اور ساتویں رکن میں خرب کو کونسا امر ملجے رہ گیا۔ بجز مسطحات  
 چہار خانہ میں چار تلافی لانے یا نہ لانے کا شاعر کو اختیار ہے۔ چار تافہ نہ بھی ہوں تب بھی ایک شعر کو  
 دو شعر مرلج مان کر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیح لے آتے ہیں مگر غیر از بجز مسطحات چہار خانہ تسبیح و اذالہ  
 و خرب درمیانی کمال باہر ہے ؛

اس سے زیادہ تشریح کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ بجز مسطحات چہار خانہ میں چار تافہ لانا  
 کثیر الوقوع ہے۔ ان چار تافیوں کی وجہ سے یہ بجز زیادہ دلچسپ اور دل فریب ہو جاتی ہیں ؛  
 ممکن ہے کہ اس بیان سے برا مڑا بت ہو گیا ہو کہ تسبیح و خرب بجز مسطحات کے درمیان مصرع  
 میں اساتذہ فن نے جائز کر لیا اور عمل پیرا بھی ہوئے۔ لہذا مصرع مابہ النزاع کی قطع جناب قدر کی تجویز  
 کے موافق مفعول مفاعیلین مفاعیلین میں اس عمل پر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک بھی اس  
 مصرع کا وزن مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلین ہی ہے اور تسبیح و خرب درمیانی بحر کے  
 مسطح چہار خانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر ان کا درمیان مصرع میں ہونا بیان بالا کی بنا پر ہے۔ اور  
 جائز مانا گیا ہے، ماننا یا نہ ماننا ماہرین فن عروض کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میری سمجھ میں جو آیا لکھ مارا۔ میں  
 اپنی رائے پر مصر نہیں۔ اور میری تجویز کا غلط ہونا نہ عجیب ہے اور نہ بعید ؛

سید اولاد حسین شادان بگرامی  
 پروفیسر آف یونیورسٹی۔ اورنٹل کالج لاہور

# مولانا حالی کی کتبِ سوانح

اُردو جیسی نو عمر زبان سے یہ توقع رکھنا۔ کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی بیگرافیاں ہوجو ہوں گی۔ ایک بے بنیاد خواہش ہے۔ خود فارسی کی ہزار سالہ ادبیات میں ایسی کوئی مکمل بیگرافی موجود نہیں۔ جو جدید اصول سیرت نگاری کے معیار پر پوری اُترے۔ مولانا شبلی حضرت عمرؓ کی سیرت کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

رہِ بردم تیغ است قدم را  
اور یہ خیال تمام بیگرافیوں کے متعلق صادق آتا ہے :

عزنی لٹریچر، اپنی عمر کے پیدے تین چار سو سال میں ایک زندہ لٹریچر تھا۔ اس کی بنیاد صدقہٴ سچائی اور حقیقت پر تھی۔ مصنف جو کچھ لکھتے تھے، اس میں سب سے پہلے یہ دیکھتے تھے۔ کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ وہ کہاں تک حقیقت ہے، یہی وجہ ہے۔ کہ رجال کی زندگیوں کی تلاش میں جو عظیم الشان کام ان علمائے جرح و تعدیل نے انجام دیا ہے۔ وہ ہمیشہ حقیقت پسندوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔ ان کی نگاہوں نے مناقب کے ساتھ ساتھ خائب اور مساوی کو بھی دکھایا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث کے متعلق بے لاگ رائیں لکھیں اور قاضی، ملا، شیخ اور صوفی جو سمنے کیا۔ امتحان کے ترازو میں تولایا :

ان تمام مساعی کی غرض کیا تھی؟ صرف یہی کہ ان حضرات کی ”حقیقی شخصیت“ سامنے آئے۔ ان کی ظاہری عظمت، ان کی اندرونی انسانیت کو بے نقاب ہونے سے نہ بچا سکے۔ دنیا کی نظر ان کے عبا و تقبا پر پڑتی تھی۔ لیکن ائمہ جرح و تعدیل ان بیرونی مظاہر سے گذر کر ان کو ان کے خلوت کدوں میں دیکھتے تھے :

جرح و تعدیل کی ان کوششوں کی غرض اگرچہ بیگرافی کے اصول کی ترتیب نہ تھی اور اسکے

مرتب کرنے والوں کا مدعا بالکل جدا گانہ تھا۔ تاہم ”شخصیت حقیقی کی تلاش“ ایک ایسا عنصر تھا جو ایک مکمل بیاگرافی کے لئے شرطِ اولین ہے۔ یقیناً ہمارے ان اکابر علماء نے اپنی اس تلاش و جستجو کے ذریعے سیرۂ نگاری کے اس اصولِ اولین کی دریافت کرتے ہوئے اولیت کا فخر حاصل کیا ہے۔

لیکن ناتاری فتنوں نے جہاں مسلمانوں کی سیاسی قوت کو تباہ و برباد کر دیا، وہاں افسوس کا مقام ہے، کہ علوم اسلامیہ بھی اس ”سائینٹفک سپرٹ“ سے خالی ہو گئے، جو عہدِ اول کا مخصوص وصف تھا۔ اس کے بعد اسلامی ملکوں میں جو اغطاء آیا۔ اس کے ساتھ علوم و ادبیات میں بھی تصنع، بناوٹ اور ظاہریت زیادہ ہو گئی۔ اور حقیقت ”تقریباً ناپید ہو گئی۔ ان حالات میں یہ بات چنداں تعجب کے قابل نہیں۔ کہ اس زریں زمانہ کے بعد نہ صرف اُردو میں بلکہ اس کے سرچشموں یعنی عربی اور فارسی میں بھی حقیقی اور مکمل بیاگرافیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ اس طویل عرصے میں سوانح اور سیر بالکل مرتب نہیں کی گئیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بیاگرافیاں ’مفقود ہو گئیں۔ جن کا مقصد کسی موضوع کی حقیقی تصویر کھینچنا ہو اور جن میں ’فات‘ مع اپنے تمام خدو خال کے الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہو۔

اس تلخ حقیقت کے اسباب بے شمار ہیں۔ لیکن سب سے اہم یہ ہیں۔ کہ حملہ جنگیزی کے بعد ادبیات میں تقلید اور تتبع کا مرض پیدا ہو گیا، قوم اور ملت سے روحِ آزادی کی سرچھن گئی۔ زندگی کے اندرون و بیرون میں ایک تفاوت پیدا ہو گیا۔ اور حقیقت، بناوٹ میں متشکل ہو گئی تقلید کے مرض نے ”تمتید صالح“ کو معدوم کر دیا، اور حق پرستی کی جگہ عقیدت نے لے لی۔ نتیجہ یہ کہ معاشرت، ادب اور شخصیت کی تنقید معیوب قرار دے دی گئی۔ اب اس حقیقت سے کسے انکار ہو گا۔ کہ جب ”شخصیت“ کی تصویر کشی میں سے ”بشریت“ کے رُخ و رخسار کو نکال دیا جائے۔ تو وہ شخصیت حقیقت کی ترجمان نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ ”بیاگرافیوں“ کا جو دفتر عظیم ہمارے پاس موجود ہے۔ ان میں تلاش کرنے

پر بھی کوئی زندہ اور حقیقی بیاگرافی نہ مل سکے گی، جو کچھ ہے، یا تو اولیاءِ اشد اور صوفیائے کرام کے مناقب و غوارق سے لبریز ہے۔ یا بادشاہوں، امیروں اور سپہ سالاروں کے رزم و پیکار کے واقعات ہیں۔ یا پھر شاعروں اور ادیبوں کی بے مصرف زندگی کے بے نتیجہ حالات ہیں۔ جن کے ساتھ ان کے اشعار بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگر قارئین گستاخی نہ سمجھیں تو یہ عرض کروں، کہ اس ”نگار خانہ بے معنی“ میں ایک تصویر بھی ایسی نہیں۔ جس کی ”شخصیت“ زندہ ہو ہو کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کر سکے، اور جس کی ظاہریت کے اندر سے کوئی ”انسانی نفسیات“ جلوہ گر ہو سکے +

غرض یہ کہنا غلط نہیں کہ تمام سربراہی زبانِ اردو میں کوئی مکمل ”Pure Biography“ کی کتاب موجود نہیں۔ خود یورپ میں یہ شعبہ بہت پرانا نہیں۔ تاہم اردو چہرہ رسد۔ سر سید احمد خاں نے مغربی ذوق کو ہندوستان میں رواج دینے کی جو کوششیں کیں۔ اس کی بدولت وہ تعصب اور مخالفت مغربی چیزوں کے متعلق نہ رہی۔ اور علاوہ دیگر امور کے علوم و ادبیات بھی ان سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ خود بیاگرافی، کے متعلق بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے لکھنے والوں نے مغربی اصول و مہمانی پر اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی +

اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بیاگرافی کے متعلق مصنفین کو وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو تاریخ کے متعلق ہوئی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ ہمارے اکثر سوانح نگاروں کا مطالعہ ادبیاتِ یورپ بہت کم تھا۔ نیز وہ ان اصولِ تنقید سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ جن کی پیروی کا ان کو دعویٰ تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی مشکلات ناقابلِ عبور تھیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ جو اس سلسلے میں پیش آئی۔ وہ یہ تھی کہ مصنفین جو مشرقی روایات سے متاثر تھے۔ اور دراصل اسی ماحول میں تربیت پا کر نکلتے تھے۔ جلد جلد اپنے گرد و پیش کے اثرات کو ترک نہ کر سکتے تھے اور انہیں اپنے مخاطب لوگوں میں کتابوں کو مقبول بنانے کے لئے مشرق و مغرب کا انتراج کرنا ضروری تھا۔ جس طرح تمدن و معاشرت کے اکثر مسائل میں ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً

اسی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ کہ آیا ہمیں خالص مغربی طرز و روش اختیار کرنی چاہیے۔ یا مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری ہے۔ بعینہ اسی طرح ادبیات میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کہ ہمیں اپنے علوم و فنون کو خالص جدید تنقید کے ترازو پر تولنا چاہیے یا نہیں۔ یہ حالت آج بھی موجود ہے۔ چہ جائیکہ اس وقت جبکہ ابھی ملک میں جدید اثرات کے نفوذ کی عمر بہت کم تھی۔ اور جبکہ مغربی اثرات کو قبول کرنے کے لئے ملک بہت زیادہ آمادہ نہ تھا۔

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ جدید تنقید کی ایک بڑی شرط یہ ہے۔ کہ سوانح نگار اپنے موضوع یا ہیرو کے کیریکٹر پر لکھتے وقت جہاں اس کے محاسن کی تصویر بنائے۔ وہاں بتنا ضائع بشریت اگر اس میں کچھ عیوب اور کمزوریاں بھی ہوں۔ تو ان کو بھی بلا رور و رعایت ظاہر کرے۔ تاکہ موضوع کی پوری شخصیت ہمارے سامنے آجائے۔

اسی ایک اصول کے متعلق ہمارے ایک عالی ترین مصنف کی رائے مشرقیت اور مغربیت کے درمیان بچکولے کھاتی نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہمارا مصنف ”تنقید کا امام اور جرح و تعدیل کا رہنما“ قرار دیا جاتا ہے مولانا حالی نے جب سرسید کی لائف جیات جاوید لکھی۔ تو مولانا شبلی نے اپنے ایک مکتوب میں اس کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی۔ ”جیات جاوید میں مولانا (حالی) نے سید صاحب کی ایک رُخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب و کھانے تنگ خیالی اور بد طبیعتی ہے۔ لیکن یہ اگر صحیح ہو۔ تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترفیلاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعری میں کیا برائی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محض دعوے کرتے تھے۔ واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔ بہر حال جیات جاوید کو مدلل مداحی سمجھتا ہوں؛“

مولانا شبلی نے یہاں جو رائے ظاہر فرمائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہیرو کے معائب و کھانا ”تنگ خیالی“ اور ”بد طبیعتی“ نہیں۔ بلکہ یہ یورپ کے ”مذاق اور علمی ترقیوں“ کی

اصل اور بنیاد ہے۔ نیز یہ کہ جہاں یہ وصف موجود نہ ہو۔ وہاں ہیرو کی "تصویر یک رُخی" ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ مولانا اس معاملے میں یورپ کے اصول کی پیروی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ مولانا نے اس اصول کی پیروی کی اکثر جگہوں پر کی شیش بھی کی ہے۔

لیکن یہی مولانا شبلی مناقب عمر بن عبد العزیز کے ریویو میں اس طریقہ سوانح نگاری کو قریب دو۔ "زیادہ قابل اعتراض"۔ "بلکہ خطرناک" خیال کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ "قدیم طریقہ صرف سکوت کا مجرم تھا۔ لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے براصل دور ہے"۔

اسی ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کہ ہمارے مصنفین، مغربی اصول تنقید پر عمل پیرا ہونے میں کس درجہ مذذب تھے۔ وہ ایک طرف اس کو "یورپ کے مذاق اور علمی ترقیوں" کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے ماحول کی رعایت سے اس کو قابل اعتراض "بلکہ خطرناک" بھی سمجھتے تھے۔

یہ زبان اُردو کے عظیم الشان مصنف شبلی کا حال ہے۔ جس کی تصنیفات دوسرے الفاظ میں "کل سرمایہ ادبیات اُردو" ہیں۔

اُردو میں "معاصرین کی لائٹ" کی کتابیں خصوصاً زمانہ زیر تبصرہ میں بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ مصنفین میں وہ اخلاقی جُرأت موجود نہ تھی۔ جو معاصرین کے محاسن و معائب بیان کرنے کے متعلق ہونی چاہیئے۔

ہاں اتنے عظیم الشان کام کی مشکلات سے عمدہ برآ ہونے کی عزت صرف حالی کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم اُردو میں "فن سوانح نگاری" کی امامت کا مستحق بھی نہیں کو سمجھتے ہیں۔

عام طور پر تاریخ ادبیہ کے مصنفین نے اُردو میں بیگرافی لکھنے والوں کی تعداد دو حضرات

تک ہی محدود رکھی ہے۔ یعنی مولانا حالی۔ اور مولانا شبلی۔ لیکن ایک حیثیت سے ہم اس تعداد کو بڑھا کر چار تک لے جاسکتے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ شرار اور مولوی چراغ علی کے نام بھی شامل کئے جاسکتے ہیں اگرچہ صحیح معنوں میں مولانا حالی ہی ایک ایسے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنا اکثر وقت اور اپنی اکثر توجہ سوانح نگاری کی طرف مبذول کی ۛ

ہم یہاں ان کتابوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔ جو عام طور پر سوانح کے تحت میں شمار کی جاتی ہیں ۛ

مولانا حالی (۱) حیات جاوید

(۲) یادگار غالب

(۳) حیاتِ سعدی

مولانا شبلی (۴) مولانا روم

(۵) بیان خسرو

(۶) شعرِ المعجم

(۷) سیرۃ النبی

(۸) الفاروق

(۹) المأمون

(۱۰) الغزالی

(۱۱) سیرۃ النعمان

مولوی چراغ علی (۱۲) بی بی ہاجرہ

(۱۳) ماریہ قبطیہ

لے چونکہ اس معنوں کو تعلق" فقائے سرید اور ان کی کتابوں سے ہے۔ اس لئے اردو کے بعض اور سیرۃ نگار

مثلاً مولانا عبد الرزاق مصنف نظام الملک اور البراکمہ وغیرہ کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ۛ

شعر (۱۴) سوانح بزرگان دین (جو مضامین شریں ہیں)

ان کتابوں میں سے حیات جاوید ایک خالص بیآگرافی ہے۔ یادگار غالب۔ حیات سعدی بان خسرو۔ شعر الجم اور مولانا روم میں سوانح کے ساتھ ساتھ ”ادبی تنقید“ بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ ان پر ادبی تنقید کے سلسلے میں تبصرہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ سوانح مولانا روم کو خود مولانا شبلی نے سلسلہ کلامیہ میں شمار کرتے ہوئے اسے فلسفہ اور علم کلام کی کتاب قرار دیا ہے؛ اسی طرح الغزالی سلسلہ کلامیہ کی ایک کڑی ہے۔ اور سیرۃ النعمان سوانح عمری کے رنگ میں ”فقه اسلامی کی تاریخ“ ہے؛

سیرۃ النبی، الفاروق، اور المامون تاریخ کی کتابیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اسلوب ازسرتا پایا تاریخی ہے۔ اور خود ان کے مصنف نے ان کو ”تاریخ“ قرار دیا ہے؛ پس ان حالات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ کہ ہم یادگار غالب۔ حیات سعدی وغیرہ کا ذکر سوانح میں کرنے کے بعد ان کو ادبی تنقید کے تحت میں بھی لائیں۔ الفاروق۔ سیرۃ النبی اور المامون کو خالص تاریخ کی کتاب سمجھیں۔ اور ان کے لئے وہی اصول تنقید تجویز کریں۔ جو کتب تاریخ کے لئے ضروری ہے۔ باقی رہی الغزالی اور سیرۃ النعمان، ہواں پر سیرت اور فقه و کلام ہر دو حیثیتوں سے نظر ڈالی جائے؛

ہم اس سے پہلے ذکر آئے ہیں۔ کہ اردو میں خالص جدید طرز کی کوئی مکمل اور جامع بیآگرافی موجود نہیں۔ حیات جاوید یقیناً ایک مکمل بیآگرافی کا اسلوب اپنے اندر لئے ہوئے ہے لیکن یہ بھی ایک ناکام کوشش ہے، مولانا شبلی کی کتابیں مقدس ناموران اسلام کی سوانح پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان کا رنگ تاریخی ہے۔ اور وہ ”لائٹ اینڈ ٹائمرز“ کے طریقے پر لکھی گئی ہیں۔ اور پھر مذہبی پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ جو اگرچہ اپنی جگہ بے حد مقدس اور متبرک کام ہے لیکن چونکہ عامے جذبات عفتیت ان بزرگوں کے متعلق تنقید کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ ہم ان بزرگوں کی زندگی کو ایسی سطح پر سمجھتے ہیں۔ جہاں سے زید و کبر کا فہم تنقید ان کی ارفع و اعلى زندگی پر اٹھ سکے۔ اس لئے



مولانا شبلی کا کام اگرچہ نازک ہے، لیکن کسی ذمہ داریوں سے آزاد بھی ہے۔

تاہم ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہمارے مصنفین فرداً فرداً اپنے کام میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جو مرقعہ ان پر بطور سواخ نگار عائد ہوتے تھے۔ ان کی ذمہ داریوں سے کہاں تک عہدہ برا ہوئے۔ اور اس فن کے اصول و قواعد میں سے کن کن قواعدوں پر عمل پیرا ہوئے۔ یا کن کن شرائط کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اور کیوں؟ ہم سب سے پہلے مولانا حالی کو لیتے ہیں۔

الطاف حسین حالی انصاری ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں متولد ہوئے۔ یہ امر معنی خیز ہے۔ کہ اس ہنگامہ خیز مقام کی خاک سے ایک ایسی متین اور خاموش شخصیت کا ظہور ہوا جس کی خاموشیاں اپنے اندر ایک انقلاب نہاں رکھتی تھیں، اگرچہ ہم علمائے یورپ کی طرح ماحول کے اثرات کی ہمہ گیری کے بغیر کسی حد تک قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات کسی حد تک بدیہی ہے۔ کہ کئی بار ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے مقام پانی پت سے اگر کوئی زندہ دل اٹھے گا۔ تو اس کی بصیرت اور نفسیات میں اس سرزمین کی انقلاب پرور تاریخ کے اسباق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا۔

حالی کی زندگی کے واقعات کو تفصیل بیان کرنا ہمارے مقصد سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ حالی کی تعلیم خالص مشرقی طریق پر ہوئی۔ اور انہوں نے چند موضوع درسی کتابیں قدیم طرز کے اساتذہ سے پڑھیں۔

اس زمانے میں دہلی کالج پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ جو اس دور میں مغربی اور مشرقی تعلیم کے امتزاج کے اصول پر عامل تھا۔ حالی جب پہلی دفعہ دہلی گئے۔ تو انہوں نے وہاں بھی وہی قدیم درس اپنے سامنے رکھا۔ انہیں جدید طرز اور جدید خیالات سے اس درجہ بُدبخت تھا۔ کہ اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں اقرار کرتے ہیں۔ کہ میں نے اس زمانے میں دہلی کالج کو آنکھ سے دیکھا تک نہیں۔ کسے معلوم تھا۔ کہ جدید طرز کا اتنا مخالف کسی نہ کسی دن اُردو شاعری میں خود بھی ایک جدیدوشن کا علم بردار ہوگا۔ اور عقائد میں معقول پرستی کا نقیب بن کر شہرِ بٹہر پھرے گا اگر شمشہر قدرت اسی چیز کا نام ہے!

۱۸۵۷ء میں جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی۔ اس میں مولانا حالی دہلی میں ہی قیام پذیر تھے۔ اس عہد میں غالب، ذوق اور شفیقہ بزم شعر و سخن کے لئے باعثِ عزیت تھے، مولانا حالی ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ شفیقہ کے رنگ میں رنگے گئے۔ سلاست اور سادگی جو مولانا کی نظم و نثر کی جان ہے، نواب شفیقہ ہی کے اثر سے ہے۔ حالی خود لکھتے ہیں کہ غالب عام طور پر لوگوں کو فکرِ شعر سے روکا کرتے تھے، لیکن ایک آدھ دفعہ میری غزل سن کر انہوں نے مجھے مشقِ سخن کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ حالی نے یادگار غالب لکھ کر مرزا کی اس استادانہ تربیت کو وہ خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ جو ہر استاد اور رہنما کے لئے باعثِ فخر ہے۔

مولانا حالی کے اسلوبِ نظم و نثر میں واقفیت، سلاست، اور حقیقت کا عنصر کسی مذہب کی "عربیت" اور عرب شاعروں کے مطالعہ مزون منت بھی ہے۔ جن سے گہرا شغف اور جن کے کلام سے والمانہ لہجہ پی مولانا کے لئے ان کی ابتدائی زندگی میں جاذبِ توجہ رہی ہے، مولانا کی اکثر تصانیف میں ہمیں عربی اشعار، عربی ضرب الامثال، اور عربی جملوں کا استعمال بلا تکلف نظر آتا ہے۔ نمونہ کے طور پر حیاتِ جاوید ملاحظہ ہو:

حالی کی زندگی میں وہ سال ایک انقلاب انگیز سال تھا۔ جبکہ وہ نواب مصطفیٰ خاں کے ہمراہ پہلی دفعہ سرسید احمد خاں سے ملاقی ہوئے اور دو چار ہفتے ہی متوجہ ہو گئے۔ سرسید بجا طور پر اس فخر کے مستحق ہیں۔ کہ جو ان کے دائرہ اثر میں آیا۔ ان کے ہی رنگ میں ڈوب کر نکلا۔ اس کی کیفیت خود حالی ہی کی زبان سے سنئے:-

"چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا۔ کہ ایک قدم آگے پڑنا تھا۔ دوسرا پیچھے ہٹنا تھا۔

ناگاہ دیکھا۔ کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے۔ ایک دشوار گزار رستے میں راہ نور ہے، بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے گئے۔ بھٹک کر پیچھے رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اس کے ساتھ اُفتان و خیزان چلے جاتے ہیں۔ مگر ہونٹوں پر پیڑیاں جھی ہوئی ہیں۔ پیروں میں چھالے پڑے ہیں۔ دم چڑھ رہا ہے۔ چہرہ پر ہوا نیاں اڑ رہی

ہیں۔ لیکن وہ اولوالعزم آدمی جو ان سب کا رہنما ہے، اسی طرح تازہ دم ہے۔ نہ اُسے رستے کی تکان ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پرواہ ہے، نہ منزل کی دُوری سے کچھ ہراس ہے، اس کی چٹوٹوں میں غضب کا جادو بھرا ہے، کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی۔ اور اپنا کام کر گئی۔ میں برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستے پر پڑ لٹے۔ نہ یہ خبر ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کیوں جاتے ہیں۔ نہ طلبِ صادق ہے، نہ قدمِ راسخ ہے۔ نہ غم ہے، نہ استقلال ہے، نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے، مگر ایک زبردست ہاتھ ہے۔ کہ کھینچے لے چلا جاتا ہے

آن دل کہ رم نمودے از خود جو انان  
دیرینہ سال پیرے بروش بیک لگا ہے

انگلو عربک سکول میں مدرسۃ کے وقت سے آخر عمر تک وہ سرسید کے مداح اور رفیق کا رہے، اور بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے، کہ انہوں نے اپنی زندگی میں جو گراں قدر علمی خدمات انجام دیں وہ سرسید مرحوم ہی کی تحریک و ترغیب کی وجہ سے سرانجام ہوئیں۔ مولانا کی شاعری نے اگرچہ بہت سے سرشموں سے فیض حاصل کیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ تاہم مسدس حبیبی بے نظیر نظم سید صاحب ہی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ بہر حال اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ حالی نے جو کچھ لکھا۔ ایک جذبہ قومی اور بلی سے متاثر ہو کر لکھا اور یہ جذبہ اسی مقدس بزرگ کا پیدا کردہ تھا۔

(باقی وارو)

سید محمد عبداللہ

# اقتباس از آداب الحرب والشجاعة لکرم الروزی

کتاب آداب الحرب والشجاعة جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے علم حرب پر ایک تصنیف ہے جس کا مصنف شریف محمد بن منصور ملقب بمبارکشاہ معروف بفرید قزوینی ہے، باپ کی طرف سے اس کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امیر ٹکانگین سے جو صاحب کبیر الٹکانگین کے بعد غزنین میں تخت نشین ہوا، شریف محمد نے آداب الحرب کو سلطان شمس الدین التمش کے نام پر معنون کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۶۰۷ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی گئی جو التمش کی حکومت کا زمانہ ہے، اسی مصنف کی تاریخ مبارکشاہی بھی موجود ہے اور چھپ چکی ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اپنا اور اپنے خاندان کا حال مفصل بیان کیا ہے، کتاب آداب الحرب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ ریوٹ نے فہرست مخطوطات موزہ برطانیہ ص ۴۸۷ بعد پر اس کا حال مفصل دیا ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ آئندہ صفحات پر اس کتاب کے گیارہویں باب کا اکثر حصہ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کے مضامین اور مصنف کی طرز تحریر کا اندازہ ہو جائے گا۔ مصنف نے بہت سے مصطلحات فن حرب کا استعمال کیا ہے جو کتب لغت میں نہیں ملتے اسی طرح وہ پنجاب و سرحدی صوبہ کے متعدد جغرافیائی مقامات کا ذکر کرتا ہے جو ساتویں صدی میں موجود تھے مگر ان کا ذکر جغرافیائی، ادبی یا تاریخی کتب میں ہم تک نہیں پہنچی بہتیں برٹش میوزیم کے نسخہ پر مبنی ہے، اس کو حواشی میں آ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ نسخہ غالباً سولہویں صدی میں لکھا گیا تھا۔ اچھا نسخہ ہے مگر غلط اس میں بہت ہیں، مقابلہ کے لئے ایشیائک سوسائٹی بنگال کا نسخہ استعمال ہوا ہے جو ب کے نام سے حواشی میں مذکور ہے۔ اس نسخہ کا مفصل حال آئوناف کی فہرست ص ۴۷ نمبر ۶۰۸ میں دیا ہے،

لے اس مصنف کی بعض تصنیفوں میں بظاہر مدبر بجا سے مدبر لکھا ہے لے اے متنب میں اختلاف ہے، قول معتبر یہ ہے کہ وہ ۲۵۵ سے ۲۶۴ تک مکران رہا،

اس نسخہ میں بھی اغلاط بہت ہیں مگر دونوں نسخوں کے مقابلہ سے بعض عبارتوں کی تصحیح ممکن ہو سکی گو بعض مقامات دونوں میں مخدوش ہیں۔ ایک تیسرا نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں ہے مگر تا دم تحریر اس نسخہ تک رسائی نہیں ہو سکی،

اڈیٹر

## باب یازدہم

اند فضیلت و خاصیت ہر سلاحی و ثواب کار تین آل کہ ہر یک چہ جای بکار آید و خاصیت ہر یک چیست (۹۶ ب)

..... و بیج سلاح را آن خاصیت و فضیلت نیست کہ تیر

اند آفتن را از بہر آنکہ جملہ سلاحا نامشمن نباشند (۹۶ ب) کار نتوان بست مگر تیر اند آفتن کہ (۹۶ ب)

بر دشمن بتوان انداخت و بر شکاری و بر پرندہ و بر ہدف و بر تر جاس و بر ہر چہ خواہی بتوان

زود و در بیج حال بیکار و مہل نیست و خصم را از دور دفع توان کرد و زود در حصار ہا قلعہا

و جنگ جاہ ہما این سلاح بکار شود و تیر ناوک و غدرک و ملجک و آفتک و انگسنگ

و نیم دانگ سنگ و جوال ووز و نیم جوال ووز ہمہ بابت حصار است و در این

جایجا بکار شود،

و مستقر طگوید: اگر تیر اند آفتن و چوگان زدن بیج ہنر نیست ہین بس کنند کہ اندامہا

نرم کند و بند ہا را بکشاید و گوشت تن مردم را سخت کند و بیفزاید و چشم را روشن کند و دست

و پای را راست دارد و جنگ را بیا سوزد و گرفتگی را بکشاید و مردم را دلیر کند و آرزو ہا و

شہوتہا را بر انگیزد و ہمت را بزرگ کند، و روا باشد کہ تیر را تقدیر خوانند، و کمان را تہمیر

و پیکان را امرگ پُران و درفشان،

لہ آ: ہا، تہمیر از روی ب، لہ آ: بر خاس، تہمیر از روی ب، لہ آ: زدی ب، لہ آ: بیدار

لہ آ: آفتک ب: بیکہ مشکوک است، لہ آ: نیستی، لہ آ: کند، ب: مثل تن، لہ آ

آرد، تہمیر از روی ب، لہ آ: ادرا، تہمیر از روی ب،



شیریں و انباران، و بہر وج و پنچہ گیر کنند و تمامت از شاخ پنچہ و بزگوہی کنند و بیج  
چوب نباشد و نیک آئندہ باشد و کمان ہندی ازنی نیزہ باشد و زہ کمان ہم نزدیک  
نیزہ باشد و تیر نیک دور زود اما از نزدیک زخم سخت آید و تیر ہندی را بیشتر شاخہا  
باشد کہ در کزہ (۱) و جنبان (۲) اگر کسی از ان زخم یابد چون تیر کشند بیشتر پیکان بسبب شاخہا  
بماند و در کشیدن آن نیک رنج بینند و بیشتر زہر آلود کنند و پیکان اہل کتبہا ہندستان  
بیشتر از (۳) استخوان باشد و آن چنان باشد کہ ہر استخوان کہ یابند از کاو و گاومیش و - (۴) ب  
در از گوش از استخوان ساق از مردار و کشتار از زور کینہ خرد مزہا و تباہ و پیر و در ہر استخوان  
کہ چرب باشد زہر ناک باشد [چون] آمدنی بر آید از ان بر مثل پیکان بر ترائند و در کزہ ہند  
و ہر گاہ کہ بخوابند اداخت سر آن بر جایی زنند تا نظرہ از ان جدا شود چون کسی از ان  
زخم یابد و از ان استخوان اگر آدمی بماند بر مثل زہر مار باشد زخم را پارہ کنند و بچوبند تا  
اندک چیزی اگر چہ بر مثل کالی باشد بیرون کشند آن نگاہ بیجا باشد کہ از ان جری خوانند  
اگر کسی را بدست شود بخورد و زود بہ شود اما ہر سال بدان وقت کہ زخم خوردہ باشد باز ان  
با دیشور دو آنکس را نیک بر بخاند و اگر در آن وقت کہ زخم خوردہ باشد از جماعت کردن  
و جغرات و شیر خوردن نگاہ نادر و ہلاک شود و نادران آدمی و استخوان او سیاہ شدہ است  
امیدست کہ علاج کنند و جری دہند نیک شود و ہر گاہ کہ سیاہ شد آنکس ہلاک شود و آن

لہ آب شیریں لہ آب جگر ب، پنچہ گیر آ، کزہ ب، کرہ، یلفظ شکوہ، اکثرہ بمعنی کمان خشک چوب و خمیدہ گد  
چرخ خشک است و از فرہنگ آندہ راج، ہے شاید وہ مراد ہو اگلی سطوں میں درک و نہاد و تیر را کہ نشانند بجا آیتہ شاید  
گزہ چوبی نسبت فرہنگ آندہ راج میں ہے۔ نوی از تیر و پیکان باشد گد اور ہر دو نسخ معلوم نہیں یکیا لفظ ہے  
چہ نہیں بمعنی جستن و غیر کردن و گرفتن ہے کہ بیان جنبان بظاہر کسی آئے کا نام ہے، شہب، زہر آلودہ لہ آب  
کوبیانہ ب، کوبیانہ، شہب، استخوان، شہب، کشتا آزار ب، کشتا ران، کشتا ر بمعنی کشتہ و مذبح، لہ آسین یہ  
لفظ کتبہا ہے، عرف بہستانی ہے، پیچ از روی ب، شہب از روی ب، شہب، کرہ، شہب، بجمدی، کالی بمعنی  
رہج ناخنہ، لکن ہے، شہب کد اور احوال کات ب، جری، بظاہر یہ ہندی لفظ جری ہے کسی خاص جسی بدلی کا نام نہیں ہے

لہ آب، معالجت، شہب، شیر، لہ آب، دار، بجمدی، جیری

پیکانرا ہدائی [ہدائی] خوانند

وتیر ہا ماوراء النہر وخراسان و عراق بیشتر خدنگ باشد و سید و خدنگ نیک دور  
نزد و بسبب گدائی امانام دار باشد، وتیر سید بسبب سکی راست رود و نازک باشد اگر خمی سخت  
تر رسد تیر ۱۹۹۱، [بگنند] ہیج تیری دور [دو] ترو بکتر و کاری ترا ز کلک نباشد اما نیک نختہ ۱)  
و جوشیدہ باید و کالبد زوہ تاب کشیدہ، اگر تیر انداز نیک باشد و کمان بلند و نشت بہرام  
بداند و بریل آہنیں و خود پلو لا و زند بگذرد، و

بیک تیر

از ونب کس و عقاب نیک آید و اگر نیاید پر چرخ و شاہین و موش خوار و کلک  
و کلنگ و سرخاب و خروس و بط و غلیو اثر و بویما و بیشتر مرغ ہم روا باشد، وتیری را کہ بر پرندہ  
کہ بردخت باشد پیکان [دو] بیک دو شاخ باید تا در شاخ باریک سخت نشود و اگر شاخ  
رسد شاخ را بہرہ و تیر انداز باید کہ این دقایق را بداند و در این باب شاگردی کردہ باشد  
دیبا مہنتہ و استاد گشتہ کہ اگر جایی تیر گر و کمانگر نباشد تیر را گزہ بداند [نشاند] و سوراخ داند کرد  
و پیکان چہاد و تیر را پر کرد و تاب کشید و اگر کمانز گوشہ بگرد و یا خانہ بایستد یا در آید آتش  
دادن و باز شدن بداند و زہ بستن و پیوند کردن بداند و چہار بند بستن بداند و اگر  
جایی خزنہ؟ او در زکند بداند بست

و استادان ہر کمانی را دوزہ و ہرزہی را دو انگشتوانہ نہادہ اند اگر کی خطا افتد و گری  
بجای او بایستد و

انگشت و انہ

چند نوعست غازی وار و میری وار و ترکی وار، اما بہترین غازی وار باشد تا سر انگشت

لہ از روی ب، لہ - قالب، لہ آ، نیاید ب مثل متن، لہ آ، شمرغ، تصح از روی ب، لہ آ، پیک ب  
مثل متن، لہ د ب، ہزار و لہ آ، کہ بداند ب مثل متن، لہ ب، داند ہزار، لہ ب، بر لہ آ، بار ب، ہزار  
لہ ب، خیرہ، لہ ب، دکر، لہ ب، سر،



تبر

واگر بر دود (۹۹ ب) اندازد ز نینا بر برگ نیندازد که یازده گسلد و یاکان بشکند (۹۹ ب)

(و) یا خلل افتد، و اگر تیر اندازی خواهد که بر تیر اندازان کید کننده کمان خود از پوست گرگ

۵ سازد هرگاه که تیر از کمان کزده از پوست گرگ باشد بیرون فرستد چون آواز آن کمان بهر

کمانی که رسته که از پوست گوزن و نیله گاو و اسب باشد جمله بگسلد،

واگر تیر پرتاب بگر و اندازد و ران کوشد تا مگر تیر خصم را بنوعی چرب تو اندک در تادور

نزد و مبلغی از تیرہاء دیگر پس ماند

دستبرآماج را پیکان مودودی لیسه و چهار پر باید و اندازه نه مشت تیر انداز باید و قبل

۱۰. بعضی از استادان از زیر بغل تاسرا انگشت سبابه باید و لقبول بعضی از سرفکف تاسرا انگشت میانگی،

و بقول بعضی هر دو شت پیش گیر و سر بر سر نهند از سر آرنج راست تا سر آرنج چپ بر پیماید\*

اندازه تیر آن قدر باشد، و حکم اندازان بیک چوبه تیر خیم ملک را بکشته و مصاف را بشکنند

اند چنانکہ امیر بکا تکمیل کہ از پس حاجب بزرگ البتکین بادشاہ غزنین شد و چار سال ملک

بود و خسر سلطان ملین الدولہ محمد وغازی نور اللہ قبر ہما کہ کاتب و مولف کتاب راجہ دادو گان

۱۵ باشد برفت و قلعت گردیز را محصر میکرد و موفق را بشمار داد (۱) چنانکه عادت روزگار است

ترکان دران جنگ آهنگی میکردند میر بلکاتکین (۱۰۰۰) از ختم لشکر پیاده شد سپهری در پیش او ۱۰۰۰

له فقط درت، الله یعنی جانوران درنده، الله آب بشکر د آب، لبشکند، الله کنذا در هر دو نسخ، بجای کمانی که، عشق بقیه

ستھیر در بے آہ برست، آب گل من اے در بے ناز و اے دیر می ریاات میخون جمع (۱۲۸) ۱: ۵۰ بڑ ہے،

ولم يسمع لها صوت ..... وان اتخذ طبل من جلده وضرب به بين طول نشقت الطبول كلها، آءا جرب بآءه رب

۱۷۔ آج بنامید تعصیح اردو ب، اللہ قطب : حکم تیرا انداز ان اللہ میں پول نے بلکائیں کہ سال جلوس ۳۴ اور سال وفات

۳۶۲ء دیا ہے۔ اس حساب آنی حکومت، برس رہی تکر و الترامم سے اس کا سال وفات ۳۶۴ء دیا ہے اور اس کو  
 دس سال سلطان محمود دس، ۱۲، ایشیگیں ۲۵۲ میں فوت ہوا اسکے بعد ابو اسحاق ابراہیم بادشاہ ہوا پھر ملائیں

عالمِ نعمت، مسعود، انتہائی مہر و شفقت، مجاہد کا مطلب واضح نہیں ہے، کہ آپ جی، بہت اہل حق،

می داشتند و خود پیش حصار رفت و جنگی قوی کرد و نزدیک آمد که حصار بگیرند، حکم اندازی تیر ناوکی بینداخت، بر جای شهید شد و لشکر بی مراد از آنجا بازگشت، وقتی امیر ایاز بهندوستان بفرار رفت حصار ی را در پیچیده لشکر یان بیشتر بقلعه رفتند چنانکه لشکر گاه خالی شد، کافران از قلعه تاختن - آوردند، امیر ایاز بدو حصار شد تا ایشان از بیرون آمدن باز دار و پیل سپید بیرون آمد و در عقب او سوار بسیار، تیر اندازی بود بلند کمان، قادر دست، حکم انداز، در اعلی بخاری گفتندی امیر ایاز او را گفت: یکی تیر لشکر شکن توانی انداخت گفت: توانم، آیینہ پهنی بود بزرگ بر پیشانی پیل آویخته، بخاری تیری پیکان سه سوی بلوی آب داده بر دو بر آیینہ پیل آیینہ پاره پاره شد، بانگ آیینہ بفرنگی رفت، پیل بتر سید، تیر دیگر بکشد و بر دو چشم پیل، نیمه تیر بر پیل در رفت، پیل از در دآن زخم بازگشت و خلعتی را زیر پای بکشت و دیگر لشکر هریت شد و بچار رفتند مسلمانان دل شکسته بودند هر کی چون شیر ی گشتند و خلعتی را بکشتند،

### حکایت

وقتی سمرقندیان عاصی شدند، فایق بیامد برایشان جنگ کرد و کیمخت گری بود حکم انداز بوقی را بر دو بوق در و هانش در رفت و از پس تفاسیر و ن شده، فایق گفت: زهی باریک (۱۰۰ اب) انداز از جوشن پوشی دیگر را بر دو، دیگر سو بیرون شد، فایق گفت: زهی نیک انداز! علم بکند، باز به بخارا رفت، امیر خراسان را گفت این شهر بکجنگ نتوان گرفت [گرفت] دروغ میگوی، فایق گفت راست میگویم و دو گواه دارم، یکی تیری که بوقی را زدند و دیگر تیری که جوشن پوش را زدند علما در میان شدند (و) میان امیر و سمرقندیان آشتی دادند، باز پس از چند سال سمرقندیان عاصی شدند - فایق بیامد جنگ آغاز

له ت: دارند، امه امرای سامانیه میں سے تھا - اس کا حال دیکھو سلطان محمود ۱۸۲

بعده از آنکه از روی پت،



سوراخ انداختم از مرد بگذشت ایشان پیدا شدند که من تیر هم از در (و) هم از مرد گذاشتم،  
فرع و هول ایشان از ان بود،

و قتی علی <sup>علیه السلام</sup> تگین بدو سمرقند رفت و جنگ کرد و شارتان گرفت و درآمد بدر آهین رسید استاد ی برو تیر انداز که او را احمد خیا ما گفتندی سپاه بدر آهین [رسید] او برخاست و بیادید جنگ بایستاد ترکی بود که او را کوکیوغ گفتندی از رہی پوشیده و جوشی زبر آن پوشیده و خود دی) عادی بر سر نهاده و سپری برگرفته و در پیش علی تگین سه چهار هزار غلام تلخ و دقرا چلی کشیده می آمدند سمرقندیان بدر آهین بیرون آمدند استاد احمد تیر و کمان از شاگرد <sup>علیه السلام</sup> بست تیری به پیوست که کوکیوغ پای بنشینی فرو نهاد سرش از پس بیه برهنه شد استاد تیر بر چشم خود دزد از خود و از سرش بگذشت که کوکیوغ بیفتاد و جان تسلیم کرد و جمله سمرقندیان حمله کردند و در شهر هر که درون آمده بودند بیرون کردند مردمان شهر از شادی بانگ کردند و این چنین بانگ نمودار <sup>علیه السلام</sup> اب انهر زیان [فیو کوکیوغ خوانند] اب علی تگین بخارا باز رفت سبب شکستن لشکر و رستن شهری از غارت و رستن چند هزار مسلمان جوان از کشتن آن یک <sup>علیه السلام</sup> چوبه تیر بود و الله الموفق ..... و اگر کسی گوید که یک مرد هزار

۱۰ علی گڑھ میں حکم بنار ایک خانیوں میں سے تھا، وہ بغرا خان کا بیٹا اور سلطان خان کا بھائی اور سلطان محمود غزنوی اور قندور خان کا معاصر تھا۔ ۴۲۵ کے آخر یا ۴۲۶ کے شروع میں فوت ہوا۔ دو کمپنیاں انسٹیٹیوٹ یا آف اسلام (۱۹۷۷ء) محمود اور علی گڑھ کی کڑا ایسٹوں کا حال سلطان محمود جس ۵۷۵

پروکیس، اے آج، جنت فتح اُردو یاب، اے  
جرب تھا، یعنی شہر اُردو یعنی ملاک، شہر کا رقبہ ہزار مربع، اس شہر کے اندر دینی حصہ شہرستان کا قریب ۱۲ ہزار  
جرب تھا، جامع مسجد و قلعہ شہرستان کے اندر تھا، قلعہ کے دو آ، مشین دروازے تھے، دیکھیں ترکستان ص ۸۶،  
اے آج کوکوع، شل متن، آج کل کرا میں ایک جگہ کوکوع، ایک جگہ کوکوع لکھا ہے، ہر حال یہ نام مشتبہ ہے، اے آج کوکوع،  
اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع، اے آج کوکوع،  
دور و اہل زمانہ است، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع، غر کوکوع،

خود را تیر انداختن و آشنا کردن، و جای دیگری گوید ارموا و ارکبوا و ان ترموا خیر من  
ان ترمکبوا یعنی تیر اندازید و سوار ی کنید [و اگر تیر اندازید] بهتر از آنکه سوار ی کنید۔۔۔  
تیتغ

راجشید بیرون آورده است و آن کفایت و کیاست او بوده است و او را درین  
باب بجزله اہل عالم منت است و صد سال در آن کرد تا آہن از کوه و کان بیرون  
آورد و او تیتغ کردن فرمود و رعب و ہیبت شمشیر بیش از دیگر سلاحاست و سلاح - ۱۰۳  
مبارزان و دلاورانست و سلاح خفته است تا تلر زانی و بیدار نکنی کار نباید بست کہ خطا افتد  
و بشکند، و اگر کسی گوید کہ از میان ہزار مرد سلامت بیرون آدم و هیچ کس گردن نیارست  
گشت جز شمشیر دار نبوده باشد، و بیخا مبر علیہ السلام میفرماید کہ بختہ تحت ظلال السیوف  
بہشت و زیر سایہ شمشیر است و ہیبت او بیش است چنانکہ مملکہ سلاحا و لایاتی و ملکی بگیرند  
چنین گویند کہ این ملک و ولایت را بشمشیر گرفته ایم

اما تیتغ چند نوعست چینی و روسی و خزر ی و رومی و فرنگی و دیانی و سلیمانی و  
دشاهی و علانی و ہندی و کشمیری، جملہ تنہا نام دارند اما از ہمہ تیغہا ہندی بہتر و گوہر دار  
تر و برتر و تر آید و آن چند نوعست پراگ و تراوٹہ و روہنیا و قنبر (؟) و مان گوہر  
پر گس کہ آنرا بسبب بیاری بند موج و ریاختہ اند قیمتی تر و طراپٹ تر از ہمہ تیغہا باشد

لہ اندوی ت، لہ آخری ت، لہ آدلی، ت، لہ متن، لہ آ، کشمیری، لہ آ، براك  
ت، براك، قزچک اند راج میں بوالہ بران اس کو فارسی لفظ کلمہ اور کلمہ اولو و ہر وار گویند مو و تیتغ و شمشیر را  
خصوصاً، لہ لغت میں نہیں ہے شاید ہندی لفظ ترانوئی ہو جس کے معنی تیز رو کے ہیں، لہ آ، اردو ہنیا، ت، اردو ہنیا قزچک  
اند راج میں اس کو باٹانی بھول بر وزن بوسینا کلمہ اور اسکو فارسی لفظ بتایا ہے اور کلمہ امان روہناست کہ بعضی تھن و  
لہ و ہر وار باشد کہ ان شمشیر و خیرا نند یعنی کہ شمشیر نہ زامہ، اردو ہنیا، لہ آ، مان گاس کے نزدیک روہنیا لکھی ہے، لہ  
ت، قنبر، گوہر، لہ صفر و قنبر لہ لفظ لغت میں نہیں ہے، لہ آ، مان گوہر گس، ت، مان گوہر گس، لہ ظاہر میں یہ ایک ہی لفظ ہے گوہر  
صفر گوہر کا لفظ لغت ہے۔ یہ تینوں لفظ لغت میں نہیں ہیں

و در میان لشکر و خزینہ و زرادخانہ بادشاہی یکی ازان بیش نباشد و دیگر با حسری و سورمان و تورمان باشد و در هیچ ولایت تیغ پرالک و تراوتہ و روہینا و موج در بانبا مگر در زمین ہندوستان و این تیغہا برندہ ترازی تیغہا و دیگر باشد بدینچہ اینہا خشک ترند (۱۰۴) و دیگر تیغہا چرہست اگر در غیب تر کنند زخم نیک آید و در زمین خراسان و عراق بیشتر تیغ با تری باشد نیک گوہر و از نباشد اما چرب باشد و در آسیب رسیدن و زخم زدن کم شکند

و در ہندوستان تیغ دیگرست کہ آزابانہ خوانند و آن مصنوعست آہنگران استاد بیرون آورده اند از نرم آہن و مس و فقرہ کنند و بسبب فقرہ فراخ گوہر آید و اگر بدان تیغ زخمی رسد آن زخم کم فراہم آید و پرالک و تراوتہ و مان پرکس و مقبر بابت مکر شمشیر و زبر رکابی بادشاہان شاید سورمان و تورمان افغان را بیشتر باشد و در ہندوستان حصارست کہ آذک و کورج خوانند بر لب آب سند نزدیک کدور آہنگران استا باشند و آہنگر کہ تیغ خواہد زد و خفجہ از آہن پولاد بکشد بعد ازان ہر در را نیک گرم کند و ملی را براست بتابدہ و دیگری را بچپ بتابد پس در گل گیر دیکشا زوز آزا در کور نہد و بدمد تا ہر دو خفجہ بگذازد و بر یکدیگر سخت شود پس از گل برون کشد و بیخ زند و باندام کند چون چرخ کند و دار و دہد گوہر او بر مثل برگ خرما کہ بر درخت باشد چمنان پیدا آید و بس ظریف و نادر باشد جملہ را نکان و ٹکران و مردمان قبایل ہوس ببرند و زخم آن نیک برندہ آید

تہ بادشاہان، تہ، باجری، باجری میں خون سرخ خالص کو کہتے ہیں مگر معلوم نہیں لفظ باجری اس سے کیا ہے کچھ اور لفظ ہے اعلیٰ آ؛ درخت تہ، تہ، مثل متن، تہ، تہ، باجری، تہ، بناہ یا پناہ لغت میں اس معنی میں نہیں ملا، تہ، آ؛ مان پرکس، تہ، سورنا، تہ، کس، تہ، کذا و آدب، تہ، آ؛ زبر رکابی، تہ، زبر رکاب، تہ، تورمان وادی کابل کے ہندو شاہی خاندان کے بادشاہوں میں سے تھا جو تہ کے قریب تخت پر بیٹھا، کیا یہ تورمان اس کے نام پر تھی، تہ، کذا و آدب، تہ، کدور، بظاہر کدور مراد ہے جو لہو اور بیکر کے درمیان دنیا کے مدھ سے قریب واقع ہے۔

## ۱۰ قلاچوری

سلاح ترکانست (۱۰۰ اب) و کسانی کہ جنگ بہ نیزہ کنند، و دراز تر از شمشیر (۱۰۰ اب)

برای این کار نہادہ اند، و لڑیدان کردہ اند تا در وقت زخم از پناہ نیفتد و

زخم او بسبب کثرتی گران تر و بران تر آید کہ اگر نیزہ را خطایی افتد و بشکند، چوں نیزہ

و تیغ کار توان بست،

## ۱۱ ناپح

سلاح بادشاہانت کہ ہم دوست را شاید ہم دشمن را، دوست را از مرء ناپح زند

و بجای گر ز کار کند و دشمن را بروی ناپح زند بجای شمشیر کار کند،

## ۱۲ دشہ

سلاح عیار پیشگان و جان بازان و دزدانست،

## ۱۳ کٹارہ

سلاح ہندوان دہلی باکان و غدارانست،

## ۱۴ شل و زپین

سلاح ہندوان و افغانانست و کسانی کہ ہم تیغ دارند ہم شل و زپین کہ چون

بیند از ند اگر کاری نیاید بشمشیر جنگ کنند

## ۱۵ پیل کش و نیم نیزہ

سلاح پیادگانست و کسان کہ سپر حج و گرتہ دارند و برور ہا محصار باشند،

۱۰ ب: قلاجلی، ۱۰ ناپح بمعنی تیر زین ہے "و آن حربہ البیت دستہ دار کہ در پہلوی زین اسپ بندہ

... شیخ نظامی کفۃ ۱۰ زپولا و چین ناپح دہ منی بگردن برانہر گردن لئی، ۱۰ آت، کٹارہ، ۱۰

ب: پکان و غداران است ۱۰ شائن کاس نے بفتح کاف ویا ہے اور کہا ہے کہ ایک سلاح کا نام ہے

۱۰ ب: بکرہ، بظاہر گردہ بمعنی چیز می مدور و گرد،

و نیزه و خشت و دور باش و حربه سلاح جاندار است و کسانی که نگاه  
بانی بادشاهان کنند و دشمنان را از ( و ) دور دارند،

## نیزه

سلاح ترکان و اعرابیان است و سلاح بیدارست چون برگرفتی در حال  
کار ترکان بست، بابت سواران برگشتوانی است و اگر کسی گوید که یک مرد هزار  
سوار را بزد و براند جز نیزه دار نباشد، و در عرب مردی وزنی نیزه باز بودند  
نیزه تمهری بمرغوبست و نیزه ردینی بزن، و هر دو تن از جمله مبارزان نامدار  
بودند و در بحرین دیهی است که آنرا خط خوانند نیزه خطی بدان جای منسوبست  
و در خراسان و عراقین بیشتر نیزه از چوب بید کنند و آذپانی بسیار زنند و لعب  
سواری و حلقه ردون را نیکست بدانچه سبکست و هر سلاح که سبکتر در جنگ یاری  
گردد باشد، و اگر زخم از سرسان و بن نیزه برابر و باز پس زنده زخم نیک آید اما اگر  
خواهد که مرد را بر دارد و یا از زمین بر باید تاب نیارد و بشکند و در وقت کار  
مرد سر سیمه شود و فرو ماند، اما هیچ نیزه بهتر از فی نیزه هندوستان نیست آنچه زلاست  
و میان پرکار نیاید بدانچه گران و دراز دیچان آید، و سوار بسبب گرانی زحیر شود، فی  
نیزه ماده میان نمی نیک باشد بدانچه سبک باشد، و لرزان و بیچان نشود، اگر سوار  
چابک باشد و این علم نیکو بیاموخته باشد و میداها و آورد و باید اند چون میدان ملوک  
در ستم و اسفندیار و افراسیاب و میدان امیر المومنین علی بن ابی طالب که م الله وجهه  
له جاندار سلاح دارد و نگهبان جان سلاطین که همیشه با شمشیر در خدمت سلطان حاضر و متوجه است

از فرنگ اندراج، آ، اعرابیان، ب مثل متن، ب، برگشتوان، آ، آ،

تعب، ب مثل متن، ه، آ، یاری کم تر، ب، یاری میر تر،

له در ب ندارد،



وزیر عوام [رضی اللہ عنہما] ہم سوار راہ گزوان داشت و ہم از زمین دور ر بود و در  
 حملہ ہر کاری کند اگر آموختہ کند بر ہمکنان پیروز آید و بیچ کس بر او بر نیاید، اگر  
 شت انگ گرگ، سوراخ کند و بر شتہ در زیر نشان بندد و بر مصافی حملہ کند ہمہ  
 بشکنند و از وہزیمت شوند

### سپہ و تہذیب

سلاح و دیانت و بران (۱۰۵ ب) جنگ کنند ساروغ سلاح چوپانان و گلہ (۱۰۵ ب)  
 بانانست گتھی آہن بستہ سلاح شتر بانانست تیر سلاح شبانان و جتانست، داس  
 سلاح کش و زانست جو آہہ سلاح بشیان و بتر اہیانست، بیل سلاح باغبانان  
 و آب دارانست، نیشہ سلاح در و درگزانست، کار و سلاح قصابانست، کلند و کچی  
 سلاح گل کارانست، عصا سلاح اہل صلاح و سیاحانست، دیوار کن سلاح در و درگان  
 و روغن گران و کدنی گرانست گرز و چابک و خود شکن و بل کا تکیانی بابت کسانیت  
 کہ بر قوت بازوی خود اعتماد دارند و بر کسانی کہ کار بندند کہ جوشن و خفتان دزیرہ و  
 جیورک دارند

اگر مردی ہمہ سلاح با بدارد و نمیشیرند از سلاح او ناقص باشد و نامنام و اگر

لہ از روی ب، لہ ب، اتواء، لہ ب، در تواند بود، لہ آب، کرک، مگر حیاء المیوان

دیرری (طبع ۱۳۳۰) ۱: ۷۵۰ پر ہے "و کعب الذئب الامین اذا علق علی رأس ریح ثم اجتمع

علیہ جماعۃ لم یصلوا الیہ ما دام الکعب معلقا علی ریح" لہ ب، اسارع، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے

البتہ ساریخ ہے نوعی از سلاح است و آن چوبی باشد کہ بر سر آن چند زنجیر کوتاہ تعبیہ کنند و بصر

ہر زنجیر گوی از نواد نصب سازند) لہ ب، لیتی، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے۔ شاید

گٹھی ہے، اس جملہ کے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ ب میں بتر اہیانست کی بجائے تیر اہیانست

ہے، لہ آب، کسی، شاید یہ پنجابی لفظ کی یا ہندی کٹی ہے، لہ آ، در و درگزانست، ب شل متن،

لہ ب، کدنی کر، یہ لفظ لغت میں نہیں ملا

شمشیر دارد و هیچ سلاحی دیگر ندارد تمام باشد و هیچ نقصان ندارد و نباشد،  
 خالد و لید روزی بنزد یک عمر خطاب رمنی الله عنهما در رفت عمر او را گفت یا  
 خالد چه گویی اندر تیر؟ گفت نیکو سلاحی است، دشمن را بدواز دور قمر توان کرد و از  
 خدشتن باز توان داشت، اما خطا بسیار کند، گفت چه گویی اندر نیزه گفت پشت و  
 پناه مردست و لیکن خیانت بسیار کند و چون چهار انگشت سان او از خضم بگذشت  
 این شود مرد نا امین، و هر کس بران قدرت ندارد، گفت چگویی اندر شمشیر گفت  
 (۱۰۶) اینجاست که مادران بر فرزندان بگویند:

در پشت اسپ آنکه شمشیر خواهد کشید دست راست بر قبضه باید نهاد و دست چپ  
 به معلیق شمشیر و نیک بتابد و پهلوی خویش نیک خم دهد و شمشیر بگردان اسپ راست  
 بیرون کشد، و زدن شمشیر را میان تافته باید و بغل کشاده و سه انگشت بر قبضه سخت  
 کند و زخم کشیده آرد و دست خوش دارد تا تنغ تاب نگیرد، این چنین زخم بر زده آید،  
 آنچنان کشیدن که یاد کردیم تمام و آسان از میان بر آید و بیم بریدن اسپ نباشد  
 چون شمشیر بیرون کشد اگر بر اسپ باشد هر کجا که شمشیر می زند اسپ می باید گردانید  
 و آن شمشیر که بزند هر چه سر شمشیر اندر نشیند بد راند و هر چه از سر شمشیر یک بدست  
 فرو در آید هم ببرد و هم بشکند و همه زخم شمشیر اندر یک بدست [است] و هر چه از  
 سر شمشیر بدو بدست فرو تر بود در نشیند و بگوید و آن باقی شمشیر هر کجا رسد نه ببرد  
 و نه بدرد و نه بگوید . . . . .

له ب: سلاح      له آ: صلاهی      له ب: تا

له آ: دست انصیح از روی ب: بدست یعنی وجب است که کشادگی پنج انگشت یک کف دست  
 باشد و بازی شمر فرامد

له از روی ب      له ب: دست

# ۸۰ فہرستِ اول

## اسماءِ سلحہ و متعلقاتِ آنها

عذرک ۶۶ — کلک	سروی ۶۷ — سروی	آگشتوانہ ۶۹ — تری وار ۶۹
ملحک ۶۷ — ۶۹	پولادی ۷۱ — غلولہ	غازی وار ۶۹ — میری وار ۶۹
۶۶ — ناوک ۶۶	۶۷ — ماہی پشت ۷۱	باہری (تیغ) ۷۵، ۷۵
نادک ۷۱ — نیم جوال	مودودی ۶۷ — مودودی	برگستوان جاگی و آہنبن
دوز ۶۶ — ہندوی ۶۸	لیسیدہ چار پر ۷۰ —	۶۷، ۶۷
تیشہ ۷۸	مٹھانی ۶۹	نعلطاق ۷۷
تیغ چینی ۷۸ — خوری ۷۸	پیل کش ۷۶	بلکاکینی ۷۸، ۷۸
روسی ۷۸ — رومی ۷۸	تبر ۷۸ — تبرین ۷۸	بناہ (تیغ ہندی) ۷۷
سیلہانی ۷۸ — شاہی ۷۸	تراوتہ (تیغ) ۷۸، ۷۸	بوق ۷۸
علانی ۷۸ — فرنگی ۷۸	۷۸، ۷۸	بیل ۷۸ — آہنبن ۶۹
کشمیری ۷۸ — ہندی ۷۸، ۷۸	تورمان ۷۸، ۷۸	پرالک (تیغ) ۷۸، ۷۸، ۷۸
۷۸ — میانی ۷۸	تیر ۷۸	پر تیر ۶۹، ۶۹
جنبان ۷۸، ۷۸	آفتک ۶۶ — بید ۶۹	پوشیدہ ۶۷
جواہر ۷۸	پرتاب ۷۸ — پرتابی ۶۹	پریکان — برگ بید ۶۷
جوشن ۶۷، ۷۸، ۷۸	جوال دوز ۶۶ —	بطپای مدبیک درشت پر
جورک ۷۸، ۷۸	حصار ۶۷ — خدنگ	۶۷ — بیک سپانگی
چابک ۷۸، ۷۸	۶۷، ۷۸، ۷۸ —	۶۷ — تہاجی ۷۷
چشمک خود ۷۸، ۷۸	دانگ سنگ ۶۶ —	دوبیک دوشاخ ۶۹ —

چهار بند ۱۴۶	۴۶ — چچی ۴۰ —	کلند ۴۸
حربہ ۱۷۷	چوبین ۴۶ — خدنگ ۴۷	کمان پروانچی ۴۷ — چچی ۴۸
خشت ۱۷۷	شوشک ۴۷ — گرگ ۴۸	خوارزمی ۴۷ — غریبی ۴۸
خشتان ۶۶ ۱۲۷۸	گرده ۴۶ — فی نیزہ	کوری ۴۷ — کوہی ۴۸
خود پولاد ۶۶	۴۶	لوہوری ۴۷ — ہندوی ۴۸
خوشکن ۱۷۸	ساروغ ۷۸	کشمیر ۵۷
وشنہ ۶۶	سورمان (تیغ) ۵۷ ۱۰۱۲	کسی ۷۸
دورباش ۱۷۷	شت بہرام ۶۶	گتھی ۷۸
دیوارکن ۱۷۸	نیل ۴۶ — ابجد	گرز ۷۸
روہینیا (تیغ) ۴۷ ۱۱۷۸ ۵۷	قراچولی ۳۷ — قلاچوری	مان گوہر ترنگس (تیغ) ۴۷ ۱۱۷۸ ۵۷
زہ ۶۶ ۱۲۷۸ ۶۶ ۱۴۶۹ — ابجد	۱۷۷	مقبر (تیغ) ۵۷
۴۷ ۱۴۷۸ — ابجد	کارو ۷۸	موج دریا (تیغ) ۴۷ ۱۱۷۸ ۵۷
زیرکابی ۱۷۷	کلبہ ۶۶	نپا ح ۳۷ ۱۷۷۸ — ابجد
ژوپین ۶۶ ۱۳۷۸ — ابجد	کنارہ ۷۷	نیزہ ۷۷ — خطی ۷۷ — روینی ۷۷
سپر ۷۸ — چچ ۶۷ ۱۲۷۸	کرہ ۶۸ ۴۷ ۱۲۶۹	نیم نیزہ ۷۷ — سہری ۷۷

## فہرست دوم

### الفاظ متفرقہ

آشنا کردن — شاکردن ۴۷	بدست (د) وجب ۴۷ ۱۴۷۸ — ابجد
باریک انداز ۱۵۷۸ — باریک اندازی ۱۳۷۸	بیدار (سلاح) ۴۷ ۱۷۷۸

پُر کردن (تیرا) ۱۳۶۹

دور پیچیدن (حصار را) ۳۷۱

تاب کشیدن (تیر) ۱۳۶۹

تباہ (مزبله) ۷۸

تیز آمدن (کمان) ۷۷

جری (جری) ۷۸، ۱۵

جنگ جای ۷۶

چرب (تیغ) ۷۵

حلقه زبیدن ۷۷

خانه ایستادن (بادر آمدن) کمان ۲۶۹

خزه کردن جایی ۱۵۶۹

خشک (تیغ) ۷۵، ۳

خفته (سلاح) ۷۷، ۷۷

خفجه ۷۵، ۱۲، ۱۲

دُده (جانور درنده) ۷۰

زهرناک ۷۸

سواران برگستوانی ۷۷

شارستان ۷۲، ۷۳

عادی ۷۳

غیو کرکیوغ ۷۳

قطره (= نمک) ۷۸، ۹

کاری گر (= کارگر) ۷۷

کالی (= برنج ناپخته و گندنا) ۷۸

کرگ (= کرگدن) ۷۷

کشتار (= زخمی، مردار) ۷۸

گرفتگی ۷۶، ۱۲

دِه، گردانده ختن (تیرا) ۷۰

گوشه گردیدن (کمان را) ۱۳۶۹

لعب سواری ۷۷

نی ماده ۷۷، ۱۳، نی نر ۷۷، ۱۳

بله ۷۲، ۱

اوپر

## تنقید و تبصرہ

(۱) سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل یعنی قانون بین الممالک کے اصول اور نظریں مصنفہ ڈاکٹر محمد ابراہیم (ڈی فل، ڈیون، ڈی) - لٹ (پریس) لکچرار قانون بین الممالک - جامعہ عثمانیہ - مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ - حیدرآباد دکن - ۲۸ صفحہ - سائز ۱۴ × ۱۰ ۱/۲ ۛ

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکچرار قانون بین الممالک - جامعہ عثمانیہ مبارکباد کے مستحق ہیں - کہ انہوں نے اردو زبان میں یہ چھوٹی سی کتاب لکھ کر اس مضمون کے اردو ذخیرہ کی بنیاد رکھی ہے ۛ

ڈاکٹر صاحب چونکہ جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الممالک کے استاد ہیں - اس واسطے انہیں اپنے لکچروں کے واسطے نوٹ تیار کرنے لازمی تھے - علم دوست لوگوں پر ڈاکٹر صاحب نے نوازش کی کہ اپنے قیمتی خیالات کو کتاب کی صورت دے کر شائع کر دیا ۛ

قانون بین الممالک کی اہمیت کا اندازہ اب رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا جاتا ہے - اور لوگ جاننے لگے ہیں - کہ روزمرہ کی اخباری خبروں سے بھی صحیح نتیجہ نکالنے کے لئے اس شعبہ علم سے کچھ نہ کچھ واقفیت لازمی ہے - علاوہ ازیں جوں جوں ہندوستان میں تحریک آزادی ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جدید اصلاحات کا دور جاری ہو رہا ہے - ہمارے ملک کے لوگوں میں بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے ملک کی دنیا کی سلطنتوں اور ان کی سیاست میں ایک خاص اہمیت ہے - اپنے ملک کی عظمت کو قائم کرنے اور بین الملتی تعلقات کو بڑھانے کے واسطے یہ لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے تعلقات دوسرے ملکوں سے آہستہ آہستہ براہ راست قائم ہوں اور ان تعلقات کے قائم کرنے اور ان تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے ملکی حکمران اپنے ملک کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں سے خود اچھی طرح واقف ہوں اور عام لوگوں کو ان سے آگاہ کریں - اس کے واسطے لازمی ہے کہ قانون بین الممالک کی تعلیم کو ترقی دی جائے اور اس سلسلہ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دوست ڈاکٹر محمد ابراہیم

کی طرح لٹی اور لوک اس مضمون کے مختلف حصوں پر عمدہ عمدہ تصانیف لکھ کر ملک کے سامنے پیش کریں۔  
 ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں جو ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے  
 قانون بین الممالک کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور بقیہ حصہ کتاب میں اس قانون کی عملی صورت  
 پیش کی گئی ہے :

اصول کی بحث میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات زیادہ تر جرمن اور فرانسیسی علماء کے نظریوں سے  
 متاثر ہیں۔ اور اس میں انگریزی اور امریکن علماء اور حکومتوں کے نقطہ نظر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی  
 گئی۔ یہ ایسا نقص ہے۔ کہ جس کی اہمیت کسی ایسی کتاب میں خاص طور پر بہت زیادہ ہے جو کہ قانون  
 بین الممالک سے علائقہ رکھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عموماً تمام کتاب میں جہاں کوئی اصول  
 بیان کیا گیا ہے وہاں اس بات کی کوشش نہیں کی گئی کہ اس اصل مختلف بڑی حکومتوں کے خیالات بھی  
 بیان کر دیئے جاتے۔ حالانکہ قانون بین الممالک کی کسی بحث میں سب سے زیادہ قابل غور یہی بات ہوتی  
 ہے۔ کہ مختلف سلطنتوں کے اس نظریہ اور اصول پر کیا خیالات ہیں۔ کیونکہ دراصل قانون بین الممالک مختلف  
 سلطنتوں کے باہمی میل جول کا قانون ہے اور اس کے بنانے یا اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار صرف سلطنتوں  
 کو ہی ہے۔ اس واسطے سلطنتوں کے خیالات کا ذکر بہت ضروری امر ہے :

مصنف سے جن باتوں پر ہم کو اصولی اختلاف ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کر دینا لازمی ہے فیث  
 صفحہ ۳۲ پر فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر خود مختار سلطنت اپنا قانون بین الممالک خود بناتی ہے۔ یہ  
 ایسا نظریہ ہے۔ کہ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو قانون بین الممالک کی جھلک جاتی ہے۔ قانون کے اصول  
 میں پابندی کا جزو لازمی طور پر شامل ہے اور اس کی تبدیل و تنسیخ میں کسی ایک جزو کو مکمل آزادی نہیں دی جاسکتی  
 ورنہ کسی قانون کا قیام ناممکن ہے۔ کسی ایک سلطنت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون بین الممالک کے کسی  
 اصول کو خود بدل دے یا کسی بین الملکی پابندی کو از خود دوسرے ممالک پر عائد کر دے۔ قانون بین الممالک  
 تمام سلطنتوں کا ایک ہی ہے اور اس میں کسی ایک سلطنت کو از خود زیادت یا تبدیل یا تنسیخ کا اختیار نہیں۔ رہا  
 یہ سوالیہ کہ بعض وقت کسی خاص جذبہ کے ماتحت سلطنتیں کسی خاص امر میں قانون بین الممالک کی پابندی نہیں

کرتیں۔ اور مسئلہ تقنازعہ پر اپنے رویہ کو اس صورت میں پیش کرتی ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ انہیں اصول قانون سے اتفاق نہیں۔ سو ایسے واقعات کسی عام قانون کی ہستی کے خلاف دلیل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اپنی مٹی مذنی زندگی میں روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ گمراہ اور مجرم لوگ ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں قانون بلی کو ٹوڑتے اور اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج تک کسی شخص نے یہ دعوے نہیں کیا کہ مجرموں کا اقدام حرم اور قانون کو توڑنا خود قانون کی ہستی کا منافی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مجرموں یا قانون شکنوں کے لئے کوئی الگ سلسلہ قانون ہے ؟

مقولہ مندرجہ کی بحث کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ ”شمالی اور جنوبی امریکہ کی آزاد مملکتیں مقولہ مندرجہ کے تحت ممالک متحدہ امریکہ کے تحت ہیں“ (د ۱ - صفحہ ۳۵)۔ یہ ایسا اصول ہے۔ کہ جس کی صحت سے حکومت برطانیہ نے ہمیشہ انکار کیا۔ اور خود جنوبی امریکہ کی آزاد سلطنتیں جس سے ہمیشہ انکاری رہی ہیں اور نہ ہی خود ممالک متحدہ امریکہ کا رویہ اب یا پہلے ہیٹنگی کے ساتھ ایسا رہا ہے۔ کہ اس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ ممالک متحدہ امریکہ کو اس بات پر اصرار ہے۔ کہ ہر عظم امریکہ کی دوسری آزاد سلطنتیں کسی طرح سے ممالک متحدہ کے تحت ہیں۔ اس اصول کے بیان کرنے میں فاضل مصنف نے ممالک متحدہ امریکہ کی سیاسی پالیسی اور قانونی دعوے یا پوزیشن میں فرق نہیں کیا۔ یہ بات بالکل اور ہے۔ کہ اپنے مفاد کے پیش نظر جمہوریہ امریکہ نے ہمیشہ براعظم امریکہ کی آزاد سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنے کو اپنا سیاسی فرض سمجھا ہے۔ اور یہ بالکل اور بات ہے کہ مقولہ مندرجہ کی وجہ سے جمہوریہ ممالک متحدہ اور دوسرے ممالک امریکہ میں کوئی رشتہ حاکم و ماتحت قائم ہو گیا ہے ؟

اس طرح اور بھی کئی ایک باتیں ہیں۔ کہ جن میں ہمیں فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں ؟ ان تمام باتوں کے باوجود کتاب میں بعض خوبیاں بہت قابل تدریس ہیں۔ اور دو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ کہ جس میں موجودہ قانون بین الممالک کے تذکرہ کے ساتھ اس کی سابقہ تاریخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی سیاست کے وہ اثرات جو موجودہ قانون بین الملکی کے بنانے میں مدد ہوئے ہوں ان کا تذکرہ کسی حد تک کیا گیا ہو۔ یورپ کے علماء کا رویہ عام طور پر یہ رہا ہے۔ کہ انہوں نے موجودہ قانون بین الملکی



کو روما کے قانون پر بیٹر پر گریس کے مواہد اور قدیم قانون قدرت یا قانون فطرت سے مستقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کسی یورپین صاحب علم نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کیونکر روما کا قانون موجودہ قانون بین الملکی میں سہل ہو گیا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کی تاریخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاست کے مطالعہ کے بعد ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس ذریعہ اور کن تدریجی منازل سے گذر کر روما کا قانون بین الملکی اور قدیم قانون قدرت گروٹئیس کا قانون اور موجودہ قانون بین الملکی بن گئے ہیں۔

یہ مضمون ابھی بہت زیادہ مدت تک تشہیر بیان ہے۔ اور اس موضوع پر مستقل کتب کی ضرورت ہے : کتاب کی دیگر خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہندوستانی طالب علموں کے شوق میں اضافہ کرنے کے لئے اس میں بعض بعض جگہ ہندوستانی مثالیں اور نظریں بھی دی گئی ہیں۔ لیکن خود ہندوستان کی پرانی اور ماضی قریب کی تاریخ پر ابھی بہت کم لوگوں نے قانون بین الملکی کے نقطہ نظر سے غور کیا ہے یہ مضمون خود مستقل محنت اور کاوش کا محتاج ہے۔ اور تمنا ہے کہ کوئی صاحب ذوق اس طرف جلد توجہ کرے مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں بین الملکی قانون کے تمام اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک کتاب کے حجم کا تعلق ہے۔ اس نسبت سے مصنف اپنے ارادہ میں کامیاب رہا ہے لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد جو خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کتاب سے زیادہ واضح اور جامع کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور ہمیں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس تمنا سے قطعی اتفاق ہے کہ اہل علم صاحبان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اس مختصر سے رسالے سے ترقی کر کے اس موضوع پر بہتر سے سے بہتر کتابیں لکھی جائیں اور ملک اور زبان کی خدمت کی جائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب اس فن میں نقشِ اولیں ہے اور اس کی خوبی اور عظمت اس کی اسی ادلیت میں ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی قدروانی یہ ہوگی کہ اور صاحبان ڈاکٹر صاحب موسوت کے قدم پر چل کر قانون بین الملکی کے مضمون پر ایک گراں قدر ذخیرہ اردو زبان میں پیدا کر دیں :

کتاب کے اخیر میں ایک مفید انڈیکس اور شروع میں فہرست مضامین بھی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے علماء و اعراب پر ایک نوٹ اپنی کتاب کے شروع میں تحریر کیا ہے۔ اور اس میں

یورپین زبانوں کے الفاظ کے اردو میں صحیح ادا کرنے کے لئے بعض نئے اعراب و الفاظ اردو زبان کے لئے تجویز کئے ہیں۔ ایک حد تک ڈاکٹر صاحب کو اس کوشش میں کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر بھی زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ اور اس کا مل ایک شخص کی کوشش سے نہیں۔ بلکہ ملک کے علماء کے اتحاد عمل سے ہوگا۔

انہر میں ہم تمام قارئین تنقید سے التماس کریں گے۔ کہ وہ اپنے طور پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب کا مطالعہ کریں۔ اور خود قانون بین الملکی جیسے وچپ علم سے واقفیت حاصل کریں۔ محمود علی ہفیسٹر کالج لاہور (۲) کالیداس - مصنف چودھری جے کرشن۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (عالمگیر پریس۔ لاہور۔) ۱۹۳۷ء ۱۷۲۷ صفحہ ۱۴۲ - قیمت عمرنی جلد ۴

ہندوستان کے باغ ادب میں کالی داس ایک سرسبز و شاداب درخت ہے۔ جس کی ہمیشہ بہار سرسبزی، اور شادابی اس باغ میں سیر کرنے والوں کے دل و دماغ کو قرن باقرن سے فرحت بخش رہی ہے۔ اس کی بعض تصانیف کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ لیکن اس زبان میں ابھی تک ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ جس میں اس ہندی ملک الشعراء کے مکمل حالات درج ہوں۔ چودھری جے کرشن ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ اور خوب پورا کیا ہے۔ چودھری صاحب کی تصنیف تین باب میں منقسم ہے۔ باب اول - کالیداس کی سوانح عمری ہے۔ جس میں اس کے زمانہ وطن - قومیت - اعتقاد و تحصیل علم - شادی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی تصانیف ہندوستان کی تمدنی و ملکی حالت پر جو روشنی ڈالتی ہیں۔ اس پر نیز ایسے ہی دیگر امور پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں اس کے کلام کو پڑانے و نئے معیار تنقید کی کوٹی پرکسا ہے۔ تیسرے باب میں اس کی تصانیف کی فہرست - ان کے مضمون کا اختصار اور منتخب اشعار کا ترجمہ بطور نوٹہ پیش کیا ہے۔ اس باب کے شروع میں سنسکرت شاعری پر ایک عام نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی کالیداس کی تصانیف کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے اسے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ اور

کالیداس کے متعلق کافی لٹریچر چھاپا ہے۔ صرف دو باتیں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق محققین میں اکثر اختلاف رائے رہا ہے۔ اول کالیداس کا زمانہ۔ دوسرے بعض نظمیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دوسری بات کے متعلق تقریباً آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق ابھی تک دو رائیں ہیں۔ ہندوستان کی روایت کے مطابق اس کا زمانہ پہلی صدی قبل از مسیح کہے۔ لیکن یورپی فضلاء اسے چھٹی صدی مسیح تک لے گئے ہیں۔ موجودہ محققین سے اس کا زمانہ چوتھی صدی مسیحی ٹھہرتا ہے۔ یعنی خاندان گپت کا زمانہ۔ کتاب ہذا کا مصنف ہندوستانی روایت کو درست تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنا نتیجہ بھی اسی روایت پر مبنی کرتا ہے۔ جس پر دوسرے محققین کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ آخر الذکر راجہ برکراجیت والے امین کی ہستی سے منکر ہیں۔ اس لئے ان کو کسی اور برکراجیت کا سراغ لگانا پڑتا ہے۔ اور وہ ان کو چوتھی صدی مسیحی میں چندرگپت ثانی عرف برکراجیت کے وجود میں مل جاتا ہے۔ اس کے عہد کے ایک کتبہ کا مضمون اور طریق شاعری کالیداس کے رگھونش کے ایک حصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔

ایک بات میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ سنسکرت کے جو الفاظ اس کتاب میں آئے ہیں۔ ان پر اعراب لگا کر ان کا صحیح تلفظ ظاہر کر دینا چاہیے تھا۔ بعض الفاظ جو اردو زبان میں مشہور ہو چکے ہیں جیسے برکراجیت۔ ان کو اسی صورت میں رکھنا چاہیے تھا۔ وگرنہ آدیتھ (صفحہ ۸) لکھ کر اس کو ناقابل شناخت بنا دیا گیا ہے۔

یہ کتاب اردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور دیگر سنسکرت ہندی مصنفین پر ایسی ہی کتابیں اردو زبان میں بھلنی چاہئیں۔ بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد کو پیدا کرنے والے اسباب و ذرائع میں ایک دوسرے کی ادبیات کا مطالعہ بھی ایک زبردست سبب اور ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں یونیٹ کانفرنس کے موقع پر کسی صاحب نے فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے چودھری صاحب کی تصنیف نہ محض ادبی بلکہ سوشل اور پولیٹیکل اہمیت بھی رکھتی ہے۔

ڈاکٹر بنارس داس - جین - ایم - اے - پی - ایچ - ڈی

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳) A monograph on Moslem Calligraphy by M. Lia-ud Din —  
Lecturer in Islamic Studies, Visva Bharati, Santiniketan  
Visva Bharati Studies No. 7. Pp. 12 + 72 .

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس سالہ کا موضوع اسلامی خطاطی ہے۔ علاوہ دیباچہ اور مقدمہ کے اس میں مضامین شامل ہیں۔ (۱) قلم کو فی (۲) اسلامی سوانحی میں خطاط کا مقام (۳) قلم نسخ اور دوسرے اقلام پہلے یہ مضامین مشہور تھا ہی رسالہ ”وسوا بھارتی“ میں شائع ہوئے۔ پھر نومبر ۱۹۳۷ء میں ان کو کتابی صورت میں یکجا شائع کر دیا گیا۔ مواد کو واضح کرنے کے لئے جا بجا تمثیلی توضیحات دی گئی ہیں جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان میں سے نو پورے صفحے پر آئی ہیں اس سالہ میں اسلامی خطاطی کی خصوصیات و تاریخ مجمل مگر مفید طور پر بیان ہوئی ہے۔ آخر میں اخذ کی مفصل فہرست دی گئی ہے طباعت نہایت اعلیٰ ہے، انگریزی زبان کا یہ رسالہ محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور طالعالبان فن کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت چار روپیہ مکتبہ وسوا بھارتی نمبر ۴۱ کا ڈالسٹریٹ کلکتہ سے طلب کیا جائے (۴) عصامی نامہ تصنیف سید ریض بی۔ لے (علیگ) حیدر آبادی جو نیر لکچر ار فارسی مدراس فی نوٹری صفحات ۲ + ۲ + ۲۸ جی۔ ایس پریس مدراس ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء،

یہ منظوم رسالہ (فارسی) بطور متنوئی گویا فتح آستان طین تصنیف منظوم عصامی کا دیباچہ ہے اس میں عصامی اور اُس کی منظوم تاریخ ہندوستان کا حال لایا گیا ہے۔ رسالہ میں دو دیباچے بھی ہیں۔ ایک فارسی نثر میں دوسرا انگریزی میں سید صاحب کے قول کے مطابق عصامی کی نسبت عصام صاحب نعمان بن مندر شاہ حیر سے ماخوذ ہے معلوم نہیں یہ اُن کا اپنا قیاس ہے یا خود عصامی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ دکن میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵۷ء میں انہوں نے علاء الدین جن بہمن شاہ کے نام پر اسلامی فتوحات کی تاریخ لکھی جس میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر اپنے زمانے تک کا حال درج کیا۔

لے علی بن کنی عصامی و لاکن عظیمی مندرشل ہے جس سے عصامی یعنی ملکہ کے طور پر معلوم ہو سکتا ہے۔ عصامی کی نسبت عصامی (علم) کی طرف بھی ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ اسباب سہانی اور لبالب معلوم میں یہ نسبت مذکور نہیں۔ ایک ہی گھرانے کے متعدد مصنفوں کی نسبت عصامی نام کی نظر سے گزری ہے یہ پیرزادہ فیروز علی بن تاریخ عصامی کا نسخہ ہے جس کا مصنف عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المتوفی ۱۱۱۷ھ ہے رک فہرست بلاون (صفحہ ۴۴) و ملکہ فہرست بلاون (صفحہ ۲۱) مقدمہ فی علم العربیہ متبرہ لہ اسائل الجودیتہ کا مصنف جمال الدین عصامی ہے (فہرست نوفا ۲۹۸۱) جو نظام عبدالملک پر دلوا ہے عبدالملک کا دادا - م سید بھی کثیر التصانیف تھا +

فتوح اسلامین کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتابخانہ میں ہے اور ایک نسخہ حیدرآباد دکن میں مولوی محمد غوث کے کتاب خانے میں بظاہر ان دونوں نسخوں سے سید صاحب موصوف نے اس نادر کتاب کو مرتب کیا ہے، امید ہے کہ مدلس یونیورسٹی اس کتاب کو طبع کر کران قریبی کمنٹہ آثار کو حیات تازہ بخشتگی۔ یہ دست عصامی نامہ کے ذریعہ عصامی سے دُنیا کو روشناس کرنے کا سہرا سید یوشع کی کوشش کے سحر

### (۵) - مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ج ۳ باب ۱۵۳۵

یہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ کا رسالہ ہے، جو سال میں ایک مرتبہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا ہے۔ یہ اس مجموعہ کی تیسری جلد ہے جس کا حسب معمول ایک حصہ انگریزی اور دوسرا اردو مضامین پر مشتمل ہے۔ غالباً گینا بے حبانہ ہوگا کہ موجودہ جلد میں تحقیق علمیہ کا معیار اگر بلند نہیں ہوا تو پرانی شان میں کمی بھی نہیں آئی۔ اردو کے حصے میں ربیع پہلا مضمون مولانا عبدالحق صاحب کا ہے جس کا عنوان یہ ہے ”پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں“ اس میں یہ لکھا گیا ہے کہ اردو کی قدیم ترین تفسیر جو مولانا کو دستیاب ہوئی ہے، دسویں صدی کے اور اخیراً گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے جو امین کی یوسف زلیخا (۱۱۰۹ھ) کی طرح کی ہے۔ اس کی زبان گجراتی اردو ہے، اور مذکورہ بالا کتاب کے برعکس مصلحتی ہے۔

مولانا نے اس کے علاوہ کچھ اور ترجموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حصہ اردو میں ایک مضمون بعنوان سیف الدولہ حمدانی پر وفیہ جہل الرحمن صاحب ایم۔ اے کا ”عربوں کے تعلقات بیلطینی سلطنت سے“ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا اور علاؤ الدین خلجی کی سیرت اور مسلک ”سید سراج الدین احمد صاحب لکچر تاریخ جامعہ عثمانیہ کا ہے۔ انگریزی کے حصے میں زیادہ تر سائنٹیفک مضامین ہیں، جو جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کرام کے لکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر لیف حسین صاحب کا ایک مضمون ”نادر شاہ کا حملہ اور نظام الملک کا ثالث بالخیر ہونا“ سناریت دلچسپ اور معتقدانہ ہے۔

جامعہ عثمانیہ نئی مبارکباد ہے، جس کا ریسرچ بورڈ تحقیق علمیہ کے متعلق بہت دلچسپی لے رہا ہے اور اس کی مساعی حلیہ سے ملکی زبان میں قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے۔

(ڈاکٹر) سید محمد عبداللہ ایم۔ اے

پنجاب یونیورسٹی لاہور

لے۔ اس نسخہ کا مال حضرت مغلطات انڈیا آفس ص ۵۵ پر دیا ہے رتبہ نرس کے نزدیک عصامی ناباوی خواجہ عبدالملک عصامی ہے۔ جس کا ذکر پھر گئے اپنی خدمت سفاہہ پر کیا ہے۔

(۶۱) - اسلامی طب :- از جناب ابن مفلح قاضی معین الدین رہبر فاروقی، ضخامت ۷۰، صفحات ۲۲۸

قیمت غیر محدد ایک روپیہ، مجلد ایک روپیہ چار آنے۔ طے کا پتہ: بن برج ہاؤس، عابد باڈنگ محلہ بازار حیدر آباد، دکن  
علم طب کی جو خدمات مسلمانوں نے کی ہیں، طبی دنیا اس کے احسانات سے محروم برآ نہیں ہو سکتی۔

عربوں یا مسلمانوں کی طبی خدمات پر دنیا کی بیشتر زبانوں میں تالیفات موجود ہیں، اور مزید کوششیں برپا جاری ہیں  
چنانچہ مختلف اہل قلم تحقیقی مقالے لکھتے رہتے ہیں اور بعض کتابیں تو ضخامت اور معلومات کے اعتبار سے بہت  
بلند درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں ایک اہم فرانسیسی کتاب قابل ذکر ہے۔ فرانس کے قابل مؤلف *Le Livre de la Médecine* نے عربی

علم طب کی تاریخ پر ایک نہایت مبسوط کتاب *Histoire De La Médecine Arabe* کے نام سے تالیف کی ہے، یہ

کتاب پیرس میں ۱۸۸۷ء میں طبع ہوئی، اس میں عربی علم طب کے تاریخی ارتقاء پر ترتیب وار بحث کی گئی ہے اور مصنف فرانس

شام، مصر، مغرب اور اندلس وغیرہ حکماء کے حالات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے عربی زبان میں تو اس موضوع پر کثرت کتابیں تلمی اور

مطبوعہ ملتی ہیں چنانچہ حال ہی میں ہمارے دارو ساسی کے قلم سے ۹۷ صفحات کا ایک مختصر مگر مفید رسالہ انکار عربی العلوم الطبیہ کے نام

سے بیروت سے ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوا ہے۔ مگر اردو زبان میں اس موضوع پر بہت ہی کم سرمایہ موجود ہے، لیکن چند اہل ذوق

حضرات نے اس جانب توجہ فرمائی ہے، اور آہستہ آہستہ یہ کی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے چنانچہ مختلف علمی اور تحقیقی رسائل میں وقتاً

وقتاً طب عرب پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ضرورت تھی کہ کوئی باہمت اہل قلم ان طبیب اور اس موضوع پر ایک جامع کتاب

لکھیں۔ قاضی رہبر فاروقی صاحب ہمارے محکمہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو ادب میں

ایک گراند کتاب تالیف فرمائی ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی آخری کوئی تو قارئین دی جا سکتی، مگر اس باب میں پہلی کامیاب

کوشش ضرور ہے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اہل قلم نے اس

کتاب میں ۸۷ مضامین پر قلم اٹھایا ہے، اور اختصار کے ساتھ بہت سی مفید معلومات کیجا جمع کر دی ہیں۔ کتاب کو تین حصوں

میں تقسیم کیا گیا ہے، حصہ اول (از صفحہ ۱ تا ۸۷) میں عرب و دیگر مسلمین اور اطباء کی طبی ماسعی کا ذکر ہے بعض اہم مضامین درج

ذیل ہیں: علم طب کی ابتداء، طب ایام جاہلیت میں، بنی امیہ اور طب، طب خلفائے عباسیہ کی ریادت میں، ویدک کی

مختصر تاریخ، علم ویدک کی کتابوں کے ترجمے، طب اسلامی آل ساسان کی سرپرستی میں، سلجوقیہ دور میں طب کا اعجاز اندلس میں

طب مصری طب، علم غریب میں طب، حصہ دوم (از صفحہ ۸۷ تا ۱۲۵) میں شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کاغذی

ذکور ہیں اور حصہ سوم (از صفحہ ۱۲۶ تا ۲۰۷) دکن کے حکمرانوں اور کئی طبیبوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں سلطنت

مغلینہنگ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، اور حصہ سوم میں چند ایک معاصرین کا ذکر بھی آ گیا ہے،

کتاب جا بجا مفید معلومات سے لبریز ہے مؤلف نے کتاب کی تالیف میں بہت محنت کی ہے اور مؤلف کا مقصد

یہ ہے کہ ایک طرف تو طب اسلامی کی وقعت لوگوں کی نظروں میں دوبارہ پیدا ہو جائے اور دوسری جانب صاحبان فن

کوان کے اسلاف کے کارنامے سرا کر مایا جائے۔ دوران بحث میں بعض نا در طبی مخطوطات کے ذکر نے اس کتاب کی قدر و منزلت

میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے یہ امر موجب طمانیت ہے کہ علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ کتاب کی لچر بھی قلم رکھی گئی ہے اور مختلف

ادوار میں فن طباعت کی ترقی، آلات چراغی کی ایجادات، شفا خانوں کے قیام، اور اطباء کے حالات علاج کئے گئے ہیں۔ باوجود

ان خوبوں کے کتاب نہایت مختصر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر ہمارے مبسوط اور جامع کتابیں بھی جائیں

قارئین کرام سے پُروردہ معاش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ ایک طرف تو مؤلف کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسری جانب آپ علم طب کے باب میں مسلمانوں یا انھیں ہندوستانی مسلمانوں کی رائے اور ادب و دانش بجا خدمات سے آگاہ ہوں۔

عبد القیوم - میکلوٹھ مرکب لیسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۷)۔ الموسی (یادگار ولی) بابت خور واد ۱۳۴۴ھ فصلی - الموسی طلبہ یونیورسٹی کالج حیدر آباد (دکن) کا علمی و ادبی رسالہ ہے جنھیں نمبر یادگار ولی ہے جو تقریباً ۱۲۵ سالہ آدم بیگم تہ مخدولی اورنگ آبادی انتھک سہولت شایع ہوا ہے یادگار ولی منائے کی تحریک ابتدا میں علی گڑھ کی بزم ادب کی طرف سے شروع ہوئی اور ایک مجلس منتظمہ بنا دی گئی جو جامعہ عثمانیہ علی گڑھ کے بعض اساتذہ کرام تھے اس مجلس نے حیدر آباد و میران حیدر آباد کے سربراہان و اہل علم کو اس موقع پر علمی اعانت و تعاون کی دعوت دی اور مختلف جامعات کے طبیسیانی وغیرہ طبیسیانی علیہ سے "دوسرا علمی میں ولی کا جذبہ کے مفہوم پر سائنسی مضامین لکھنے کی درخواست کی اسکے علاوہ کئی اردو کے محققین اور قدیم تصانیف کی نمائش کا اہتمام کیا جو ایم و لی کا پہلا اجلاس بعد از نواب لدیجنگ ہمدانہ فروری یوم چہار شنبہ کو ۱۲۸۵ھ میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے نمائش کا افتتاح کیا گیا اسکے بعد اجلاس میں اطراف ہند سے مختلف ارباب علم کے پیامات پڑھے گئے پھر نظریں اور مثالے سنائے گئے دوسرے دن کا اجلاس ۱۲۸۵ھ میں منعقد ہوا اس کی صدارت نواب ہمدانی چنگ ہمدانہ فروری یوم چہار شنبہ کو ۱۲۸۵ھ میں منعقد ہوا۔ سے کم نہیں کہ وفات سے دو سال بعد اپنے اہل خانہ کے وطن سے خراج تحسین وصول کیا یہ خاص نمبر ۱۲۸۵ھ و دورہ کاروانی کی روداد ہے پھر جنھیں مقالات و نظموں ۱۲۸۵ھ میں صفحات پر شائع شدہ اکثر مقالے دکن کے ہندوستانیہ و محروم ارباب علم کے نوشتہ ہیں اور ولی کے حالات و سوانحیات۔ اسکی طبیعت و مشغولیاں اور تلامذہ نیز اسکی سیرت کے دیگر پہلوں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں نظموں میں سید سکندر علی صاحب و عبدالغلام طبیب صاحب "پیام" اور مولوی محمد علی الدین صاحب کی نظمیں اپنے خاص فن و ذہانت اور اسلوب بیان کے لحاظ سے ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کی گئی نمائش میں تقریباً ۱۲۸۵ھ میں نظموں و جوتہ متذکرہ زبان سے تعلق رکھتے تھے منظر عام پر لائے گئے تھے ان میں سے ۲۵۰۰ نغموں کی ایک فہرست جو نمائش سے دور و قبل تک وصول ہو چکے تھے شامل روداد ہوا ہے باقی کتابیں جو بعد میں آئیں بہت سی سے درج فہرست نوکیلیں قدامت کے لحاظ سے شرفی خوب ترین نوشتہ تلامذہ سیف الملوک و بدیع الجمل از ملا غلامی نوشتہ علامہ مسرت رس از ملا وہی نوشتہ علامہ اور مولوی بن از ابن شامی نوشتہ علامہ سے قبل ذکر ہیں نمائش میں ایک سوانحی تصانیف و قدیم جدید ہندوستانی میں طبیبین و طب شایبہ و عادل شایبہ و ان کی بیگمات صوفیہ اور دیگر۔ خاندانہ آصفیہ ان کے درباری عمائدین اور شہزادگان کی تصاویر شامل تھیں ہندوستان میں شایبہ یہ پہلا موقع ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر نمائش و علمی تعلیمات کی گئی ہے۔

طبقات صوفیہ اپنے بزرگوں کے عرس قدیم سے مناتا چلا آ رہا ہے قدیم اساتذہ کی یادگار۔ منائے کی رسم گو جدید ہے گر نہایت مبارک ہے اس سے ہم میں صحیح وجدان ترقی پاتا ہے اور میداری کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ صحیح وطن پرستی اسی کا نام ہے اس مغرب زدگی کے دور میں ایسی تقریبات کا برومی کار آنا نہایت مبارک قال ہے۔

رسالہ ہذا نہایت اعلیٰ کاغذ پر چھپا ہے حاجا بلاک کی تصاویر سے جو تعداد میں چھپیں ہیں اس کی دلکشی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ کمالی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت فی پرچہ ۵۰ پتہ۔ دفتر الموسی سٹی کالج حیدر آباد (دکن) (حافظ محمد شیرانی پروفیسر اور دانش کالج لاہور)

## اسماء شعرا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی سیریز بابت اگست ۱۹۳۷ء)

# اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد ۲۱ بابت ماہ فروری ۱۹۳۸ء مسلسل ۵۲

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	کلام منوچہری	صوفی محمد ضیاء الحق گورنٹ کالج جھنگ	۳
۲	مولینا عالی کی کتب سوانح	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی۔ لٹ	۲۹
۳	ترجمہ ادبیات ایران	سید اولاد حسین صاحب شاوال بگرامی	۵۲
۴	راسا اور ابوالفضل	پروفیسر حافظ محمد محمود صاحب شیرانی	۵۹
۵	الحوادث الجامعہ فی المائتہ السابغہ	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	۶۸
۶	بابا فرید گنج شکر۔ شیخ ابراہیم۔ اور فرید ثانی	ڈاکٹر مریم بنگلہ صاحب دیوانہ۔ ایم۔ اے	۷۵
۷	تنقید و تبصرہ	ادارہ	۸۲
۸	اسماء شعراء۔ جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے +	مولوی عبدالقیوم ایم۔ اے۔ میکلوڈ و بک	۹۵
		ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۹۶

یہ فہرست جامعہ اسلامیہ کراچی کے ممبروں کی طرف سے تیار کی گئی ہے۔

گیلانی الیکٹرونک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پڑھچھا اور ابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور میں شائع کیا۔



# اورنٹیل کالج میگزین

## عرض واجب

**اغراض و مقاصد** | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحداً امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور یوپی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

**کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے** | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقسط شائع کئے جائیں گے۔

**رسالے کے دو حصے** | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی، اردو و فارسی حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بجروف گوکمی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

**وقت اشاعت و قیمت اشتراک** | یہ رسالہ بالفضل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے پھر اورنٹیل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کئے وقت

وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے سالہ کے نہ پہنچنے کی نکایت سالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی نکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

**خط و کتابت و ترسیل نذر** | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پریس اورنٹیل کالج کے نام ہونی چاہیئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجئے چاہئیں۔

**محل فروخت** | یہ رسالہ اورنٹیل کالج کے دفتر سے خریدایا جاسکتا ہے۔

**قلم تحریر** | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پریس محمد شفیع ایم، اے، اورنٹیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی امانت سے مرتب ہوتا ہے۔

لے چونکہ گزشتہ سال میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر عبور اجون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

# کلام منوچہری

(گزشتہ سے پیوستہ)

سمطات - منوچہری اپنے کلام سے ایک کثرت شاعر معلوم ہوتا ہے اور اکثر عجیب عجیب قافیوں اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اس نے شعر گوئی کے نئے نئے طریقے نکالے۔ غالباً وہ سب سے پہلا فارسی شعر ہے جس نے سمط میں شعر کہا ہے۔ یہ نظم چند بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر بند میں چھ مصرع ہوتے ہیں جو ہم قافیہ ہوتے ہیں یا پہلے پانچ ہم قافیہ اور چھٹا یعنی آخری پہلے بند کے آخری مصرع کے ساتھ ہم قافیہ ہوتا ہے منوچہری کو سمط کا ٹوٹا مانا گیا ہے اور اسے خود بھی اس بات پر ناز تھا چنانچہ کہتا ہے سہ طاؤس مدح عنصری خواندہ دُرّاج سمط منوچہری  
ان سمطات میں منوچہری نے واقعات کے بیان کرنے میں بالکل ایک نئی طرز استعمال کی ہے ایک سمط میں اس نے انگوروں کی سیل کی نشو و نما سے لے کر شراب تیار ہونے تک کے تمام مختلف تغیرات کو تشبیہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے انگوروں کی سیل کو ایک ماں اور انگوروں کو اس کی متعدد بیٹیاں قرار دیا ہے باغبان ان بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر باغ ہو جاتا ہے اور ان کو اکثر دیکھنے کے لئے اتار دیتا ہے اتفاقاً اسے چند روز کے لئے باہر سی سفر پر جانا پڑتا ہے واپسی پر دیکھتا ہے کہ بیٹیوں کے خوبصورت چہروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے۔ اور وہ تمام کی تمام حاملہ ہو گئی ہیں (دشیرہ کی وجہ سے بوجھل ہو گئی ہیں) یہ معلوم کر کے اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے اور دو گمان کرتا ہے کہ یہ لڑکیاں بدعاش ہیں۔ لڑکیاں عذر کرتی ہیں لیکن وہ ان کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اور ان کے سر کاٹ ڈالتا ہے ....  
یہی پیرایہ بیان آخر نظم تک چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شراب تیار ہو جاتی ہے، اس طرز کا تلفظ نظم کے پڑھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے چند منتخب شعر ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں :-

شاخ انگور کمن دختر کاں زادے      کہ نہ از درد نالید و نہ بر زد نفسے  
ہمہ راز ادبیک دفعہ نہ پیش و نہ پسے      نہ ورا قابلہ بود و نہ سر یاد رسے

ایں چنین آساں فرزند ز اداست کسے

کہ نہ دردے بگرفتہ متواتر نہ تے

چوں نگہ کرد دباں دختر کاں مادر پیر      سیر بودند لیک ایک چہ صغیر و چہ کبیر

کردشاں مادر بتر بہ از سبز حریر نہ خورش داد مراں بچگان زاد نہ شیر

نہ شغب کردند آں بچگان نہ بیچ نفیر

بچہ گر نہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگان نش بہادند تن خولیش بر آب نہ ہمیدند و نہ جستند از ال بستر خواب

گرد کردند سرین محکم کردند رقاب رویا یکسرہ کردند بزرگوار خضاب

دادشاں رزباں پیوستہ شرابے چو گلاب

نشدا از جانب شاں غائب روزے وشے

گفت پندارم کاں دختر کاں آن بہن اند چوں لچوں بجز چوں تن چوں جان من اند

تا بابا شد بریں رز و مہسان من اند رز و دوس من است ایشان ضوان بہن اند

دریں باغ دیریں خان و دریں مان بہن اند

دارم اندر سر شاں سبز کشیدہ سبلے

در چو کبشا و دوداں دختر کاں کرد نگاہ دید چوں زنگی ہر یک را دور و شے سیاہ

جا شے جا شے بچہ تا باں چوں زہرہ و ماہ بچہ بمرخ چو خوں و بچہ زرد چو کاہ

سرنگو نسا رز شرم و روتیرہ زنگاہ

ہر یکے باشکم حاصل و پرنار بے

رزباں را بد و ابروے رافتا و گرہ گفت لا حول ولا قوۃ الا باللہ

این بلا شے بچگان در حق من آئدہ زہ ہمہ آہستن گشتند یک شب کہ و مرہ

نیست یک تن بمیان بنگاں ایدر بہ

این چنین زانیہ باشند بچہ ہر عنبے

دختران رزگو بسند کہ ما بے گنہیم ماتن خولیش بدست و بنی آدم نہ ہمیم

ما ہمہ سر بسر آہستن خورشید و ہمیم ما تو اینم کہ از خلق جہاں دور ہمیم

نہو انیم کہ از ماہ و ستارہ بر ہمیس

ز آفتاب و مہ ماں سود ندارد ہر بے

روز ہر روزے خورشید بتا بدر ما خوشن بنگلند برتن ما و سہ ما

چوں شب آید برو خورشید از محضر ما ابنتاب آید و بر چہ پندہ پیکر ما

وین دوتن دور نگرند ز بام و در ما

نکند ہیج کس این بے ادباں را ادبے

اس نظم کے علاوہ اور بہت سی نظموں میں منوچہری زنگی، محل، دایہ -

شیر خوارگی اور دردِ زہ وغیرہ امور کا عام ذکر کرتا ہے، وہ تمام چیزوں مثلاً

زمین، بادل، سبب، انار وغیرہ سب کو حامل خیال کرتا ہے مثلاً ۷

منوچہری کا ایک  
محبوب ترین موضوع

واندر شکش خوردک خوردک سہ گنبد و زنگی بچہ خفتہ بہر یک چوں قار

یا مثلاً ۸ یک دختر دوشیزہ بدوزخ نہاید اِلاہمہ استن و اِلاہمہ بیمار

خُم شراب کے بارہیں کتا ہے ۹

بجو آبتال اشکم آوردہ پیش چو ضرباں پہن فسق سرے

اس نے زمانہ اور موسم کو بھی حامل قرار دیا ہے ۱۰

زمانہ حامل ہجراست و لا بُد نہد یک روز بار غیش حامل

اور ۱۱ باز جہاں خرم و غلب استاد مُردستان و ہزاراں بزاو

زمین اور مرغانِ چین کے متعلق کتا ہے ۱۲

خاک پنداری بہاہ و مشتری آبتن است مرغ پنداری کہ ہست اندگستاں شیر خوار

آں یکے گویا چرشدنا رسیدہ چوں صبح وال دگر بے شوے چوں مرغ چار دشت بار

بارش کے قطرے پھولوں کے پتوں کے لئے دودھ کا کام دیتے ہیں ۱۳

وآن قطرہ باران سحر گاہے بنگر بطرف گُل ناست گفتمہ بسیار

مچھو پستان پر پروئے عرومال      واند ربر پستان بشیر آمدہ ہموار  
رات ہر روز ایک تچہ دیتی ہے ۛ

شبے گیسو فرو ہشتہ بدامن      پلاسش معج و قمریش گردن  
بکروارز نے زنگی کہ ہر شب      بزاید کو دکے لمباری آل زن  
ایک اندر کے ہاں تین سو لکیاں پیدا ہوتی ہیں ۛ

آں ناز ہیدوں زن حاملہ ماند      واند رشکم حاملہ مشے سپرانت  
مادر بچہ را یاد و پر آردیاسہ      وین نارچہ اما در سیدہ کچا گناست  
انگور سیاہ است و چوہ ہست عجب نیست      زیر اکہ سیاہی صفت باہ رویانست  
عیش جزا بن نیست کہ استن گشتہ      اونیزیکے دختر کے تازہ جوانست  
بے شوئے شود استن چون دخترال      ویں قصہ بے بخت ترو خوشترانست  
زیر اکہ گر استن مریم بد ہاں بود      ایں دختر ز رانہ لب است نشوہانست  
استنی دختر عمرال بہر بود      و استنی دختر انگور بجانست  
اس کے ہاں بادل بھی حال ہے ۛ

کنار آبادان گشتہ بشا رخ افواہاں      سحاب سا جگلوں گشتہ لعلن جگلوں جہاں

الغرض تقریباً تمام دیوان ایسے خیالات سے پُر ہے

**منوچہری کی قوت بیان** | منوچہری غیر جاندار چیزوں کی تعریف اور بیان کرتے وقت ایک غیر معمولی ہستی معلوم ہوتا ہے۔ خواہ وہ چیز طبعی ہو مثلاً توں قرچ

کاٹھور یا موسلا دھار بارش کا نزول وغیرہ اور خواہ مصنوعی مثلاً شمع یا قلم یا خم یا شراب وغیرہ۔ یہی حال بناتی اشیاء کے بیان کا ہے۔ مثلاً سیب۔ سنگترہ یا نارنگی وغیرہ۔ چنانچہ چند ایک مثالیں توضیح مقام

کام دیں گی ۛ

بگربہ ترنج اے عجیے دار کہ چون است  
پیتائے سخت است و دراز است و گون است  
زرد است و سپید است و سپیدش فروں است  
زردیش بروں است و سپیدش دروں است  
چوں سیم دروں است و چو دینا بروں است  
آگندہ براں سیم دروں کوٹے شہوار  
اپنے مدوح کے ایک غل کا نقشہ یوں کھینچا ہے ۛ

ابنِ قصر خجستہ کہ بنا کرد اسال  
باغرفہ فردوس بغردوس قرین است  
چوں قدر تو عالی و چہرے تو کشادہ  
چوں عہد تو نیکو می چلم تو زرین است  
چویش ہمہ از صندل و از عود قماری  
سنگش ہمہ از گوہر و باقوت ثنین است  
آتش ہمہ از کوثر و از چشمہ حیواں  
خاش ہمہ از عنبر و کا نور عین است  
اسی طرح ایک خم شراب کا ذکر یوں کیا ہے ۛ

چنین خواندم امروز در دفترے  
کہ زنداست جمشید را دخترے  
سفالیں عروسے بہر خداے  
بر در نہ زرے و نہ زیورے  
بہ ابستہ سفالیں کمر ہفت ہشت  
نگندہ بسر بر تنک بمعرے  
بے خاک بہ نشستہ برفرق او  
نہادہ بسر بھلیں افسرے  
ہمی بوئے مشک آیش از دہاں  
چو بوئے بخور آید از مجرے  
بسا غراب خویش بر دم فرساز  
مرا ہر بے گشت چوں شکرے

ایک گھوڑے کی تعریف جو مدوح نے اسے عطا کیا تھا ملاحظہ ہو ۛ

آفرین زال مرکب شدیز فعل و رخسارے  
اعوجے مادرش و آل مادرش را بجوم ثورے  
گاہ بر رفتن چو مرغ و گاہ بچپیدن چو مار  
گاہ را ہواری چو کبک و گاہ جہنن چو گوسے  
چوں نہنگاں اندر آب و چوں لنگاں جبال  
چوں کلنگاں بر ہوا و ہمو طائوساں بکوسے  
ابریر و باد گرد و رعد بانگ و برتن جہ  
کوہ کوپ و سیل بروشخ نور دوراہ جوے

چونکہ یہ گھوڑا بغیر زین کے ملا تھا اس لئے آخر میں کتا ہے ۛ

ابن جنین اسے مراد اداست بے زین شہر یاد اس بے زین آنچناں باشد کہ بے دستہ ہوے  
آئندہ اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور انقلابِ روزگار کا سماں دکھلایا ہے ۛ

بہانا چہ بد مہر و بد خو جہانی چو آشفستہ بازار بازار گانی

بد رو کساں صابری اندر تو بدنامی خوش ہم داستان

بہر کار کرم ترا آزمائش سراسر فریبی سراسر زبانی

وگر آزمائمت صد بار دیگر ہمانی ہمانی ہسانی ہمانی

غمیں تر کس آئش غنی تر کنی تو فرد کس آئش تو بر تر نشانی

ہمہ روز ویراں کنی کار مارا نترسی کہ یک روز ویراں بانی

ستانی ہی زندگانی ز مردم از یاد رازت بود زندگانی

بزرگی تو این بار غرہ مگر دم گر انجیل و توراتہ پیشم بخوانی

ایک قصیدہ میں طلوعِ آفتاب، ہوا کے چلنے، بجلی کے چمکنے، کرکٹ، طوفانِ باران اور

سیلاب وغیرہ امور طبعیہ کا نظارہ بدیں الفاظ پیش کیا ہے ۛ

سراز البرز بر زو قرص خورشید چو خوں آلودہ دزدے سر ز کمن

بکروار چہ در غنیمت مردہ کہ ہر ساعت فروں گرد ز روغن

برآمد ادا از اقصائے بابل ہبوطش غارہ در و بارہ آنگن

تو گنتی کن سستیج کوہ سیلے فرود آرد ہی احجار صمدن

ز روئے بادیر بر فاست گردے کہ گیتی کرد، بچوں خسرو اکن

بجختے ہر زماں از مین بر قے کہ کردے گیتی تاریک روشن

چنال آہنگرے کو کورہ تنگ بشب بیرون کشدر خشنہ آہن

خروشتے بر کشیدے تند تندر کہ موئے مردماں کردے چو سوزن

بلزیدے زمیں از زلزلہ سخت      کہ کوہ اندر قنادے زوگردن  
 تو گشتی ہر زمانے زندہ پیلے      بارزاند زرنج لپٹکان من  
 فرو بارید بارانے ز گردوں      چنایں چوں برگ گل باروز گمشن  
 ز صحرا سیلما بر خاست ہرُو      دراز آہنگ و چپان وز میں کن  
 ناز شا مگاہاں گشت صافی      زروئے آسماں ابرِ ممکن

مندرجہ بالا اشعار ہمارے خیال میں نہایت اعلیٰ پایہ کے ہیں، اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایسے امور کا نقشہ کھینچنا ناممکن ہے، اسی طرح موسم بہار کا ذکر تقریباً تمام شعرائے ایران نے کیا ہے، لیکن جو قدرتی تصویر منوچہری نے کھینچی ہے اس کی مثال متاخرین و متقدمین میں سے کسی سے بن نہیں آئی۔ وہ صرف گل و بیل کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سامعین کو ہر ایک دخت، پھل، پھول، پتے، شاخ اور تمام قدرتی چیزوں خصوصاً پرندوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، چنانچہ ایک مسط کے دو بند ملاحظہ ہوں جو موسم بہار پر ہے ۛ

روئے گل سرخ بیا راستند      زلفک شمشاد بہ پیراستند  
 کبکال بر کوہ بگ خاستند      بلبلکال زیر ستا خواستند  
 فاختگاں ہمہ برنشااستند      نائے زناں بر سر شاخ چنار  
 طوطیکاں بر مگلاں تا ختند      آہو کال گوش بر انسا ختند  
 گور خراں مہینا ساختند      زاغاں گلزار بہ پردا ختند  
 بے دلکال در پئے دل ناختند      باترکان چکل و قند حار

ایک اور مسط کا بھی یہی حال ہے۔ نمونہ یہ ہے ۛ

کبکال بے آزار کہ بر کوہ بلندند      بے ہمتہ کیبار نہ ہمیں کہ نمندند  
 جز غار بناں جا نگہ خود نہ پسندند      بر پہلو ازیں نیمہ بدال نیمہ بدندند  
 ہر سا عکسے سینہ بنقار برندند      چوں جنم بر سینہ و چوں بسد بنقار



ایک اور سسط کا ایک بند ملاحظہ ہو ۵

چوک زشاخ وخت خوشین آوینہ زان سیر بردو بال غالیہ آمیختہ

ابر بہاری زردور اسپ براگیختہ وزیرم اسپ سیاہ لٹو تر ریختہ

دردین لالہ باد ریختہ و بنجیختہ بنجیختہ مشک سیاہ ریختہ درشین

ایک قصیدہ میں بارش کا سماں دکھلایا ہے، کبھی دھیمی اور کبھی موسلا دہار۔ تالاب کی سطح

پراس کے قطرے گر کر مختلف شکلوں کے ببلے پیدا کرتے ہیں ۵

آں قطرہ باراں ہیں ازاں چکپیدہ گشتہ سر ہر برگ ازاں برگ بہ آثار

آوینہ چوں ریشہ دستار چڑ سبر سیمیں گر ہے بر سر ہر ریشہ دستار

یا ہجو زبردگوں یک دستہ سوسن اندر سر ہر سوزن یک لٹو شہوار

ہچوں سر پستان پر پودے عرواں و اندر سر پستان بر شیر آمدہ ہموار

بر برگ گل نسرین آں قطرہ دیگر چوں قطرہ غوسے بر زرخ لعبت فزار

واں دائرہ بانگر اندر شہر آب ہر گہ درآں آب چکد قطرہ امطار

چوں مرکز پر کاراست آں قطرہ باراں واں دائرہ آب بان خط پرکار

اسی طرح کسی چیز کے بیان میں وہ عرفی اور جبلی کی طرح محض عام یا پیچیدہ تشبیہات و استعارات

کو جج نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے سامنے اس کا صحیح صحیح مرقع کھینچ دیتا ہے، چنانچہ مدوح کے

گھوڑے کی تعریف میں کہا ہے ۵

حبذا اسپ نخل مرکب تازی نژاد نعل او پرویں فشاں و سہم او خارا نمکن

چوں زبلے اندر آتش چوں سلفخہ اندر آب چوں نعام دریا باں چوں بہائم قرن

رام زین و خوش عنان کوش خرام و تیز کام شیخ نورد و راہ جوے دیل و روکوہ کن

خش با و لاغر و شبدیز با و گندرو ورد با و ارجل و یوم با و اژدہ کن

وہ تشبیہ و استعارات کے استعمال میں ایسا ماہر ہے کہ باوجود کثرت کے وہ بالکل نئی اور مرکب

ہوتی ہیں۔ اس کے الفاظ فصیح اور تشبیہات دلکش اور مؤثر ہیں :

منوچہری کا لغز اور حسیان  
مندوح کی تعریف استعارات کے پیرایہ میں کرتا ہے۔

مثلاً

اے پیکرِ منورِ عس و درخشاں  
روشن درون و نقبہ دلِ گرم و اثر خائے  
نشانِ آتشیں دم روئینہ استخوان  
آتش نہادِ خاکی و معمورِ دو دواں  
ہموارہ در فضاٹے تو ہم دیو و ہم پری  
خاکِ ست طینت تو آبِ ہم مزاج  
محروسی و تودنِ حرارت کنی باب  
در آب و آتشی نزلِ گرم و چشم تر  
لغز شمع

اے نہادہ بر میانِ فرقِ جانِ خولیتن  
کو کبی آگے و لیکن آسمانِ تست موم  
جسمِ مازندہ بجان و جانِ تو زندہ بہ تن  
عاشقی آگے و لیکن بہتِ مشوقتِ لگن  
چوں ہمیری آتش اندر تو رسد زندہ شوی  
تو مرا مافی بعینہ من ترا نامِ درست  
آئینہ من بردل نہادم بر سرست بنیم ہی  
آئینہ من بردل نہادم بر سرست بنیم ہی

مندرجہ ذیل قصیدہ بھی شمع کی حسیان میں ہے :

حسیت آلِ شخصے چو زریں سرو و چوں سمیں بدن

خولیتن سوزان و گریاں و گدازاں ہم چو من

لہذا غافلِ خیال ہے کہ یہ قصیدہ منوچہری کا نہیں کیونکہ دو قصیدہ (۳۳ اور ۸۶) ایک ہی بحر و قافیہ میں ایک ہی  
مضمون پر ایک ہی شاعر سے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خیال میں غالباً یہ قصیدہ راضی نیشاپوری کا ہے اور غلطی  
سے منوچہری کی طرف منسوب ہو گیا ہے (مجموع النقصاء جلد اول ص ۵۵۴ تا ۱۲۱)

بارغ اور زم سلاطیں جائے اوسدر شہاں  
 بار اور زیں سلاسل بیخ اوسیں لکن  
 آختہ چوں خنجر ہندی زبانے وال زبان  
 ہرچہ بہ برند پنداری کہ بہ گوید سخن

غزوی دور کے شعرا کی زبان اور موجودہ فارسی شعرا کی زبان میں  
 عموماً اس فرق ہے۔ چنانچہ شاہ نامہ میں بے شمار الفاظ ملیں گے۔  
 جو یا تو متاخرین کے ہاں بالکل متروک ہو گئے یا ان کی صورت یا معنی میں کوئی تبدیلی ہو گئی۔ اسی  
 طرح منوچہری کے کلام میں بھی ایسے الفاظ عام ہیں۔ ہم چند الفاظ کی فہرست ہدیٰ ناظرین کرتے  
 ہیں۔ اور ان کے معانی بھی لکھتے ہیں۔ مگر یہ صرف بطور نمونہ ہے :-

لفظ	معنی	لفظ	معنی
کماز	شراب	نوز	ہنوز
زمی	زیں	لاد	خاک
چار چار کردن	دشمن کا مقابلہ کرنا	نمار	کثرت
مشاق	میشاق	کاہل	کفت
بارہ	اسپ	راح	مرہم
سرون	شاخ	چچاخ	خمیدہ
سقمی	معشوق	ہین	سیلاب
کش	خوش	ہیون	شتر
شطب	میان تلوار	پڑ (مشدود)	پر
آہو	عیب	خشتوک	بد معاش
آثریہ	تیار	گوارہ	گوارہ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ستخوں	استخوان	ہڑیراں	ہوشیاری
لالا	دایہ	کرنا	میخ آہن
خرقہ	درورع	ظلیع	کریہ منظر
خریت	توند	برجاس	نشاء
نوشجر	گوارندہ	رنگ	زر

**صنائع و بدائع** | صنائع و بدائع کے استعمال کے لحاظ سے بھی منوچہری کا کلام دیگر شعراٹے فارسی سے کم نہیں۔ چنانچہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

تجنیس:۔ چو گشت ازمن آل مشوق مشوق + ہنادم صابری رانگ بر دل  
لف و شرم تر ب:۔

تیغ او و ریح او و تیر او و گرز او دست او و جام او و کلک او و پالنگ  
گاہ و ضرب و گاہ و طعن و گاہ و می و گاہ و قید گاہ و جود و گاہ و نرم و گاہ و حظ و گاہ و جنگ  
یا شلاً گوش و پہلو و میان و کتف و جبہ و ساق تیر و فرہ و زار و قوی و بہن و دراز  
تنسیق الصفات:۔

رہ بروخ شکن و شاہ دل و تیز عنال خوش رو و سخت سم و پاک تن و جنگ آغاز  
برق جبہ با دگر یوز و دو کوہ قرار شیر دل پیل قدم گور تک آہو پرواز  
مراعاة النظیر:۔

بوستان چوں مسجد و شاخ و دختال و رکوع ناختم چوں مؤذن و آواز او بانگ نماز  
رد العجز علی الصدر:۔

دو ساعد را مسائل کرد باسن فرو آویخت ازمن چوں حامل  
اورسہ افاضل زد تو نازند ہموار کہ زری فاضل بود قصد افاضل

اور:- دوزخ ہرگز نباشد قرابہ ہرچہ باشد چوں صیل اسپ آوازغن  
جمع:- مجلسے سازم بابرط وچنگ ورباب ہ باترخ ونبی وگرس و بانقل وکباب  
حسن تعلیل:- ستانی ہی زندگانی ز مردم ہ ازیرادرات بود زندگانی  
سیاقۃ الاعداد:-

نہ کیے ونہ دودنہ وشتاد و دو بیست ہرگز این دخت بسودن نتواند عربے  
جمع و تقسیم:-

کنار آبدان گشتہ بشاخ ارغواں حامل سحاب ساگون گشتہ بطنل عاجگون حلی  
کیے چوں دیدہ یعقوب و دیگر چوں سُخ یوسف سہ دیگر چوں دل فرعون چہار چوں کعبہ موسی  
یہ تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ہ  
اطراد:- ملک شیردل پل تن پل نشیں بوسعد بن ابوالقاسم بن ناصر دین  
ترصیع:- کابت راگو نویس و فازنت آگو بسج ناصحت راگو گزار و حاسدت راگو گزار  
یا ہر دو گر یا نیم ہر دو زرد و ہر دو درگداز ہر دو سوزانیم و ہر دو فرد و ہر دو ممتحن  
یا ژالہ باران زوہ بر لالہ نعمان لفظ لالہ نعمان شدہ از ژالہ باران نگار  
تجنیس مزدوج:-

بارخت اے دلبر عیار یار نیست مرا نیز دگر بار بار  
دوزخ رخشان تو کلنا گشت بردل من نختہ گھنار نار  
چشم تو خو خواہ و ہر جادوئے ماندہ اناں چشمک خو خواہ و خوار  
بندہ وفادار و ہوا خواہ بست بندہ ہوا خواہ و وفادار دار  
دادکن اے کو دک و بردار چور منبر پیش آور و بردار دار  
اے تو دل آزار دین آذر دل دل شدہ ز آزار دل آزار زار

ذوقا فیتین:- ساقی بیکہ امشب ساقی بکار باشد ہ زان دہ مرا کہ گمش چوں گل اندا باشد

مے وہ چہار ساغر تا خوشگوار باشد      زیرا کہ طبع عالم ہم بر چہار باشد  
 ہم طبع را بہ بندش فرزاد وار باشد      تانہ فروش باشد تانہ خمار باشد  
 نے نے دروغ گفتن ایں چہ شمار باشد      بارے بنید خوردن کم از ہزار باشد  
 تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے :

موسیقی و ترنم - بر خیز ہاں اے جاریہ مے و گنگنِ بلیہ      آراستہ کن مجلس از بلخ تا ارمینہ  
 آمد خجستہ ہر گاہ جشن بزرگ خسرواں      نارنج و نار و ادغوال اور دازہر ناجیہ  
 یا اے بہتِ حصاری شغل و گنداری      مجلس چہر انسانی بادہ چہر اناری  
 یا اے نہادہ بر میان فرق جانِ خویشین      جسم مازندہ بجان و جان تو زندہ تین  
 اور نوروز بر نگاشت صبح را بہ مشک و مے      تماشا ہائے عرۂ و تصویر ہائے مے  
 اور جہان چہ بد مہر و بد خو جہانی      چو آشفستہ بازار بازار گانی  
 یا سلام علیٰ دار اُقم الکوا عب      بتان سیہ چشم عنبر ذوا تب  
 اور ہی ریز دیوان بارغ ٹوٹو ہا بزیور ہا      ہی سوز و میان راغ عنبر ہا بجر ہا  
 اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں جمع کی جاسکتی ہیں :

خاتمہ الغرض منوچہری کا کلام واقعیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور  
 یہی وجہ ہے کہ وہ ایران کے فلکِ سخنوری پر ایک نرگسوارہ ہے جو انشاء اللہ ابد الابد  
 تک چمکتا رہے گا۔ اگر اس کے صرف اس کلام کا انتخاب کر کے جو طبعی امور مثلاً بادل، ہیلاب، ہوا، صحرا،  
 پھل، پھول اور جانوروں کے فنون وغیرہ پر مشتمل ہے، ایک مجموعہ تیار کیا جائے تو وہ ایک قدرتی فلسفیانہ شاعری  
 کا ایک اعلیٰ نصاب معلوم ہو گا۔ اگرچہ اس نے کوئی فنوی نہیں لکھی جو ہماری قوتِ بیان میں بہت حد تک اضافہ  
 کرتی تاہم تقریباً تمام قصائد میں اس کا طرزِ بیان کچھ ایسا ہے کہ ایک صاحبِ فرست آدمی جو کچھ ہم تک پہنچا ہے  
 اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے :

(باقی دارو)

## تتمہ ۱

### اختلافات قرأت کی فہرست

ہم صد مضمون میں لکھ چکے ہیں کہ منوچہری کے کلام کی اشاعت بہت عام نہیں ہوئی۔ اگرچہ دولت شاہ کا خیال ہے کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ مگر ہماری نظر سے صرف تین مطبوعہ ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ گذرا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اخیر مضمون پر ہم تینوں مطبوعہ ایڈیشنوں کے اختلافات قرأت کی فہرست پیش کریں گے۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ طہران ہے۔ جسے میرزا حسن خوانساری نے ۱۸۶۹ء میں مرتب کیا۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مشہد ہے جو ۱۸۹۴ء میں طبع ہوا اور تیسرا مطبوعہ پیرس ہے جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہوا۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں جبرنی زبان میں پوٹاز ترجمہ اور نوٹ موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن خیال کیا جاتا ہے۔ ایڈیشن مطبوعہ مشہد نامکمل ہے جس میں صرف پہلے ۶۴ قصائد موجود ہیں۔ ذیل میں ہر سہ ایڈیشن کے اختلافات کی فہرست دی جاتی ہے:-

پیرس ایڈیشن	طہران ایڈیشن	مشہد ایڈیشن
قصیدہ ۱	ہمہ دیدہ زعہبرہ	ہمہ دیدہ زعہبرہ
شعر ۱	گل دور و چنان چوں مہر بار دو پیکر	گل دور و چنان چوں مہر بار دو پیکر
۱۵	بر شاخ	بر شاخ
۱۶	در باغ	در باغ
۱۷	زیا نگارستان	زیا نگارستان
۱۸	خراماں	کرازاں
۱۹	بخا و رہا	بخا و رہا
۲۰	بر حکم تو	بر حکم تو
۲۱	کے	کے
۲۲	کے	کے
۲۳	کے	کے
۲۴	کے	کے
۲۵	کے	کے
۲۶	کے	کے
۲۷	کے	کے
۲۸	کے	کے
۲۹	کے	کے
۳۰	کے	کے
۳۱	کے	کے
۳۲	کے	کے
۳۳	کے	کے
۳۴	کے	کے
۳۵	کے	کے
۳۶	کے	کے
۳۷	کے	کے
۳۸	کے	کے
۳۹	کے	کے
۴۰	کے	کے
۴۱	کے	کے
۴۲	کے	کے
۴۳	کے	کے
۴۴	کے	کے
۴۵	کے	کے
۴۶	کے	کے
۴۷	کے	کے
۴۸	کے	کے
۴۹	کے	کے
۵۰	کے	کے
۵۱	کے	کے
۵۲	کے	کے
۵۳	کے	کے
۵۴	کے	کے
۵۵	کے	کے
۵۶	کے	کے
۵۷	کے	کے
۵۸	کے	کے
۵۹	کے	کے
۶۰	کے	کے
۶۱	کے	کے
۶۲	کے	کے
۶۳	کے	کے
۶۴	کے	کے
۶۵	کے	کے
۶۶	کے	کے
۶۷	کے	کے
۶۸	کے	کے
۶۹	کے	کے
۷۰	کے	کے
۷۱	کے	کے
۷۲	کے	کے
۷۳	کے	کے
۷۴	کے	کے
۷۵	کے	کے
۷۶	کے	کے
۷۷	کے	کے
۷۸	کے	کے
۷۹	کے	کے
۸۰	کے	کے
۸۱	کے	کے
۸۲	کے	کے
۸۳	کے	کے
۸۴	کے	کے
۸۵	کے	کے
۸۶	کے	کے
۸۷	کے	کے
۸۸	کے	کے
۸۹	کے	کے
۹۰	کے	کے
۹۱	کے	کے
۹۲	کے	کے
۹۳	کے	کے
۹۴	کے	کے
۹۵	کے	کے
۹۶	کے	کے
۹۷	کے	کے
۹۸	کے	کے
۹۹	کے	کے
۱۰۰	کے	کے

۶ یکم پیرین	۶ بتن پیرین	۶ بتن پیرین
۱۳ رباننش	۱۳ دباننش	۱۳ دباننش
قصیده ۴ خون انگور	۴ آب انگور	۴ آب انگور
۱۴ قدح	۱۴ قدم	۱۴ قدم
قصیده ۶ زیش	۶ چنگش	۶ چنگش
۵ صواب است	۵ ثواب است	۵ ثواب است
قصیده ۷ یرقان است	۷ خفقان است	۷ خفقان است
۲ عیب تنش این است	۲ عیبش جز این نیست	۲ عیب تنش این است
۴۷ شریال	۴۷ رگ را	۴۷ رگ را
قصیده ۸ غائب نشود	۸ بیرون نرود	۸ بیرون نرود
قصیده ۹ جعد	۹ زلف	۹ زلف
۲۰ مصر	۲۰ روم	۲۰ مصر
قصیده ۱۱ کمان	۱۱ کند	۱۱ کند
قصیده ۱۲ در کار باء دنیا	۱۲ با کار باء عقبی	۱۲ در کار باء دنیا
۲۳ نو بهار	۲۳ روزگار	۲۳ روزگار
۳۱ ایند	۳۱ بزدال	۳۱ ایند
قصیده ۱۴ باغ بهاری	۱۴ باو بهاری	۱۴ باو بهاری
قصیده ۱۵ اعتقاد	۱۵ اقتباس	۱۵ اختیار
قصیده ۱۶ زود آتش بلند	۱۶ زین آتش سیاه	۱۶ زین آتش بلند
قصیده ۳۱ از میخ	۳۱ چو میخ	۳۱ زال میخ
قصیده ۳۲ راحت	۳۲ هستی	۳۲ دست



خیل الآخریں  
بے شرک

خیل الآخریں

بادپاے

قیس

نکو پیکر

بدخواہ

بندھب

قصیدہ ۳۵ خیل الآخریں

قصیدہ ۳۶ بے شرک

قصیدہ ۳۷ قیصر

قصیدہ ۳۸ پری پیکر

قصیدہ ۳۹ بدخوی

قصیدہ ۴۰ بادو

ہم نے طوالت کے خوف سے صرف چند ایک اختلافات پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ فرست  
اختلافات تقریباً اس سے دس حصے زیادہ لمبی ہے \*

## تتمہ ب

### تشخیص افلاط

صحیح	غلط	صحیح	غلط
بہارے	بہار	کبک ز	کبک بر
انتقامتہا	انتقامت	دربارت	دربارت
ورا	اورا	بوسہ بدادہ	بوسہ دادہ
وگر	دگیر	کشید او	کشید
ور	و	ماہ رویان است	ماہ روان است
زبانش	ربانش	برگل و ہربار	برگل بر باز
زندبات و زندخواں	زندبات و زندخواں	بقول و عمل	بقول عمل
کر دی اور زنیو کے درمیان واؤ چاہیے		بخواری	بخاری
بگل سرخ	برگل سرخ	دواند	دواند

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۵۲/۱۵	ہرگز	مرکز	۹۵/۲۴	ندج' اور تثنیہ' کے درمیان داؤ زیادہ کرو	صحیح
۵۳/۱۰	بُو	بُد	۹۶/۱۱	اکلا بصحنک	اللاہبی بصحنک
۵۴/۱۶	بیش صد	بیش از صد	۱۰۲/۸	او' اور وجیہ' کے درمیان واؤ بڑھاؤ	صحیح
۵۴/۱۹	بہ معذورم	نہ معذورم	۱۰۳/۱۳	دو رخ	دو رخ
۵۶/۸	برہ	برہ	۱۰۴/۸	ماویہ	ماریہ
۵۶/۴	منکر	منکر	۱۱/۱۱	روز	روزے
۱۸/۱۸	چاکرو	چاکر	۱۱۹/۱۸	سپاری	سپاری
۶۲/۲۴	دلخواہن	دلخواہاں	۱۲۱/۹	نیشینی	نیشینی
۶۲/۲۴	دل' اور رستم' کے درمیان واؤ چاہیے		۱۲۲/۲۴	د' اور گل' کے درمیان با' زیادہ کرو۔	
۱۱/۱۱	گرچو	گرچو	۱۲۴/۱۶	ضمیراں	ضمیراں
۶۴/۲۴	چنیں	چوینیں	۱۲۵/۱۶	مرٹکے' کے بعد است' زیادہ کرو +	
۱۰/۱۰	نہند	نہند	۱۲۶/۹	مترکتر	مترکتر
۶۶/۸	حرکت	حرکات	۱۲۷/۹	ہستی	ہستی
۶۳/۲۴	خورشید	خورشیدے	۱۲۸/۲۴	مشد	مشد
۱۱۲/۱۱۲	اجبار و کل من	اجبار و کل من	۱۲۹/۲۴	ممشوق و ممشوق	ممشوق و ممشوق
۶۶/۸	توق ہی پشی برین	توق پشی ہی برین	۱۳۱/۲۴	اودہانش	اودہانش
۹۱/۱	کش خرام شیر کام	کش خرام و شیر کام		یا قوت و بیادہ	یا قوت و بیادہ
۹۲/۲۴	حورا	جوزا	۱۳۲/۸	بہریدے	نہریدے
۹۳/۲۴	بے حذر' اور از' کے درمیان باشد'		۱۳۵/۹	زشتی	زشت
	زیادہ کرو +		۱۳۶/۱	گر	اگر

صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴۱/۱	از زمینی	زمینی	۱۶۸/۹	پسر اور خوش کے درمیان از بڑھاؤ	صحیح
۱۴۲/۴	وہنی	ہنی	۱۰	درون اور کردہ کے درمیان واؤ ڈالو	غلط
۱۴۶/۲	حبنتہ العدن اور چارم کے درمیان واؤ چاہیے	بندہ	۱۶۹/۱۳	پسندہ	صحیح
۱۴۱/۲	بے درد اور دوم	شوکہ	۱۶۳/۱۲	گوشہ	غلط
۱۵۰/۱۲	بیرزد	معبود	۱۶۳/۱۲	مسعود	صحیح
۱۵۲/۱۵	گلاب لولو	اوحرب	۱۶۳/۱۲	ابوحرب	غلط
۱۵۵/۲	برند	مسکن	۱۶۳/۱۲	مسکنش	صحیح
۱۵۵/۴	سُر اور پلو کے درمیان واؤ ڈالو	روندہ	۱۶۳/۹	دروروندہ	غلط
۱۵۶/۲۲	کس را	نماز	۱۶۶/۹	نمازے	صحیح
۱۵۷/۱۲	خارجیاں	وگاہ میں واؤ زیادہ ہے	۱۶۸/۴		غلط
۱۵۹/۵	از	سے یکے	۱۶۸/۴	توسے یکے	صحیح
۱۶۱/۱	چوی	عروس	۱۶۹/۴	عروسے	غلط
۱۶/۴	آویخت	زمین بونقلوں	۱۷۱/۱۵	زمین بنگ بونقلوں	صحیح
۱۶/۴	بچکال را	خفت	۱۸۳/۱	بخفت	غلط
۱۱	مُدور اور بے قد کے درمیان ہمہ بڑھاؤ	ناز و غلط	۱۸۳/۲	ناز و صلف	صحیح
۱۱	بچکال نہ بیچ نفیر	برو برو	۱۸۳/۲	بررو برو	غلط
۱۲/۱۲	چول زائد ہے	نفرمود	۱۸۷/۸	نفرمودی	صحیح
۱۶/۱۶	دہاشال	خوردن	۱۸۷/۲۱	خورد	غلط
۱۶۲/۱۳	درخوش	برجید	۱۸۸/۲۱	برچد	صحیح
۱۶۶/۲۱	نمادہ	بسر	۱۸۸/۲۱	بسرش	غلط

صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۸۹ ۸	دیگر	دگر	۲۰۱ ۶	بجوروشید	بجروشید
۲۱	نگو اور دشتما کے درمیان ہمہ بڑھاؤ		۱۴	معضوتہ	معشوق
۱۹۰ ۱	برج	برج محل	۱۶	دوز	ودر
۲	اندر	اند	۱۹	بالشکر	بلشکر
۱۹۴ ۵	کار از اصل	کار از اصل	۲۰۵ ۱	را	ار
۱۹۵ ۱۲	از	ز	۱۱	طنبورہ	طنبور
۱۹۶ ۶۲	خروش	اغروش	۲۰۷ ۱۶	نختہ	نختکے
۱۹۷ ۳	راتیش	راست نشنش	۲۰۹ ۱۲	نبید بخورد	اونبید خورد
۱۰	تو	دہ	۲۱۰ ۵	آنجائیکہ می بائی	آنجائیکہ می بائی
۱۹۹ ۳	زند و افال	زند با نال	۲۱۵ ۱۲	مدح	مداح
۱۴	اور است	است اورا	۲۱۶ ۱۷	دندان اور شاعر کے درمیان اس بڑھاؤ	
۲۰۲ ۶۲	کزد	کرد	۲۲۱ ۱۳	چہار شنبہ اور روز بلاء کے درمیان کہ زیادہ کر دے	

## تتمہ ج

کچھ اشعار جو نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہ تھے۔ مگر کسی اور جگہ دیکھنے میں آئے۔ ذیل میں دیئے

جاتے ہیں :-

### ۱) غزل

غرا با مزن بیشتر زیں نعیتقا کہ مجور کردی مرا از عشیتقا  
 نعیتق تو بسیار و مارا عشیتقی نباید یک دوست چنیز نعیتقا  
 ایارسم اغلال معشوق دانی شدی زیر ننگ زمانہ مسجیتقا

غذیرہ برفت از تو دگر منزل بمقراۃ سقط اللہ علی عقیقا  
 خوشامنز لاخو را جا نگا ہا کہ آجاست آں سر وبال از قیا  
 بود سر و در باغ و دار و بیت بن ہی بر سر سر و باغے انقا  
 ایالمت نفسی کہ این عشق با من چندین غمگی گشت و چون میں عقیقا  
 ز خواب ہو آگشت بیدار ہر کس نخواہم شدن من ز خواہش مفیقا  
 بدال شب کہ مشوق من مگر شد دے داتم نامبور و قلیقا  
 فلک چوں بیابان مرچوں ساخر منازل منازل حجرہ طریفا  
 بریدم بدال کشتی کوہ لنگر ! مکانے بعید و غلاتے سیمقا

ر کتاب الہم فی مسایر اشعار الہم صفحہ ۴۰۷

## ۲، غزل

اے بت زنجیر زلف اے آفتاب میکواں طلعت خورشید داری قامتِ فردوسیاں  
 نافریا یزد ز خوبان جہاں چوں تو کسے دلربا و دلغریب و دلنواز و دلستاں  
 گرت خوانم ماہ ماہی ورت خوانم سر و سرو گرت خوانم حُور حُوری ورت خوانم جاں جاں  
 مشک جبد و مشک خط و مشک نان و مشکبو خوش بیاغ و خوش سرو و خوش کنار و خوش زباں  
 رُوت از گل درج وارد و حبت از عنبر طراز مشک از نہ نافہ دار و ماہمت از مشک آسماں  
 ہم بُت زنجیر جبدی ہم بُت زنجیر زلف ہم بُت لالہ جبینی ہم بُت لالہ رُخاں  
 ایں روان و جان من دائم ز تو با خور می ایں سرو و بارغ من دائم ز تو چوں گلستاں  
 (قلمی نسخہ دیوان سنوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۸)

## ۳، فردو

آرندہ شنائے تو جان من است آنک پروردہ مکارم اخلاق تو منم

(قلمی نسخہ دیوان سنوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۴) فرد

ز تیغ و ز کینیت حزین شد عدو زو اشاد تو شاوگر دودو لے

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۵) فرد

عجب دل تنگ و غمخوارم ز مدیکدشت تیمارم تو گوئی در جگر دارم دو صد یا بیج گر کافی

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۶) قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر

قلمی نسخہ میں قصیدہ ۸۳ کے دسویں شعر کے آگے یہ شعر زائد ہے :-

وال مرغک بط، بچوں ختنی کا فور بر بستہ لبناخ و در ہم سنبل و ہم عنصل

(الفا - صفحہ ۱۰۶)

## منتمہ د

### منوچہری کے مدحین کی فہرست

- (۱) ابوسعید سلطان مسعود بن یکین الدولہ محمود غزنوی +
- (۲) شمس الوزراء احمد بن عبدالقہد وزیر سلطان مسعود غزنوی +
- (۳) خواجہ فضل بن محمد حسینی +
- (۴) فلک المعالی امیر منوچہری قابوس بن وکیر ملی +
- (۵) ملک الشعراء حکیم ابوالقاسم حسن التعلص بن غنصری +
- (۶) خواجہ ابوالحسن احمد بن حسن ہیندی +
- (۷) خواجہ علی بن محمد +

(۸) خواجہ احمد وزیر سلطان \*

(۹) خواجہ ابوالعباس \*

(۱۰) سپہ سالار شرق علی بن عبید اللہ الشہیر بصادق \*

(۱۱) خواجہ محمد \*

(۱۲) خواجہ ابو حرب مجہد مختار \*

(۱۳) ابوالحسن بن علی بن موسیٰ عمرانی \*

(۱۴) خواجہ ابوسلم زورنی دبیر سلطان مسعود \*

(۱۵) ابوزینج بن زینج \*

(۱۶) اسد بن حاتم بن منصور امام جلیان \*

(۱۷) خواجہ خطیر \*

(۱۸) خواجہ طاہر ابومنصور \*

(۱۹) خواجہ عبید سلطان وزیر سلطان مسعود \*

(۲۰) شاہ ابوالمنظف \*

(۲۱) خواجہ ظلت \*

اثنائے مضمون میں منوچہری کے قصیدہ پر تنقید کرتے وقت ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آخر مضمون میں ہم قبلہ والد صاحب بزرگوار کا قصیدہ پیش کریں گے۔ جو آپ نے منوچہری کے مندرجہ ذیل قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا :-

الایا خجلی خمیسہ فروہل کہ پیش آہنگ بیرون شد ز منزل

چنانچہ قبلہ بزرگوار کا قصیدہ درج ذیل ہے :-

الایا سار بال بر بند محل کہ شد خورشید راحل بمنزل

سبک بردار سراز باش خواب      کہ نالال شد جبر سہا و تو فاعل  
 ولم زانہر دگی از کار رفتہ است      سرت گروم مشوا ز چارہ فاعل  
 بگلہ بانگ حدی برکش نوائے      کہ بند صبر دل بردار دازل  
 نشتن فایغ از دل تو میدال      چوز و ناخن ہدل یاوست ازل  
 توقف را مثل دانی چہ آرام      غبار خاطر بمحمول و حامل  
 دریں منز لگم آرام جاں نیست      بہ نختی کن ز نام سیر عامل  
 عدیم گوین با پشت من پشت      بھل سپیکر جزا مماثل  
 بزجر ساخ و بارح مزن فال      میندیش از عید تلخ عادل  
 مرا با وعدہ عرقوب مغرب      نیارم تاب میان مائل  
 فلک و التماس مہلت آمد      دادم میدم در گوش فاعل  
 دے چوں شوقم آمد کافر ما      بر آواز جرس گوید کہ عجب  
 خرا مانند در کسار کبکال      سہایانند بر گلبن عنوان  
 وریں کسار و طرف لالہ زارش      طناب خیمہ را پیوند بکسل  
 بہار مرغزار دہن کوہ      بکوئے دوست می بینم مزائل  
 درمی وادی منم حضور رخضر      و کلمہ من عالم نہی کجاہل  
 مہار بختیم در دست من نہ      رفیقم گر نہ فاللہ کافیل  
 رہو باریک و تار یک بیابال      ہزیراں سہمیں گراں مصول  
 بنگ گور ظالم تیرہ و تنگ      بسان عرصہ شہر زلازل

۱۵ معمول را کب و حامل مرکوب ۱۲ منہ

۱۶ سانخ و بارح کہ اہل عرب بدان فاعل نیک و بد می گیرند ۱۲ منہ

۱۷ جائے خاکروب انداختن - ۱۲ منہ

۱۸ مہلت ۱۲ منہ



مغاک وتل و بیم دزد و سیلاب  
 بیایاں می برم دشت و جبل را  
 بپوشے وصل یار و نوازے  
 بپوشے آنکہ خلافتش نقب کرد  
 محمد آنجمن آراے مہتی  
 جنبیش نور وحدت را ہم آغوش  
 حدوث آمد قدم را دوش با دوش  
 نبویے جو سرش گرہل آوم  
 فراز قبیہ خضر ابر آمد  
 نگاور را بہ تگ می راند در راہ  
 بکشف سیر کتب ذات بیچوں  
 قدر سر بر خط فرمان رانش  
 زادش پاک از آلود گیہا  
 بلے از نور محض آفرینند  
 بخلوت فانی مطلق هو اللہ  
 دل و دستش ز فیض لایزالی  
 سرور سینہ اش ناز تیبیاں  
 کسے کز خنجرش زخمے خورد آت  
 بدامنش در آویزے نگول بخت  
 بدر بارے کہ ہر جوش بلایے است  
 ظلام و برق و عسدر و امیر باطل  
 من و این جملہ رنج راہ و بازل  
 چہ خوش باشد شب قطع مر حل  
 بدیوان ازل خسر الاماثل  
 سر و سر حلقہ بزم او اثل  
 چو در آیات قرآنی نواصل  
 وجودش بر زنے در ہر حائل  
 ملک کے آندے بر سجدہ مائل  
 بروں رفت از حد عالی و سافل  
 سوارے کا دمش جبریل راہل  
 بصدر لامکاں خواندش کہ از نزل  
 قضا را تجتنب تحصیل حاصل  
 چو آبے کش چکاند از جنادل  
 جمیل الوجہ سمود انصائل  
 بمخل خوش نقاشیریں شمائل  
 زہے کان عطا بحر فو اثل  
 بہار خاطرش نزل اراہل  
 بہ تیغ جو گرہوں باد بسمل  
 چو قبل نیستی گذر ز مقبل  
 مشوبے دہ لیتنی بی و سائل

بطونافا کجاہ آشوبِ حوادث  
 پروتا آشیای کے مرغِ زار  
 شہنشاہِ دو عالم بارگاہ  
 نہالِ شوق تو در گلِ مینے  
 شمارِ شوق سرش را پس از مرگ  
 بود و در تو فرضِ عینِ لاریب  
 بزمِ رنگین کا بخ مقرر نس  
 دو صد نفرِ عزتِ احواجِ مرمن  
 دل از مہرِ کساں پرواخت اینک  
 سوارہ می برد چوں باؤکبسا  
 گزیدہ بہرہ عمرِ چو بگذشت  
 کسے کو لب دریا نشیند  
 بکلم وحی لَا تَنْهَیْزِیْ دَال  
 زبذلِ لطفِ نغمہ شستی سبزو  
 نمودے گرد آشد دستِ پاکت  
 خَلِیْلِیْ اَرْجِعْ اَیُّوْمًا فَعُوْلَا  
 سَقَاْنَا الدَّهْرَ کَا سَا مِنْ اُحْاِج  
 فَمِنْ بَارَقِ طَیْبَةٍ مِنْ بَعِیْدِ  
 فَلَمَّا اَنْ وَرَدْنَا هَا عَطَا شَا  
 بساں بردن کا سیت مشکل  
 کہ در کجِ قفسِ ماند از جہاں  
 بعضِ حاجتم گستاخ سائل  
 نشان دستم چو نعلِ اندر خائل  
 و مداز خاکِ من نعلِ انال  
 فرائضِ جملہ بے دردت نوافل  
 نیایم جُز بندر گاہ تو موئل  
 گزینم دیگرے بر تو جُباں  
 بشغفے غیرِ یادت نیست شاغل  
 ہیولِ عمر بے صوتِ جلاجل  
 کمش بر حرفِ سعیم خطِ باطل  
 عجب کز بختی میسر و بساں  
 بجاں می بودہ ہموارہ عامل  
 چو شوخے بر زباں میرِ اندر اعل  
 کجا ناپاک را می بود غافل  
 اِلٰی مَا یَنْتَهٰی سَبْرُ الرَّوْحٰنِ  
 فَهَلْ یَاکُوْمُ مِنْ عَذَابِ الْمُنٰهِلِ  
 فَاَنْجَلْنَا عَنْ الْمَرْغِیْ الرَّوْمِلِ  
 سَقَاْنَا مِنْ نَدٰی الْکَیْفِ وَاِبْلِ

۱۷ اشارہ ہذا الموصوفہ خارجی - ۱۲ منہ

۱۸ اشارہ بقصرِ اعرابی کہ همان آنحضرت مسلم بود و شبِ تہذیب کردہ

بخت ہر دو نور چشم زہراؑ      شہید خجہ و ہر ہلاہل  
 چو بر بندم ازین دینِ ناخت      سہرا فرام کن از ایمانِ کابل  
 چو و آرم بمبید ان قیامت      بگردن نامہ عصیاں حائل  
 زہولِ محجلِ لولہاں شیدہاؑ      ہدروز ہر شیرانِ بابل  
 بگو شہم درو مند اقوۃ کتابکؑ      تنہم لرزوزا ہواں نوازکؑ  
 بفرمانا مرا آزاد سازند      ز بیم آتشِ جبہ سلاسل  
 چو خواندم ممانعتِ تھانچہ رسم      کہ در پیش است منزلیاں ہائل  
 ہم از لطف تو سببِ اتم کہ وحی      ہر بزمِ سفد طبعان نیست نائل  
 ز نیرنگِ کلام من بفرم      فسوں سامری و سحرِ بابل  
 و لے جز نکلتہ وال کے باز داند      مقام ابن وائل راز با قتلؑ  
 دگر ہنگام آں آمد کہ نازند      خراہ ز او کال در بزمِ عبسؑ  
 منوچہری گرازا ہواں زمین است      عجب نبود ز پنجابش مفاہل  
 منوچہری نباشد چہرہ با من      ندارد جز طبعِ جوہرِ مائل  
 بلے او بود و تاراجِ مسعودؑ      منم خرمروہ وارانستادہ و رگل  
 و لے زنجبکہ مذاحِ رسولم      دو صد مسعود را سنجم بناکؑ  
 فیضِ جوہرِ اومی نازم امروز      بعزِ دولتِ انعام شامل

**نوٹ**۔ آخر کے چہرے شعر تیار ہے ہیں۔ کہ یہ قصیدہ منوچہری کے جواب میں لکھا گیا ہے۔  
 اور یہ کہ منوچہری سلطان مسعود کا دیباری شاعر تھا۔ کہ سلطان محمود کا جیسا کہ ہم اصل مضمون میں  
 اس موضوع پر بالتفصیل بحث کر آئے ہیں \*  
 صوفی محمد ضیاء الحق گوشت کا بھجنگ

لے حواش۔ ۱۲ منہ ۷۵ مروے است غیر فصیح اناہل عرب ۱۲ منہ ۷۵ و اہل خراسانی شاعریت مشہور ۱۲ منہ  
 لے سلطان مسعود غازی غزنوی ۱۲ منہ \*

# مولانا حالی کی کتب سوانح

## حیات جاوید

(سلسلہ کے لئے دیکھیو یہی سال نومبر ۱۹۳۷ء)

حیات جاوید اگرچہ تاریخی لحاظ سے حیات سعدی وغیرہ کے بعد آتی ہے لیکن اہمیت اور قدرو قیمت کے خیال سے ہم سوانح عمروں میں سب سے پہلے اسی کو لیتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ اجائے روزگار نے لاکھ چنڈاں شرت قبول نہیں بخشا۔ اور اس کے متعلق جو بدگمانی ملک و قوم میں پیل چکی تھی۔ وہ اس کے محاسن کے بے نقاب کئے جانے میں مانع ہوئی۔ پھر بھی ہمارے لئے ۷۰ جو خوش قسمتی سے اس پر آشوب زمانے سے بہت دور ہیں، سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے۔ کہ جن بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے لفیل اس عظیم و جلیل شخصیت کی بزرگی جلوہ عام پر نہ آسکی۔ وہ آہستہ آہستہ بہت حد تک رفع ہو چکی ہیں۔ پھر کونسا امر مانع رہ جاتا ہے۔ کہ ہم پرانی لکیر سے ہٹ کر اس گراں قدر تصنیف کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھیں۔ اور انصاف اور تحسین کی کسوٹی ہاتھ میں لے کر کھوٹے اور کھرے کو خوب پرکھ کر یہ فیصلہ نہ کریں۔ کہ فرزند ان عصر نے اس کے متعلق جو رائے ظاہر کی۔ اس میں منصفانہ تنقید کا حصہ زیادہ تھا۔ یا ماحول کے اثرات سے پیدا شدہ سوء ظنی کا !

سر سید احمد خاں (جن کی لائف حیات جاوید کا موضوع ہے) ایک جامع اوصاف شخص تھے۔

ان کی زندگی گونا گون مشاغل اور ہنگاموں کا مرکز اور ہزار باعزائم اور مصائب کا منبع رہی ہے۔ پس ایک ایسی متنوع اور ”یکے و ہزار سودا“ زندگی جس کی جزئیات پر عبور حاصل کرنے کے لئے نصف صدی تک پورے ایک دور کا لٹریچر پڑھنا ضروری ہو۔ آسانی سے نہیں لکھی جاسکتی۔ اگرچہ خود سر سید جب

پہلے پہل ان سے ان کی لائف کی ترتیب کے متعلق ذکر کیا جاتا۔ تو اکثر فرمایا کرتے کہ ”میری لائف میں سوا اس کے کہ لکھن میں خوب کبڈیاں کھیلیں۔ کنگوے اڑائے۔ کبوتر پالے۔ ناچ مجھے دیکھے اور بڑے ہو کر پنچری۔ کافر اور بے دین کھلائے۔ اور رکھا ہی کیا ہے۔“ لیکن کون نہیں جانتا کہ سرسید نے ان بظاہر کسسا آسمیز لیکن ”حقیقت الفاظ میں اپنی شاندار زندگی کا نقشہ کھینچ رکھا تھا ان کا مطلب سوا اس کے کیا ہے۔ کہ ان کی لائف کا ابتدائی زمانہ ”بشریت“ کی تکمیل میں گذرا۔ اور آخری حصہ دین، مذہب اور قوم کی فلاح و بہبود کی کشمکش میں بسر ہوا ۛ

پس ایک ایسے شخص کے سوانح لکھنے کی ذمہ داری اتنی آسان اور اس کی زندگی کے اختلافی پہلوؤں میں منصفانہ نمائندگی نہ تھا۔ ایک طرف یہ مشکل کہ جس شخص نے مذہب، اخلاق، معاشرت، تعلیم، سیاست۔ لٹریچر۔ تنقید معاشرت، غرض حیات انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس پر اپنے خیالات ظاہر نہ کئے ہوں۔ اس کے حالات کے دریائے بے پایاں کو سیٹے ٹوکوں، اور یہ وقت کہ جس شخص نے چالیس برس تک تعصب اور جہالت سے نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رکھی، تقلید کی جڑ کاٹی، نکتہ چینی کی بنیاد رکھی، جو رسوم صدیوں سے چلی آتی تھیں، ان کو باطل کیا۔ جن عقائد کا نام اصول دین رکھا گیا تھا۔ بدلائل ثابت کیا۔ کہ وہ فرع بھی نہیں۔ زمانہ مشرق کی طرف جارہا تھا تو اس نے مغرب کا رخ کیا نتیجہ یہ کہ کسی نے اسے راست باز کہا۔ کسی نے کاذب۔ کسی کے نزدیک وہ ہمدرد قوم بھیرا۔ کسی کے خیال میں دشمن دین و ملت، ایک طرف یہ آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ کہ مجدد دین آگیا، دوسری طرف یہ غل ہوا تھا کہ یہی دین میں بدعت کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ یہی فاسق و فاجر۔ بلکہ مرتد کافر ہے۔ یہ اختلاف ایہ نزاع! یہ مناظرہ! اس میں ثالث بالآخر کے فرائض انجام دے تو کون!

یہ بارگراں حالی نے سر پر اٹھایا۔ اور اس کی ذمہ داریوں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو کر ایک ایسی تصنیف یا گوار چھوڑی۔ جو سوانح نگاری کے فن میں پہلی منظم اور باقاعدہ کتاب کہی جاسکتی ہے ۛ

مولانا سے قبل کرنل گریم نے بھی انگریزی زبان میں ایک لائف لکھی۔ لیکن اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک مکمل بیگرافی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اسی طرح حاجی اسماعیل خاں رئیس ڈاؤلی کی تحریک سے منشی سراج الدین صاحب مالک و ہمت ”چودھویں صدی“ نے لائف کی داغ بیل ڈالی۔ اور بہت حد تک اس کے لئے میٹرل جمع کر کے اس کو ایک خاص حد تک مرتب بھی کیا۔ لیکن وہ شائع نہ ہو سکی۔

مولانا حالی نے ان دونوں سوانحمرلوں کے محاسن و معائب سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی خوبیوں کو اپنی کتاب میں جذب کیا۔ اور ان کی کمزوریوں سے احتراز کیا۔

مولانا کو سرسید کی لائف لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا ہوا۔ جبکہ وہ کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ اگرچہ ان کا حال ابھی ”تک پہلی رات کے چاند کا سا تھا۔ کہ کسی نے دیکھا۔ کسی نے دیکھا ہی نہیں۔“ تاہم ملک میں ان کی خدمات کی قدر پیدا ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں کچھ سوال مرتب کر کے پرانے جواب مولانا نے سرسید کے پاس روانہ کئے۔ لیکن انہوں نے لائف کے خیال کو پسند نہیں کیا۔ بعض دوسرے لوگوں نے بھی یہی رائے دی۔ کہ سرسید کی لائف ان کی زندگی میں لکھنی مناسب نہیں۔ چنانچہ یہ ارادہ موقوف ہو گیا۔

لیکن یہ ارادہ ہمیشہ مولانا کے دل میں موجود رہا۔ اور آخر کار انہوں نے ۱۸۹۴ء میں علیگڑھ میں اسی غرض سے قیام کیا۔ اور اس وسیع ذخیرہ معلومات سے فائدہ اٹھایا۔ جو وہاں موجود تھا۔ نیز منشی سراج الدین صاحب کا مسودہ بھی حاصل کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس وسیع اور مصروف زندگی کے حالات کو جمع کرنے کے لئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ تہذیب الاخلاق اور سید صاحب کی جملہ تصانیف کو کھنگالا۔ ان کے خطوں۔ ان کے دوستوں کے بیانات، انگریزی اخباروں، موافق اور مخالف رسالوں اور مدبران سلطنت کی تحریروں کا ایک ایک حرف پڑھا، اور اس سے مفید مطالب کا استقصا کیا گیا۔ اور ان کا پتھر اور خلاصہ نکال کر حیات جاوید کے اوراق میں بند کر دیا۔ حالی کے ایک دوست کے اس بیان میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اگر اس تمام ذخیرے

کو مرتب کیا جاتا تو اس کی وسعت کا احاطہ کرنے کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوتی +  
 لہذا حیاتِ جاوید و حصول میں منتہی ہے۔ پہلے حصہ میں زندگی کے حالات اور کارنامے  
 بقید و ترتیب تاریخی درج کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصے میں کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے  
 اور ان کی مجموعی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ کتاب کے مفصل مضامین کا اندراج اگرچہ یہاں بہت  
 نامناسب خیال نہ کیا جاتا۔ لیکن اس کو موجب تطویل اور بے ضرورت خیال کرتے ہوئے۔ اس  
 موقع پر نظر انداز کیا جاتا ہے سرسید کی زندگی کے متعلق ہم نے گذشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا ماند  
 بہت حد تک حیاتِ جاوید ہی ہے نیز سید صاحب کی زندگی خود اتنی مستغنی از تعریف اور ان کے  
 کارنامے اتنے بالا از تعارف ہیں۔ کہ یہاں ہم اس کو حذف کرتے ہوئے اس کے لئے معافی چاہتے ہیں اور اس  
 تصنیف کے مقصد اصلی یعنی حیاتِ جاوید کی تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں +

ایڈمنڈ گوس، انسکوپڈیا برٹانیکا میں 'بیوگرافی' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔  
 "Biography is a faithful portrait of a  
 soul in its adventures through life."

یعنی "بیوگرافی" موضوع کی ہو بہو تصویر ہو۔ جو مکمل ہونے کے علاوہ حقیقت پر مبنی ہو۔ اور  
 اس تمام تصویر کشی میں منتہائے نظر صرف صداقت کی ترجمانی ہو۔ پھر اس کے لئے ضروری ہے  
 کہ مظاہر کی نقاشی کے ساتھ ساتھ موضوع کی اندرونی شخصیت اور "انفرادیت" بھی پوری صفائی  
 کے ساتھ نمایاں کی جائے +

ان صفات چہارگانہ کی طرح بعض اور اوصاف بھی ایسے ہیں۔ جو سوانح نگار کے لئے بیحد  
 ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصادمِ آراء کے وقت اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتا ہو اور بیرونی اثرات  
 سے بالکل متاثر نہ ہوتا ہو۔ موضوع کے معائب اور کمزوریاں دکھانے میں اسی طرح واقفیت کا  
 خیال رکھے۔ جس طرح محاسن کے بیان میں۔ موضوع کی شخصیت کی تصویر کشی میں ذاتی رجحان کو  
 دخل نہ دیتا ہو۔ اور جذباتی، سیاسی، اور مذہبی محرکات سے وہ ہیر و کود واقعہ اور حقیقت کے

خلاف نمایاں نہ کرے۔ سوانح نگار کا مقصد محض "یادگار" ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس عیب سے بیگرا نی کی ایک اچھی بیگرا نی کے پایہ سے گر جاتی ہے۔ اور سب سے آفریں بات یہ کہ ان ضروریات کے ساتھ ساتھ مصنف اس کو اسلوب بیان، ترتیب، اور واقعات کے حسن انتخاب سے ایک ادبی شاہکار بنائے یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب تک حیات جاوید کے متعلق موافق اور مخالف آراء کا اظہار ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے :

یہ باطل قدرتی بات ہے کہ سر سید احمد خاں کے تمام کاموں اور کارناموں کی طرح ان کی لائف کی اچھائی اور برائی کے متعلق شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے قدر دانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم چونکہ سید صاحب نے مذہب، اور سیاست دونوں میں ایک جدید خیال اور "بلستان" کی بنیاد رکھی ہے جس سے اصولاً ایک گروہ کو ویانت وارانہ اختلاف تھا۔ اور اب تک ہے۔ اس لئے حیات جاوید کے متعلق اظہار رائے میں بھی قدرتی طور پر تنقید کرنے والے حضرات دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں :

ہمیں سب سے پہلے خود مصنف کے خیالات سن لینے چاہئیں۔ کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں کیا خاص اصول مدنظر رکھا۔ اور کونسے آداب اور قواعد میں۔ جن کی پیروی ضروری سمجھی گئی۔ حیات جاوید کے دیباچہ میں مولانا حالی فرماتے ہیں :-

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے عیب و خطا کا معلوم ہوتا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر

پانی پھیر دیتا ہے۔ اسی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ کسی شخص کی بیگرا نی کی شکل طریقہ سے کبھی جانے

اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے

ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا

حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں۔ ان کی اور ان کے

کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کمیں ٹھیں نہیں لگئے دی۔ لیکن اول تو



ایسی بائوگرافی چاندی سونے کے ملتے سے کچھ زیادہ وقوت نہیں رکھتی . . . . . الخ  
 نہیں ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے۔ جس نے چالیس برس برابر تعصب۔ اور  
 جمادات کا مقابلہ کیا ہے۔ . . . . ہم میں وہ پہلا شخص ہے جس نے مذہبی

طرز پر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے ہی کی لائف  
 میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ  
 سرسید کے متصوم ہونے کا نہ ہم کو دعوت ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے  
 ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین  
 دلائیں۔ کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے۔ کہ ان کے ہر کام کو  
 نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ میں اور صرف سچ میں پیرکراست ہے۔ کہ جس قدر اس  
 میں زیادہ کرپہ کی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں؟

ہم اس طویل اقتباس کی معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ اپنی  
 تصنیف کے متعلق خود مصنف کا بیان زیادہ وقیع سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس بے حد قیمتی اور پُر معنی  
 عبارت میں مولانا حالی نے سوانح عمری کا نظریہ، اپنی مشکلات، پہلی سوانح عمریوں کے نقائص  
 اور موجودہ تصنیف کا اصول کار بیان کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ چونکہ ہمارا ماحول ابھی تک یورپ کے کرٹل طرز سوانح نگاری کے لئے سازگار نہیں ہے۔

اس لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ سوانح عمری یورپ کے طریقے پر لکھی جائے ؟

۲۔ پہلی سوانح عمریوں (یعنی حیاتِ سعدی اور یادگار غالب) میں صرف محاسن ظاہر کئے ہیں

۳۔ حیاتِ جاوید میں نکتہ چینی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگرچہ سرسید نے جو کام کیا۔ اس کی بنیاد

سچائی پر ہے۔ اس لئے سوانح نگار کا فرض ہے۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ

وہ جو کچھ کرتے تھے۔ سچائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بہر حال ان کے خیالات، عقاید، اور کاموں

پر نکتہ چینی ضروری ہے ؟

مسطور بالا سے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا۔ کہ حالی، ہیرو کے معائب و محاسن کی کیساں بے انتہائی کو

ضروری سمجھتے ہیں۔ علی الخصوص سرسید کے متعلق اس پرنٹل کرنا ضروری ہے +

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ جہاں تک سرسید کی بیرونی زندگی اور خارجی واقعات کی تصویر کا تعلق ہے۔ حیات جاوید ایک جامع کتاب ہے۔ پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ سید صاحب کی لائف پیدائش سے لے کر وفات تک۔ گویا ایک پوری صدی کی تاریخ ہے۔ ہمارا مصنف خاندان اور خاندانی ماحول سے ابتدا کرتے ہوئے ان کی رحلت تک اپنے ہیرو کے ساتھ ساتھ سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اور اس انتہائی مصروفیت کی زندگی کے کسی کا کد لمحے میں کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ سید صاحب دہلی کے ساوات کے ایک معزز گھرانے میں متولد ہوئے۔ ان کی طفلی کے واقعات، خاندانی روایات، شرفائے دہلی کے رسوم و رواج جن میں سید صاحب پرورش پاتے ہیں۔ سب کے سب پوری سلاست۔ اور پاکیزگی کے ساتھ مصنف کے قلم سے نکلے ہیں۔ پھر اس دور سے گذر کر غنواں شباب کا رنگین زمانہ آجاتا ہے۔ اس میں والدہ کی زبردست نگرانی اور تربیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تقریباً ہم اند کی جزئیات کا حال بتانے کے بعد تعلیم کا مفصل حال بتایا گیا ہے۔ تعلیم کی قیود اور پابندیوں سے گذر کر جوانی کی لغزشوں اور رنگینیوں کا ذکر آتا ہے۔ اور ان عیش و نشاط کی مجالس کی تفصیل بیان کی ہیں۔ جن میں عام طور پر اس زمانے کے نوجوان زندگی کی بہاریں گزارا کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود سرسید فرماتے ہیں۔ کہ ”ہم بھی اس رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔“ لیکن دفعہ بڑے بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے جس سے سید صاحب کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ پرانی شوخیاں مولویت اور زہد میں تبدیل ہونے لگتی ہیں +

بہر حال ہمارا مصنف سید صاحب کی زندگی کے ہر دور کے متعلق نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات جزئیات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اور نہایت خوبی سے اپنے موضوع کی شخصیت کی تدریجی رفتار ترقی کا حال قارئین کے سامنے رکھتا جاتا ہے۔ اس پہلی منزل کے بعد ملازمت شروع ہوتی ہے۔

اس کے مختلف مدارج کی ساری تفصیلات مٹیا کی گئی ہیں۔ مختلف ملازمتوں کے دوران میں کارکردگیوں کے واقعات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ زمانہ قدر جو کہ ان کی زندگی اور ملازمت کا نہایت نازک دور تھا۔ پوری جامعیت کے ساتھ مفصل لکھا گیا ہے۔ فقہ پور۔ دہلی۔ رہنک۔ بجنور۔ غازی پور۔ بنارس۔ علی گڑھ جہاں کہیں سید صاحب بسلسلہ ملازمت تشریف لے جاتے ہیں۔ مصنف ان سب مقامات کے متعلق ان کی خدمات اور فرائض منصبی کے حالات شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اپنی عبارت کو اقتباسات کے ساتھ مربوط کرتا چلا جاتا ہے۔

چونکہ کتاب کا پہلا حصہ ان کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات کا خاکہ ہے۔ اس لئے انہوں نے اس تاریخی ترتیب سے ملازمتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ سید صاحب کی تصنیفی کوششوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ غرض اس طریق سے یہ بخوبی نظر آتا جاتا ہے۔ کہ ان کے تصنیفی رجحان کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اور کس طرح حالات اور اثرات اور ماحول کے بدلتے رہنے سے ان کے رجحان میں بھی اہم انقلابات آتے رہے۔ گویا ہم جام جم۔ انتخاب الاخوان اور تحفہ حسن سے جو سید صاحب کی ابتدائی تصانیف ہیں۔ آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوئے ان کے ساتھ خطبات احمدیہ اور تفسیر القرآن تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور سید صاحب کی ان تبدیلیوں کے اسباب اور محرکات خارجی بھی تدریجاً ہماری سمجھ میں آتے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں یہ ذکر آچکا ہے۔ کہ مصنف نے سید صاحب کے ماحول کے اثرات کا مفصل حال کتاب میں درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناوانستہ طور پر اس زمانے کی معاشرہ رسوم و رواج، اور اوضاع و اطوار زندگی کی ایک تاریخ سی بن گئی ہے۔ جو اگرچہ بیآگرائی کے ساتھ گہرا اور لایفٹک تعلق تو نہیں رکھتی۔ لیکن بیآگرائی کی تکمیل کے لئے بہر حال مدت میں سے ہے۔ حیات جاوید کا ابتدائی حصہ جس میں سید صاحب کے خاندانی حالات، تعلیمی واقعات اور شرفاء کی سوسائٹی کے قصے میں کتاب کی افادی حیثیت میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

مولانا حالی نے جس ڈبنگ سے اس وسیع ذخیرہ معلومات کو چند صفحات میں جمع کر دیا ہے

اگرچہ اس سے بعض نقائص بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کا ذکر آگے چل کر کریں آئے گا۔ لیکن اس سے ایک فائدہ یہ ہو گیا ہے۔ کہ موضوع کی پوری شخصیت جہاں تک کہ اس کے مظاہر کا تعلق ہے کمال صحت کے ساتھ نمایاں ہو گئی ہے۔ گویا حیات جاوید کے اوراق میں ہمیں سرسید اپنی عظیم و جیم ہز رنگہ شخصیت کے سمیت نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی سرسید عارتوں کے کتبات پڑھنے کے لئے چھینکوں پر لٹک رہے ہیں۔ اور مولانا مصباحی گھبرا جاتے ہیں۔ اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ کبھی غدر کے پر آشوب فتنوں کے اندر نامحود خاں کے ساتھ الجھتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی مسٹر میڈن فارن سکرٹری حکومت ہند کے ساتھ اسباب بغاوت ہند کے متعلق پرجوش مباحثہ ہو رہا ہے۔ کہیں سائنٹیفک سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے کہیں خطبات احمدیہ کے لئے خواب و غور حرام ہو رہا ہے۔ اور خطوں میں لکھا جا رہا ہے۔ کہ ”ظروف خانگی بھی بیچ کر خطبات کے لئے رقم تیار کرو۔“ پھر تہذیب الاخلاق میں قوم و ملک کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب کے ہنگامہ پر مضمون چھپ رہے ہیں۔ اور مولوی امداد علی اور علی بخش خاں کے ساتھ معارضے ہیں۔ اب وہی سرسید ہیں۔ کہ علی گڑھ کالج میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ”زندہ دلان پنجاب“ سے رویہ وصول کر رہے ہیں۔ کچھ وقت اور گزرتا ہے۔ کہ مسیح اللہ خاں سے ٹوٹوئیں پیں کرتے سنائی دیتے ہیں۔ آخر میں کبھی نہ خاموش ہونے والی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ کہ ”اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ ہمیشہ چُپ رہنا ہوگا۔ اس لئے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں۔“ تا آنکہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۷ء کو یہ سیما مجتہم سپرد خاک کر دیا جاتا ہے ۛ

اس کے بعد قوم، ملک، ابنائے وطن اور حکومت کی طرف سے جو ماتم ہوتا ہے، وہ پورے پورے اقتباسات کی شکل میں کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ اس جوش و خروش کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہو سکے۔ جو اس نامور بزرگ کی وفات کے غم نے پہنائے عالم میں پیدا کیا ۛ

کتاب کا دوسرا حصہ اور بھی جامع۔ دلکش اور پُر از معلومات ہے۔ سید صاحب کے اوصاف و محاسن، ان کی خدمات، ان کی تحریکوں کی سپرٹ۔ ان کے اخلاق و عادات اور تصنیف

تالیف کے طریقے اور دیگر بے شمار مباحث و مضامین ایسے ہیں۔ جن میں سید صاحب کی شخصیت اور سیرت بہت حد تک نمایاں کی گئی۔ مفصل اقتباسات جو بعض جگہ طبیعت کے لئے ہار ہیں۔ سوانح کی جامعیت کو قائم رکھنے کا مقصد پورا کر رہے ہیں :

سرسید نے اپنی زندگی میں مذہب، معاشرت اور سیاست کو اپنا مرکز و توجہ بنائے رکھا۔ حیات جاوید منہی طور پر اپنے زمانے کی سوسائٹی کے قلب و دماغ اور معاصرین کے رجحان مذہبی و نفسی پر بھی ایک طرح کا تبصرہ ہے۔ یہ کتاب ہمارے سامنے اس ماحول کی پوری صورت نمایاں کرتی ہے۔ جس میں سید صاحب نے اپنے مٹن اور تحریک کی ابتدا کی اور اس حد تک اسکو زیر تکمیل سے آراستہ بھی کر دیا۔ حیات جاوید کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم اس زمانے کی سیر کر رہے ہیں :

جدید کتابیں جو خالص فنی نقطہ نگاہ سے لکھی جاتی ہیں۔ ان میں ان اثرات کا سراغ بھی لگایا جاتا ہے جنہوں نے ہیر و کی ذہنیت، رجحان اور جماعتی شعور کے بنانے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ اگرچہ خالص فنی خیال سے ہم شاید حالی کی اس کتاب کو اس معیار کے مطابق مکمل ثابت نہ کر سکیں گے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہمارے مصنف نے اپنی اس کتاب میں ان اثرات خارجی اور ان کے عمل اور ردِ عمل دکھانے کی بہت حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ خاندان کا اثر۔ بچپن میں والدہ کی تربیت کا اثر، سیاسی وقایع اور مذہبی اسخطاط کا اثر، شادی کا اثر، بیوی کے مرجانے کے بعد متاثر نہ ہونے کا اثر، تصنیفی رجحان کی بچگی کے اسباب، غرض بے شمار تجلیں حیات جاوید میں ایسی مل جائیں گی۔ جن کے صحیح ہونے میں ہم کوئی کلام نہ کر سکیں گے۔ "اثرات کا سراغ لگانا" اگرچہ حالی کی جدت نہیں۔ لیکن چونکہ حالی کے زمانے میں یورپ کی ادبیات کی وساطت سے اس اصول تصنیف کا علم ہندوستان میں مصنفین کو ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ کامیاب Application بالیقین ان کی تصنیف کے محاسن میں سے ہے :

ایک اور ضروری سوال ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ۔ مولانا حالی نے جو تصویر سرسید کی بنائی ہے کیا وہ ان کی مکمل اور ہو بہو تصویر ہے ؟ گذشتہ سطریں ہم کچھ آئے ہیں۔ کہ حیات جاوید

جہاں تک شخصیت کے مظاہر کا تعلق ہے۔ ایک جامع کتاب ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں اس میں یہ نقص نظر آتا ہے۔ کہ یہ سرسید کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کے بیان کرنے سے اکثر قاصر رہی ہے۔ اس میں سید صاحب کے مشن، ان کے کارناموں، ان کی خدمات اور ان کے مشاغل و فرائض پر ایک مفصل تبصرہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن "بشریت" کے خدو و خال نمایاں کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ دراصل اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالی کا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے یہ ثابت کرنا تھا۔ کہ سید صاحب کہاں تک اپنے مشن میں حق بجانب تھے اور کہاں تک اس میں کامیاب ہوئے؟ پس جہاں تک غرض و غایت اصلی سے بحث ہے۔ حالی اس میں کامیاب ہوئے۔ لیکن "بشریت" کا بے نقاب کرنا ان کے مقاصد میں تھا۔ نہ انہوں نے اس کی کوشش کی۔

اگرچہ ہم ضرورت سے زیادہ یورپ اور ان کے اصول تنقید کی نقالی کو پسند نہیں کرتے لیکن یہ اس اعتبار کہ خود حالی نے اس طرز سوانح نگاری کو سراہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ انگریزی زبان کی بعض عمدہ سوانح عمروں میں بڑے بڑے ہنگاموں اور معرکوں کی زندگی کے بین السطور ہیں مصنفین کو "بشریت" کی جو رنگینیاں نظر آئی ہیں۔ اور بشری محاسن و معائب کے جو خصائص ان کو مل سکے ہیں۔ وہ انہوں نے بلا تکلف اپنی بیگرافینوں میں درج کرتے ہوئے اپنے موضوع کی شخصی "اور ذاتی" زندگی کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سر جان سٹرن کی نے ملکہ وکٹوریہ کی جولائٹ لکھی ہے۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔ حیات جاوید کے سلسلے میں ہماری یہ توقع غالباً حد سے بھی ہوئی مغرب پسندی نہ سمجھی جائے گی۔ کیونکہ یہ بشر طرہ مولانا کے نزدیک سوانح نگاری کے لئے ضروری ہے۔ یہ چیز یورپ کے "لامت پسندوں" کے اس طریقے سے جدا ہے۔ جو عیوب کے بے محابا اعلان و افشاں پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت فرید احمد *Freud* کے جدید طریقہ "تجزیہ نفسی" سے بھی مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ کتاب میں اس حسن کو ظاہر کرنے کے لئے روزمرہ کے وہ واقعات یا

جنی خطوں کے وہ سنگتہ اور بے ساختہ لکھے ہوئے فقرات جن میں کاتب اپنی ذات یا خودی یا انجام سے غافل ہوتا ہے۔ بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ سنجیدہ تحریریں اور باقاعدہ سوچی اور سمجھی ہوئی گفتگوئیں جن کا تعلق زیادہ تر انسان کی سوشل ذمہ دارانہ پہلک زندگی سے ہوتا ہے۔ وہ لطف نہیں پیدا کر سکتیں۔ جو پرائیویٹ زندگی کے بعض لطائف سے ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے سرسید کے خطوط بھی بہت حد تک *Sensuous* خشک اور پُر از متانت ہیں۔ اور ان سے بھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے بظاہر مولانا حالی کے لئے ایک جائز مذر موعود ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی سراپا متانت، یکسر مقصد، مکمل تبلیغ و تحریک ہو۔ اس کی لائف میں یہ آب و رنگ آئے تو کہاں سے ؟ لیکن اگر ہمیں معاف کیا جائے۔ تو یہ عرض کیا جائے۔ کہ یہ کسی حد تک اس اسلوب اور رجحان طبع کے طفیل بھی ہے۔ جو حالی کا خاصہ ہے۔ سرسید کی متین اور سنجیدہ زندگی کے لئے حالی کی متانت سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی تھی۔ اور وہ جوش بیان اور سنگتگی ہے جس سے حالی کسی حد تک محروم ہیں +

نہ صرف یہ کہ سید کی زندگی کو ان دلچسپ ذاتی اور "بشری" جزئیات سے پُر لطف نہیں بنایا گیا بلکہ یہی ہے۔ کہ ایسی جزئیات میں بھی بہت کم ! لوکمارٹ کی "لائف ان سکاٹ" اور "باسول کی لائف ان جانسن" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان میں روزمرہ کے معمولی واقعات سے زندگی کے خاکہ میں خوبصورت رنگ بھر گیا ہے۔ لیکن حالی کی کتاب ان پیل بوٹوں سے بہت حد تک خالی ہے۔ یچین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یا شاید عنفوان شباب کا حال۔ بے شک پُر لطف ہے۔ اخلاق و عادات، اور طرز تصنیف و تالیف کا باب دلکش ہے۔ لیکن مفصل نہیں +

اب جہاں تک "اخلاقی جرأت" کا سوال ہے۔ مولانا حالی اس وصف سے ایک بہت بڑی حد تک متصف تھے۔ اگرچہ ان کا عام لب و لہجہ اپنی معاشری زندگی میں اور تصانیف میں بھی نرم تھا۔ لیکن صداقت کو نمایاں کرنے اور موضوع کے عیوب کو ظاہر کرنے میں اپنے عام اسلوب کے ماتحت انہوں نے اکثر مقامات پر اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ خود ان کا سرسید احمد خاں کے ساتھ

ان کے مشن میں شامل ہونا ان کی تحریکات میں ان کی ہم نوائی کرنا اور سب پر مستزاد یہ کہ ان کا ایک ایسے مختلف فیہ موضوع کو اپنی تصنیف کا موضوع بنانا اس کا ثبوت ہے۔ کہ ان ہیں صدقہ کو نمایاں کرنے کی اخلاقی جرأت تھی۔ اگرچہ ”احول“ اور ”فضا“ سے مرعوب ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں اور ”رنگل بیگرافی“ لکھنے کو ”ہندوستان میں بے کار خیال کرتے ہیں۔ جہاں ”میر“ کے ایک غیب یا خط کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے“

مولانا شبلی نے حیات جاوید کے متعلق جو شدید کٹھن چینی کی ہے۔ اس کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنا تو محض اصول و مبنی کے معیار پر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا لب و لہجہ قدرے سخت ہے ”حیات جاوید کو میں لائف نہیں۔ بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل“۔ پھر فرماتے ہیں کہ ”یہ مدلل مداحی ہے“۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ”یہ ایک رُخی تصویر ہے۔ اور اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدظنیتی ہے“۔ اگر اس آخری فقرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ یہ مولانا عالی کا خیال ہے۔ تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مولانا ”بیگرافی“ کے لئے اس وصف کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک محاسن کے ساتھ معائب دکھانے ضروری ہیں۔ علی الخصوص ”سرسید“ کے تمام اعمال پر کٹھن چینی کرنا ان کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”ہی نکتہ چینی“ کی بنیاد رکھی ہے۔ مولانا اس اصول کے قائل تھے۔ اور انہوں نے اس کا نمایاں الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ ہاں اس بارے میں مشرقیت ضرور آڑے آتی ہے۔ جو مولانا شبلی کے نزدیک (اور ہمارے نزدیک بھی) ایک خوبی ہے ۴

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ واقعی مولانا نے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے سرسید کے محاسن و معائب کا پتہ برابر رکھا ہے۔ اور ان کے ذاتی کیرئیر کے علاوہ ان کے پبلک کیرئیر کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے ۵

اگر معاصرین پر مضیہ داری اور گروہ بندی کا الزام درست بھی ثابت ہو جائے۔ تو موجودہ نسلیں جو اپنی عصبیت میں شاید اس قدر شدید نہ ہوں۔ حالات گذشتہ کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے غالباً کسی



رائے پر پہنچ سکتی ہیں۔ آج سرسید کے مشن، ان کی تحریکات کے فوائد اور نقصانات، ان کے مذہبی خیالات اور سیاسی عقاید کا عمل اور رد عمل ہمارے سامنے ہے۔ حالات کے مطالعہ کے بعد ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا حالی نے جو تصویر سید صاحب کی پیش کی ہے۔ وہ ہو بہو نہ تھی۔ اور ان میں عقیدت اور محبت کو شامل کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان اقوال و عقاید کے لئے جو تاویلات کی گئی ہیں۔ ان کے خلاف بھی قوم کے شعور اور ضمیر نے عرصہ ہوا بغاوت کر دی ہے۔ مولانا شبلی سید صاحب کی جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے۔ لیکن غالباً سب سے پہلے وہی تھے جنہوں نے سید صاحب کے خیالات و عقاید سے علحدگی اختیار کرتے ہوئے قوم کے لئے فکر کی ایک نئی راہ کھولی ۛ

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کہیں گے کہ مولانا حالی نے صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہوگا۔ ان کا اعلیٰ معیار زندگی، ان کا پاکیزہ اخلاق، ان کی سادہ اسلامییت سب اس بات کی شاہد ہیں۔ سید صاحب کے ساتھ انہیں جو خلوص تھا۔ ان کے جوش اسلامی اور حب قوم سے ان کے دل میں جو ولولہ محبت پیدا ہوتا تھا۔ ان کے کارناموں اور مخالفین کی ضد اور جہالت کا جو اثر ان کے قلب پر ہوتا تھا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے محبوب ربنا کے متعلق بادلِ خواستہ بھی کوئی ایسی بات نہ لکھیں جس میں ان کی نیت اور فعل پر شبہ ہو سکے۔ حالی کچھ تو فضا اور ماحول سے نمبورہ تھے۔ جہاں تیرد کے نقایص سننے کی لوگوں کی عادت ہی نہیں کچھ انہوں نے تنقید کے ایک اصول پر ضرورت سے زیادہ عمل فرمایا۔ جس کو اپنے ”موضوع کے ساتھ دلچسپی اور ہمدردی“ کہا جاتا ہے پس بقول ہمدی حسن مرحوم ”ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگزشت لکھی ہے۔“ مولانا حالی نے سید صاحب کی جن باتوں کو سراہا ہے۔ اور جن اختلافی معاملات میں ان کی جنبہ داری کی ہے۔ ان میں واقعی مولانا کی دیانت دارانہ رائے یہی ہوگی۔ خواہ آج مکان و زمان کے اس وقفہ کی حالت میں انہیں دونوں بزرگوں سے اختلاف کرنے کی گستاخی کرنی پڑے ۛ

ہماری مشرقی عقیدت کا تقاضا ہے۔ کہ ہم سرسید اور مولانا حالی دونوں بزرگوں کے زمانوں پر مکتہ چینی نہ کریں۔ اور بقول مہدی حسن مرحوم اس ہمدردانہ سرگذشت کے اوراق کو داغدار نہ بنائیں۔ لیکن افسوس کہ یورپ سے ہم لوگوں کو جو "ایمان بالغیب" ہو گیا ہے۔ اور یورپ نے جس فن تنقید کے "تریق" یا "ازموسوم" کو ہم میں پھیلا دیا ہے۔ وہ مجبور کر رہا ہے۔ کہ قوم اور ملک کی رائے بعض مباحث و معاملات میں "مہرو" کے بعض کاموں سے اختلاف کرے؛

سید صاحب کی زندگی میں بعض واقعات ایسے ہیں جن سے ان کی ذات ہمیشہ سے بدگمانوں اور غلط فہمیوں کا محل بنی ہوئی ہے۔ اور مشکل یہ ہے۔ کہ حیات جاوید کی تاویلات اور بیانات کے باوجود وہ غلط فہمیاں ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ مرور زمانہ نے ان میں سے بعض کو حجرہ کی روشنی میں صاف کر دیا ہے؛

بعض اختلافی مسائل جو ابہ الزما ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) "آیامِ غدر" میں سید صاحب کا طرزِ عمل؛

(۲) سید صاحب کا مغربی تمدن کو پسند کرنا۔ اور اس کے بعض پہلوؤں کو اختیار کر لینا؛

(۳) سید صاحب کا مذہب کو معقولات کے تابع کر دینا۔ اور بعض ایسے عقاید کا انکار جو مسلمات میں سے تھے۔ اور بعض کا اقرار جو دین میں پہلے موجود نہ تھے؛

(۴) سید صاحب کا آخری عمر میں سید محمود کے ہاتھ میں کھیلنا اور پرانے رفقا سے اختلاف، ٹرسٹی بل کے واقعات؛

(۵) سید صاحب کا انڈین نیشنل کانگریس سے الگ رہنا۔ اور مسلمانوں کے لئے الگ سیاسی حکمت عملی کا وضع کرنا؛

سید صاحب نے آیامِ غدر میں جو طرزِ عمل اختیار کیا۔ اور ضلع بجنور میں باغیوں سے جس طریق سے صف آرائی کی۔ وہ باغیوں کے نقطہ نگاہ سے یقیناً قابلِ مذمت تھا۔ اور اب بھی جو لوگ اس لڑائی کو "لغات" سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ سید صاحب کی کارروائیوں کو اچھا نہیں سمجھتے

لیکن ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں۔ ہم مولانا حالی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ کہ سید صاحب نے عاقبت بینی کے خیال سے نہایت دیانت دارانہ ہی ضروری سمجھا۔ کہ باغیوں کی مخالفت کی جائے۔ لیکن یہ عذرات اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتے۔ کہ سید صاحب "ناریخ کشتی مجبور" میں محمود خاں رئیس مجبور کو "نامحود خاں" کہہ کر پکاریں :

سید صاحب مغرب اور مغربی تمدن کے اس درجہ دلدادہ ہو گئے تھے۔ کہ نہ صرف اس کے مظاہر سے ان کو دلچسپی ملتی۔ بلکہ اس کی "سپرٹ" کے بھی عاشق تھے۔ سید صاحب نے اس محبت اور وابستگی کی وجہ سے جو "لباس و طعام و مکان اور طرز ماند بود اور طرز معاشرت وغیرہ" انگریزی طریقے پر اختیار کر لیا تھا۔ حالی اس کو تعلیم یافتہ ترکوں کا طریقہ "کہتے ہیں۔ حالانکہ حیات جاوید کے اوراق میں ترکوں کی محبت کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ یہ اس بات کی شہادت ہے۔ کہ ہیرو کے بعض عیوب یا بعض خصائص کو اچھے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہندوستانیوں نے جس وسیع پیمانے پر اب مغربی تمدن کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ امر چننا قابل اعتراض نہیں رہا۔ لیکن چونکہ اس زمانے کی سوسائٹی میں یہ طریقہ بود و ماند پسندیدہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے حالی نے اس کو ایک غریب لباس بنانے کی کوشش کی ہے :

سید صاحب نے انگلستان سے ایک خط میں لکھا "کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ تہذیب و شائستگی میں وہی نسبت رکھتے ہیں۔ جو ایک وحشی بد صورت ایک لایق اور خوبصورت آدمی کے ساتھ رکھتا ہے"۔ مولانا حالی کا سکوت بلکہ بامعنی تاویل بیداری ہندوستان کے موجودہ دور میں گرفت سے بالکل باہر نہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی حد سے بھی ہوئی مغرب پسندی اور تفریح "کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان تمام حالات کو وہ روغن دینے کی کوشش کی ہے۔ جو قابل قبول ہو۔ اسی طرح جہاز پگرون مروڑی ہوئی "مرغی وغیرہ کے متعلق جس تذرا لہ شبہات کیا گیا ہے۔ وہ بھی فرائض سے غفلت کا ثبوت ہے اور ایک طبع کی "وکالت" ہے :

سید صاحب نے مذہب اور غل کی جنگ الٹی باہم مصالحت کے سلسلے میں جو اجتہادات کئے ہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا لکھنا کافی خیال کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت جو کچھ سرسید نے لکھا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور ہر ایک اختلاف میں انہی کی رائے صائب ہے۔ لیکن . . . جہاں کہیں مولانا حالی نے کسی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی سی لیکن "لکھ کر کمزوری کو محاسن میں تبدیل کرنے کی کوشش بھی کر دی ہے۔ سید صاحب کے اکثر اجتہادات سے حالی کو شدید اختلاف تھا۔ اور ان کے نزدیک سید صاحب غلطی پر تھے لیکن اس کو ظاہر کرنے میں چشم پوشی کو روا رکھا گیا ہے۔ ان تمام حالات میں حالی یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مذہب کو سائنس کے حلوں سے بچانا مقصود تھا۔ لیکن نصف صدی گزر چکنے کے بعد بھی کون کہہ سکتا ہے کہ "مذہب" سائنس کے حلوں سے بچ گیا۔ ہاں ہم میں مغرب پسندی ضرور پیدا ہو گئی۔ اور مذہب کو دیکھنے کے لئے مغربی زاویہ نگاہ اختیار کر لیا گیا۔

اسی طرح دوسری زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے اور علوم مشرقیہ کو زندہ کرنے کے مسئلے میں مولانا حالی نے سید صاحب کو ایک ایسے رنگ میں پیش کیا ہے۔ جو آج کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سید صاحب آخری عمر میں سید محمود کی رائے سے بے حد متاثر ہو جاتے تھے۔ "قانون ٹرمینان" کے سلسلے میں سید صاحب نے جس ضد اور سختی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے کالج کے وقار اور شہرت اور خود ان کے سکون دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اس بل کو منظور کرانے کے لئے جو جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے۔ وہ اس قابل القدر شخصیت کے شاندار محاسن کے پہلو میں زبیا نہیں معلوم ہوتے۔ نواب وقار الملک جو سید صاحب کے زبردست مداح لیکن اس بل کے معاملے میں ان کے مخالف تھے۔ ایک پمفلٹ میں لکھتے ہیں۔

"کہ صرف اسی پر تخاصم نہیں کی گئی۔ کہ موت سے ہی کام نکل سکے۔ بلکہ اس سے زیادہ کاروائی ہوئی ہے۔ میں نے چشم خود سید صاحب کی وہ تحریر بھی دیکھی ہے اور سید صاحب نے اس کو مخفی

بھی نہیں رکھا۔ کوئی دقیقہ اس بات کے لئے اٹھانہیں رکھا ہے۔ کہ رائے دینے والے  
سید محمود کے حق میں رائے دیں۔ رائے دینے والوں کو یہاں تک خوف دلا گیا ہے۔ کہ اگر وہ  
سید صاحب کی تجویز سے اتفاق نہ کریں گے۔ تو سید صاحب صرف سکرٹری کے عہدے سے  
ہی استعفاء دیں گے۔ بلکہ جلد رسد کے متعلق اس وقت تک ہڑا ہے۔ اس سب کو ملبیٹ کر کے  
رکھ دیں گے۔“ الخ

ان دنوں میں سید صاحب کی طبیعت میں جو کمزوری اور ضد پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہاں تک بڑھ  
گئی تھی۔ کہ ”اب جو آپ کے قلم سے ناں نکل گئی۔ تو خدا ہی ہے۔ جو اس کی جگہ ہاں نکلے۔“  
ان تمام تنازعات میں مولانا حالی سید صاحب کی ”ڈسپاٹک طبیعت“ کا اثر کرتے ہوئے ان  
کے طرز عمل کو کسی حد تک ”استحسان“ کا لباس پہنانا چاہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ ”اگر فرض کر لیا  
جائے۔ کہ سید کی رائے اس باب میں خطا پر مبنی۔ تو بھی جب رُستِ بل قاعدہ کے موافق پاس ہو چکا  
معا۔ تو کالج کے ہوا خواہوں کو اسے سرپر رکھنا چاہیے۔“ ہوا خواہان کالج کے بارے میں جو ارشاد  
ہوا۔ بجا اور درست! لیکن سید صاحب کے متعلق ہم کیا قطعی رائے قائم کریں۔ کہ اس شور و شر میں  
حق بجانب تھے۔ یا غیر حق بجانب!

حالانکہ واقعات یہ ہیں۔ کہ اس زمانے میں خود مولانا حالی سید صاحب کی مخالفت میں دوسروں  
کے ساتھ شریک تھے۔ اور ان دنوں کالج کی اصلاح کے متعلق جو سلسلہ مضامین اخبارات میں نکلنے کو  
تھا۔ مولانا حالی کا نام بھی ان میں جڑتا۔ لیکن حیات جاوید میں جو پاس ادب ملحوظ ہے۔ وہ مشرقی عقیدت  
اور خاطر واری کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ ع

نام نیک رنگاں ضائع کئے تباہاندا نام نیکت برقرار

ایک لحاظ سے یہی قابلِ داد ہے!!

سید صاحب نے انڈین نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کو من حیث القوم الگ رکھا۔ گویا ”در حقیقت انہوں نے (سید صاحب نے) مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ایک غاردار جھڑی میں چو شایہ اور لوں کے لئے دھت باردار ہو۔ ان کا دامن الجھنے نہیں دیا۔ اگرچہ آج بھی اسلامی سیاست کا رجحان ادھر ہی ہے۔ لیکن اب ہوا کا رخ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور حالات میں اس قدر انقلاب آ گیا ہے کہ سید صاحب کی رائے پر دیر تک قائم رہنا ممکن ہے بضر ثبات ہو۔ کیونکہ اب تو ”اسیرانِ قفس“ نے ”بہ نخل خانہ صیاد آشیان بستند“ کے مصداق حکومت کے مندر پر قدم رکھ دیا ہے +

مولانا حالی پر اس خاص معاملہ میں بھی بطور سوانح نگار ہم راہیہ اعتراض ہے۔ کہ انہوں نے سید صاحب کی اس رائے کے لئے اپنی طرف سے جو تاویلات پیش کی ہیں یہ کام ان کے فرائض سے خارج تھا +

اس تمام بحث کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی یہ لائف اگرچہ مفصل اور تمام حالات کی جامع لکھی ہے۔ اور کسی نہ کسی جگہ دینی زبان سے ان کے طرزِ عمل اور رائے کی مخالفت بھی کی ہے۔ لیکن ہے ”ہمدردانہ“۔ بلکہ ”بے حد ہمدردانہ“ اور بعض جگہ سنی تاویل کی وجہ سے واقعی ”دلیلِ مداحی“ معلوم ہوتی ہے +

یہ صحیح ہے۔ کہ تنقید ”کامیابی قطع و برید اور تنقیص نہیں۔ بلکہ ”ہمدردانہ تبصرہ“ لیکن ”ہمدردانہ“ سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہم موضوع ”کو اس کے ماحول اور خاص حالات سے مجبور پاکر اس کی مشکلات پر ہمدردی سے نظر ڈالیں۔ اور اس کے نقطہ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ نہ یہ کہ وہ نقایص جو ظلم طور پر نمایاں ہوں۔ اور ان میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ان کی بھی تاویل کریں۔ سید محمود صاحب کے حق میں سید صاحب کی مسامحت اور مولانا حالی کی اس کے متعلق تاویل بلکہ خاموشی ناقابلِ دگر ہے + مولانا نے حیات جاوید کے باب ”ریفارمیشن“ میں سید صاحب کے مصلح، مجدد و یارِ فارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وقایع نگاری نہیں۔ بلکہ وکالت ہے (ص ۳۸۲-۳۸۶)

اسی محبت کے جوش میں فرماتے ہیں۔ "علمائے سلف میں سے کسی شخص نے عام اصلاح کا ارادہ نہیں کیا" (ص ۳۷۷) حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ اس کی تردید کر رہی ہے +

مسلمانوں کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق جو مخالفت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ مسلمان "ابتدائے اشاعت اسلام سے جس ملک میں گئے۔ اور جہاں جا کر رہے مستثنیٰ صورتوں کے سوا کبھی ان کو غیر ملک اور غیر قوم کی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی" (ص ۲۶۶) آپ فرماتے ہیں۔ کہ "وہ طبعی مناسبت جو تیرہ سو برس سے ان میں متواتر چلی آتی تھی۔ ایک اجنبی زبان کو سیکھنے کی ان کو اجازت نہ دیتی تھی"۔ (ص ۲۶۷) حالانکہ ایران، ہندوستان اور چین کی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مسلمان جہاں گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد ملک کی دیسی زبانوں کو اپنایا۔ اور ان میں وسیع لٹریچر پیدا کیا۔ ہاں اس کلیہ کے کچھ مستثنیات بھی ہیں + ہم حیات جاوید کے معنوی محاسن و نقائص کے موازنہ سے فارغ ہو چکے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے۔ کہ اس تصنیف کی ظاہری خصوصیات کیا ہیں؟ اور یہ کہاں تک ایک ادبی تصنیف قرار دی جاسکتی ہے؟ یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ یورپ میں رجس کی ہم اعلیٰ نایا علماً تقلید کرنے ہیں۔ خواہ اقرار باللسان نہ ہو، بیگانہ لسانی کا موجودہ رجحان یہ ہے کہ باگرائی کی خوبی میں form کا بہت زیادہ حصہ نہیں۔ بلکہ اصل چیز جو ضروریات میں سے ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ موضوع کی واقعی اور حقیقی تصویر کھینچی جائے۔ اور اس میں صداقت کا پورا خیال رکھا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی انا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ موضوع کی ہو بہو تصویر بنانے کے لئے ہر حال قلم، الفاظ اور ترتیب الفاظ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے۔ کہ تصنیف کو ایک ادبی شاہکار بنانے کے لئے واقفیت اور صداقت کا خون نہیں ہونا چاہیئے +

اسی خیال کے ماتحت ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ حیات جاوید کی ظاہری خصوصیات یعنی ترتیب مضامین، اسلوب بیان، اور زبان کا سرسری جائزہ لیں۔ اگرچہ یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق اردو ادب کے مروجین بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں ہمارے لئے ان کی خوشہ چینی شاید چنداں

معیوب نہ سمجھی جائے ؟

حیات جاوید ایک طویل اور ضخیم تالیف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ ضخامت اُس حد سے بڑے ہوئے جوش عقیدت کے سبب ہو جس کا ذکر گذشتہ سطور میں آچکے۔ ہم مصنف کے ممنون ہیں کہ ان کی مساعی سے سرسید کی طویل اور پُر اوقات زندگی کے مفصل حالات ہمیں مل گئے ہیں۔ جو مواقع پوجہ معاصر ہونے کے انہیں حاصل تھے۔ یا جو نظر ان کی اس زمانے کی تاریخ، ماحول۔ اور علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کے متعلق تھی۔ وہ کسی بعد میں آنے والے کو قدرتا حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اندرین حالات یہ مبارک بات ہوئی۔ کہ سید صاحب کی لائف کا بیش بہا ذخیرہ ہمارے ادب میں پیدا ہو گیا ہے۔ ملک میں حالی کی ذات اور ان کے کارناموں کے متعلق جو غفلت اور دلچسپی نشوونما پا رہی ہے۔ کیا ہم اس سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں۔ کہ کوئی فاضل حیات جاوید کا ملخص تیار کرتے ہوئے اُردو ادب میں قیمتی اضافہ کریں گے جس سے سرسید اور مولانا حالی کی ارواح پُرج کرتے ہوئے کو سرت حاصل ہوگی۔ اور ملک اور ادب پر احسان ہوگا ؟

حیات جاوید کے مطالعہ سے باوجود اس کی ضخامت اور طویل الذیل ہونے کے ایک طرح کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اس سے سید صاحب کی لائف کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ لیکن اس بات کا کچھ جواب نہیں۔ کہ بعض اوقات بے لمبے اور پے در پے اقتباسات بار خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین کو سمیٹا جاتا۔ تو شاید زیادہ دلکشی پیدا ہو جاتی ؟

کتاب سہولت کے خیال سے دھموں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں سید صاحب کی زندگی کے واقعات اور کارنامے (علمی۔ مذہبی۔ سیاسی) گنائے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں انہی کارناموں پر مفصل تبصرے ہیں۔ اس ترتیب اور تقسیم سے تکرار اور طول پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی ضخامت کو بڑا بنانے والا ایک عنصر ہے۔ اصولاً تو اس تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن باگرافی میں ادبی، سیاسی، اور علمی تنقید کا عنصر ضرورت سے زیادہ داخل ہو گیا ہے (جو بجائے خود



بہت قابل قدر ہے) \*

اسلوب بیان کی خصوصیات وہی ہیں۔ جو ایک لمبی کتاب کے لئے ضروری ہیں۔ فقرے سادہ لیکن طویل، بیان منطقیانہ اور مدلل، تحریر سے صداقت، خلوص، ہمدردی، اور یک رنگی ظاہر ہو رہی ہے، ہر ہر پیرا گراف سے مولانا حالی کی شخصیت جلوہ گر ہو رہی ہے مصنف کو اپنے ”ہیرو“ کے متعلق جو گہری واقفیت ہے۔ اس کا راز ہر ہر سطر سے آشکارا ہوتا ہے۔ اس لئے بعض بعض بیانات میں مصنف کا اضطراب تفصیل اور جامعیت کے لئے چھلک رہا ہے \*

کتاب میں سید صاحب کی علمی، ادبی، سیاسی، اور مذہبی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ اور اس سلسلے میں کئی موقعوں پر خالص فنی اور اصطلاحی بحث و تحقیق کی ضرورت پڑی ہے لیکن بلا خوف و تردد کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے عام اسلوب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہی سادگی، وہی پاکیزگی، وہی متانت قائم رکھتے ہیں۔ تفسیر القرآن کے متعلق جو تنقید و تبصرہ ہے۔ اس میں خالص دینی اصطلاحات کا آنا ناگزیر ہے۔ لیکن کوشش یہی ہے کہ جو لکھا جا رہا ہے آسانی سے سمجھا جائے \* مولانا کی علمی اور پبلک زندگی کی سب سے بڑی شان یہ ہے کہ ان میں ”خود پسندی“ بالکل نہیں۔ سرسید کی لائف میں جن کے ساتھ عمر کا بہت سا حصہ انہوں نے بسر کیا۔ اس بات کے بیشمار مواقع تھے کہ وہ سید صاحب کے کارناموں کے ضمن میں اپنی شہرت، علمیت اور بڑائی کا تصور بھی چھوکیں۔ لیکن سوائے چند شان و مقامات کے ان کا اپنا ذکر اس ضخیم کتاب میں کہیں نہ ملے گا \*

اس خوبی کے ساتھ ایک وصف یہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے کہ انہوں نے طعن و تعریض سے اکثر احتراز کیا ہے، مولانا حالی نے حیات جاوید میں مولانا شبلی کے سارے مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم پر چوالہزار رائے کیا ہے اس میں نارنگی یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں لیکن یہی مولانا شبلی ہیں جنہوں نے حالی کی حیات جاوید کے متعلق جو شدید تنقید چینی کی ہے۔ اس کا بول و لہجہ درستی کی طرف مائل ہے۔ مقالات میں امام ابن تیمیہ کے ذکر میں مجاہد کے اوصاف و شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”لیکن آج کل صرت یورپ کی تعلید کافی ہے۔“ (ص ۳۶۸) مولانا حالی نے سید صاحب کے مجاہد یا رفیاء ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ یہ اس پر چوٹ ہے۔ اس قسم کی

لے اس بحث کے لئے مشورۃً اشپارہ از مدح جن کا تفسیر ثعلبی حالی کی معاصرانہ چھٹک ملاحظہ ہو \*

تدقیقیں مالی کی تحریروں میں بہت کم پائی جائیں گی :

کہا جاتا ہے کہ مولانا حالی اپنے اسلوب بیان میں سرسید کے متقلد تھے۔ اور غالباً یہ زیادہ غلط نہیں، سید صاحب کی تحریروں میں عالمانہ صفائی نہیں تھی۔ مولانا حالی کی تحریروں میں علمیت کی شان نظر آتی ہے، ہاں سید صاحب کی طرح الفاظ کی تراش تراش و تشبیہ و استعارہ کے تکلفات، شاعری اور خیال آرائی، بات کم اور عبارت طویل و غلیظ تھی اور جادو و طرازی، ان کی کتابوں میں نہ ملے گی۔ نظم و نثر دونوں میں انہوں نے اپنے اس شعرِ عمل کیا ہے :

صنعت پر ہر فریقہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئو اپنی نہ باز تو

حیات جاوید میں مولانا کا طرزِ تحریر شرمی ہے۔ مثلاً ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی تشریح اور توجیہ کے لئے بہت سا وقت صرف فرماتے ہیں جس سے ان کی یہ کتاب تبلیغی بن گئی ہے لیکن یہ نقص شاید صرف حیات جاوید میں پایا جاتا ہے، اس معاملے میں حیات سعدی اور یادگار اور مقدمہ شعر و شاعری بے عیب ہیں۔ کیونکہ وہاں ”ہیر و کی صفائی پیش کرنے کے لئے انہیں اتنی بے فزاری نہیں :

موجودہ تصنیف میں ایک خاص بات بہت نمایاں ہے (اور شاید دوسری تصانیف بھی کسی حد تک اس میں شریک ہیں) اور وہ یہ ہے کہ بعض جگہ بے موقع و عطف و نصیحت شروع کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو حسن اخلاق اور ہمدردی قوم پر ابھارتے ہیں جس سے یہ سوانح عمری ”یادگاری“ اور تبلیغی بن جاتی ہے لیکن یہ چیز اس زمانے کے ماحول اور کتاب کے مقصد کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس عہد کے اکثر مصنف اسی طریقِ عمل کے پابند ہیں :

مالی میں ”جوش بیان“ کی کمی ہے۔ سید صاحب کو ۱۸۵۷ء کے ماحول میں دکھاتے ہیں۔ لیکن تمام واقعات کا ذکر اس سکون سے کر رہے ہیں گویا کہ وہ ایک قوم کا خفیت سا اضطراب تھا جس کا مورِ شخصیت کی سوانح کے لئے وہ حیات جاوید جیسی کتاب لکھتے ہیں۔ اس کی وفات کی تقریب پر صرف معاصرین کے مرثی اور اقامتی تقریروں اور تحریروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور زبانِ قلم مارے شدتِ غم کے بعض رسمی الفاظ سے آگے نہیں بڑھتی :

گذشتہ سطور میں سائل کی جن کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے لئے مستثنیات تلاش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہر کلیہ کے لئے مستثنیٰ اکابر ہونا ضروری ہے :

(ترجمہ)

## ادبیاتِ ایران

ایران فی الحال جاوہ ترقی ادبیات میں اکثر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ دوسرے ممالک میں موردِ ہور سے ادبیات نے تنوع پیدا کر لیا ہے اور اسی پر تنوع سے تمامی طبقات ملت کی روحوں کو اپنا سحر کر لیا ہے۔ اور ہر مرد و عورت۔ طفل و جوان و پیر اور امیر و غریب سب کو غائب پڑھنے پر بنا دیا ہے۔ جو باعث ترقی معنوی افراد قوم ہو گیا۔ لیکن ایرانی بدبختی سے جاوہ اسلامت سے قدم باہر رکھنے کو مایہ تخریب ادب جانتے ہیں۔ اور عموماً وہی جو ہر استبدادی سیاسی ایرانی جو دنیا میں مشہور ہے۔ دربارہ ادبیات بھی دکھایا جاتا ہے چنانچہ جب کوئی لکھنے والا قدم اٹھاتا ہے۔ تو اس کی نظر صرف گروہ ادبا و فضلا پر منحصر رہتی ہے۔ اور ادنیٰ توجہ بھی دوسرے گروہ کی طرف نہیں دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اورادہ و بے تکلف عبارات لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی پیش نظر نہیں ہوتے۔ مختصر یہ کہ ڈیڑھ کرسی ادبی کے پاس تک نہیں پہنچتے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ مسئلہ مخصوص ایران اسی سلطنت کے لئے کہ جہاں کی جہالت و عدم اعتناء ہر طرح کی ترقی گروہ مردم کے لئے مانع ہے بہت زیادہ سرمایہ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو علم و دانش سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اور سالک ممالک متعاقب رہ کر راہ کسب قوت و غذا و حی میں منہمک ہیں۔ لیکن وہ اشخاص کہ لغواء ہمہ کلا فہام بل ہمہ اضل میں شامل ہیں۔ اگر کوئی ان کی فکر نہ لے اور ان کی پرواہ نہ کرے۔ تو یہ ناقیام قیامت جہل و ولت و ناداری میں حیران و سرگردان رہیں گے۔

اکثر ممالک متہذبنہ میں اسی قسم کے خیالات باعث تاسیس تعلیم عمومی جبری ہوئے ہیں۔ یعنی ارباب علم و بنیش و فضل و کمال کو یہ منظور ہوا۔ کہ عوام بھی مراتب علم و معرفت سے بہرہ و یاب ہوں

اگر ایسا نہ ہو۔ اور اہل فضل یہ خیال کریں کہ آخر کار خود عوام خود ہیائے علم کو سمجھ کے اس کے کسب تحصیل کے درپے ہوں گے۔ اور کسی پر لازم نہیں ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ان کی اصلاح میں صرف کرے۔ ہرگز ایسا نہیں کہ عوام اپنے آپ اس قسم کے خیالات میں پڑیں۔ اگر یہ ادعا مبنی بحقیقت ہوتا تو اب تک ایرانی کتب کے باسوا دو ہو گئے ہوتے۔ بجائے اس کے کہ تقریباً دو فیصدی بھی پڑھے لکھے نہیں ہیں کم سے کم ایک تہائی یا چوتھائی قوم ایرانی پڑھی لکھی ہوتی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ہمارے مہوطن اشخاص اعیان و زرگان و تجار میں سے جنہیں ہر طرح کے اسباب حاصل ہیں پھر بھی اب تک ایک شخص ایسا نہیں کہ ایک مہینہ بھی اپنے اوقات کا تحصیل نوشت و خواندہ میں صرف کرے اور کورسواد سی ہی بہم پہنچالے ۴

خلاصہ یہ کہ ہمارے ملک میں ارباب قلم وقت تحریر عواماً عوام سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ اور اسی انشاء غامض اور عوام نفہم کا نتیجہ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ممالک متقدمہ کی یونیورسٹیوں میں کہ جن کے سر رشته ترقی ہاتھ لگ گیا ہے انشاء سادہ و سبے تکلف اور عوام نفہم ہی کو تمام اقسام انشاء پر اختیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس ملک کے لوگ مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اور انشاء شکل کے سمجھنے میں چندال عاجز نہیں۔ پھر بھی انشاء سادہ ان کے نزدیک مستحسن اور ممدوح ہے۔ اور لکھنے والے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہی زبان رائج اور معمولی جسے لوگ کوچہ بازار میں بولتے ہیں۔ اسی کو تعبیرات و اصطلاحات متداولہ کے ساتھ لباس ادبی میں لایا جائے اور نکات صنعتی سے آراستہ کر کے تحریر میں لایا جائے۔ حتیٰ کہ علمائے متبحر بھی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اپنی تصنیفات اور تحریرات کو جہاں تک ہو سکے زبان سادہ میں لکھیں۔ علاوہ ازیں مشیر علماء مطائب کے سمجھنے میں علمی حقائق کو پیرایہ حکایت میں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ عالم و منجم مشہور فلک مار یون فرانسیسی کہ زمانہ موجودہ کے مشہور ترین علماء میں سے ہے بہت سے مسائل مہم علم ہیئت و نجوم و ریاضی کو بطور افسانہ و ناول بیان کرتا ہے۔ اور یہ ناول فی الحال اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔ اور دنیا ان سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہی ہے

حالانکہ اگر وہ چاہتا تو صرف اپنے ہمسر علماء و فضلا کو طرف خطاب قرار دیتا اس صورت میں اس کا وقت کم صرف ہوتا۔ لیکن اس کی صدا ان چند علماء کے کان تک پہنچتی جن کو مخصوصاً ہیئت و نجوم سے تعلق خاطر ہے۔ حالانکہ اس وقت اس کی آواز تمام دنیا میں گونج رہی ہے۔ اور کروڑوں بنی نوع انسانی کی جانیں اسرار طبعی اور ادراک حسن بے نہایت آفریش سے آشنا ہو کر لذت پال ہو رہی ہیں \*

جب کسی کی توجہ ادبیات عالیہ فرنگستان پر ہو تو ممکن ہے کہ نظر اولیٰ میں کثرت افسانہ کو جو فی الحال رکن اعظم ادبیات فرنگستان ہے۔ اس بات پر محمول کرے کہ ادبیات فرنگستان خرابی و نقصان کی طرف جارہے ہیں۔ در صورتیکہ بے شک و شبہ کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں ترقی ادبی جواب فرنگستان میں ہے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زندگانی اہل فرنگ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ امر بہت واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب بھی مثل چھری۔ کانا۔ جراب اور رومال کے ان کے لوازمِ حیات سے ہو گئی ہے۔ بے شک اس کا عمدہ سبب انشاء کا صورت افسانہ و حکایت میں آجائے \*

افسانہ سے علاوہ منافع مذکورہ کے دوسرے اہم فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ و حقیقت ان لوگوں کے لئے جنہیں کسب معاش میں روزانہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے وقت فرصت انشاء رومانی مدرسہ کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ مدرسہ میں جا کر ان معلومات کی تکمیل نہیں کر سکتے جو فی الحال روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اور نہ ان کا دماغ ہی اتنا ہوتا ہے کہ علمی اور فلسفی کتابوں کا مطالعہ کر کے معرفت حاصل کریں۔ مگر افسانہ زبان شیریں اور طرز دلکش و لذت بخش سے بہت سے لازم اور مفید معلومات ہم کو سکھاتا ہے۔ جس سے دماغ اور جان کو تازگی اور فرحت و نشاط حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ معلومات تاریخی یا علمی ہوں یا فلسفی و اخلاقی \*

علاوہ اس کے ایک قوم کے لوگ جو اختلافات مثل و کار و معاشرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے حالات خیالات حتیٰ کہ جبرئیات نشست و برخاست سے بھی ناواقف ہوتے ہیں افسانہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف اور ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شہری نہیں

جانتا کہ دیہات میں دلہن دلوہا کے گھر کس طرح جاتی ہے۔ اور وہ یہاں کی کنیں معلوم کہ شہر کی عورتیں دن کیسے بسر کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ شہر کے فقراء اسی شہر کے اغنیاء کے کاروبار سے اور اس کے برعکس متمول اور بڑے لوگ احمقوں اور نادانوں کی زندگی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہمارے ایران میں بڑے بڑے شہروں کے رہنے والوں کے کان تک ایک دوسرے کے اوضاع و اخلاق و عادات کے حالات نہیں پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہوسکتا ہے کہ باشندگان قوچان نہ جانتے ہوں کہ طہران میں بقرعید کیونکر ہوتی ہے۔ اور باتوں کا قیاس اسی پر کر لو۔ افسانہ ایک قوم کے گروہ ہلے مختلفہ کو ایک دوسرے سے آگاہ اور آشنا بنادیتا ہے۔ شہری کو دیہاتی سے۔ ملازم حکومت کو تاجر سے۔ کروڑ کو بلوچی سے۔ قشقائی کو گلیک سے۔ پابند شریعت کو صوفی سے۔ صوفی کو زردشتی (آتش پرست) سے۔ زردشتی کو بابی سے۔ طلبہ کو پہلوانوں سے۔ کپہری والے کو بازار سے۔ نزدیک کر کے ہزاروں اختلافات مغائرت تعصب آمیز کو جو بوجہ جہالت و نادانی و عدم آشنائی ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہوئے ہیں دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تمام اقوام و ممالک کے حالات تمدنی و اندرونی و روحانی سے واقف اور خبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اور کتب تاریخی نہیں پڑھنا چاہتے ہیں کہ جو صرف زندگی سیاسی و فوجی ایک ملک و قوم کی اور وہ بھی بطور ناقص و ناکافی بتاتی ہیں، ترجمان و مٹھن ہونا چاہیں کوئی طریقہ اس ملک و ملت کے حالات معلوم کرنے کا اس ملک کے افسانہ پڑھنے سے بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ فی الحال مثلاً کوئی خان کر و کسی دیگر گروہ میں وسط کردستان میں رہتا ہے۔ افسانہ کے وسیلے سے بہت کچھ جزئیات معاشرت و رسوم اہل آس لینڈ سے واقف ہو سکتا ہے۔ جو دنیا کے سب پر وسط بحر اوقیانوس میں واقع ہے اور ممکن ہے کہ اب تک وہاں کسی ایرانی کا قدم نہ پہنچا ہو۔ اور اسی طرح اس کے برعکس :

کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم و ملت کے حالات اخلاقی اور خضائل مخصوصہ کے دکھانے کے لئے افسانہ سے بہتر کوئی اُمیہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دوزیٹھ کے ملت روسیہ کے سچا پن کے لئے تولستوئی اور دوستو بوسکی کی کتابوں کے پڑھنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ اسی طرح

اگر ایک شخص ایرانیوں کو جاننا چاہے تو سوری کی کتاب حاجی بابا اور جنگ ترکمان اور قنبر علی مصنف کاؤنٹ کو مینوس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی \*

چونکہ انسان عموماً افسانہ ایسی چیزوں کے پڑھنے کی طرف راغب اور ذائقہ مند ہے۔ لہذا اس کے وسیلہ سے ہر طرح کی سیاسی یا علاوہ سیاسی تبلیغ (پروپگنڈا) کی جاسکتی ہے۔ اگر الجزائر میں سنکوچ لستانی ایسے ماہر مصنف ہوتے کہ ان کے افسانے یورپ اور امریکہ میں مشہور ہوتے تو ہر ایک افسانہ سونو فوجوں اور بہت سے فصیح و بلیغ لکچروں کا کام دیتا جس طرح سنکوچ کے واماؤں نے لوگوں کی محبت و شفقت کو اس سلطنت اور قوم کی طرف جذب اور مائل کیا۔ اور عام اہل دنیا کی فکر کو ان کا عین مددگار بنا دیا \*

سب سے بڑھ کے فائدہ افسانہ اور انشاء رومانی کا یہ ہے جو ایک قوم اور سلطنت کی زبان کو عاید ہوتا ہے۔ فقط انشاء رومانی ہی ہے جو خواہ بیکل کتاب یا ٹیلیٹر یا اخبار یا واقع استعمال کلمات و محاورات و ضرب الامثال و ترکیب کلام مختلف و لہجہ مانے گونا گوں پیدا کرنا ہے۔ حتیٰ کہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ملت کے مختلف طبقات کی گفتار کا اگر امون ہے۔ حالانکہ انشاء قدیمی (کلاسیک) اور علمی اس خدمت سے عمدہ برا نہیں ہو سکتا ہے۔ اور شاید نواداران کلمات کے استعمال کا موقع پیدا کر سکتا ہے۔ جو اس کی دستگاہ سے باہر ہیں۔ مثلاً کم اتفاق واقع ہوتا ہے کہ ایک قصیدہ یا غزل گو شاعر کہ یہ دونوں صنف کلام ایران میں مرغوب تر ہیں عید نوروز کے موقع پر یا دربارہ شکار ایسی نظم لکھے کہ جس میں نوروز اور شکار کے تمام کلمات و اصطلاحات و تعبیرات وغیرہ جو شکار اور نوروز کے مناسب ہیں کسی قصیدہ یا نظم میں صرف کرے۔ اگر ایسا اورو بھی کرے تو مجبوراً بہت سے کلمات اور تعبیرات اہم سے اسے صرف نظر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بعض کلمات سنائی وزن شعر ہوں گے اور بعض فصاحت قصیدہ سے خارج \*

یہ دائرہ کلمات و تعبیرات کے محدود ہونے ہی کا سبب ہے کہ اغیار جو فارسی کو کتابیں پڑھ کے حاصل کرتے ہیں باوجودیکہ اس سہل زبان کی تحصیل میں ایک مدت و راز صرف کر دیتے ہیں

پھر بھی جب ہم سے فارسی بولتے ہیں۔ تو ہم ایرانیوں کو ان کی فارسی پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے مثلاً عثمانی کہ تعلیم و تعلم زبان فارسی ان کے ملازم میں لازمی ہے۔ انہیں چند الفاظ دوست اور معشوقہ کے لئے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے یار۔ دلدار۔ جاناں۔ دلبر۔ نگار وغیرہ۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ یاد نشا چٹے سے آگ جان میں لگاتا ہے۔ یا اس کی ضرب دست چہرہ قریب گستاخ پر چمک اڑ کشیدہ (تختہ) کلماتی ہے ۛ

میں خود ایک عثمانی ترک سے ملا جس کو ہزار ہا اشعار دیوان شعراء ایران کے زبانی یاد تھے باوجود اس کے ہم مجبور ہوئے کہ اپنے سادہ مطالب کو فرانسیسی میں ایک دوسرے سے ادا کئے کیونکہ اس کی فارسی ہم اور ہماری فارسی وہ کمتر سمجھتا تھا۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ ایسی کتابیں جو زبان حال رائج میں لکھی گئی ہوں ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ جن سے وہ فارسی سیکھیں۔ اور ہمارے انشا پر از عمدہ اپنی کسر نشان سمجھتے ہیں کہ نثر میں لکھیں۔ اور اگر نثر لکھنا بھی چاہتے ہیں تو طرزِ نثرِ ریختن سے قدم باہر نہیں رکھتے ۛ

باربیر دو مینار مشہور شرق فرانسیسی تمثیلات میرزا فتح علی آخوند کے ترجمہ کے مقدمہ میں کسی ایسی کتاب کے نہ ہونے کے بارہ میں جو زبان فارسی معمولی میں لکھی گئی ہو۔ اور یوروپین طالب علموں کو فارسی سیکھنے میں کام آئے لکھتے ہیں ۛ

خود اہل مشرق سے درخواست کرنا چاہیے کہ ایک نمونہ اور شرق اپنی زبان رائج کا ہمارے لئے متیار کریں لیکن قید تہی سے اس قسم کی کتابیں خود ان کے پاس کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اور ایسے شخص کے لئے جو قواعد اور ذوق ادبی عالم اسلام سے آشنا ہے۔ یہ کمی نثر زبان رائج کی کسی طرح سہل و سہل نہیں ہے۔ چونکہ عالم اسلام میں اگر کوئی شخص بولنے کے موافق کوئی کتاب یا اخبار لکھنا چاہے۔ تو اس میں وہ اپنی کسر نشان اور توہین اور آمیزش در قدسات اور حکم خیانت و زلم معافی و بیان سمجھتا ہے اور ایسی سخی لغو اور باطل بہوتی ہے۔ کیونکہ موجب لعن و لعن ہوتا ہے ۛ

تعجب اس بات کا ہے کہ تمام اس غمدا خضر میں ہمیشہ مصنفین جیسے حسن علی خان امیر نظام



ومیرزا ابوالقاسم قائم مقام ومیرزا عبدالوہاب نشاۃ جوصاف اور ساوہ لکھنا کرتے تھے اور متقدمین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ موروثی بن عام ہوئے اور ان کے مصنفات میں سے جو ہاتھ آیا مستعد و بار چھپ چکا ہے۔ پھر بھی ہمارے ادیب اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہوتا۔

المختصر ہم نے جو یہ کہا کہ انشاء حکایتی استعمال کلمات کے لئے بہترین انشاء ہے ظاہر ہے کہ جب کلمات اور لغات رائج کسی جگہ محفوظ ہو جائیں گے اور ان کے محل استعمال معین اور واضح ہونگے تو کسی وقت میں اور تعبیرات قدیم و درمیان سے اُٹھ جائیں گے اور ان کی جگہ نئے کلمات اور تعبیرات لے لیں گے اور کتاب ہائے افسانہ و قصہ بہترین خزانہ ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ زبان کے لئے کتب لغات و فرہنگ سے بھی بہتر ہونگے۔ کیونکہ لغات چلے کتنا ہی مفصل اور شرح ہوں۔ پھر بھی محل استعمال لغات و اصطلاحات جیسا کہ چاہیئے معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ افسانہ برعکس لغات کماحقہ اس امر سے عمدہ برآ ہوتا ہے۔

علامہ اس کے بہت سے کلمات و تعبیرات و اصطلاحات و اشارات لسانی ایسے بھی ہیں جو ہرگز کتب لغات میں نہیں آسکتے۔ جیسے کہ وہ کلمات جو عموماً مشہدی اور اوہانوں میں معمول ہیں۔

(باقی دارد)

شادال

# راسا اور ابوالفضل

پرنٹ موزن لال وشنو لال پنڈیا اپنے مضمون میں جس کا خلاصہ ہم اپنی پہلی قسط میں درج کر آئے ہیں لکھتے ہیں کہ 'چند چند و درن مہیا' میں جو ستمبر ۱۹۲۹ء تک مطابق سنہ ۹۸۰ھ کی تالیف ہے۔ مذکور ہے کہ ستمبر ۱۹۲۹ء تک میں جلال الدین اکبر بادشاہ نے پرمختی راج راسوا اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے سنی تھی،

یہ بیان اگر صحیح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ راسا جلال الدین اکبر کے عہد میں موجود تھا لیکن جو تاریخ پندت جی دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس تاریخ میں ایک یا دو دہائی کافرق ہونے کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ ہندو بیات میں اکبر کا شغف اس عہد سے بعد کا قصہ ہے۔ بعض وجوہ ہمارے پاس ایسے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ راسا اکبر کے عہد میں موجود تھا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں وجود میں آیا ہو۔ ابوالفضل کے بعض بیانات سے جن کی تفصیل ذیل میں آئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راسا کے بعض مطالب سے اتفاق ہے۔ لیکن یا تو راسا اس کی موجودہ شکل میں اس کے پاس نہیں ہے یا کوئی اور تالیف جس کے مضامین راسا سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر بعض امور میں متناقض اس کے سامنے ہے۔ ابوالفضل مسلمانی تاریخ کے ان بیانات سے جو شہاب الدین کے عہد میں مفصل ملتے ہیں اعراض کر کے ہندی آفاذ کی سند پر کتا ہے کہ پرمختی راج نے شہاب الدین کو سات مرتبہ شکست دی اور آٹھویں مرتبہ اس سے مغلوب ہوا۔ چنانچہ :-

"ہندی نامہ بر گویہ مفت بار (بہ) سلطان پیکا ر راست و شکست داد۔ پانصد و ہشتاد و شہت ہجری نزدیک تھانیہ سترم بار و دربر و گرنار شد (۵۳۱ھ)۔ آئین اکبری مرتبہ بلاکین) سلطان سے پہلے (بہ) میرا اضافہ ہے۔ جو قلمی نسخہ کی سند پر کیا گیا ہے،

یہ بیان یقیناً راسا کے بیانات کے مخالف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے تیس سے زیادہ مرتبہ پرمتی راج سے شکست کھائی۔ پکڑا گیا اور زبردیہ دے کر رہا ہوا۔ ابو الفضل کا بیان ممکن ہے کہ ہمیر ہما کاویہ سے ماخوذ ہو جو کہا جاتا ہے سمت ابکرمی کی تالیف ہے۔ اس کے بعد ابو الفضل گویا ہے:-

”راجہ راصد گونا مور ملازم بود۔ ہر کیے راسانت گفتمے رنگفت کاری اینان در کا لبد گفتم ونگجد و عادت و خرو نپذیرد“۔ یہ اشارہ ہے ان سامنتوں کے ان مبالغہ آمیز اوصاف کی طرف جو راسا میں ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ مثلاً سات آدمی باری باری رکار شام تک سات ہزار آدمی قتل کرتے ہیں۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔ ایک ہی فتر میں ہاتھی کی سونڈ اڑ جاتی ہے۔ ان سامنتوں کے سر اگرچہ تن سے جدا ہو جاتے ہیں لیکن دھڑ بھرتو جنگ میں مصروف رہتا ہے اور شکل تمام ٹھنڈا پڑتا ہے۔ اسی لئے ابو الفضل کہتا ہے کہ ان قصوں کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مگر قرین عقل مسلمان تاریخ کے بیان کو ٹھکرا کر ہندو بیان کو ترجیح دینا اور پھر عقل کا سوال اٹھانا ہمارے نزدیک ابو الفضل کی زیادتی ہے۔

ابکرمیہ زبردست مؤرخ راسا کے اس مشہور قصہ سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے۔ جس میں بے چند والی قنوج راجہ جوبگ منانا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بے چند اس تقریب کے موقعہ پر تمام راجاؤں کو دعوت دیتا ہے۔ سب آتے ہیں مگر پرمتی راج شرکت سے انکار کرتا ہے۔ بے چند اس کا غصہ لیا کر اگر بطور دربان گھڑا کر دیتا ہے۔ پرمتی راج اس توہین پر تڑپا ہوا کہ پانسو گھڑ پھروں کے ساتھ الیغار کرتا ہوا قنوج پہنچ کر اپنا بت اٹھالے جاتا ہے۔ چند کی لڑکی یہ خبر سن کر پرمتی راج پرناویدہ عاشق ہو جاتی ہے۔ باپ کو پتہ لگتا ہے۔ وہ گھر سے نکال دیتا ہے۔ پرمتی راج کو ان باتوں کی خبر لگتی ہے۔ وہ چاند امباٹ کو بے چند کے دربار میں جانے کے واسطے آگاہ کر کے خود معہ اپنے سامنتوں کے صحابہ بدل کر ملازم کی حیثیت سے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور موقعہ پا کر قنوج کی شہزادی کو لے کر نکلتا ہے۔ پرمتی راج کے وہ سامنت مختلف

ہروپوں میں اس کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک ایک سامنت جے چند کی فوجوں کا مقابلہ کرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے گوندرا کی گملوت سدراہ ہوا اور بڑے معرکے انجام دے کر مارا گیا اس نے سات ہزار آدمی مارے۔ اس کے بعد رنگھ دیوا اور چاندا اور پنڈیر اور ساروہول سولکی اور پالمن دیو کچواہر مع دو بھائیوں کے عجیب و غریب کارہای نمایاں سر کر کے راہی عدم ہوئے۔ علیٰ ہذا باقی سامنتوں پر گزری۔ اور سب کے سب راہ میں کام آئے اور راجہ جے چند ابعاط اور دو بھائیوں کے اپنی نئی رانی کو لے کر دلی پہنچ گیا۔ ابوالفضل کی اصل عبارت ذیل میں درج ہے۔

"چنان برگزارد راجہ جے چند را مٹور فرماں روا می ہندوستان و دکن و ج داوگری کردی و دیگر راجہاں تختہ نیایش بدو نمودی و از فراخی شرب بسیاری ایرانی و تورانی پرستار بودی یہ اشارہ ہے مسلمان فوجوں کی طرف جو جے چند کے ہاں ملازم بنائی جاتی ہیں، سنگاٹش جگ راجہو فریش گرفت و در سر انجام آن شد و ناگزیران او آنست کہ راجہاں خدمت گری قیام نہایت ایک شونی و آتش فروزی بدینا باز گردد۔ و نیز دران آئین گزین دختر خود را باہمین راجہ پیوند بخشد۔ راجہ پختورا نیز سنگاٹش رفتن داشت ناگاہیکی را بر زبان رفت۔ باوجود مملکت چوہان اندیشہ راجسوار اسنراوا بنود۔ راجہ آتش حمیت را فروخت و باز ماند۔ راجہ جے چند بشکر کشی رو آورد۔ کار ویدکان و رازی کار و زوی کی ساعت گذارہ باز آورد و دند و بچارہ انجام این جشن بیکر راجہ پختورا از طلا ساختہ بدر بانی نشانند۔ راجہ ازین آگاہی برآشت و باپانصد گزیدہ مرد و بطرز ناشائساں رہ نور وید و ناگمانہ بدان ہنگامہ در پیوست۔ آن مثال را برواشت۔ فراوان مردم را جان بشکر دو بہا۔ پیمائی باز گردید۔ دختر راجہ کہ آوہ دیگرے بود از شنید داستان مرد آگاہی شیفٹہ پختورا شد و تن بدان نداو۔ پدر رنجیدہ از شبستان بیرون آورد و از برای او منزلی جداگانہ بر ساخت۔ پختورا ازین آگاہی ہر طور بد و بجاہش پیوند او برگشت و بدین قرار گرفت کہ چاندا با د فروش کہ از موسازان بایرست ہ ؛ بعنوان نیایش گری پیش جے چند رود و راجہ با برخی گزیدہ مردم بائیں ملازمان ہمراہ باشد۔ شوق اندیشہ

بکروار آورو دودھین طلسم ہوش مندی و جادوی مردانگی جو یامی آرزو مند را برگرفت و بگرفت کاری  
و تیر وستی بلک خود باز گردید و ان صدرا منت را بگوناگون لباس ہملہ داشت۔ یکمی پس از دیگری  
استادہ فوج ہارکت نخستین گوبند را ی گملوت جنگ ایستاد و کارنامہا سجا آوروہ فروشد ہفت ہزار  
کس در آویزہ اوسیلاب نیستی در شدند۔ سپس ز سنگہ دیو و چاند او پندیر و سار و حول سونکی پاپہن  
کچھو اہہ باہر و دہراد و لین روزی کی پس از دیگری ٹسگوت کارہا کردہ نقد زندگی ہمدانگی سپردند۔  
و ان را و مردمان کارزار ہمد و راہ فروشدند و راجہ با چاند باد فروش و دودہراد و عروس بدلی  
آورو و جہانی بگفت زار افتاد (۵۳) \*

میں اس تمام بیان کا راسا کے بیان سے بخوبی طالت مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ راسا  
میں جزویات اور آرائشی حصہ کی اس قدر بھرمار ہے کہ اس سے ایک سیدھا سادہ سلسل بیان  
لینا ایک داستان لکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے میں پہلے دن کی جنگ کے بعض خط و خال  
یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین ان کا فرقی خود ملاحظہ کر لیں۔ اس کے لئے راسو سار کو میں  
نے اپنا رہبر بنالیا ہے اور بے حد اختصار سے کام لیا ہے \*

”سات ہزار لمچہ فوج نے جن کے افسر میر ہمام اور میر گردان تھے سادہ تنوں پر حملہ کیا۔ ان  
کی روک مقام کے لئے گوبند را ی گملوٹ و دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لے کر آگے بڑھا اور  
دو دستہ شمشیر زنی شروع کر دی۔ اور دم بھر میں کشتوں کے پستے لگا دیئے۔ آخر میر ہمام خاں  
سے اس کا مقابلہ ہوا۔ میر نے اس پر تو مہر گر زیا نیزہ کا دھار کیا اور چاہتا تھا کہ کمان ڈال کر کھینچ  
لے۔ گویند را ی بروقت اچھل کر الگ ہو گیا اور وار خالی دیا۔ اس پر میر نے بالک کا ہاتھ مارا۔  
لیکن بجائے زیر ہونے کے۔ اپنے دشمن پر چھپا۔ میر نے ایسا نیزہ مارا کہ کلیجہ کے پار نکل گیا۔ لہجہ  
نے اس پر بھی کومت کا ہاتھ مارا۔ اتنے میں میر نے اس کا سر اڑا دیا۔ سر تو گر گیا مگر وھڑنے آفت  
مچادی۔ کٹار کے ایک ہی وار میں میر کو تومرہ صد سالہ بنا دیا اس کے بعد چار اور میروں کو موت  
کے گھاٹ اتارا۔ اتنے میں آراس (آرائش) کا زبور کلیجہ میں لگا اور گملوٹ کا تین بے سر لاش بن کر

گر پڑا۔ مسلمانی فوج اب زور باندھ کر آگے بڑھی ۛ

ادھر سے پچون راہی نے مورچہ لیا۔ اس کے مقابلہ کو پانسو مسلمان سپاہی بڑھے۔ یہ دیکھ کر کیر راہی۔ کنٹیر پر پار۔ پیپا راہی۔ پڈھیار۔ مہو باراہی چندیل۔ محبوب کچا راہی چالکت۔ اور داہیا زنگہ راہی پانچ سامنت پیدل ہو کر اس کی امداد کو آئے۔ اور حریف کو لٹکارا۔ خوب ہتیار چلا۔ گھسان کا مکر کر رہا۔ آخر میں پچون راہی کا سر کٹ کر الگ جاگرا۔ مگر دھڑنے وہ کار نہایا کیا جسے دیکھ کر دیوتا بھی عیش عیش کرنے لگے۔ اس نے دم بھر میں ساری مسلمان فوج کو تتر بتر کر دیا۔ پچون راہی کے ختم ہوتے ہوئے تیسرا بہر ختم ہو چکا تھا ۛ

اب حریف کی طرف سے باگھ راہی گھبھلا اور میر کو دغاں نے ساؤنٹوں پر پوش کی۔ اس طرف سے چند پنڈیر نے ہتیار کیا۔ اور ست ہاتھی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گیا۔ نہاروں میروں کو کاٹنا چھانتا میر کو دغاں کے مقابلہ میں آیا۔ میر نے اس کے بھال مارا۔ ادھر سے چند نے سیل مارا۔ دونوں کے دار بھر پور پڑے اور دونوں کا کام تمام ہو گیا ۛ

پنڈیر کے کھیت رہتے ہی ادھر سے کریمہ راہی نے اور ادھر سے باگھ راہی گھبھلے نے ہتیار سنبھالے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ پہلے تلواروں سے لڑے جب تلواریں ٹوٹ گئیں۔ کٹاریں پکڑیں اور وار چلے۔ اس گھسان میں پچون ہارے کا سیرن میر سے سامنا ہو گیا۔ سیرن نے پچون کے سینے میں نیزہ پھیل دیا۔ جس سے پچون راہی بے جان ہو کر زمین پر گر گیا۔ مگر گرنے کرتے حریف کے تلوار کا ہاتھ مارتا گیا ۛ

پچون راہی کو گرتا دیکھ کر زنگہ راہی داہیا سیرن کے مقابلہ میں آیا۔ سیرن نے پہلے تو اس پر بان (تیر) چلایا۔ لیکن جب وہ بان کو خاطر میں نہ لایا۔ تب اس نے تلوار کا وار کیا۔ اتنے میں زنگہ کا ہاتھ بھی چل چکا تھا۔ الغرض دونوں ڈھیر ہو گئے ۛ

کریمہ راہی کے مرنے پر اس کا سگ بھائی پلس میدان میں اترا۔ اور خوب داؤد شجاعت دے کر آخر کار ہلاک ہوا ۛ

اس کے بعد بچوں راسی کا فرزند لے سنگھ چار تلواریں باندھ کر حریف پر دوڑا کر مہرہ کے غاندان کے اور دو چار بھائی بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اس بہادر نے ایسی صفت شکنی کی کہ دشمن کی فوج نے بھی اس پر تین و آفرین کے پھول برسائے۔ اس نے جس سوار کے ہاتھ مارا زور بہتر سمیت کاٹ کر گرا دیا۔ ایک ہی ہاتھ میں کئی کئی زبردست جوانوں کی گردنیں کاٹ دیتا تھا۔ میر اور سامنت دونوں اس کی دلاوری کی داد دیتے تھے۔ زخمی بچوں راسی بھی اپنے فرزند کی بہادری دیکھ کر پھولوں نہیں سماتا تھا۔ اس کے ساتھ گھرے زخم آئے۔ تب کہیں وہ بے جان ہو کر گر گیا۔

اب دشمن نے اس جماعت پر ہاتھیوں کو ریل دیا۔ کنہ جواں اسی وقت تلوار لے کر ان ہاتھیوں کی طرف چھپا۔ وہ ان سینکڑوں ہاتھیوں سے اس طرح لڑ رہا تھا۔ جیسے کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے پھٹوں کو زور کرتا ہو۔ زبردست ہاتھی اس کی شمشیر باز خیم چکھ کر جتن اٹھتے۔ کالے کالے ہاتھیوں میں اس کی تلوار بادلوں میں بجلی کی طرح کوندھ رہی تھی۔ ان کے زخموں سے خون جھرنے کی طرح بہ رہا تھا۔ اس خوفی دریا میں کٹی سونڈیں مگر نچہ اور ڈھالیں کچھوے معلوم تھی تھیں۔ ادھر کرنیہ قہر ڈھار رہا تھا۔

ادھر سازنگ راسی سونکی غنیم کی فوج کے سرترن سے جدا کر رہا تھا۔ جس میر پر اس کا ہاتھ پڑا۔ سرخ بوزے کی طرح کٹ کر دوڑ جاگرا۔ آخر کئی دشمنوں نے بل کر اسے موت کے گھاٹ اتارا۔ اتنے میں اندھیرا بھی ہو چکا تھا۔ اور جنگ ختم ہوئی۔

آج کی جنگ میں دشمن کے سات ہزار سلمان۔ دو ہزار گھوڑے اور بہت سے ہاتھی کام آئے اور ادھر صرف سات سامنت کھیت رہے۔ رات کے وقت لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور زنگمہ راسی داہیا۔ گویند راسی گملوت۔ چند پٹیر۔ سازنگ راسی سونکی۔ پلن راسی ساملا۔ سونے سنگھ وغیرہم کی لاشیں تپ سمنے لاکر رکھی گئیں تو پر پختی راج روتا ہوا زخمی بچوں راسی کے لپٹ گیا۔ گویند راسی ابھی تک سسک رہا تھا۔

ابو الفضل کا بیان بظاہر راسا کے بیان پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کی جائے تو ان میں کافی اختلاف موجود ہے۔ آئین اکبری میں گوبند رائی اور راسا میں گوبند رائی ہے جو قبول ابو الفضل تن نہاسات ہزار آدمی قتل کرتا ہے۔ راسا میں یہ تعداد سائول ساوتول کی کارگذاری کا نتیجہ ہے۔ آئین میں چند پنڈیر ایک فرد واحد کو دو شخص مانا گیا ہے۔ یعنی چاندا علیحدہ اور پنڈیر علیحدہ آئین میں سارو حول سو لکی راسا میں سارنگ رائی سو لکی ہے۔ آئین میں زنگھ دیو راسا میں زنگھ رائی ہے۔ آئین کی رو سے ان سات ساوتول کے یہ نام ہیں :-

(۱) گوبند رائی گملوٹ (۲) زنگھ دیو (۳) چاندا (۴) پنڈیر (۵) سارو ہول سو لکی (۶) پالمن دیو (۷) برادر پالمن دیو (۸) برادر پالمن دیو \* اس طرح آٹھ سادنت بنتے ہیں اور ابو الفضل سات بتاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ چاندا پنڈیر یا ابو الفضل کے نزدیک ایک شخص ہے جس کو اس کے مرتب نے دو شخص بنا دیا اور آئین کے مذکورہ بالا متن میں چاندا اور پنڈیر کے درمیان ڈو غلط لایا گیا ہے لیکن راسا کا متن بھی ایسے نقائص سے پاک نہیں - راسا کے تفصیلی بیان میں یہ سلونت مارے جاتے ہیں \*

(۱) گوبند رائی گملوٹ (۲) بچن رائی (باراول) (۳) چند پنڈیر (۴) بچن رائی (باروم)  
(۵) زنگھ رائی (۶) کر مہ (۷) پلمن (۸) مے سنگھ (۹) سارنگ رائی سو لکی - مگرتولین کی فہرست میں صرف چھ نام ملتے ہیں یعنی (۱)، (۲)، (۳)، (۴)، (۵)، (۶) - یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ فہرست میں بچن رائی کی شمولیت جس کو راسو سار میں دو مرتبہ مقتول دکھایا گیا ہے - بالکل غیر ضروری ہے وہ قتل نہیں ہوتا اور آئندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زخمی ہوتا ہے باقی نام آئین اور راسا میں تقریباً مائل ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آئین میں پالمن کے دو بیٹوں کے نام نہیں دیئے گئے جو راسا میں موجود ہیں۔ یعنی کر مہ اور مے سنگھ \*

ابو الفضل اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس واقعہ کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے جے چند والی قنوج کے ساتھ دوستی کر لی اور لشکر لے کر لڑنے آیا۔



اور پرتھی راج کا بڑا علاقہ فتح کر لیا۔ پرتھی راج اپنی نئی رانی پر اس قدر فریفتہ تھا کہ اس کو دنیا و دنیا  
کا مطلق ہوش نہیں تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ شہاب الدین کی آمد کی اس کو اطلاع دے سکتا  
آخر اراکین دولت نے جمع ہو کر چاند کو ساتوں ڈیوڑھیوں سے پار کر کے حرم سرا میں بھجوا دیا۔ وہ  
پرتھی راج کو ہوش میں لایا۔ پرتھی راج اپنی گزشتہ فتوحات پر مغرور جب معمول تھوڑا سا شک  
لے کر میدان کارزار میں جا وھمکا۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ اس کے دل چلے سامنت  
پیوند خاک ہو چکے تھے اور معاملات سلطنت بالکل انہرور نہم تھے اور جے چند جو ہمیشہ ایسے  
موفقوں پر اس کی امداد کرتا رہتا تھا۔ اُنہا اس کے دشمن کا مددگار ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتھی راج  
نے بُری طرح شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور شاہ اسے غوٹیں لے گیا۔ چنانچہ آئین :-

”از بخت بگشتگی راجہ بدان مین بانوشیفۂ شد و از ہمہ واپرداخت۔ چوں سالی برین گذشت  
سلطان شہاب الدین ازین داستان باراجہ جے چند طرز دوستی پیش نہاد۔ سپس لشکر ہا فراہم آوردہ  
بر پیکار برآمد۔ بسیاری جاہر گرفت۔ کس را یارای گذارش چہ کہ دسترس نبود۔ آخر اولیای دولت  
فراہم آمدہ چاندرا از ہفت درگذا رانیدند و او بجرم سر اور شدہ لختے راجہ را بشورش در آورد۔ و  
از غرور فیروزی لبان ہر بار قدری لشکر فراہم آوردہ کارزار پیش گرفت۔ چون دلاوران والاسیج  
درین مرتبہ نمودند و کار سلطنت از رونق افتادہ بود و جے چند کہ ہمراہ کک می کرد۔ برخلاف  
پیشین مددگار غنیم شد۔ درین ناورد گاہ راجہ گرفتار آمد و سلطان دستگیر کردہ بغزنین برداشتہ ۵۳۲ھ  
اس بیان کا اکثر حصہ اگرچہ معتبر تاریخ کی رو سے بے بنیاد ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس  
موقعہ پر بھی ابو الفضل راسا کی خوشہ چینی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد ابو الفضل اسی قصہ  
کو لے بیٹھتا ہے جس میں اندھا پرتھی راج چاند اچاٹ کی نشان دہی سے آواز پر تیر مار کر سلطان  
کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ یہ روایت بھی یقیناً اس کو راسا سے ملی ہے۔ وہ ہونڈا :-

”چاندا از حقیقت نشی و وفاداری بغزنین شتافت و سلطان را ملازمت نمود و نوازش یافت  
و بہ نچتہ کاری راجہ را دریافت و در زندان و مسازی نمود۔ گفت چنان بظاہر میرسد کہ من نزد سلطان

تیراندازی ترابروگیم۔ اوٹیل تماشہ خواہد کر۔ دران زمان کار اور اسباز۔ قرار اور بجای کد و سلطان راتیر دوزگردانید۔ ہو خواہان راجہ و چاندرا از ہم گذرانیدند (۵۳۲ آئین اکبری)

سلطان کی سات مرتبہ شکست کا قصہ اگرچہ ابوالفضل نے ہندو روایت کی بنا پر تسلیم کر لیا ہے مگر بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ سلطان معز الدین محمد بن سام کے سوانح حیات میں ان شکستوں کے لئے کوئی مناسب موقعہ نظر نہیں آتا۔

جے چند کے لشکر میں مسلمان فوجوں کا موجود ہونا پھر بیان واقع نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں قلب ہندوستان میں مسلمانوں کا پایا جانا غیر اغلب ہے۔ سواحلی مقامات پر البتہ مسلمان موجود ہیں۔ لیکن ہندو رزمیہ کا یہ بیان صدائے بازگشت ہے۔ اس عہد کی جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہو کر ہندوؤں کے ساتھ ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور فوجی خدمات کے لئے عام طور پر پسند کئے جاتے ہیں۔

سلطان شہاب الدین کا اندھے پرتھی راج کے تیر سے ماے جانے کا قصہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلطان موصوف حسب بیان طبقات ناصری ملاحدہ کے ہاتھ سے غریب جاتے وقت منزل دیک پر مارا جاتا ہے۔ قطعہ ذیل جو کسی جمعہ شاعر کے قلم کا نوٹہ ہے۔ طبقات میں محفوظ ہے۔

شہادت ملک بجر و بر معز الدین کز ابتدا ئے جہان مثل او نبا بد بیک

سوم زغرہ شعبان بسال شش صد و دو فتادہ در روز غریب بمنزل دیک

طبقات سے بھی قدیم سند ہمارے پاس فخر بر کی سلسلۃ الانساب کی ہے جو بعد قطب الدین بیک تالیف ہوتی ہے اور جس کا دیباچہ ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں چھاپا ہے۔ اس تالیف میں بھی سلطان کا قتل منزل دیک میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ :-

”و چون بمنزل گاہ دیک رسید کم و تقدیر از دی عز اسمہ کہ درازل براندہ بود و قرفی زیادت غازی بحق شہید شد و رحمت خدای پیوست“ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۱۹۲۷ء۔ طبع رائل ایشیاٹک

سوسائٹی لندن)۔

## الحوادث الجامعة فی المائة السابعة

مئی ۱۹۳۵ء کے اورنٹل کالج میگزین میں میں نے ایک مضمون "ملازمہ ابن الغوطی" پر شائع کیا تھا۔ ان کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسومہ "حوادث المائة السابعة" کا ذکر اس مضمون میں ہے جس کا پورا نام حاجی خلیفہ نے "الحوادث الجامعة والتجارب النافعة فی المائة السابعة" لکھا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں المکتبۃ العربیۃ بغداد نے اس کتاب کو شائع کیا تھا۔ لیکن مضمون مذکور کو لکھتے وقت مجھے اس کے چھپ چکنے کا علم نہ تھا ورنہ میں اس وقت ضرور اس کو معرض بحث میں لانا۔ مطبوعہ اوڈیشن کے ناشر استاد مصطفیٰ جواد ہیں جنہوں نے اپنے ویبائے میں کتاب اور اس کے مصنف کو ناظرین سے روشناس کیا ہے۔ شروع میں چار صفحے کا ایک مقدمہ محمد رضا الشیبی سابق وزیر معارف کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب مذکور (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے اور عربی کی دیگر کتب توارخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے جس قلمی نسخے سے اس کو طبع کیا گیا ہے وہ ناقص الاول ہے لہذا مصنف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں، ۱۲۲ھ کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۱۲۳ھ کے اخیر پر تمام ہوتا ہے۔ یہ واحد قلمی نسخہ ابتداء شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق جس صفا کے کتب خانے میں تھا جس نے ۱۹۱۳ء میں رسالہ المشرق میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور اس میں بتلایا کہ وہ بظاہر مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں جا بجا جملوں کو کاٹ کر ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحات پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ پر اصغر یا اس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے وغیرہ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد

اس نسخے کو مصر کے مشہور فاضل اور رئیس احمد تیمور پاشا نے جرجس صفا سے خرید لیا۔ اور اس کی ایک کاپی نقل مکتبۃ الاوقات العراقیہ بغداد کو بطور ہدیہ بھیجی۔ اسی نقل سے یہ ملبومہ اویشن شائع کی گئی ہے \*

افسوس ہے کہ کتاب کی طباعت عمدہ نہیں ہوئی اور متن کی تصحیح میں بھی زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کا اور اس کے مصنف کا نام دریافت کرنے میں تحقیق و تفتیش سے کام نہیں لیا گیا۔ ہمارے نزدیک یہ امر بدرجہ فایت مشکوک ہے کہ یہ کتاب الحوادث الجامعہ ہے اور یہ کہ اس کے مصنف ابن الفوطی ہیں \*

ناشر کے پاس جو دلیلیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ یہ کتاب الحوادث الجامعہ فی المائۃ السالۃ ہے۔ وہ نہایت ضعیف ہیں اور کچھ ایسی قابل توجہ نہیں ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ کتاب کے متن میں ۶۲۶ھ سے ۸۱۶ھ تک کے واقعات نو موجود ہیں اور دو جگہ پر مصنف نے یوں لکھا ہے کہ ہم اس واقعہ کو ادر بیان کر آئے ہیں۔ اور ان ادر بیان کئے ہوئے واقعات میں سے ایک واقعہ ۸۱۶ھ کا ہے اور دوسرا ۸۱۶ھ کا جس سے ظاہر ہے کہ کتاب غالباً سائوین صدی کے آغاز سے شروع کی گئی ہے۔ لہذا "حوادث المائۃ السالۃ" کا نام اس پر صادق آتا ہے اور یقیناً یہ وہی کتاب ہے جس کے مؤلف ابن الفوطی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ۶۶۶ھ کے واقعات میں جہاں مصنف نے سلطان غازان خان کے بغداد آنے اور مدیرہ مستنصریہ کا کتب خانہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ لکھے ہیں "فدخل خزائنہ الکتب ولحجھا" یعنی سلطان کتب خانے میں داخل ہوا اور اسکو ملاحظہ کیا۔ چونکہ اس زمانے میں ابن الفوطی اس کتب خانے کے لائبریرین تھے۔ اس لئے ان الفاظ سے فوراً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ انہی کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خاص طور سے کتب خانے میں داخل ہونے اور معائنہ کرنے کا ذکر وہی شخص کرے گا۔ جس کا اس ذکر سے کوئی خاص مقصد ہو یعنی اس کو کتب خانے کی تخصیص منظور ہو۔ سوائے لائبریرین کے ایسی تخصیص کس کو منظور ہوگی ؟

پہلی دلیل تو بالکل بے وسر و پا ہے۔ اگر مصنف نے ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ کتاب ۶۱۶ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی تصنیف کا جز ہو جو کئی جلدوں میں لکھی گئی ہو اور عربی تواریخ کے عام قاعدے کے مطابق کوئم کے وقت سے شروع ہوتی ہو۔ ایسی تصنیف میں ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے کوئی چیز مانع ہوگی؟ دوسری دلیل بھی اگرچہ بظاہر بے معنی ہے تاہم اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک قطعی جواب موجود ہے۔ میں نے اپنے پہلے مضمون میں جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے واضح طور سے یہ دکھلادیا ہے۔ کہ ابن الفوطی کے عہدہ لائبریرین کا زمانہ ۶۱۴ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ کہ جب سلطان غازان خان کتب خانہ متصرف کو دیکھنے آیا ہے تو اس وقت ابن الفوطی نہیں بلکہ جمال الدین باؤت الخازن وہاں کے لائبریرین تھے البتہ وہ ان کی معیت میں اس وقت کتب خانے میں موجود ضرورتاً سطور ذیل میں ہیں ان وجوہات کو بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میرا یہ قیاس ہے۔ کہ یہ کتاب ابن الفوطی کی "الحواث الحماۃ" نہیں ہے ۛ

علامہ ابن الفوطی کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں۔ کہ وہ ۶۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۵۶ھ میں جب ہولاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا تو یہ قیدیوں میں گرفتار ہو گئے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ان کو رہا کر لیا اور اپنے ساتھ مراغہ لے گئے۔ سات آٹھ برس تک ان کو پڑھایا لکھایا۔ پھر اپنے کتب خانے کا خازن مقرر کر دیا۔ ۶۶۹ھ تک وہ اس خدمت پر مامور رہے پھر بغداد چلے آئے اور اپنی زندگی کا باقی حصہ وہیں گذارا۔ ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے ۛ

خواجہ نصیر الدین طوسی نے جتنا بڑا احسان ان پر کیا وہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف ان کو غلامی کی زندگی سے بچالیا بلکہ اپنی تعلیم و تربیت سے ان کو علامہ عصر بنا دیا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب "تلخیص مجمع الآداب" میں جہاں کہیں خواجہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ



لیتا ہے۔" و قولى العمل فى ذلك استاذ الدار محى الدين يوسف بن الجوزى... ۹۰ واقعہ بغداد میں جو شاہ میر قتل ہوئے ان کی فہرست میں ابن الجوزی کا نام صرف اس طرح لکھا ہے: "و محیى الدين بن الجوزى استاذ الدار" ساتویں صدی کا ایک ذی علم اپنے استادوں کے نام ایسی لاپرواہی اور بے توجہی سے مہرگز نہیں لے سکتا۔

۶۵۶ھ میں بغداد کی الم ناک تباہی کے وقت ابن الفوطی وہاں موجود تھے۔ اور انہوں نے وہ عشر خیر منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۲-۱۵ برس کی تھی۔ یہ وہ عمر ہے جبکہ ایسے واقعات کا اثر دل پر نہایت گہرا اور دیر پا ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دیکھنے والا خود بھی موردِ آفات بنا ہو۔ انہوں نے اپنے گھر کی بربادی اپنے سامنے دیکھی اور خدا جانے اپنے اعزہ و اقارب میں سے کتنوں کا خون اپنی آنکھوں سے بہتے دیکھا ہو گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود ان غوغا و تاراتاریوں کے ہانتوں میں گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے۔ ایسے عبرت انگیز ذاتی تجربات کے بعد ہم کو ضرور ان سے توقع ہونی چاہیے۔ کہ وہ خرابی بغداد کا ایک مؤثر ذوق ہمیں سنائیں گے۔ وہ خود شاعر تھے۔ اور شاعروں کے قدردان تھے طبیعت یقیناً حساس پائی ہو گی۔ یا خیر۔ اگر اپنے بیان میں شاعری نہ بھی دکھاتے تاہم اپنے ان چشم دید واقعات کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ تو کرتے۔ برخلاف اس توقع کے انہوں نے ۶۵۶ھ کے حادثہ کو خاصاً اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور کہیں کسی جگہ سے یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ لکھنے والا ان سب باتوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا یا ان سے متاثر ہوا تھا۔ بلکہ اس کے عمومی انداز بیان سے اس کی بے تعلقی خاصی واضح ہوتی ہے۔

۶۵۷ھ میں ہولاکو خاں نے مراغہ میں جو رصد گاہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے لئے بنائی اور جہاں ابن الفوطی نے اپنی زندگی کا مفید ترین حصہ اور وہ بھی اکیس برس کا طویل زمانہ گزارا۔ اس کا ذکر "الحوادث المجامع" میں اس قدر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کہ ہم مجسمہ ان الفاظ کو

یہاں لکھ دیتے ہیں :-

”وفیہا (یعنی فی سنة ۴۵۷) وضع نصیر الدین طوسی الرصد بمراغہ و

عین فیہ جماعة یتولون عملہ الی ان انتخروا فی سنة اثنتین و سبعین“

کیا یہ مناسب موقع نہ تھا کہ ابن الفوطی اس مقام پر رصد کا ذکر زیادہ دلچسپی کے ساتھ کرتے۔ اور ایسے الفاظ میں کرتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے ساتھ ان کا ذاتی تعلق ظاہر ہوتا ہے؟

۶۶۹ء میں عطا ملک جوینی نے ابن الفوطی کو مراغہ سے بغداد بلا لیا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیا۔ ساتھ ہی وہ مدرسہ متنصریہ کی وسیع لائبریری کے خازن بھی مقرر کئے گئے۔ الحوادث الجامعہ فی المائتہ السابغہ ضرور ہے کہ انہوں نے سنہ کے بعد لکھی ہوگی۔ ۶۶۹ء اور سنہ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے وہ ان کے چشم دید تھے۔ اس لئے طبی طور پر ہمیں یہ اُمید تھی کہ ان واقعات کو وہ سابقہ واقعات کی نسبت زیادہ مفصل لکھیں گے۔ لیکن حالت برعکس ہے ۶۷۹ء تک کے واقعات کو مصنف نے جس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ بعد کے واقعات میں نہیں ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے بیان زیادہ مختصر ہونا جاتا ہے۔ شروع شروع کے سالوں میں ہر سال کے حوادث آٹھ آٹھ دس دس صفحوں میں مرقوم ہیں۔ برخلاف اس کے آخری سالوں کو (خصوصاً سنہ ۶۹۰ء کے بعد) ایک ایک دو دو صفحوں میں ختم کر دیا ہے۔ یہ صورت حالات ابن الفوطی کے مصنف ہونے پر دلالت نہیں کرتی :

لیکن سب سے قوی دلیل جو ہم اس بارے میں پیش کر سکتے ہیں یہ ہے کہ الحوادث الجامعہ کی مطبوعہ ایڈیشن کے شروع میں قلمی نسخے کے ایک صفحے کا فوٹو نمونہ خط کے طور پر دیا گیا ہے۔ اوپر ہم کہہ چکے ہیں کہ فاضل ایڈیٹر کے نزدیک قلمی نسخہ مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ گویا دوسرے نظروں میں وہ علامہ ابن الفوطی کے خط کا نمونہ ہے۔ میں نے اپنے سابق مضمون میں تلخیص مجمع الآداب مؤلفہ ابن الفوطی کی جلد فاس پرتنصرہ کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ وہ علامہ موصوف کے اپنے ہاتھ کی لکھی



ہوئی ہے۔ وہ اس وقت مخدومی پرنسپل محمد شفیع کے کتاب خانے میں ہے۔ اور انہوں نے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء میں اس کے دو صفحوں کا نوٹ گرافٹ شائع کیا ہے۔ خطاطی کے ان دو نمونوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر مقابلہ کرنے سے فوراً یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ الحواوٹ الجامعہ والامونہ یقیناً ابن الفوطی کے زمانے سے بہت بعد کا خط ہے۔ ہم اس بات کے ماننے سے انکار نہیں کرتے کہ وہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوگا۔ لیکن وہ مصنف ابن الفوطی نہیں۔ بلکہ تقریباً ایک صدی بعد کا کوئی آدمی ہے جیسا کہ نمونہ خط سے ظاہر ہے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں مصر و شام میں بہت سی تاریخی کتابیں لکھی گئیں اور ان میں سے بعض بہت بڑے پیمانے پر ہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ مطبوعہ کتاب ان میں سے کسی کا ایک جزو ہے۔ میں نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ لیکن انہوں نے کہیں بھی مصنف نے اپنا یا اپنی کسی اور تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔

فاضل ایڈیٹر کے دیباچے سے علامہ ابن الفوطی کے متعلق بعض نئی اطلاعات میسر ہوئیں جن کو یہاں لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کو میرے سابق مضمون کا تتمہ سمجھنا چاہیے، ”تفخیص مجمع الآداب“ ابن الفوطی کی جلد خاص جس کا ابھی ذکر ہوا مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ مخدومنا الشیبی نے مطبوعہ کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں وہ اطلاع دیتے ہیں کہ اس کی چوتھی جلد کہ وہ بھی مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ دمشق میں دارالکتب الظاہر میں موجود ہے۔

علامہ ابن الفوطی کی تالیفات مجموعی طور پر تقریباً تین سو جلدوں میں تقسیم ہیں۔ جن کو ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوگا۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان تین سو جلدوں کے علاوہ انہوں نے دوسرے مصنفوں کی کتابوں کو اور خاصی ضخیم کتابوں کو اپنے قلم سے نقل کیا! فاضل ایڈیٹر نے اپنے مقدمے میں ذیل کی عبارت

صفندی اور ابن حجر کے حوالے سے لکھی ہے :-

قال الصفندی . . . عنی بالحديث (یعنی ابن الفوطی) وقد بنفسه  
کتاب بخطه العیدہ کثیراً من اکتباً لقدمته قال ابن حجر " ملک  
بخطه خريدة القصر للعماد اکاتب فی اربع مجلدات فی قطع الکبیر  
(کذا) قد متها لصاحب الیمن فاثابنی علیها ثواباً جزیلاً " له  
ایسے بزرگوں کو اپنے وقت میں چھاپہ خانوں کی کیا ضرورت تھی ؟

محمد اقبال

## بابا فرید گنج شکر شیخ ابراہیم اور فریثانی

اس مضمون کو ڈاکٹر مہین نگہ صاحب نے بہت منت سے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعض حصے مضمون  
کے ساتھ ان اصحاب کے لئے ہیت رکھتے ہیں۔ جو اصلی پنجابی متون سے استفادہ نہیں کر سکتے۔  
اس مضمون کو لیکر قابل ذکر تصرف کے بکسہ چھاپ دیا گیا۔ تاکہ مضمون نگار کا نقطہ نظر پوری طرح سے  
واضح ہو۔ بعض اکابر صوفیہ کا ذکر اس طریق کے مطابق نہیں ہے۔ جو ہم میں متعارف ہیں مگر ایک غیر مسلم  
مضمون نگار اگر اس سے پوری طرح ناوس نہ ہو تو باعث تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ تاثرین کرام سے توقع  
ہے کہ وہ خدا صفا پر عمل پیرا ہونگے +

ایڈیٹر

- ۱۔ جس سوال کا حل مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ گورو نانک کی ملاقات ان تین درویشوں میں  
کس سے ہوئی اور اگر ننہ اور بابا نانک کی جنم ساکیوں میں جو کا ام فرید سے منسوب  
ہے۔ وہ کس کا یا کن کن کا ہے +

۲۔ جن کتب سے ہم نے مندرجہ ذیل جواب کی ترتیب میں استناد کیا ہے۔ وہ یہ ہیں :-  
 ۱۔ گورو گرنتھ صاحب کا قلمی نسخہ جو کرتار پور میں ہے۔ اور جس کے اختتام میں ۱۶۰۴ء ثبت ہے ۔

ب۔ بابائناک کی ایک سوانح عمری جو پنجاب یونیورسٹی کے قلمی نسخہ ۱۶۱۲ء میں شامل ہے۔  
 اس نسخہ کی تاریخ تحریر ۱۶۱۲ء ہے ۔

ج۔ خلاصۃ التواریخ جو ۹۶-۱۶۹۵ء میں تحریر ہوئی ۔

د۔ کہیں کہیں ہم نے سیرالاولیا۔ اخبارالاخیار۔ فوائد الفواو۔ تاریخ فرشتہ۔ آئین اکبری۔ اور تحقیقات چشتی سے استنباط کیا ہے اور اقتباسات لئے ہیں ۔

۳۔ بابائناک کا مدحیات ۱۵۳۵-۱۶۹۰ء ہے۔ گورو امر داس تیسرے گورو کا ۱۵۴۴-۱۶۴۹ء اور گورو ارجن دیو گورو گرنتھ صاحب کے مؤلف کا ۱۶۰۶-۱۵۶۳ء ۔

۴۔ پہلے ہم شیخ فرید الدین ثانی سے منپٹ لیتے ہیں۔ خلاصۃ التواریخ (دہلی ۱۹۱۸ء) میں مرقوم ہے صفحہ ۳۴-۳۵ :-

"سہرند۔ از شہر ہائے دیرین از اعمال سامانہ سلطان فیروز شاہ در زمان فرماں روائی خویش سنہ ہفت صد و شصت ہجری آں را از سامانہ جدا ساختہ پرگنہ علیحدہ مقرر ساخت و روز بروز آبادی و رونق آں زیادہ گشت۔ اگرچہ درال خط بسیار سے از زوکیان درگاہ الکی خواجگاہ وارند آنا از اولیا سے زبان حال شیخ فرید الدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی درال شہر آسودہ اندوایں ہر دو اولیا سے نظام در زمان حسرت شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۵۸-۱۶۲۷ء) بہدلت خلائی کامروا بودند و طواریف انام ارادت آوردہ بہرہ دینی سے اندوختند۔ اکنون از اولاد ایشان سجادہ نشین ہستند ۔"

۵۔ اوپر کی تحریر سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ ۱۶۳۴ء میں تالیف شدہ اگر گنتھ میں جو کلام شیخ فرید کی طرف منسوب ہے وہ ان کا نہیں ہے اور نہ وہ شلوک جن پر

تفہیم کے رنگ میں نانک (۱۵۳۸-۱۴۶۹) اور امرواس (۱۵۷۴-۱۴۷۹) نے جو ابی شلوک لکھے (جو نیچے درج ہوں گے) شیخ فرید ثانی کا کلام ہے (فرید ثانی کے زمانہ کے لئے دیکھو نمبر ۹ نیچے جہاں فرید تائیدی ثبوت دیا ہے) :

۶۔ سلسلہ میں نقل شدہ جنم ساکھی (ب) میں یوں درج ہے (صفحات ۵۸۳ - ۵۸۹ ساکھی نمبر ۱۷) :

”راوی کے اس بار اور ویاہ (دبیاں) کے آوط میں ماجھ کے بیچ میں جھگل ہیں۔ جھگل میں اُتراہ (تیرا ہی)؟ پٹھانوں کے گھاؤں تھے۔ اُن میں بابا نانک آنکلا۔ دونوں کوس تک اُجاڑ سٹی۔ وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا۔ فرید کے تخت پر براہم (ابراہیم) بالاراجہ تھا۔ اس کا مُردہ لکڑیاں چُنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ کامل درویش۔ خبروار۔ خدا کا پیارا پیر کے حکم کے مطابق لکڑیاں چُنے کے لئے آیا تھا۔ اس اُجاڑ میں بابا جی بیٹھے تھے۔ مرزا رباب بجا رہا تھا۔ مردانہ نے سلوک پڑھا . . .“

۷۔ ایڈیا آفس۔ لندن۔ کے ایک تعلیمی نسخہ کی ایک فوٹو زنگو رات کردہ جلد (ڈیرہ دون ۱۵۷۱) یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور میں ہے۔ اس جنم ساکھی (د) بابا نانک ”کو سترھویں صدی عیسوی کے نصف اول کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں لکھا ہے (صفحہ ۲۱۶-۲۱۷) :-

”راوی چناؤ (چناب) دیکھ کر اُجاڑ میں سے ہو کر چلا۔ پٹن دیں میں آنکلا۔ پٹن سے تین کوس پر اُجاڑ سٹی۔ وہاں آ بیٹھا۔ مردانہ ساتھ تھا۔ پٹن کا پیر شیخ فرید تھا۔ اس کے تخت پر شیخ برہم (ابراہیم) تھا۔ اُس کا ایک مُردہ صبح کے وقت لکڑیاں چُنے آیا تھا۔ اس کا نام شیخ کمال تھا“

کامل درویش کے بجائے اس نسخہ میں شیخ کمال تحریر ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے)

۸۔ مہاجی گورداس بھلہ کی تاریخ وفات ۱۶۳۷ء ہے۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے سکھ دھرم قبول کیا۔ اس کے قلم سے ایک وار ہے۔ جو حالات نانک پُرتل ہے۔ اُس واریں

یوں لکھا ہے۔ (دارنمبر۔ پڑی نمبر ۴۳)؛ اقبل وٹالہ (ضلع گورداسپور) کے میلے سے بابا ملتان کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں ملتان کا یہی دودھہ کا کٹورا بھر کر لایا۔ بابا نے بغل سے چنبیلی کا پھول نکال کر دودھ سے لبالب بھرے کٹورت کے اوپر رکھ دیا۔ ملتان کی زیارت کر کے بابا کزنار پور آیا :

۹۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی تاریخ وفات مختلف کتابوں میں مختلف لکھی گئی ہے۔ بیل راوری اینٹل باؤگر فیروز ۱۲۶۵ء تسلیم کرتا ہے اور صاحب خلاصۃ التواریخ روز شنبہ پنجم محرم سال شمسہ و شصت و ہفت ہجری یا ۱۲۶۴ء۔ گیانی لدسا سنگھ فرید کوٹی نے اور سی اینٹل کلج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں اس نے شیخ فرید کا شجرہ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شجرہ شیخ شام محمد غوثؒ سے جو اس وقت چلڈ بابا فرید گنج شکر واقعہ ریاست فرید کوٹ میں گدی نشین ہیں۔ حاصل ہوا۔ اس شجرہ (نساولی) کی رُو سے شیخ ابراہیم دسویں پشت متصور ہوتے ہیں۔ اگر فی کس ۲۵ برس کی میعاد زیست تعین کریں تو ابراہیم کا زمانہ بابا گنج شکرؒ کی تاریخ وفات سے ۲۲۵ برس بعد قرار پاتا ہے یعنی ۱۲۶۵ + ۲۲۵ = ۱۴۹۰ء کے قریب قریب شروع ہوتا ہے۔ اور یہ زمانہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی قلمی محرمہ ۱۱۷۱ھ کے مطابق گورو نانک اپنے پہلے سفر کے دوران میں دو آبہ باری کے علاقوں کی سیاحت کر چکے تھے :

۱۰۔ پس ہماری رائے میں بابا نانک کے ہم عصر شیخ براہم یا ابراہیم تھے۔ انہی سے نانک کی ملاقات ہوئی اور نانک کو شاید پہلے پہل انہی سے وہ کلام ملا جس کے متعلق تحقیق کا ہم اب آغاز کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ شجرہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو پاک پٹن کے گدی نشینوں کے قول کے مطابق ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے) اس نہرست میں شیخ ابراہیم کی گدی نشینی کی تاریخ ۱۱۷۱ھ ہے۔ گورو صاحب اس وقت حیات تھے :

۱۱۔ اوپر ہم کناریہ عرض کر چکے ہیں۔ کہ نانک اور امراؤ اس ہر دو کو فریدؒ نے منسوب کلام سے اظہار اختلاف کرنا پڑا اور طرفین کے شکوک پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نانک ورامراؤ اس

کلام جوانی ہے ۶

۱۲۔ رہی یہ بات کہ کیا وہ کلام تحریر کی صورت میں نانک اور امر داس تک پہنچا یا کسی کی زبان سے جس کلام کے مضمون سے انہوں نے اختلاف رائے کی بنا پر جوانی ٹللوک کے یا کہ وہ کلام خود مصنف کی زبان سے اُن تک پہنچا۔ کیا وہ اشعار جو جنم ساکھی ب میں شیخ ابراہیم نے نانک سے کہے لکھے ہیں وہ خود شیخ ابراہیم کے تھے یا اس گلدی کے قائم کرنے والے فرید کے تھے۔ بہر کیف اگر جنم ساکھی اور اگر گرنٹھ دونوں میں درج اشعار میں فرید کا نام موجود ہے تو ہمیں یہ شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ خود ابراہیم کے بھی ہو سکتے ہیں ۷

۱۳۔ اب ہم جنم ساکھی ب کے اشعار کو لیتے ہیں اور نمبر ۴ میں انہی اشعار کی اس صورت کو لیتے جس میں وہ شری گور گرنٹھ صاحب مؤلفہ ۱۶۰۴ء میں درج ہو چکے تھے ۸

(۱) نانک - جنم ساکھی ب : آپے پتی، قلم آپ، آپے لیکھ ہی توں  
ایکو کہئے نانک دو جا کا ہے کوں  
(۲) شیخ ابراہیم - اک صاحب تے ڈوہ ہادی

مٹوں کیہڑا سیویں (تے کیہڑا دیں) (۱)

(۳) نانک - کہ صاحب ہکا حد - کہو سیویں دُوبے رو

دو جا کا ہے سمریے جتے تے مر جئے ، کو سمر و نانکا جل نکل ریا سائے

(۴) ابراہیم - : پاڑ پولا دھج کریں کسٹڑی پھراں ۹ جنی دیہیں سہہ بے مٹوں سیویں کراں

(۵) نانک - کا ہے پولا دھج کریں کتل پھریں کائے ۱۰ گھر ہی مٹھیاں سہہ ملے جے چہت کیوں ٹھائے

گھر ہی مُندھ و دیں پرنت سار ساملے ۱۱ نانک بلدیال مُٹل نہ ہوئی جے نیت اس کہئے

(۶) ابراہیم - نڈی مٹی نہ راویا وڈی مٹی گیٹس ۱۲ دھن کو کیندی گور پی تے سہہ نہ ملیاں

(۷) نانک - محل کُنجی مروڑی کالی منوں کُندھ ۱۳ جے گنتر ہوون تال چرے ناکا لوگن مُندھ

(۸) ابراہیم - کون سوا کھر کون گن کون سو نیا مُنت ۱۴ کون سویس میں کرچیت وں آوی کنت

(۹) ۱- نون سواکھون گن جیسا بنیاں منت ۱۰ ایترے سینیس ویس کریتاں مس کوئی کنت  
 سیداکرے جو کنت کی کنت تسی کا ہوئے ۱۰ گر بی کنت نہ پائیے بھویں کھری سوا یو ہوئے  
 سیدواتس بھوایں جب اکوں ندر کرئے ۱۰ ناکت بھے سہیاں پرے کنت تسی کا ہوئے  
 جنم ساکھی (د) میں اوپر ہی کی عبارات ہیں ۰

۱۴ - شلوک نمبر ۶ گورو گرنٹھ صاحب میں یوں ہے :-  
 فرید آنڈھی کنت نہ راویو دوی بھئی مکیاس  
 وطن کو کیندی گوریں تیں سہناں ملیاس

نمبر ۷ یوں ہے :-

فرید پاڑ پولا دھج کریں کنبلوی پہریوں ۰ جنی لمیں سہ ملے اچی ویں کریوں  
 نمبر ۵ - جو نمبر ۴ کا جواب ہے - وہ گورو نانک دیو سے نہیں بلکہ گورو امر داس (۱۵۷۴) -  
 ۱۵۷۹) سے منسوب ہے - اس جوابی شلوک کے پہلے محلہ ۳ لکھا ہے - نیز جوابی کلام نمبر ۶ کا  
 دوسرا شلوک گورو گرنٹھ صاحب میں پہلے شلوک کے ساتھ درج نہیں - دوسرا شلوک کہاں پر ہے  
 یہ میں ابھی تک معلوم نہیں کر سکا ۰  
 یہی شلوک کبیر کے مجموعہ کلام میں معمولی اختلاف کے ساتھ ملتا ہے (دیکھو میری انگریزی کتاب  
 کبیر اینڈ دی بگبٹی مووٹس) ۰

نمبر ۶ اور نمبر ۷ کے متعلق یوں ہے کہ نمبر ۶ کا دوسرا اور تیسرا شلوک پہلے کے ساتھ گورو گرنٹھ  
 صاحب میں درج نہیں - اور نمبر ۷ بالکل وہی عبارت ہے - فرید لفظ دونوں مجموعوں میں نہیں - نہ  
 ہی گورو گرنٹھ صاحب کے مطابق سوال و جواب دونوں میں ناکت ہی کا نام ہے - اگرچہ نمبر ۷ سالم او  
 نمبر ۶ کا پہلا شلوک "سلوک فریدی" کے عنوان سے درج ہیں ۰

۱۵ - گورو گرنٹھ صاحب میں اس طرح کے اختلافی اور جوابی شلوک ایک طرف فرید کے علاوہ کبیر  
 سے بھی متعلق ہیں - اور دوسری طرف نانک اور امر داس کے علاوہ گورو ارجن دیو ٹولف او گرنٹھ کے

قلم سے بھی موجود ہیں۔ ذیل کی اطلاعات معنوی اور تاریخی اعتبار سے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں۔  
فرید :-

فرید کالی جنیں نہ۔ راویا دھولی رائے کوئے کرسائیں سیوں پر ہری رنگ نو لیا ہوئے  
گورو امر داس :-

فرید کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کوچت کیئے آپنا لائیاں پر م نہ لگ اسی جے لچے سدا کوئے  
ایہہ پر م ہیا نہ ختم کا جیں سداوتے میں دئے  
فرید :-

فرید رتی رت نہ نکلتے جے تن چیرے کوئے جوتن رتے رب سیوں تن تن رت نہ ہوئے  
گورو امر داس :-

ایہ تن سمجھو رت ہے رت پن تن نہ ہوئے جوسہ رتے اپنے رت تن لوبہ رت نہ ہوئے  
جے پئے تن کھین ہوئے لوبہ رت پھول جائے جیوں ہنیر دعات سدھ بے تیوں کا بھو تر میل گائے  
نانک تے جن سوہنے جے رتے ہر رنگ لائے

فرید :-

فرید پاڈ پٹو لادھ کریں کنبلوی پہ سکاوں جنی و سیں سہہ مے سے ای دیں کرے اوں  
گورو امر داس :-

کائے پٹو لاپاڑتی کنبلوی پہریئے نانک گھر ہی بیٹیاں سہہ مے جے نیت اس کیئے  
فرید :-

فرید امن میدان کر لٹے جے لاء اگتے مول نہ آوسی دوزک سندی بجاہ  
گورو ارجن دیو :-

فرید خالق خلق میں خلق و سے رب ماہیں مند اکسنوں آکھئے جاں نس بن کوئی ناہیں  
فرید :- فرید میں جانیا دکھ مجھ کوں دکھ سائیے جگ ۱۰ اوچے چڑھ کے دکھیا تاں گھر گھر ایہا آگ  
مومن سنگھ دیوانہ

(باقی دلدو)



## تنقید و تبصرہ

(۱) "ندیم" مدیر سید ریاست علی ندوی .. چندہ سالانہ لکچرر ... ملنے کا پتہ ہے۔

دفتر "ندیم" خانقاہ نعیمیہ، رام ساگر روڈ، ایگیا

یہ صوبہ بہار کا مشہور علمی و ادبی اردو ماہنامہ ہے۔ جسے اب سید ریاست علی ندوی مرتب فرما رہے ہیں۔ سید ریاست علی ندوی اپنی رفاقت دار المصنفین، اعظم لکھنؤ کے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں، اور تاریخِ تعلیم کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں آپ کی محنت و کاوش، اور قابلیت و لیاقت ایک دنیا سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ "ندیم" کے یہ مرتب جدید شاندار مقاصد و غرائف لے کر اُٹھے ہیں، امید ہے کہ آپ کی ادارت میں "ندیم" بہت جلد ترقی کر کے ملک کے کامیاب علمی و ادبی رسائل میں ممتاز حیثیت حاصل کر لے گا۔ صوبہ بہار کے علم و ادب میں قابلِ تدریس اضافہ کا موجب ہوگا۔ پیش نظر ریچرچ نمبر ۱۹۳۷ء کا نمبر ہے۔ نظم و نثر دونوں کا معیار اچھا خاصہ ہے۔ تصویروں کے انتخاب میں بھی حسن و ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ علمی و تاریخی مضامین میں "ہندوستان کے عہدِ اسلامی میں تعلیم کا نظام" اور اسپین موجودہ خانہ جنگی سے پہلے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ افسانوں میں "میرزا نامہ اعمال" بھی قابلِ تعریف ہے۔

رسالہ کی ظاہری و فنی چیزوں کے نقطہ نظر سے کاغذ تو عمدہ ہے، مگر کتابت میں عُدگی اور پاکیزگی کی اور زیادہ ضرورت ہے تاکہ یہ رسالہ صوبہ کے مستقبل کے رسائل کے لئے بہترین نمونہ بن سکے۔ اہل بہار سے ہماری پُر زور درخواست ہے کہ وہ "ندیم" کو پڑھیں، خود خریدیں، اور اپنے احباب کو خریدنے کی ترغیب دلائیں تاکہ سید ریاست علی الطمینان و سکون کے ساتھ اپنے صوبہ کی علمی اور ادبی خدمات سجالا سکیں۔

عبدالقیوم (میکلوٹو عکب ریسرچ سٹوڈنٹ)

(۲) واقعاتِ اظفری (ص ۲۰۲۔ طباعتِ عمدہ، دلپند ٹائپ قیمت دو روپے)

آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ۔ مدراس یونیورسٹی۔ ۱

اس حقیقت سے کہے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ روزنامے، خود نوشت سوانح عمریاں، اور سفر نامے جس قدر دلچسپ ہوتے ہیں۔ اسی قدر مفید اور پُر از معلومات بھی ہوتے ہیں اس میں شبہ نہیں۔ کہ خود نوشت سوانح عمریوں میں بعض نقائص بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کے صفحات میں تصنع کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ تاہم اگر سوانح نگار، حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھنے والا ہو۔ تو یہ صنف سوانح عمری کی سب اوصاف سے زیادہ مقبول ہو سکتی ہے۔

خاندانِ مغلیہ کی یہ ایک عجیب خصوصیت تھی۔ کہ اس کے افراد اگر ایک طرف شجاعت و جرات میں ممتاز تھے۔ تو دوسری طرف ذوقِ علم سے متصف اور زوہِ حکمت سے آراستہ بھی تھے تیمور کی توزک، حسین بیکرا کی مجالس العشاق، الف بیک کی زریج، حیدر گورکان کی تاریخِ رشیدی بابر اور جہانگیر کی تزوکیات، اورنگ زیب کے رقعات، دارا شکوہ کی تصانیف، جہان آرا کی مونس الارواح وغیرہ، ازب النساء کی شعرو شاعری ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔

اورنگ زیب کے بعد اگرچہ سلطنتِ مغلیہ میں انحطاط آگیا۔ اور خاندانِ تیموریہ کے افراد ان پرانے اوصاف سے خالی ہوتے گئے۔ تاہم کچھ نہ کچھ مٹے ہوئے نشان اب بھی باقی تھے۔ اس دور میں بھی مغل شاہزادے شعرو سخن کا شوق کیا کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض صاحب تصانیف بھی تھے۔

مدراس یونیورسٹی کا شعبہ فارسی دارود ہمارے شکریہ کا مستحق ہے۔ کہ اس کی سرپرستی میں خاندانِ مغلیہ کے ایک غیر معمولی فرد کی ایک تصنیف منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ زیر تبصرہ کتاب واقعاتِ اظفری میرزا محمد طہیر الدین علی بخت گورگانی کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ اظفری شاہ عالم بادشاہِ دہلی کے ہم جد اور ہم عصر تھے۔ ۱۱۷۲ھ میں قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ تیس سال تک اس زمانہ کی نامبارک رسم کے مطابق قلعہ دہلی میں قید رہے۔ اس کے

بعد وہاں سے روپوش ہو کر جے پور۔ انیسویں لکھنؤ اور بنگالہ گئے اور بالآخر مدد اس میں مقیم ہو گئے اور انہیں لکھا  
شاہ عالم ثانی کا عہد ایک دور اختلال تھا۔ اس میں سرنگردی، غلام قاور رملہ کا تخت دہلی پر شکن بننا  
اور تیموریوں کا بالکل بے بس ہو جانا ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تاہم افطری کو قطعاً معلیٰ  
کے اندرونی واقعات سے جو واقفیت ہے۔ وہ شاید کسی اور کو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات افطری میں بعض حالات  
زیادہ مفصل ملتے ہیں خصوصاً غلام قاور کی حرکات ناشائستہ کا ذکر نہایت مشروح و مبسط کے ساتھ کیا گیا ہے  
افطری کی بعض اور تصانیف میں بھی یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تیموری خاندان کی تباہی  
کا درد بہت گہرا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ تیموریوں میں ترکی حیات کی کمی ہو گئی ہے، اس کتاب  
میں شاہ عالم بادشاہ کی و مدہ غلافیوں کو اپنے خاندان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتا ہے۔ افطری نے  
غلام قاور رملہ کے ہنگامہ میں بادشاہ کی بہت سی خدمات انجام دیں لیکن ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد کوئی صلہ  
حقیقت یہ ہے کہ افطری کی یہ کتاب اس تاریک دور کے بہت سے پوشیدہ اسرار کو بے نقاب کرے گی  
چونکہ اس میں سیر و سفر کے حالات بھی ہیں۔ اس لئے اس کی جغرافیائی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا  
سکتا قطعاً معلیٰ کے جزئیات، اس زمانے کے معتقدات اور دیگر رسوم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے افطری  
نے انگریزوں کے اخلاق و عادات کا جو مرقع اس کتاب میں کھینچا ہے۔ اس سے اس کے مطالعہ و مشاہدہ  
کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ موجودہ تصانیف کے علاوہ افطری کی دوسری تصانیف کا حال بھی اس کتاب  
سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔

افطری اپنے زمانے کی رسم کے مطابق بعض واقعات کو بہت پسپا کر لکھتا ہے حالانکہ ان کی اہمیت  
کچھ زیادہ نہیں لیکن یہی اس زمانے کا مذاق تھا۔

زیر تبصرہ کتاب، افطری کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جو جناب عبدالنثار صاحب منشی فاضل نے  
کیا۔ اور اب جناب مولوی محمد عین صاحب محوی صدیقی کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے۔ ترجمہ جیسا کہ توقع  
مندی عمدہ اور روان معلوم ہوتا ہے جس کی خوبی کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ باوی النظر میں یہ ترجمہ معلوم ہوتا ہے  
سید محمد عبداللہ

## ۳۔ صحیفۃ التکوین

مصنف ہنرٹائیس محمد ناصر الملک والے پترال۔ ص ۲۷۰۔ طباعت کتابت اعلیٰ مصر  
ظاہری زیب و زینت کے لحاظ سے بہت عمدہ۔ قیمت ۲ روپیہ ۸ آنے۔ مجلد کی قیمت ۳ روپے  
ملنے کا پتہ۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور)

ایک مغربی محقق کا قول ہے۔ کہ گذشتہ ایک صدی کے دوران میں یورپ کے افکار و تصورات  
کو جس قدر ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے متاثر کیا۔ اتنا کسی اور خیال نے نہیں کیا۔ یہی وہ عقیدہ  
ہے۔ جس نے مذہب پر تنقید و تبصرہ کی تحریک کو تقویت دی۔ یہی وہ علمی مسئلہ ہے۔ جس نے یورپ  
میں "استعماری رجحانات" کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت ثابت بنا دیا۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے  
اس استعماری اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے جگلی سپرٹ کو نشوونما دی :

۱۸ویں ۱۹ویں صدی میں، ایشیا کے ممالک میں مشرق و مغرب کی جو آویزش رونما ہوئی،  
اس کا ایک خاصہ یہ تھا۔ کہ یورپ نے مشرق اور مشرقیات کو بے حد متاثر کیا۔ اور یہ اثر سیاسیات  
کے علاوہ مذہب اور دینیات تک پر حاوی ہو گیا :

اسلامی ممالک میں جدید گروہ نے مذہب اور سائنس میں تطبیق دینے کی کوشش کی اور  
وہ مسائل جن کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ ان میں سے ایک مسئلہ ارتقاء بھی تھا۔ اس گروہ میں  
سر سید اور علامہ شبلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمارے اپنے زمانے میں جناب عنایت اللہ  
خان صاحب المشرقی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں "ارتقاء" کے علمی اصول کو قرآن سے ثابت  
کرنے کی کوشش کی ہے :

جو حضرات علمی مسائل کو قرآن سے ثابت کرنے کے خیال میں منہمک ہیں۔ ان کی کاوشوں  
کو بعض اکابر علم زیادہ پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ سائنس کے اکتشافات اکثر نظری ہوتے ہیں۔  
اور ان میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ تاہم علمی رجحان رکھنے والوں کی طرف سے

قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کا یہ شوق و شغف کچھ کم لائق تحسین نہیں ؎

ہزارہائیں والے چترال ہمارے خاص شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ انہوں نے فرماں روائی اور علم دوستی کو باہم تطبیق دیتے ہوئے ایک ایسی کتاب لکھی ہے۔ جسے سجا طور پر اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ؎

”صحیفۃ التکوین“ دراصل حیاتیات کے اہم مسئلہ کے متعلق ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق، زندگی کی ابتدا اور ارتقاء سے بحث ہے۔ مصنف نے دیباچہ کتاب میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ اس کتاب کی غرض و غایت یہ نہیں ہے کہ سائنسدانوں کے نظریات کو بزور تاویل قرآن مجید سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ یہ اقدام اس حقیقت کی بنا پر ہے۔ کہ چونکہ سائنسدانوں کے بعض تجربات و مشاہدات، قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان مسائل کا بیان کر دینا یا ان کی تشریح کر دینا کسی طرح بھی قرآن مجید کی تقدیس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ علی الخصوص جبکہ گذشتہ زمانے میں بعض اکابر ائمہ و صوفیہ نے بھی قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام غزالی، امام رابع، اصفہانی، و دیگر اشاعرہ کرام نے اپنے زمانے کے علمی مسلمات کو قرآن کی روشنی میں باعنانِ نظر دیکھ کر اپنے نتائج تحقیق کو تصنیفات کی صورت میں پیش کیا ہے ؎

ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ مصنف نے ”مسئلہ ارتقاء“ کے متعلق جہاں تک کہ اس کا تعلق مغربی کشف حقائق سے ہے۔ گہری واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ پھر جہاں تک کہ اس کا تعلق آیاتِ قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے۔ وہ بھی کافی غور و فکر اور مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔ اگرچہ ”نظم“ علمی مسائل کے بیان کے لئے کوئی موزون اور تسلی بخش ذریعہ اہل خیال نہیں۔ تاہم موجودہ کتاب کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ شعر و قافیہ کی دشواریوں نے وضاحت کے راستے میں کوئی خاص مشکلات نہیں پیدا کیں ؎

یہ کتاب ارتقاء حیات کے مختلف مراحل کا جس شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتی ہے

اس کی جزئیات سے بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس میں ہمارے فاضل مصنف اور شاعر نے سب کچھ کہنے کے باوجود واسن اعتیاد کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا :

عام خیال تو یہ ہے۔ جو دارون کے نظریہ نسل انسانی کی ایک خاص بات ہے۔ کہ انسان اپنے ابتدائی ادوار زندگی میں بندریا نسانس تھا یا اس سے مماثل تھا۔ اور اسی سے اس نے ترقی کی ہے۔ بظاہر یہ خیال قرآن حکیم کے عقیدہ خلافت بشری سے ٹکراتا نظر آتا ہے لیکن ناظرین ہمارے مصنف کی حس دینی سے ضرور متاثر ہوں گے۔ جب وہ مندرجہ ذیل اشعار میں حضرت دارون سے اختلاف کرتے دکھائی دیں گے :-

دراروپا دارون فرزانه      لیک از دین خدا بیگانه  
کرد او انکار ذات کبریا      گفت از خود کرو عالم ارتقا  
گفته اور انسانی سرزبان      نیست انسان ہرگز از بوزیگان  
قربت انسان با بوزینہ نیست      بین این دور نشہ و پرینہ نیست

آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :-

نزد من پیدائش اب البشر      بود چون عیسے ز مادر بے پدر  
ہرچہ خواہد خالق ارض و سما      می شود ز انسان بلا چون چہرا

فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ کہ میں نے المیس اور آدم کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بھی منظم کیا تھا اور تمام اسرار کی پردہ کشائی کا ارادہ تھا۔ لیکن جمہور سے ڈر کر میں نے حذت کر دیا :-

بہر تسکین دل ملائے من      شد تلف آن ٹوٹنے لالائے من  
آئینہ قرآن گفت آست بگو      منکشف گردودر معنی بہ تو

وہ چھپے ہوئے اسرار جن کے متعلق آیات قرآنی نے صراحت نہیں کی اور فہم انسانی

مختلف ادوار میں انکے متعلق مختلف تصورات قائم کئے ہیں۔ مصنف کی نظر سے اوچل نہیں۔ ان میں مصنف کی ساری دلیل ”واللہ اعلم بالصواب“ پر ختم ہو جاتی ہے،

جہاں کتاب میں بے شمار غویاں ہیں۔ وہاں ہمارے خیال میں اس بات کی بھی ضرورت تھی۔ کہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف ذرا زیادہ عام فہم الفاظ میں مسئلہ ارتقا کی باریکیوں سے پردہ اٹھا دیتے۔ تاکہ علما کے علاوہ عوام بھی کتاب سے فائدہ اٹھاتے۔ کیونکہ یہ نظریہ جس قدر زیادہ مشہور ہے۔ اسی قدر مشکل اور پیچیدہ بھی ہے،

امید ہے۔ کہ وہ فارسی دان حضرات جنہیں دینی اور علمی گتھیوں کے سلجھانے کا شوق رہتا ہے۔ اس کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مصنف کے ذوق اور جستجو کی داد دیں گے، دوسری طرف وہ ارباب علم جن کو خلیق انسان کے متعلق مغربی نظریوں سے آگاہی مطلوب ہے اس کتاب سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے،

سیّد محمد عبداللہ

## اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی سیکڑین بابت نومبر ۱۹۳۷ء

# اورنٹیل کالج میگزین

جلد ۱۲ عدد ۵۳

بابت ماہ مئی ۱۹۳۸ء

عدد (۳)

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	دیار عرب کے مغربی سیاح —	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم۔ پی ایچ ڈی	۳
۲	عہد شمس کا ایک مؤرخ شاعر —	آغا عبد الستار خاں ایم۔ اے ریسرچ سکالر	۱۱
۳	بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر مومن سنگھ صاحب دیوانہ ایم۔ اے	۲۵
۴	شیخ ابراہیم اور فرید ثانی	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے ڈی۔ لیٹ	۳۸
۵	نقید و تبصرو	ادارہ اور دیگر صاحبان	۵۹
۶	فہرست اسماء شعرا	مولوی عبدالقیوم ایم۔ اے میکلوڈ و عریک	۹۷
۷	جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے	ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۱۳۶
۸	مطلع السعیدین	ادیٹر	۲۲۵ تا ۲۴۰

نوٹ: — فی ہر صفحہ کوڑھ پینسٹن سوسنی کے کمر ورن میں تقسیم ہوتا ہے۔

گیٹائی انکیکل پرپس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پٹو طرح ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورنٹیل کالج لاہور سے شائع کیا :



# اونٹیل کالج میگزین

## عرض واجب

**انغرض و مقاصد** | اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحداً اسکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی۔

فارسی اور یوپی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں :

**کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے** | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین

شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقسط شائع کئے جائیں گے :

**رسالے کے دو حصے** | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحر و فارسی)

حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحر و گورکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے :

**وقت اشاعت و قیمت اشتراک** | یہ رسالہ بالفضل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست میں شائع ہوگا :

سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ہر اونٹیل کالج کے طلبہ سے چندہ اخلہ کئے وقت وصول ہوگا

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت سالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی

چاہیے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری۔ مئی۔ ستمبر اور نومبر کے آخر

سے شمار کرنی چاہیے :

**خط و کتابت و ریل زر** | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ریل زر صاحب پریس اور اونٹیل کالج کے

نام ہونی چاہیے۔ مضامین کے متعلق جلد مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجیے جائیں :

**محل فروخت** | یہ رسالہ اونٹیل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے :

**قلم تحریر** | حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پریس محمد شفیع ایم۔ اے، اونٹیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ

ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی امانت سے مرتب ہوتا ہے :

نہ چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے :

# دیارِ عرب کے مغربی سیاح

(۱۱) سر رچرڈ برٹن

(Sir Richard Burton)

سر رچرڈ برٹن نے پہلی صدی میں انگلستان میں بحیثیت ایک نڈر سیاح اور متحرزان دان کے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے بعض ایسے کم غیر معروف حصوں میں پہنچا جہاں ابھی تک کسی مغربی سیاح کا گز نہیں ہوا تھا۔ یہاں ہمیں صرف اس کی سیاحت عرب کے سرکار ہے ۔

برٹن ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھا۔ جبکہ اس نے عرب کی سیاحت کا ارادہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۳ء میں وہ اسکندریہ پہنچا۔ یہاں اس نے نہ صرف مشرقی لباس اختیار کیا بلکہ شیخ عبداللہ نام اختیار کر کے مشرقی نشست و برخاست اور عربی طرز معاشرت کی عادت ڈالی۔ اسکندریہ سے قاہرہ آیا۔ تحریری عربی وہ اس سے پیشتر ہندوستان میں سیکھ چکا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر اس نے مزید بول چال کی مشق پیدا کی اور بالآخر دیگر مصریوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے جہاز میں سوار ہو کر ساحلِ حجاز کی طرف روانہ ہوا اور فیوہ کے بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مدینہ پہنچا اور ایک مدنی کے ہاں قیام کیا اور روضہ شریفہ - مسجد قبا اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کی۔

برٹن نے مدینہ کی آب و ہوا، وہاں کی مخلوط آبادی، باشندوں کے عادات و خصائل، طرز معاشرت ان کے مکانات اور مشاغل کی اپنے سفر نامہ میں بہت دلچسپ تفصیل لکھی ہے۔ مدینہ سے وہ شامی قافلہ کے ساتھ جس میں تقریباً سات ہزار لوگ شامل تھے، درب الشرقی کے راستے سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے اس راستے سے کسی مغربی سیاح نے سفر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ برکھارٹس اس سے پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ درب السلطانی کے راستے سے گیا تھا ۔

برٹن نے ٹھہر کر، حرم شریف اور مناسک حج کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ اس سے پہلے برکمارٹ ان کو تفصیلاً بیان کر چکا تھا۔ اس لئے برٹن کے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا۔ کہ وہ برکمارٹ کی تفصیل کا اعادہ کرے۔ چنانچہ اس نے مؤخر الذکر کے صحت بیان کی بجا تعریف کر کے بالعموم اس پر صاف کیا ہے، اور اس کے بیان پر صرف چند ایسے مقامات کی تفصیل کا اضافہ کیا ہے۔ جو مکہ کے نواحی میں ہیں اور جن کو برکمارٹ نے نہیں دیکھا تھا۔

اختتام حج اور مکہ میں چندے قیام کرنے کے بعد برٹن جدہ کے راستہ سے واپس وطن لوٹا اور اپنے حالات سفر میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ذیل میں درج ہے۔ اس کا سفر نامہ بذات خود ایک اہم اور لائق یاد کار نامہ تھا۔ مگر اس کا سفر نامہ بھی اس سے کچھ کم قابل ذکر نہیں۔ ملک عرب پر خفیہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان پر برٹن کے سفر نامہ کو کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ جو شے برٹن کے مشاہدہ میں آئی، اس نے اس کی نوکِ قلم سے ہر بہو تصویر کھینچ دی ہے اور وہ عربوں کی جبلت اور سرشت کو ایسی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان کے اوضاع و اطوار۔ اور عادات و خصائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کے زور بیان اور ظرفیت کی چاشنی نے اس کے سفر نامہ کو اور بھی زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک ہسپانی عُرف علی بیگ، برکمارٹ اور دیگر اشخاص نے حرمین کی زیارت کی تھی مگر ان کے نام اور کارنامے عوام کے ذہن سے اُتر چکے تھے۔ اور جب برٹن کا دلچسپ اور بدیع المثال سفر نامہ شائع ہوا تو عوام نے یہی خیال کیا کہ اہل یورپ میں سے برٹن پہلا شخص ہے، جسے اپنی زبان وافی، حوصلہ مندی اور جرأت کی بدولت مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مگر غمی اور خجرا فی لحاظ سے برٹن کے سفر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ برکمارٹ اور دیگر تباح حجاز میں سفر کر چکے تھے اور وہاں کے جغرافی اور معاشرتی کوائف بیان کر چکے تھے۔

برٹن کا اصل مقصد یہ تھا کہ اگر ممکن ہو تو حجاز پہنچ کر وہاں ضروری ذرائع و وسائل حاصل کر کے ریلنگ اٹالی کو قطع کرے۔ مگر وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ خود دیویوں کا بھی اس سیان میں کم گزر ہوتا ہے۔ لہذا اسے اپنے منصوبہ کو ترک کرنا پڑا۔ ریلنگ اٹالی کو قطع کرنا برٹن کے ہومن برٹم ٹوس کے لئے مفد ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

سفر حجاز کے تقریباً پچیس سال بعد برٹن کو ارض مدین میں تحقیقات کرنے کا موقع ملا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگرچہ زمانہ قدیم میں مدین کے گرد و نواح میں مختلف قیمتی معدنیات خصوصاً سونے کی خاطر لوگ عرصہ تک کھدائی کرتے رہے تھے۔ مگر ان کی کھدائی محض سطحی تھی۔ اور معدنی ذخیرہ کے ختم ہو جانے کے سبب سے یا مناسب آلات کے موجود نہ ہونے کے باعث یہ کام مدت سے بند ہو چکا تھا۔ جن دنوں مصر میں خدیو اسماعیل پاشا حکمران تھا۔ ایک مصری تاجر ان علاقہ سے کچھ ریت لایا جس میں سونا ملا ہوا تھا۔ برٹن بھی ان دنوں مصر میں تھا۔ اس نے فوراً یہ نتیجہ نکالا کہ مدین کے علاقہ میں اب بھی ضرور سونے کی کان ہوگی۔ خدیو کو جب ان حالات سے اطلاع ہوئی تو اس نے برٹن کو مدین جانے اور حکومت مصر کی طرف سے وہاں کھدائی کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ برٹن چند رفیقوں اور ایک حراستی دستہ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ مدین کے علاقہ میں پہنچ کر دیکھا کہ متعدد مقامات پر کھدائی کے نشانات موجود ہیں۔ مگر یہ کھدائی محض سطحی تھی۔ علاوہ ازیں اس نے اٹھارہ شہروں کے کنڈر دیکھے جہاں صرف دیواروں کی بنیادیں اور بھٹیوں کے چند ایک نشان موجود تھے۔ یہاں اسے کچھ قدیم سکے بھی ملے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہاں تابنا بھی کثیر مقدار میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چاندی، سونے اور لوہے کے بھی آثار ملے۔ برٹن نے اپنے سفر مدین کے حالات اور نتائج تحقیقات کو حسب ذیل دو کتابوں میں قلمبند کیا ہے:

*Gold Mines of Midian* (London, 1878);

*The Land of Midian Revisited* (London 1879);

برٹن نے بلادِ اسمال اور وسطِ افریقہ کی بھی سیاحت کی تھی۔ علمِ جغرافیہ کے لحاظ سے یہ سفر خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اُن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔

برٹن بحیثیتِ الف لیلہ کے مترجم کے بھی خاصی شہرت کا مالک ہے۔ اگرچہ اُس سے پہلے علاوہ دیگر فرنگی مترجموں کے اڈورڈ لین نے اس کا انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں لندن سے ۱۸۳۷ء میں شائع کیا تھا۔ مگر یہ ترجمہ مکمل نہ تھا۔ کیونکہ لین نے یا تو بعض حکایات کو مختصر کر دیا تھا اور یا ایسے مقامات کو جہاں عربیان بیانی اور فحش نگاہی تھی۔ بالکل تلفِ ذکر دیا تھا۔ برٹن نے نہ صرف اس مشہور مجموعہ حکایات کا متن و معنی ترجمہ کیا۔ بلکہ توضیحِ مطالب کے لئے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اسے بہت سے حواشی کا اضافہ کیا۔ ان میں سے بعض حواشی ایسے معاملات پر ہیں جو بالعموم معرضِ بحث میں نہیں آتے یا انہیں زبانِ قلم پر لانے سے احتراز کیا جاتا ہے ۔

## (۱۲) پالگریو

(Palgrave)

پالگریو قومیت کے لحاظ سے انگریز اور باپ کی طرف سے یہودی النسل تھا۔ برٹن کے سفرِ حجاز کے تقریباً دس سال بعد دیارِ عرب میں وارد ہوا۔ اس کی سیاحت کا مقصد غالباً سرِ افراسانی اور جاسوسی تھا۔ کیونکہ وہ خود ہی اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔ کہ اس کے تمام اخراجات سفر کی کفالت پر بین سوم شہنشاہِ فرانس نے کی تھی۔ ان دنوں مہرِ سوڈ کے اجراء کا مسئلہ درپیش تھا۔ ممکن ہے کہ شاہِ مذکور کو اسی مناسبت سے دیارِ عرب کے سیاسی حالات دریافت کرنا مقصود ہو اور وہ سوڈ کے متعلّق ملاقوں کے عربی شیوخ اور امیروں کو اپنا حلیف بنانا چاہتا ہو۔

بہر حال پالگریو ایک شامی شخص کے ہمراہ عربی نام اور عربی لباس اختیار کر کے معان (جنوبی فلسطین) سے روانہ ہو کر دادی سرخان کے راستہ سے الجوف کے مشہور غلستان میں پہنچا۔ اور وہاں اپنے آپ کو ایک شامی طبیب ظاہر کیا اور تقریباً تین مہینے مقیم رہا۔ اس سے پہلے والن بھی الجوف

سے گزرجکا تھا۔ پاگلریو نے الجوت کا جو بیان اپنے سفرنامہ میں دیا ہے۔ وہ والٹن کے بیان سے بالعموم مطابقت رکھتا ہے۔ مگر زیادہ مفصل ہے۔ وہاں سے اس نے بنورشد کے پایہ تخت حاصل کارُخ کیا اور راستہ میں صحراء نفود کو قطع کیا۔ پاگلریو پہلا مغربی سیاح ہے جس نے وہاں کے فلیج یعنی گھوڑے کی نعل کی شکل کے ریتے گڑھوں کو دیکھا اور نفود کے بیان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعد کے سیاحوں نے اس قسم کے گڑھوں کے ساتھ جو اس صحراء کے خصوصیات سے شمار ہوتے ہیں زیادہ اعتناء کیا ہے۔ یہ گڑھے جن کو عرب لوگ فلیج کہتے ہیں۔ کئی گز گہرے اور مدور شکل کے ہوتے ہیں۔ محققین کے درمیان ان کی اصل اور طرز ساخت میں اختلاف ہے۔ مگر قرین تئیس یہی امر ہے۔ کہ یہ گڑھے باریک اور گہری ریت پر زور دار ہوا کے مسلسل اثر سے پیدا ہوتے ہیں۔ فلیج کی مخصوص شکل یہ ہے۔ کہ اس کی گہرائی کے تین اطراف بلند و درٹیلے سے محصور ہوتے ہیں۔ اور چوتھی جانب ہوا کے رُخ پر خالی ہوتی ہے۔ اس قسم کے گڑھے یا ٹیلے مغربی پنجاب کے ریتے علاقوں میں بھی چھوٹے ہیما نہ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

صحراء نفود کو قطع کر کے پاگلریو بنو شمر کے علاقہ کے مشہور شہر حائل میں پہنچا۔ جہاں اُن دنوں بنورشد کی حکومت تھی۔ حائل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ جن کے قدیم نام اجا اور سلٹی ہیں اور جن کو اکحل مجموعی طور پر جبل شمر کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک عرصہ سے قبیلہ شمر وہاں آباد ہے۔ بنورشد نے حسن تدبیر سے ایک منظم اور پُر امن حکومت قائم کر رکھی تھی۔ جس سے وہاں کی آبادی میں روز افزائی ترقی اور فارغ البالی اور تجارت میں خوشحالی رونما تھی۔ پاگلریو یہاں کئی ماہ تک مقیم رہا۔ اور چند مرتبہ حائل کے امیر کی خدمت میں بھی باریاب ہوا اور اپنے اختیار کردہ پیشہ طبابت کے واسطے سے اُسے وہاں کے تقریباً ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے وہاں کے خلیفانوں، لوگوں کے ذرائع معاش اور ان کی گھریلو زندگی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

*Narrative of a Year's Journey through Central and Eastern Arabia (London 1865);*

حائل سے پالگریج کی طرف چلا اور علاقہ نصیم کے شہروں بُریدہ اور عنبرہ سے ہوتا ہوا نجد کے پایہ تخت ریاض میں پہنچا۔ پالگریج وہاں سات مہینے مقیم رہا اور وہاں کے مذہبی عقائد و اعمال، اور عام طرز زندگی کا مطالعہ کرتا رہا۔ بالآخر لوگوں نے اور خصوصاً اہل حکومت نے اسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اندریں حالات وہ اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک ات چپکے سے ریاض سے نکل پڑا اور مشرقی ساحل کا رخ کیا ۛ

پالگریج نہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آسائش پسند شخص تھا۔ چنانچہ اس نے ساحلی علاقہ کے مغستانی شہروں مثلاً خصوصاً، حسا اور قطیف وغیرہ میں جہاں کے لوگ نسبتاً خوشحال، ہنسی زندگی کے ناز و نعمت کے غور اور وہابیت کے تشدد سے نفور تھے۔ بڑے مزے کے دن گزارے پالگریج نے اپنے سفر نامہ میں ان کی طرز زندگی کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اُن کی معاشرت کی تعریف میں رطب اللسان ہے مگر اہل باد یہ کے لئے اس کے پاس کسی قسم کی ہمدردی یا سناٹا نہیں علم جغرافیہ کے لحاظ سے پالگریج کی سیاحت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس نے کوئی بڑا اکتشاف نہیں کیا۔ بلکہ مختلف اقطارِ عرب کی جو جغرافیائی کیفیت اس نے لکھی ہے بعد کے سیاحوں کے بیان سے مقابلہ کرنے پر شکوک ٹھہرتی ہے۔ یا تو وہ خلاف حقیقت ہے یا سببالغہ آمیز۔ اس کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ سیاحت میں اس کے پیش نظر کوئی علمی غرض نہ تھی۔ دورانِ سفر میں اس نے جغرافیائی تحقیقات اور علمی تدقیقات سے سرکار نہ رکھا تھا اور واپسی پر اپنا سفر نامہ محض اپنے حافظہ کی بنا پر لکھا تھا ۛ

حضری عربوں کی معاشرت اور عادات کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ مصنف کے دلائل و انداز بیان کے سبب سے بہت دلچسپ ہے اور بعد کے سیاحوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ مگر افسوس کہ ملک کے جغرافیہ اور دیگر امور کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ اس پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۛ

## ۱۳) گوارمانی

(Guarmani)

پانگلو کی سیاحت کے مقصد ہی مدت بعد ایک دیگر مغربی سیاح (گوارمانی) کو تقسیم کے علاقہ تک ان تمام دیار عرب میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پانگلو کا گذر ہوا تھا۔ اس اجال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ شہنشاہِ فرانس کو (غالباً پانگلو کی رپورٹ کا واسطہ سے) اپنے اہل سے لئے مغربی نسل کے اہل گھوڑوں کو ان کے اصلی وطن سے نکلوانے کا شوق چرایا۔ ان کی خرید کے لئے اس کی نگاہ انتخاب گوارمانی پر پڑی جو قومیت کے لحاظ سے اطالوی تھا اور اقدس (یروشلم) میں ایک مغربی حکومت کے گمشدہ کی حیثیت سے ایک عرصہ راز نامک مقیم رہ چکا تھا۔ لہذا اس سے پیشتر بحسب بدل کردہ اندرون عرب میں الجوف تک سفر بھی کر چکا تھا۔

چنانچہ ۱۸۶۳ء کے آغاز میں اس نے اندرون عرب کا راستہ لیا۔ شام کے مشرق میں قبیلہ رُوبلہ آباد ہے۔ چونکہ اس قبیلہ اور اس کے سردار کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے۔ اس لئے ان کی حفاظت اور حمایت میں صحرائے نفود کے کنارے ہوتا ہوا وہ جلد تین دن تک جا پہنچا۔ اور وہاں سلسلانی وضع اختیار کر کے اپنا نام خلیل آغا رکھا اور اپنے آپ کو ترک ظاہر کیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ میں وائی دمشق کا گمشدہ ہوں اور سلطانِ اہل طرابلس کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہوں۔ تیس دن کے جنوبی حرہ کو قطع کر کے گوارمانی خیبر کے مقام پر پہنچا۔ وہ پہلا مغربی سیاح ہے جو اس مشہور اور قدیم نخلستان میں وارد ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں اتنے حبشی آباد ہیں کہ وہ بلاد السودان کا ایک قطعہ معلوم ہوتا تھا۔ امیر حائل کی طرف سے وہاں ایک حبشی امیر مقرر تھا۔ جو گوارمانی کے ساتھ نہرانی سے پیش آیا۔ چونکہ یہاں گھوڑے نہ تھے اس لئے اس نے تقسیم کا رُنج کیا۔ یہاں عنبرہ میں عبد اللہ مجدی ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ اس نے نواد کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور سعادۂ انداز اختیار کیا۔ اس لئے گوارمانی کو مجبوراً واپس حائل آنا پڑا۔



مائل اور اس کے نواحی میں گوارامانی بلاروک ٹوک پھرتا رہا۔ اگرچہ اس سے پہلے والہن اور پالگریو بھی مائل میں رہ چکے تھے۔ مگر ان کی واقفیت اور علم صرف مائل کے شہر اور وہاں کے باشندوں تک محدود تھا۔ مگر گوارامانی نے جبل شمر کے نواحی میں تمام قریوں اور قبیلہ شمر کے بدویوں کو چل پھر کر دیکھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبل شمر کے مغرب میں بہت سے قریے ہیں جو دراصل قبیلہ مذکور کی قوت و اقتدار کا اصلی مرکز ہیں۔

ایسی ہی پر گوارامانی نے اطالوی زبان میں اپنا سفرنامہ لکھا۔ جس کا عنوان ذیل میں درج ہے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے اپنے فراہم کردہ جغرافیائی معلومات اور دیگر ذاتی مشاہدات اور واقعات بے کم و کاست صحیح صحیح قلمبند کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ سیاحت میں علاقہ شمر میں ایسا امن و امان قائم تھا کہ وہاں کا سفر و سیاحت اس کے وطن اٹلی سے بھی زیادہ بے خطر تھا۔ گوارامانی نے اگرچہ پالگریو کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر بہت سی باتوں میں اس کے سفرنامہ سے پالگریو کے بیانات کی تصحیح ہوتی ہے۔ چونکہ اسے شمالی نجد میں اصرار و ہرکمی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور اس کے پاس ابکابھی کمپاس (قطب نما) بھی تھی۔ اسلئے اس کی اطلاعات سلسلہ ہائے کوہ کے رُخ اور مقامات کے محل وقوع اور ان کے باہمی فاصلہ کے متعلق اپنے پیشرو سیاحوں کے بیانات کی نسبت زیادہ درست اور قابل اعتماد ہیں۔ اسی لئے اس کے بیانات اور فراہم کردہ معلومات جغرافیہ نگاروں کے لئے شمالی نجد اور شمالی حجاز کا نقشہ تیار کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

عنایت اللہ

(ملتان)

---

*Carlo Guarmani, Il Neged settentrionale.  
Itinerario da Gerusalemme a Anizeh nel Cassim (Jerusalem, 1866)  
Northern Neged, translated by P. Garrothers. (London, 1917);*

# عہدِ شمس کا ایک مؤرخ شاعر

مولانا منہاج الدین ابو عمر عثمان بن مولانا سراج الدین محمد العجوة الزمان بن مولانا منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن عبدالحق الجوزجانی طبقاتِ ناصری کے مؤلف جو منہاج سراج منہاج کے مختصر نام سے مشہور ہیں۔ اعلیٰ پایہ کے مؤرخ ہونے کے علاوہ فنِ شعر میں ایک خاص رتبہ رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کا کوئی دیوان موجود نہیں اور اگر موجود تھا بھی تو زمانہ کی دستبرد سے ہم تک نہیں پہنچا۔ غالب احتمال یہی ہے کہ نہیں تھا۔ اسلئے کہ ان کے معاصرین یا خود مؤلف نے جہاں اپنے حالات یا دیگر امور کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے متعلق اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ ہاں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک بلند رتبہ شاعر تھے۔ کیونکہ ان کی تالیفات میں نہ صرف مدحیہ قصائد ملتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر چند رباعیات اور قطعات بھی نظر آتے ہیں۔ زمانہِ حبس کی ایک نظم کے چند اشعار بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ مجموعہ اس فن میں ان کی مہارت نامہ پر کافی دال ہے۔

منہاج سراج منہاج کی زندگی کے مکمل حالات ان کی اپنی زبانی جا بجا طبقات میں ملتے ہیں۔ میجر راورٹی نے نہایت کدوکاوش سے انہیں کیجا جمع کر کے اپنے انگریزی ترجمہ طبقات جلد نم کے خاتمہ میں درج کر دیا ہے اور جن کا اعادہ یہاں محقق کی نظر میں اگرچہ نامناسب معلوم ہوگا۔ لیکن اس موقع پر جبکہ مولانا کی شاعری کا تبصرہ منظور ہے۔ یہاں ان حالات کا بربیل اختصار تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا۔

مصنعت کے اپنے بیان کے مطابق ان کے والد جو اس وقت فیروزکوہ میں سلطان غیاث الدین محمد سام کی خدمت میں تھے۔ ۵۹۱ھ میں سلطان بہاؤ الدین سام والئے بامیان و طخارستان کی خواہش پر سلطان غیاث الدین سے اجازت لے کر بامیان چلے آئے۔ یہاں بڑا عہد پایا اور قاضی فوج کے عہدے پر مرفراز ہونے کے علاوہ دو دروسوں اور ان کے اوقات کے

موتوی قرار دیئے گئے اور جن خدمات کے صلہ میں انعام و اکرام سے بھی مالا مال ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہمارے مولانا کی عمر بنیں برس کی تھی ۶

ان کی والدہ سلطان غیاث الدین محمد سام کی دختر شہزادی ماہ ملک الملقب بہ جلال الدینا والدین کی دودھ شرب اور کم کتب تھی اور چونکہ وہ شہزادی کی خدمت میں رہتی تھی۔ اس لئے مولانا نے بھی شاہی حرم کی فضا میں پرورش پائی اور یہاں ہی تربیت حاصل کی اور سن بلوغ تک اسی بارگاہ میں رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر بسیل تذکرہ فرماتے ہیں۔ کہ ۶۰۷ھ میں میں فیروز کوہ میں سلطان کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جب امیر منگوس زر و سوار خوں چکاں تو برہ لٹکائے۔ ملک کن لدین محمود کا سر بیچ میں ڈالے آیا اور محل کے اندر داخل ہو گیا ۶

۶۲۲ھ میں جب ان کی عمر روٹے حساب ۳۵ سال کی بنتی ہے۔ وہ پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچے ہیں ۶

ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے موقع پر جو ۶۴۴ھ میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ایک مدحیہ قصیدہ لکھتے ہیں ۶

بیت سالت تاکہ منہاج سراج خستہ را

درد عاگوئی این حضرت فرار پاشش است

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو ہندوستان میں رہتے ہیں بیس سال گزر چکے تھے ۶ خود منہاج سراج منہاج نے اپنی تاریخ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ مگر سہ سالگی اور شہزادگی کے حساب سے تہہ چلتا ہے کہ ان کی پیدائش ۵۸۹ھ کے قریب ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جب ان کا خاندان سلطنت کے پای تخت فیروز کوہ میں مقیم تھا اور سلطان غیاث الدین محمد سام کی حکومت کا دور تھا۔ ۵۹۱ھ میں ان کے والد تو بامیان کی طرف چلے گئے۔ لیکن مولانا اپنی والدہ کے ساتھ شہزادی ماہ ملک کے محل میں رہے اور شہزادی کے التفات سے شاہی حرم میں امیر زادوں کی طرح ۶

۵۹۱ھ ۵۹۲ھ ۵۹۳ھ ۵۹۴ھ ۵۹۵ھ ۵۹۶ھ ۵۹۷ھ ۵۹۸ھ ۵۹۹ھ ۶۰۰ھ ۶۰۱ھ ۶۰۲ھ ۶۰۳ھ ۶۰۴ھ ۶۰۵ھ ۶۰۶ھ ۶۰۷ھ ۶۰۸ھ ۶۰۹ھ ۶۱۰ھ ۶۱۱ھ ۶۱۲ھ ۶۱۳ھ ۶۱۴ھ ۶۱۵ھ ۶۱۶ھ ۶۱۷ھ ۶۱۸ھ ۶۱۹ھ ۶۲۰ھ ۶۲۱ھ ۶۲۲ھ ۶۲۳ھ ۶۲۴ھ ۶۲۵ھ ۶۲۶ھ ۶۲۷ھ ۶۲۸ھ ۶۲۹ھ ۶۳۰ھ ۶۳۱ھ ۶۳۲ھ ۶۳۳ھ ۶۳۴ھ ۶۳۵ھ ۶۳۶ھ ۶۳۷ھ ۶۳۸ھ ۶۳۹ھ ۶۴۰ھ ۶۴۱ھ ۶۴۲ھ ۶۴۳ھ ۶۴۴ھ ۶۴۵ھ ۶۴۶ھ ۶۴۷ھ ۶۴۸ھ ۶۴۹ھ ۶۵۰ھ ۶۵۱ھ ۶۵۲ھ ۶۵۳ھ ۶۵۴ھ ۶۵۵ھ ۶۵۶ھ ۶۵۷ھ ۶۵۸ھ ۶۵۹ھ ۶۶۰ھ ۶۶۱ھ ۶۶۲ھ ۶۶۳ھ ۶۶۴ھ ۶۶۵ھ ۶۶۶ھ ۶۶۷ھ ۶۶۸ھ ۶۶۹ھ ۶۷۰ھ ۶۷۱ھ ۶۷۲ھ ۶۷۳ھ ۶۷۴ھ ۶۷۵ھ ۶۷۶ھ ۶۷۷ھ ۶۷۸ھ ۶۷۹ھ ۶۸۰ھ ۶۸۱ھ ۶۸۲ھ ۶۸۳ھ ۶۸۴ھ ۶۸۵ھ ۶۸۶ھ ۶۸۷ھ ۶۸۸ھ ۶۸۹ھ ۶۹۰ھ ۶۹۱ھ ۶۹۲ھ ۶۹۳ھ ۶۹۴ھ ۶۹۵ھ ۶۹۶ھ ۶۹۷ھ ۶۹۸ھ ۶۹۹ھ ۷۰۰ھ ۷۰۱ھ ۷۰۲ھ ۷۰۳ھ ۷۰۴ھ ۷۰۵ھ ۷۰۶ھ ۷۰۷ھ ۷۰۸ھ ۷۰۹ھ ۷۱۰ھ ۷۱۱ھ ۷۱۲ھ ۷۱۳ھ ۷۱۴ھ ۷۱۵ھ ۷۱۶ھ ۷۱۷ھ ۷۱۸ھ ۷۱۹ھ ۷۲۰ھ ۷۲۱ھ ۷۲۲ھ ۷۲۳ھ ۷۲۴ھ ۷۲۵ھ ۷۲۶ھ ۷۲۷ھ ۷۲۸ھ ۷۲۹ھ ۷۳۰ھ ۷۳۱ھ ۷۳۲ھ ۷۳۳ھ ۷۳۴ھ ۷۳۵ھ ۷۳۶ھ ۷۳۷ھ ۷۳۸ھ ۷۳۹ھ ۷۴۰ھ ۷۴۱ھ ۷۴۲ھ ۷۴۳ھ ۷۴۴ھ ۷۴۵ھ ۷۴۶ھ ۷۴۷ھ ۷۴۸ھ ۷۴۹ھ ۷۵۰ھ ۷۵۱ھ ۷۵۲ھ ۷۵۳ھ ۷۵۴ھ ۷۵۵ھ ۷۵۶ھ ۷۵۷ھ ۷۵۸ھ ۷۵۹ھ ۷۶۰ھ ۷۶۱ھ ۷۶۲ھ ۷۶۳ھ ۷۶۴ھ ۷۶۵ھ ۷۶۶ھ ۷۶۷ھ ۷۶۸ھ ۷۶۹ھ ۷۷۰ھ ۷۷۱ھ ۷۷۲ھ ۷۷۳ھ ۷۷۴ھ ۷۷۵ھ ۷۷۶ھ ۷۷۷ھ ۷۷۸ھ ۷۷۹ھ ۷۸۰ھ ۷۸۱ھ ۷۸۲ھ ۷۸۳ھ ۷۸۴ھ ۷۸۵ھ ۷۸۶ھ ۷۸۷ھ ۷۸۸ھ ۷۸۹ھ ۷۹۰ھ ۷۹۱ھ ۷۹۲ھ ۷۹۳ھ ۷۹۴ھ ۷۹۵ھ ۷۹۶ھ ۷۹۷ھ ۷۹۸ھ ۷۹۹ھ ۸۰۰ھ ۸۰۱ھ ۸۰۲ھ ۸۰۳ھ ۸۰۴ھ ۸۰۵ھ ۸۰۶ھ ۸۰۷ھ ۸۰۸ھ ۸۰۹ھ ۸۱۰ھ ۸۱۱ھ ۸۱۲ھ ۸۱۳ھ ۸۱۴ھ ۸۱۵ھ ۸۱۶ھ ۸۱۷ھ ۸۱۸ھ ۸۱۹ھ ۸۲۰ھ ۸۲۱ھ ۸۲۲ھ ۸۲۳ھ ۸۲۴ھ ۸۲۵ھ ۸۲۶ھ ۸۲۷ھ ۸۲۸ھ ۸۲۹ھ ۸۳۰ھ ۸۳۱ھ ۸۳۲ھ ۸۳۳ھ ۸۳۴ھ ۸۳۵ھ ۸۳۶ھ ۸۳۷ھ ۸۳۸ھ ۸۳۹ھ ۸۴۰ھ ۸۴۱ھ ۸۴۲ھ ۸۴۳ھ ۸۴۴ھ ۸۴۵ھ ۸۴۶ھ ۸۴۷ھ ۸۴۸ھ ۸۴۹ھ ۸۵۰ھ ۸۵۱ھ ۸۵۲ھ ۸۵۳ھ ۸۵۴ھ ۸۵۵ھ ۸۵۶ھ ۸۵۷ھ ۸۵۸ھ ۸۵۹ھ ۸۶۰ھ ۸۶۱ھ ۸۶۲ھ ۸۶۳ھ ۸۶۴ھ ۸۶۵ھ ۸۶۶ھ ۸۶۷ھ ۸۶۸ھ ۸۶۹ھ ۸۷۰ھ ۸۷۱ھ ۸۷۲ھ ۸۷۳ھ ۸۷۴ھ ۸۷۵ھ ۸۷۶ھ ۸۷۷ھ ۸۷۸ھ ۸۷۹ھ ۸۸۰ھ ۸۸۱ھ ۸۸۲ھ ۸۸۳ھ ۸۸۴ھ ۸۸۵ھ ۸۸۶ھ ۸۸۷ھ ۸۸۸ھ ۸۸۹ھ ۸۹۰ھ ۸۹۱ھ ۸۹۲ھ ۸۹۳ھ ۸۹۴ھ ۸۹۵ھ ۸۹۶ھ ۸۹۷ھ ۸۹۸ھ ۸۹۹ھ ۹۰۰ھ ۹۰۱ھ ۹۰۲ھ ۹۰۳ھ ۹۰۴ھ ۹۰۵ھ ۹۰۶ھ ۹۰۷ھ ۹۰۸ھ ۹۰۹ھ ۹۱۰ھ ۹۱۱ھ ۹۱۲ھ ۹۱۳ھ ۹۱۴ھ ۹۱۵ھ ۹۱۶ھ ۹۱۷ھ ۹۱۸ھ ۹۱۹ھ ۹۲۰ھ ۹۲۱ھ ۹۲۲ھ ۹۲۳ھ ۹۲۴ھ ۹۲۵ھ ۹۲۶ھ ۹۲۷ھ ۹۲۸ھ ۹۲۹ھ ۹۳۰ھ ۹۳۱ھ ۹۳۲ھ ۹۳۳ھ ۹۳۴ھ ۹۳۵ھ ۹۳۶ھ ۹۳۷ھ ۹۳۸ھ ۹۳۹ھ ۹۴۰ھ ۹۴۱ھ ۹۴۲ھ ۹۴۳ھ ۹۴۴ھ ۹۴۵ھ ۹۴۶ھ ۹۴۷ھ ۹۴۸ھ ۹۴۹ھ ۹۵۰ھ ۹۵۱ھ ۹۵۲ھ ۹۵۳ھ ۹۵۴ھ ۹۵۵ھ ۹۵۶ھ ۹۵۷ھ ۹۵۸ھ ۹۵۹ھ ۹۶۰ھ ۹۶۱ھ ۹۶۲ھ ۹۶۳ھ ۹۶۴ھ ۹۶۵ھ ۹۶۶ھ ۹۶۷ھ ۹۶۸ھ ۹۶۹ھ ۹۷۰ھ ۹۷۱ھ ۹۷۲ھ ۹۷۳ھ ۹۷۴ھ ۹۷۵ھ ۹۷۶ھ ۹۷۷ھ ۹۷۸ھ ۹۷۹ھ ۹۸۰ھ ۹۸۱ھ ۹۸۲ھ ۹۸۳ھ ۹۸۴ھ ۹۸۵ھ ۹۸۶ھ ۹۸۷ھ ۹۸۸ھ ۹۸۹ھ ۹۹۰ھ ۹۹۱ھ ۹۹۲ھ ۹۹۳ھ ۹۹۴ھ ۹۹۵ھ ۹۹۶ھ ۹۹۷ھ ۹۹۸ھ ۹۹۹ھ ۱۰۰۰ھ

پدوش پاتے رہے۔ شہزادی ماہ ملک خود علم دوست تھیں۔ انہوں نے محل میں ایک کتب خانہ بھی جمع کر رکھا تھا۔ اس کتب خانہ میں مولانا نے ۱۰۷۷ھ میں فخر الدین مبارک شاہ مروروزی کی کتاب منظوم "نہبت نامہ" دیکھی تھی۔ جیسا کہ وہ اپنی تالیف میں ذکر کرتے ہیں۔ ان بعض مشاہدات سے ظاہر ہے کہ وہ چودہ سال تک شاہی محل میں زیر سرپرستی ملک ماہ ملک تربیت پاتے رہے۔ بلکہ ۱۰۷۷ھ میں بھی ہم انہیں ان کے بیان کے مطابق فیروزکوہ میں مقیم دیکھتے ہیں :

مولانا نے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے۔ چنانچہ ۱۰۷۷ھ میں وہ حصار تولک میں موجود ہیں اور ان کے بھائی شہر حصار فیروزکوہ میں۔ تو ۱۰۸۱ھ میں ولایت کرلو و تمران میں۔ پھر اسی سال غور واپس آتے ہیں۔ اس کے بعد ۱۰۸۲، ۱۰۸۳ھ میں دوبار حصار تولک سے رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے قستان جاتے ہیں اور تیسری بار ۱۰۸۳ھ میں ملک کن الدین بختیار کی طرف سے ملک تاج الدین نیالتگین شاہ سیستان کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے اسی سال باو شاہ قستان کے ہاں سفیر بن کر جاتے ہیں۔ مگر وہاں سے پھر خیساں میں ملک کن الدین کے پاس اقامت گزین ہوتے ہیں۔ لیکن اسی سال ہندوستان کے سفر کا عزم کر کے ملک سے اجازت لے کر سامان سفر کی خریداری کے لئے فراہ میں پہنچتے ہیں۔ اس وقت نیالتگین قستانی ملاحدین سے جنگ کر کے شکست خوردہ آتا ہے اور چاہتا ہے کہ معارف سے کسی فرد کو شمس الدین مختتم فرماندہ قستان سے مصالحت و معاہدہ کر دینے کے لئے بھیجے مگر اس کے ملازمین میں سے اس کام پر جانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ اتنے میں اسے مولانا کے فراہ کے قریب پہنچنے کی خبر ملتی ہے۔ وہ ایک ساز و لاگھوڑا اور امراء اور ملازمین کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کرتا ہے۔ اور مولانا کو اپنے پاس بلاتا ہے اور انہیں سفیر بنا کر ملک کن الدین کو ان کے ہمراہ کرنا ہے۔ مختتم اس وقت نیزہ میں اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ مولانا قستان سے نہ واپس آتے ہیں اور شرائط صلح طے کر کے واپس لوٹتے ہیں۔ نیالتگین انہیں دوبارہ جانے کے لئے کہتا ہے۔

لیکن وہ انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ قید میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مگر ملک رکن الدین کی مداخلت سے رہائی حاصل کرتے ہیں۔

۶۲۴ھ میں وہ غرسان سے غزنی اور سقان [نبیان (راورٹی)] کے راستے کشتی کے ذریعہ روزہ شنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ کو اُچر پہنچتے ہیں۔ اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں اُچر کے مدرسہ فیروزی کی عنان انتظام ان کے سپرد کر دی جاتی ہے اور ساتھ ملک ناصر الدین تباچہ کے صاحبزادے بہرام شاہ کی افواج کے قاضی مقرر ہوتے ہیں۔ یکم ربیع الاولیٰ ۶۲۵ھ کو شمس الدین التمش کی افواج اُچر کی طرف پیش قدمی کرتی ہیں اور ۲۷ جمادی الاولیٰ کو اُچر اور ۲ جمادی الآخر کو قلعہ بکر فتح ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاہی فوجیں رمضان ۶۳۵ھ میں دہلی روانہ ہوئیں اور مولانا بھی سلطان کے ساتھ دہلی آ گئے۔ جہاں ۶۳۹ھ تک مقیم رہے۔ اسکے بعد گوالیار کی مہم پر سلطان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ گیارہ ماہ تک گوالیار کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثنا میں مولانا نے ۹۵ مرتبہ تذکیر گوئی کی۔ ان مجالس میں خود سلطان حاضر ہوتا۔ عبد الاضعی کے موقف پر مولانا نے سلطان کے حکم سے اہمیت نماز کا فرض ادا کیا اور خطبہ پڑھا۔ سلطان نے خلعت سے سرفراز کیا۔ ۲۶ ربیع صفر ۶۳۹ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا اور مولانا دہلی کے قاضی خطیب۔ امام منتخب اور باقی تمام امور شرعیہ کے حاکم مقرر ہوئے اور تشریفات فاخرہ اور انعامات وافرہ عطا ہوئے۔

۶۳۵ھ میں بعد سلطان رضیہ الدین وہ گوالیار سے دہلی چلے آئے اور اسی سال تمبھار کے جینے میں سلطان نے دہلی کے مدرسہ ناصر بہ کا انتظام اور عمدہ قضائے گوالیار ان کے سپرد کئے۔

۶۳۷ھ میں معز الدین بہرام شاہ بن التمش تخت نشین ہوا۔ امراء و وزراء نے صلیب داری اٹھایا۔ سلطان کو سیدھا سادھا حاکم سمجھ کر وزیر نے من مافی کاروائیاں کرنی شروع کیں۔ سلطان کو

علم ہوا تو بہت جھنجھلایا اور عنان سلطنت سنبھالنے کے ورپے ہوا۔ دو سال تک براہِ عجیب فتنے برپا رہے۔ ۶۳۹ھ میں لاہور پر غزنویوں کی یورش ہوئی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سلطان نے یہ خبر سنی تو سراپیمہ پڑا اور لوگوں کی ہمدردی بروئے کار لانے کے لئے دہلی میں قصر سفید میں ایک اجتماع کروایا۔ جہاں مولانا کو وعظ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سلطان نے مولانا کو شنبہ کے دن ۱۰ رجب ۶۳۹ھ میں پہلی بار دہلی کا بلکہ تمام قلمرو کا قاضی مقرر کیا اور تشریف و عواطف سے ممتاز کیا۔ اسی سال دہلی میں فساد برپا ہوا۔ سلطان کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی۔ مولانا نے اور دوسرے امراء نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں پورا پورا حصہ لیا۔ لیکن بے سود رہا۔ خود مولانا پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ چونکہ سلسلہ تھے۔ اس لئے حملہ آور کو جرات نہ ہوئی تھی۔

مولانا اس صورتِ حالات میں ۶۴۰ھ میں لکھنؤ چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے ۶۴۳ھ میں دوشنبہ ۴ مارچ کو طغیاں خان کی معیت میں واپس دہلی آتے ہیں۔ اس وقت علاؤ الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ سربراہِ رائے دہلی تھا۔ الخ خان اعظم کی سفارتیں پچھنبہ ۴ مارچ ۶۴۳ھ کو یعنی تین روز بعد حدود دہلی۔ مدرسہ ناصریہ اور اس کے اوقاف کی تولیت اور گوالیار کی قضا اور جامع مسجد کی تدکیرات پہلے کی طرح ان کے سپرد ہو گئیں اور ایک گھوڑا مع زین و نعلت میں مرحمت ہوا۔

یکشنبہ ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو سلطان ناصر الدین محمود بن آتش تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں مولانا دوبار قاضی ممالک ہندوستان مقرر ہوئے۔ ایک دفعہ ۶۴۹-۶۵۱ھ اور دوسری دفعہ ۶۵۳ھ میں۔ اور ۶۵۲ھ میں صدر جہاں کے خطاب سے سر بلند ہوئے۔ مولانا نے اور بھی دیگر سیاسی واقعات میں حصہ لیا ہے جن سے ہمیں ان کی بلند شخصیت کی شناخت میں بہت مدد ملتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ کی بلند پایہ ہستی تھے۔

وہ طبعاً دوست تھے اور اہل اللہ کی صحبت میں کافی وقت گزرتے۔ غوثی نے اپنے تذکرہ گلزارِ ابراہیم انہیں مشائخ کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کیوں مولانا نے اپنی تاریخ میں اولیاء کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ اعتراض صوفیانہ نقطہ نظر سے ہے۔ طبقات مولانا مورخ کی حیثیت سے لکھنے بیٹھے تھے اور اس میں انہوں نے ایک تاریخ دان کے فرائض بجالانے کی کوشش کی ہے اور یہی شاید مناسب بھی تھا۔

۶۵۸ھ میں انہوں نے طبقات کو ختم کر دیا۔ اور اپنے بادشاہ ناصر الدین محمودؒ تا ۶۶۳ھ کے نام پر اسے منون کیا اور اس کے نام پر ہی اس کا نام طبقاتِ ناصری رکھا۔ اس کا کچھ حصہ الخ غاں اعظم کی خدمت میں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمانروا ہوتا ہے۔ پیش کیا تو اس نے بیس ہزار چیتل اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا جو سلطان ناصر الدین نے اس تالیف کے پیش ہوتے وقت اپنے کندھے کی چادر اُتار کر مولانا کے کندھے پر ڈال دی اور انعام میں ایک گائو اور دس ہزار چیتل دیئے جانے کا حکم دیا۔

۶۵۸ھ کے بعد مولانا کے واقعاتِ حیات و ممات کی بابت ہم کو کوئی اطلاع نہیں۔ تکمیلِ کتاب کے وقت ان کی عمر ۶۹ سال کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وعدہ کیا ہے کہ زندگی رہی تو باقی حالات بھی سپردِ قلم کئے جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ان کو موقع نہ ملا۔ جس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ طبقات کے عنقریب بعد وہ صلت گرائے عالم جاودانی ہوئے۔ سید علی حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کی عمرِ شہادہ و چار سال لکھی ہے۔ اگر یہ روایت کسی صحیح ماخذ پر مبنی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پندرہ سال اور جئے۔ لیکن نہ معلوم یہ وقت کہاں گلدانا۔ اور کیا کرتے رہے۔

اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم مولانا کی شاعری پر ایک نگاہ ڈالیں۔ بدقسمتی سے یہ موضوع عدم دستیابی مواد کی بنا پر بہت کچھ نشہ رہتا نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی کوئی یادگار باقی نہیں

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب خاندانِ شمس کی حکومت کی ابھی ابتدا تھی اور ان کی تمام تر توجہ نئی فتوحات اور قیامِ سلطنت اور انتظامِ مملکت کی طرف مبذول تھی۔ ایسی مصروفیت کے وقت میں سلاطین کا طبقہ شعر کی طرف متوجہ ہونا قدرے مشکل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس زمانے کی شعری یادگاریں کم دستیاب ہوتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی شاعر کا دیوان تک نہیں ملا۔ تاج الدین رینہ، محمد عوفی، حسن نظامی، مصنف تاج المآثر اور سلطان ناصر الدین قباچہ کے بار کے چند شعراء کے اشعار نہایت قلیل تعداد میں ملے ہیں \*

اسی جماعت میں ہمارے مولانا کا بھی شمار ہونا چاہیے۔ ان کو اول تو ہندوستان کے حمدہ قضا و تذکیر و دربار وادی سے ہی فرصت نہیں تھی اور جو وقت ان سے ہوتا۔ دیگر امور کے علاوہ تصنیف و تالیف میں صرف ہوتا۔ 'ناصری نامہ' لکھا اور طبقاتِ ناصری تالیف کی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ہم خیال کرتے ہیں۔ شعر گوئی کا مشغلہ بھی موقعِ موقوف جاری تھا۔ اگرچہ شعر گوئی ان کا پیشہ نہیں تھا۔ لیکن تذکیر گوئی کی طرح یہ فن بھی ان کو اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان چند اشعار سے جو ہمیں طبقات اور دیگر تذکیروں سے ملتے ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ فنِ شعر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اکثر قصائد سے جو سلاطین کی تحتِ نشینی کے موقعوں پر انہوں نے تصنیف کئے اور جن کا بہت کم حصہ بدستِ ہم تک پہنچا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ درباری شاعر بھی تھے \*

مولانا کی طبیعت کا رجحان شریعت کے علاوہ تصوف کی چاشنی سے بھی ذوقِ یاب تھا ان کی مجالسِ تذکیر میں جو نہایت دلچسپ ہوتیں اور جن میں لوگوں کا کثرت سے ہجوم رہتا۔ انکی رباعیات جو تمام کی تمام صوفیانہ خیالات سے ملبہ تھیں حاضرین کے قلوب کو جذب کرنے میں ایک خاص تاثیر رکھتی تھیں۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا قول ہے "شیخ قاضی منہاج جرنانی صاحب طبقاتِ ناصری بزرگ بود و از افاضل روزگار اہل وجد و سماع بود۔ چوں قاضی شد این کار استقامت گرفت \*



شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۴-۷۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں ہر دہشتہ کو ان کی مجلسِ تذکیر میں حاضر ہوتا۔ ایک دن حسبِ معمول ایک تذکیر میں شامل تھا۔ مولانا نے یرِ باغی پڑھی ۛ

لب برب لعل دلبرانِ خوش کردن      و آہنگِ سر زلفتِ ششوش کردن  
امروز خوش ست، لیکن فردا خوش نیست      خود را جو خسی لمبہ آتش کردن

میں سنتے ہی بے خود ہو گیا اور تقریباً ایک ساعت اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منبر پر ان کے وعظ و تذکیر نے خشک مسائلِ شرعیہ کے بیانات کے حامل نہیں ہوتے تھے بلکہ مولانا اپنے شعر و سخن کی اداوے بڑی حد تک ان کو پُر ذوق و پُر لطیف بنا دیتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود کی سلطنت کے دائمی قیام کے لئے دعا کرنے ہوئے یرِ باغی طبقاتِ ناصری میں لکھتے ہیں ۛ

شہ را خضر از جامِ ساقی باو      ایوانِ دیش چو چرخِ نہ طاقی باد  
نامِ طبقات تا در جہاں باقیست      محمود شہ ناصریں باقی باد

مولانا کے قصائد اپنے انداز اور اپنی نوعیت میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ ان کی بندش قدام کی طرح پھیلا نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض وقت ان میں مشکل الفاظ آجاتے ہیں۔ ان قصائد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تشبیب و تمہید کی پابندی سے آزا وہیں۔ طوالت اور عشو و زوائد سے پاک ہیں۔ کل قصیدہ بغیر تکلفات کے سیدھے سادے طریق سے چند مدحیہ اشعار پر ختم ہو جاتا ہے ۛ

اب ہم ان قصائد کا ذکر کریں گے جو مولانا نے مختلف مواقع پر کہے۔

ملک ناصر الدین ابوبکر بن سیف الدین سوری بن ملک شہاب الدین بن حسین حاکم مدائنِ غور کی خدمت میں مولانا نے چند سال گزارے اور ۷۸۱ھ میں غالباً جب وہ غور کی طرف روانہ ہونے والے تھے تو ملک ناصر الدین سے ایک طوٹانی قصیدہ کے ذریعے جس میں اپنی شادی کے لئے اخبارِ الاخیار ۹۱ ط ۷۸۱ھ کے طبقات میں شہاب لکھا ہوا ہے۔ جو نہ عرض سے اور نہ منہ سے

لکھا سے نیک بیٹا ہے ۛ

حالات بھی درج کئے تھے۔ ایک گھوڑے کے عطیہ کے لئے درخواست کی۔ ملک و قصیدہ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور ان کی استدعا کے مطابق ایک سالہ زروہ اس پر عنایت کیا ۔ افسوس ہے۔ کہ مولانا نے اپنے اس لچپ قصیدہ کا ایک شعر بھی کہیں درج نہیں کیا ۱۳۳۷ھ میں جب مولانا انگلین کی سفارت پر تفتان جانے سے انکار کرتے ہیں اور ۳۴ھ میں کے لئے قید کر دیئے جاتے ہیں۔ مولانا نے اپنے قید کے حالات پر مشتمل ایک حبسیہ قصیدہ نہایت دلکش پیرایہ میں قلب بند کیا۔ یہ قصیدہ چونکہ کتاب کی تالیف کے وقت موجود نہ تھا اسلئے صرف ان چند اشعار پر ہی اختصار کیا ہے ۔

تاکئی بلور اشک مرا چرخ زمرودی	بر کمر بای روی دھدلون لبیدی
آہم چو دود و عود قماری است فی عجب	اسی آب دیدہ گر تو گلاب مصدی
نی در دیر یرتم سبہ ونی بدی چرا	مبوسم واسیر کبکھ صفندی (صفیدی)
سیمرغ نیست من و این کہ نہ کوہ قاف	طوطی و حبس خوش نبود تا بسردی
منہاج راہ راست تو دور رہ کشادہ بر	بر قلعہ راہ راست نیاید ز مسندی

۱۳۳۷ھ میں جب معز الدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا اور امراد ملوک نے بیعت کی منہاج بھی اس زمرہ میں شامل تھے۔ چنانچہ بیعت کے موقع پر یہ قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھ کر خدمت میں پیش کیا۔

زہی و درخان تو منزل زلوح لیل سلطانی	بہین در راہیت شاہی علامات جہان بانی
معز الدین والدینا خلیفہ الخلق تا خلقی	سلیمان سانت و فرانت ہم النسی ہم بانی
اگر سلطان ہند است ارث دودہ شمس	بجد اللہ زفر زندان قوی آتش ثانی

۱۔ طلب ۱۹۱۸ء - قلمی نسخہ "فی ضرورت ونی بدی چرا"۔ میں یہ لکھا ہے۔ میں اس کی تصحیح سے عاجز ہوں ۔ ۲۔ طلب ۱۹۱۸ء - اپنے طبقات کے مبدعہ نسخہ میں سب گبد آتش روم ہے۔ لیکن اشارہ بالا میں عروض کے لحاظ سے یہ نام نقش صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ تمام موجودہ مؤرخین نے اسے آتش ہی لکھا ہے اور فطاحۃ العاصم بان ذوالخانی ہے

چہ دینیت ہمہ عالم کہ برحق دار اللہ ملکی      درت راقبہ کہ گردن ہم قاصی و ہم دانی  
 چو سہاج سراج این است مقلان ادعائی تو      کہ یارب بر سریر ملک دولت جاودان مانی  
 بر عہد است چون نیز خوان گردن ہایلم      کہ جز در طرہ پرچم نہ بسیند کس پریشانی  
 مولانا نے اس قصیدہ کے صرف انہی ابیات پر قناعت کی ہے :

جب سلطان ناصر الدین محمود شاہ ۶۴۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ سلطنت کے تمام فاضل  
 امثال نے دعا و ثنا کی۔ سہاج نے بھی کچھ نظم و نثر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے لکھ کر  
 سلطان کی مدح میں لکھی۔ یہ چند اشعار اس قصیدہ سے منقول ہیں :

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است      ناصر دنیا و دین محمود بن امتش است  
 آن جہانداری کہ سقف چرخ از ایوان او      در علوم مرتب گوئی فردین پوشش است  
 فرق فرقد ساد است و دست و پای دولت      فرتاج است و نگین و زیب تخت بالش است  
 سکہ را از انقباب مینوش چناندا ز است فخر      خطبہ راز اسم ہا پوش چہ مایہ نازش است  
 راحت و لما است روح عہد او بار و خلق      بندگی دو دانش زانکہ در آمیزش است  
 چاکر ایوان او ہر جب کہ ترک و تازی      بندہ فرمان او ہر جا کہ ہند و گیش است  
 وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین      ہر کرا ز انصاف در چشم بصیرت بنیش است  
 دولتش حسا و را در ہر زمان صد شہوت است      صولتش احباب را در ہر مکان صدارش است  
 گرچہ شہنشاہ گل دولت ولی از صدیکی      چون نہال است او کہ باغ ملک را نوباش است  
 تیغ زنگاریش چون شنگرت ریز آمد مطیع      شاخ و برگ نقش عمر و ثمنال در ریش است  
 از مہیب زخم گرگ و سارش ہیں کہ چوں      راکب شیر فلک در لرزہ و در تابش است  
 تانوا می بنم ملکش راست شد زیر او قناد      حاسد اندر چنگ غم چوں لیران تابش است  
 گاہ گشت از انقباب جو رباد امین چو کوہ      در پناہ عہد عدش چوں کہ ہر رازش است

ای شہنشاہی کہ ذیل عفو و صمت بذل تو  
میت ساست تاکہ منہاج سراج خستہ را  
از برای نصرت و تائید شاہ بندگانش  
محرور چرخ جلالت باد خاک و درگست  
گردش اہل زمین بروفق فرمان تو باد  
اور دوسرا حسب ذیل ہے :-

شاہ را چون نام خویش عاقبت محمود باد  
دوستان رازی بت و دشمنان رازی نمد  
در جہاں باب امان از عدل او مفتوح باد  
چوں حسودش شد بطالع از فلک منحوس و رو  
سفرہ ملک جہاں را دو وہ او شمع بس  
اہل ایمان را زخیر و رایش امن و امان است  
مقصدش بفضل حق چون تکیہ گہ دار و دام  
خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است  
دولتش بر مدت احمد مبارک آمدہ است  
داعی این سلطنت منہاج را ورو این دعا

نصرت و تائید حق با غزم او شد و دو باد  
نفع و ضرر در بخشش و در گوشش موجود باد  
باب بیدادی بہ عمدش مفلح و رسد و دو باد  
طالع او در پناہ ایزدی مسعود باد  
چہرہ اعدای او در ویدھا چوں دود باد  
سایہ بان دین حقد ظل شاں مدود باد  
بی توقف شاہ را حاصل مہمہ مقصود باد  
شاہد نعت جوان بر تاج او شہود باد  
ملک محمودی بمیونی سلم زود باد  
تاکہ باد و خاک و آب و آتش است مورود باد

۱۸۵۸ء میں خراسان سے ہلاکو مل پسر توتی بن چنگیز خان کے بچی دہلی کی طرف آئے  
تو انہیں سلطان ناصر الدین کے حکم سے منازل ماروتہ کے قریب انا را گیا اور اس اثنا میں انکے  
استقبال کے لئے ایک شاندار دربار سجایا گیا جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار کی شان و شوکت  
اور چمک دمک دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ منہاج نے اسی موقع پر یہ قصیدہ لکھا جسے کئی آدمی نے پڑھا تھا

قد صلاک الرضوان ایام الوری  
من روح هذا الیزم للسلطان  
لازال یبقی فی جلالہ ملکہ  
ومزید امکان ورفعة شان

زہی جہنی کزا و اطراف چوں خلد بریں گشتہ  
خمی بز می کزا و اکانات عدل را شین گشتہ  
ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او  
تو گشتی عرصہ دہلی بہشت شمین گشتہ  
ز فرناصر الدین شاہ محمود بن آتش  
ملک نزوش دعا خواندہ فلک شین زہین گشتہ  
شہنشاہی کہ در عالم بغیض فصل ربانی  
سزای چتر شاہی لایق تخت و عین گشتہ  
چو خاقانان کین آورچو سلطانان دین پرور  
بدل حاجی کفر است و یکاں حامی دین گشتہ  
مبارک باد بر اسلام این زم شہ عالم  
کرین ترتیب مند و ستان بسی خوشتر چہین گشتہ  
ہمین از جہل شاہان با و ہر بندہ زور گاہش  
چو سہاج سراج از جان دعا گوئی کین گشتہ

طبقات کو ناصرا الدین محمود کے نام سے موسوم کرتے وقت منہاج نے ایک دلپذیر پیرایہ  
میں چند اشعار لکھے اور انہیں اپنی غلطیوں کے لئے معافی کا طالب ہوا۔ چنانچہ کہ

ہر چہ کردم سماع ہو شتم  
اصل نقل و سماع گوش بود  
در گذارد خطا چو دید کریم  
ز آنکہ با عز و قتل و ہوش بود  
ہر کہ اودوق مہتری دریافت  
نزد صبرش صبر چو نوش بود  
دامن غفو پروریش مدام  
در رہ علم عیب پوش بود  
بدعا یاد داروش منہاج  
گر چہ اندر نفس نحوش بود

طبقات کا ایک نسخہ منہاج نے الخ خان اعظم کی خدمت میں پیش کیا تو خان اعظم نے ۴۰ ہزا  
جنتیل اور ماہی صباحی، ایک دستہ سنجاب اور ایک دستہ روباہ روانہ فرمایا۔ منہاج نے فکدانہ کے  
طور پر یہ قطعہ کہا۔ اور اس نسخہ کی پشت پر تحریر کر دیا۔

شہر یاد جہاں الخ خاں آنکہ  
خان البرزیت و شاہ سمک

ہر کہ از حضرتش قبولی یافت      پیش ہرگز نگشت رولفلک  
پیش او کیست عاقم طائی      نزد او حیست یچی بر مک  
کرد از لوح خاطر منہاج      غصہ دہر را با حصال حک  
بشنود این سخن ز من ہمہ خلق      از طریق یقین نہ از رو رشک  
نود نہ مرا است قسم کرم      دیگر از اہمہ ازال صدیک  
ہر دماغی کہ گویش از جان      کند آئین آن بصدق ملک

طبقات کے علاوہ ان کی ایک اور اہم یادگار ناصری نامہ ہے جو نظم میں ہے۔ مولانا نے کئی موقوفوں پر طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تالیف کا نام سلطان ناصر الدین محمود کے نام پر ناصری نامہ رکھا گیا۔ ۷۲۵ھ میں ناصر الدین محمود مع الخ خان اعظم پانی پت سے ہوتے ہوئے قنوج کی حدود میں پہنچتا ہے وہاں قلعہ نندنہ (راورٹی تلسندہ) کو سر کرنے میں لگ جاتا ہے اور آخر فتح کرتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اسی ہم کے چشم دید واقعات نظم کئے ہیں۔ نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس تالیف کا کوئی نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا۔ قاضی منہاج سراج عزنی زبان میں کافی دسترس رکھنے کے علاوہ عربی شعر کہنے پر بھی قادر تھے۔ انہوں نے امام یحییٰ بن عقبہ کے عربی قصیدہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اسکے علاوہ ایک فارسی قصیدہ کی ابتدا میں جو پہلے درج ہو چکا ہے انہوں نے دو شعر عربی میں بھی رقم فرمائے چنانچہ

قد صادق الرضوان ایام الوری      من ربح هذا البزم للسلطان

لا زال یبقی فی جلالہ ملکہ      ومزید امکان و رفعة شان

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض تذکروں میں جن میں 'ہفت اقلیم'، 'صبح گلشن' اور 'گلزار' قابل ذکر ہیں۔ ہمارے مضمون کے موضوع قاضی منہاج سراج اور ان کے والد سراج منہاج کے ناموں میں تھلیل پیدا کر کے باپ کی رباعیات بیٹے کے نام درج کر دیں۔ اسی طرح 'جمع النفاس'

اور گل رعنا میں بیٹے کی تصنیف باپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ یعنی سراج منہاج کو مؤلف طبقات ناصری لکھ دیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے اور جو کچھ کہ محمد عوفی نے مولانا سراج کے متعلق لکھا۔ وہی انہوں نے مولانا منہاج کے بارے میں تحریر کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ بعض تذکروں میں لاہوری لکھے گئے ہیں۔ درآخالیکہ مولانا منہاج خود اپنے ساتھ جوز جانی لکھتے ہیں۔ جو گوزگان کا معرب ہے +

مولانا منہاج نے طبقات میں اپنے والد کی جائے پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں لکھا لیکن محمد عوفی معاصر وقت نے ان کی جائے ولادت لاہور اور مقام منشاء سمرقند بتایا ہے اور انہیں 'ملک الکلام' اور فصیح العجم' کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ خود مولانا منہاج بھی 'الکو' بخیر الزمان' اور فصیح العجم لکھتے ہیں۔ ان کی چند رباعیات کا اندراج یہاں بیجا نہ ہوگا :

آن دل کہ زہجر دردناکش کردی      وزیر شادی کہ بود پاکش کردی  
از فحشی تو آگم کہ ناگہ ناگہ      آوازہ در افت کہ پاکش کردی

دل را بر رخ خوب تو میل افتاد دست      جان دیدہ بر اسید لببت بکشد دست  
چشم آب زان خاک درت خواہد بود      گر عمر وفا کند رار این دوست  
جب سلطان سزالدین سام نے ۸۵۱ھ میں لاہور پر لشکر کشی کی اور فتح پائی تو مولانا سراج کو ہندوستان کے عمدہ قصا پر مقرر کیا۔ لیکن انہوں نے تھوڑا وقت یہاں گزارا۔ انکی وفات ۸۹۰ھ اور ۸۹۱ھ کے درمیان ہوئی۔ جب وہ سلطان غیاث الدین سام کی طرف سے خلیفہ الناصر الدین التٹ کی خدمت میں سفارت پر جا رہے تھے +

آفا عبد التٹ رخال

# بابا فرید گنج شکر شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۸ء)

گورواجن دیو:-

فرید اہم زنگہ دلی منجھہ و مولاباگ جو جن پر نوازیاتناں انج نہ لاگ

گورواجن دیو:-

فرید اعرشہ ساڈری سنگ سوزی دیہہ ورے کیٹی پائین جٹاں پیارے نہہ

گورواجن دیو:-

فرید اگر بجنال ڈویاٹیاں دھن جو بن آکاہ خالی چلے دھنی سیوں ٹپے جیوں میہاہ

گورواجن دیو:- فرید اکت زنگہ ولاوڈا وے محتاج - اندھ سبتی رتیاں ابہہ سچاواں سلج

فرید اوکھ سکھ اک کر دل تے لاه وکار - اندھ جاوے سو بھلتاں لہجی دربار

فرید اوئی دجائی و جدی توں بھی جین لال - سوئی جیوناں جدا جس اندھ کرو سار

فرید اول رتا اس وئی سیوں فی نہ کتے کم شل نفیراں گاکھی سو پائے و کر کم شلوک

۱۶ - گور و گرنہ صاحب میں شلوک نمبر ۱۱۲، ۱۱۳ جہاں شلوک فرید جی کے عنوان کے نیچے

درج ہیں وہاں وہ گور و نانک کی بانی کے نیچے بھی کسی دوسری جگہ گور و گرنہ صاحب میں درج ہیں

۱۷ - شلوک نمبر ۱۱۸ میں فرید کا نام موجود ہے

۱۸ - شلوک نمبر ۱۱ سے لے کر ۱۲۰ تک سوائے شلوک نمبر ۱۱۸ کے جس میں فرید کا نام ہے

اور ۱۲۱ کے جس میں 'نانک' آتا ہے۔ باقی سب میں نہ نانک آتا ہے نہ فرید

۱۹ - جنم ساکھی ب کے مطابق ۱۲۶ شیخ ابراہیم نے کہا اور ۱۲۷ اسکے جواب میں بابا نانک نے کہا

۲۰ - پڑھنے والوں پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ فرید سے منسوب شلوکوں میں ہر ایک میں فرید نہیں آیا۔

مثلاً نمبر ۳، ۵، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۴۰، ۴۵، ۶۴، ۶۵، ۷۲، ۷۷، ۸۴، ۸۶، ۹۱،



۹۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵،

۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں فرید کا نام نہیں •

اگرچہ ذیل کے شلوک گورو نانک، گورو امر داس، یا گورو ارجن دیو سے منسوب ہیں۔ مگر ان میں فرید کا نام آتا ہے۔ بطور خطاب مخاطب کے •

۱۳، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ •

۲۱۔ ذیل کے شلوک جوابی معلوم ہوتے ہیں۔ جوابی اشعار میں کہیں نانک کا نام ہے، کہیں نہیں۔ اُن پر محملہ یعنی کس گورو کی تصنیف ہے۔ درج نہیں، ان کو پہلے گورو نانک ہی سے منسوب کیا جانا چاہیئے۔ یہ اطلاع جنم ساکھیوں کی اطلاعاتوں پر اضافہ سمجھئے •

فرید۔ ۳۱۔ سہرے دھوئی نال ہے پیئے ناہیں تھاولں • پرواڑی نہ بھپئی دھن سو باگن ناؤلں

نانک۔ ۳۲۔ سا بُرے پیئے کنت کی کنت اگم امتا • نانک سو سہاگنی جو بھاوے بے پڑا

فرید۔ ۶۴۔ کلر کیری چھپری آئے اُلتھے بھجھ • چنچو بوڑن نال پویں اؤلں سندی دوجھ

نانک۔ ۶۵۔ ہنس اؤر کو دھرے پیالوک وڈارن جائے • گہلا لوک نہ جاندا ہنس نہ کو دھر اکلے

فرید۔ ۸۵۔ فریدا دکھاں ستی دیہ گیا سولال ستی رات • کھڑا پکارے پاتنی بیڈا کپڑا رات

نانک۔ ۸۶۔ لمی لمی ندی ہے کندھیں کیرے ہیت • ہیرا نولں کپڑا کرے جے ہاتن ہے بھیت

فرید۔ ۹۱۔ کاگا رنگ وڈو لیا سگلا کھایا س • اسے دئے نیاں مت چھو پور کمین کی اس

نانک۔ ۹۲۔ کاگا چوڑنہ پنجا رہے تاں اؤر جاہیں • جت پنجرے میر سہرے ساس نہ تہ دکھایں

فرید۔ ۱۱۲۔ پیے پھرے پھلا اچل بھی کھچا رات • جو جاگن ہنس سے سائیں کنولں رات

نانک۔ ۱۱۳۔ داتیں صاحب سندیاں کیا چلے تن نال • اک جاگینے نال ہنس اکناں ستیاں دیئے اُٹھال

فرید۔ ۱۱۹۔ تن تے تنو جیوں بالن سڈ بن • پیریں تھکال ہر ملال جے مونہ پری ملن

نانک۔ ۱۲۰۔ تن نہ تپائے تنو جیوں بالن سڈ نہ بال • ہر پیریں کیا پھیٹا اندر پری نہ مال

فرید۔ ۱۲۱۔ ہوں وڈوڑیندی سجنال سجن میڈن نال • نانک اکھ نہ کھسے گور مکھ دیئے وکھال

فرید ۱۲۲۔ ہنسناں ویکھیہ ترندیاں بگناں کیا چاؤ ۽ ڈب مٹے بگ پڑے سرتل اُپر چاؤ  
 ۱۲۳۔ میں جانیاں ڈونہس بے تال میں کیا سنگ ۽ جے جاناں بگ پڑا جنم نہ بیٹیں انگ  
 نانک ۱۲۴۔ کیا ہنس کیا بگلا جا کوں ندر دھرے ۽ جے تیں بھاوے نالکا کاگوں ہنس کرے  
 فرید ۱۲۹۔ اک پھکاناں کالاٹے سبھناں میں سچا جمنی ۽ حیاؤ نہ کیہی ٹھساہ نانک سبھا مولویں  
 نانک ۱۳۰۔ سبھناں من نانک شاہن مول مچا لگواں ۽ جے توہر یاد سی سبک حیاوہ ٹھاپے کہیں دا  
 ۲۲۔ اپنی اس رائے کی تائید میں کہ سلوک شیخ فرید کے "کے نیچے جو شلوک گورو گرنتھ صاحب  
 میں درج ہیں۔ اُن میں سے کچھ شلوک جن میں نانک کا نام نہیں آتا اور جن کا مضمون جوابی رنگ  
 میں ڈوبا ہوا ہے۔ ضرور نانک۔ پہلے گورو۔ کے ہیں۔ ہم ذیل کی اطلاع پیش کرتے ہیں اور اِس  
 ثبوت کی طرف سکھ صاحبان کی توجہ بھی دلاتے ہیں ۽

گورو گرنتھ صاحب میں "سلوک داراں تے ودھیک" کے عنوان کے نیچے ذیل کے  
 شلوک گورو نانک دیو کی تصنیف سے درج ہیں۔ یہی شلوک پھر شلوک شیخ فرید کے "کے نیچے  
 درج ہیں ۽

تن نہ تپائے توجریں بالن حد نہ بال سریریں کیا پھیڑیا اندر پری سال ۱۸۔  
 سبھیں گھٹیں سہہ وے سہہ بن گھٹ نہ کوئے نانک تے سوا گنی جٹاں گور کمہ گرٹ پھٹے۔ ۱۹  
 نمبر ۱۸۔ "سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲ ہے اور فرید کے نمبر ۱۱۹ کے جواب میں سری راگ  
 وار میں گورو نانک صاحب کے قلم سے مترشح یہ شلوک بتایا گیا ہے۔ ۱۔  
 داتیں صاحب سندیاں کیلے چلے تیں نال ۽ اک جاگنڈے نال لہن اکناں ستیاں دیئے اٹھال  
 یہی شلوک "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے نمبر ۱۱۳ ہے۔ یعنی فرید کے نمبر ۱۱۲ کا جواب۔  
 اسی سری راگ وار میں گورو نانک دیو کا یہ شلوک ہے۔ ۱۔

کیا ہنس کیا بگلا جاں کوں ندر کرے جوتیں بھاوے نالکا کاگوں ہنس کرے  
 "یہ سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۴ ہے۔ فرید کے نمبر ۱۲۳ کے جواب میں ۽

۲۳۔ جنم ساکھی منقول سلسلہ میں شیخ ابراہیم اور گورو نانک کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں منسلک اشعار پر ایک نظر پھر دوڑائی جاتی ہے (دیکھو نمبر ۱۳ اوپر) :

آپے پئی قلم آپ، اپڑ لیکھ بھی توں      اکیو کیئے نانکا دُر جا کا ہے کوں

یہ گوروگرنتمہ صاحب میں ایک جگہ تحریر ہے۔ وار راگ ملار میں :

شیخ ابراہیم کا سوال اک صاحب تے . . . . . رومی گوروگرنتمہ صاحب میں کہیں درج نہیں

نہ ہی نانک کے اس سوال کے جواب کا پہلا یا دوسرا حصہ درج ہے :

ابراہیم کا دوسرا منظم سوال یا بیان کبیر سے بھی منسوب ہے۔ گوروگرنتمہ صاحب میں یہ

”سلوک شیخ فرید کے“ کے نیچے درج ہے۔ اور وہاں پر لفظ ”فرید“ شروع میں ہے۔ یعنی یہ شعر

شیخ فرید کا ہے نہ کہ شیخ ابراہیم کی تصنیف۔ نمبر اس کا ۱۰۳ ہے۔ مگر بخلاف جنم ساکھی کے، اس کا

جواب نانک کی تصنیف نہیں۔ بلکہ تیسرے گورو امر داس صاحب کے قلم سے ہے اور الف ظ

شلوک کے گوروگرنتمہ صاحب میں جنم ساکھی کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ گوروگرنتمہ صاحب میں اس کا

نمبر ۱۰۱ ہے۔ شلوک یوں ہے امر داس جی کا :-

کا ہے پڑا پاڑتی کنس بلوی پریئے      نانک گھر ہی ٹھیاں سبھے جے نیٹ اس کیئے

چار کے بجائے دو ہی مصرعے ہیں :

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا تیسرا شلوک بھی گوروگرنتمہ صاحب کے مطابق فرید کا شلوک ہے۔ شروع

میں فرید ہے۔ وہاں اس کا نمبر ۵ ہے اور عبارت قدرے مختلف ہے جنم ساکھی سے :

فرید اٹھدھیں کنت نہ راویو ڈوسی مٹی موٹیا سی      دھن کو کبندی گور میں تیں سہ سہ ناں لمیاں

اس کا جواب نانک کی طرف سے ”سلوک فرید“ کے نیچے درج نہیں۔ بلکہ گوروگرنتمہ صاحب

میں راگ ٹوکی وار میں تحریر ہے جس کی عبارت یوں ہے :-

محل کجی مڑوری کالی منوں کُسد      جے گُن ہون تاپر رئے نانک دگن مندھ

جنم ساکھی اور گوروگرنتمہ صاحب میں کوئی فرق نہیں :

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا چوتھا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں نمبر ۱۲۶ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے ذرا سے اختلاف الفاظ کے ساتھ :-

کون سوا لکڑ کون گن کون سونیاں منت کون سو ویسوی ہوں کرتی تیں آؤ کنٹ  
مگر فرید کا نام اس میں نہیں۔ اس سے یقینی طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ کس کا شلوک ہے۔ اس کے جواب میں شلوک نمبر ۱۲۷ گورو گرنتھ صاحب میں اوپر کے شلوک کے بعد درج ہے۔ مگر اس میں ناک کا نام نہیں اور جزم ساکھی کے برخلاف چھ مصرعے نہیں۔ صرف دو ہی مصرعوں کا ایک شلوک ہے :-

نوں سوا لکڑ کھوں گن جیسیبیا نیاں منت لے تے بیڈیں ایک تاوسل وی کنٹ  
۲۴۔ ہم نے اوپر دیکھا کہ گورو گرنتھ صاحب میں کس قدر احتیاط۔ تحقیق اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔ "سلوک شیخ فرید کے" کے زیر عنوان جو جوابی شلوک سکھ گورو صاحبان کے درج ہوئے۔ انہیں گورو صاحبان کی بانی میں مختلف رائلوں کے نیچے دوسری جگہوں پر گورو گرنتھ صاحب میں درج کر دیا تاکہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ مثال کے طور پر گورو راجن دیو جی نے فرید کے شلوکوں کے جواب میں چند ایسے بھی شلوک کہے جن میں فرید سے خطاب تھا۔ یعنی شروع میں لفظ فرید آتا تھا۔ اس سے یہ شک گذر سکتا تھا۔ کہ شاید یہ جوابی شلوک خود فرید ہی کے ہوں۔ گورو صاحب نے اپنے یہ جوابی شلوک فرید لفظ والے، اپنے کلام میں کسی ٹھہری جگہ درج کر دیئے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو دھوکا نہ ہو۔ یہی بڑا بڑا کبیر کے جواب میں کہے اپنے شلوکوں سے گورو راجن دیو نے کیا۔ ایسے شلوکوں جن میں کبیر سے خطاب کی وجہ سے لفظ کبیر شروع میں رکھا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ اغلب ہے۔ کہ پڑھنے والے اس شلوک کو کبیر کی اپنی تصنیف مان لیں ۔

بابا فرید کا ایک غضب کا موثر شلوک تھا :-

فرید میں جاناؤ کو مجھ کو دکھ سا بیٹے جگت اوپے چڑھ کے دکھیا تا گھر گھر ایبا گت

اُس کے جواب میں گورو ارجن دیو نے لکھا:-

فسریدا بھوم رنگا دلی منھ و سولا باگ  
جو جن پیر نوا جیتاں اچھ نہ لاگ

’شلوک شیخ فرید کے‘ میں بھی اس شلوک کے پہلے مغلہ لکھ دیا اور اس شلوک کو الگ بھی رام کلی کی وار میں درج کر دیا۔ یہی حال نیچے کے شلوک سے کیا۔ جو فرید کے ایک دوسرے شلوک کے جواب میں لکھا تھا:

گورو ارجن دیو:-

فرید ائمہ سہاوری سنگ سوزی دیہے جے کانی پائین جنہاں پیارے نہہ  
یہی بات گورو امر دیو کے جوابی شلوکوں کے متعلق گورو گرنتھ صاحب میں واضح کر دی گئی ہے  
بابا فرید کا شلوک نمبر ۵۲ ہے جس کے جواب میں گورو امر داس جی نے اشعار نمبر ۵۲ کہے۔  
وہ جوابی اشعار شلوک شیخ فرید کے نیچے بھی درج ہیں۔ اور رام کلی کی وار میں بھی تحریر ہیں۔ گورو امر داس  
جی کی دوسری بانی کے ساتھ:

۲۵۔ اوپر کے بتوں سے یہ واضح ہوا۔ کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ’شلوک شیخ فرید کے‘  
کسی مسلمان درویش فرید کے تھے۔ جو گورو نانک دیو (۱۵۳۸-۱۵۶۹)۔ گورو امر داس (۱۵۶۹-۱۶۰۶)  
اور گورو ارجن دیو (۱۶۰۶-۱۶۶۳) کے زیر مطالعہ رہے۔ یہ شلوک نہ شیخ ابراہیم کے ہیں  
نہ ہی فرید ثانی کے۔ جس کسی درویش کے ہیں وہ فرید ۱۴۶۹ سے پہلے گذر چکا تھا۔ پندرہویں صدی  
یا اس سے پہلے کے ایک مسلمان فقیر کا ملتان کی زبان کا کلام ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تحقیق۔ توجہ۔  
اور تحمین کا مستحق ہے:

۲۶۔ یہاں تک تو ہم نے شلوکوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں ’فرید‘ کا اور کلام بھی ہے  
جس کی طرف مسلمان محققوں کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں ہندی اور اردو  
زبانوں کے ارتقا اور ترویج اور تعمیر پر اس فرید کے کلام سے کافی سے زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے۔

فرید کی دوسری بانی تین راگوں کے نیچے گورو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اب تک ہم شلوک ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ اس شلوک کو دوہا اور ساکھی بھی کہا گیا ہے۔ جیسے کبیر کے دوہے جنہیں خود کبیر ساکھیاں کہتا ہے۔ دوہے کے علاوہ ایک اور نظمیں صورت ہے۔ جسے پاویا پدیا شبد یا شن پدا کہتے آئے ہیں۔ اور جو شلوک کے ساتھ خاص و عام میں مقبول و منظور ہوئی۔ اس شبد کے اجڑے تعمیر ان نمونوں سے ہویدا ہوں گے :

راگ آسا۔ شبد نمبر ۱۔

اس راگ میں ملتانی کلام نہایت کثرت سے لکھا جاتا ہے۔ یہ راگ اس علاقہ سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ اور بیشتر اس راگ میں کہی ہوئی چیزوں میں ملتانی کا عنصر غالب ہے جیسا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج سکھ گوروؤں کے کلام سے ظاہر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ہر ایک راگ کا جس طرح خاص خاص مضمون سے تعلق ہے۔ اسی طرح اس کا خاص تعلق خاص بولی، خاص علاقہ یا دیس، خاص وقت اور خاص عروضی صورت سے بھی ہے :

آسا شیخ فرید جیو کی بانی

دلوں محبت جنہ سٹی سچیا      جنہ من ہو رکھ ہو رے کا نڈھے کچیا (۱)  
رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے      و سربا جنہ نام تے ہوئے بھارتھئے (۱)  
رہاؤ

آپ لئے لڑلائے درد رویش سے      تنہ و من بنیدی ماؤ آئے سہل سے (۲)  
پروردگار اپار اگم بے انت توں      جنہاں کچھا تا سچ چھاں پیرئوں (۳)  
تیری پنہ خدائے توں غب شنگی      شیخ فریدے خیر دیجے بسنگی (۴)  
آسا      نمبر ۲

بوئے شیخ فرید پیارے انڈلگے      ایہ تن ہو سی خاک منانی گور گھرے (۱)  
آج ملادو شیخ فرید ٹاکم کو سچڑیاں منوں چنڈڑیاں (۱)  
رہاؤ

جسے جانناں مر جائیے گھم نہ آئیے      جھوٹی ذیالگ نہ آپ دجائیے (۱۶)  
 بولے سچ دھرم جھوٹ نہ بولے      جو گوردے واٹ مریداں جو لے (۱۷)  
 چیل لنگھندے پار گوری من دھیریا      کنجن وٹے پاسے کھوت چیریا (۱۸)  
 شیخ جیاتی جگ نہ کوئی تھمر ریا      جس آسن ہم بیٹھے کیتے میں گیا (۱۹)  
 کنگ کوئجاں چیت ڈوسا دن کلیاں      سیالے سوہندیاں پرگل بانہڑیاں (۲۰)  
 چلے پلن ہارو چارائے منوں      گندھیندیاں چھ ماہ ٹرنڈیاں بکت کھنوں (۲۱)  
 جہیں پچھے اسمان فرید اکھیوٹ کن گئے      جالن گوراں نال الالے جی سہے (۲۲)  
 (۲۳)

### راگ سوہی

(جو کچھ آسا راگ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کا اطلاق راگ سوہی پر بھی سمجھنا چاہیے)

### راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

شبد نمبر ۳

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروروں      بادل ہوئی سوہ سہ لوروں  
 تیں ہہ من میں کیاروس      مجھ اوگن سہ نہا ہی دوس (۱)  
 تیں صاحب کی میں سار نہ جانی      جو بن کھوٹے پاچھے پچھتانی (۱)

رہاؤ

کالی کوئل توں بکت گن کالی      اپنے پر تیم کے ہوں بہہ جالی  
 پریں بہوئی بکت شکھ یائے      ماہوئے کر پال تال پر پھولائے (۲)  
 دودھن کھوئی منہ اکیلی      نال کو ساقی نال کو بسیلی  
 کر کر پا پر پچھ دھ سنگ میلی      جال پھر وکیھاں تال میلا رنہ بلی (۳)  
 واٹ ہساری کھری اڈینی      کھنیوں تکھی بہت پڈینی  
 اُس اوپر ہے ارگ میرا      شیخ فرید اپتھ سہار سویرا (۴)  
 (۱)

## سُوہی للت

نمبر

بڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا بھڑ سر و جب اوچھلے تب ترن دھیل (۱)  
ہتھ نہ لائے کس نہیڑے جل جاسی ڈھولا (۱)

رہاؤ

راک اپنی نے پتلی سہم کیرے بولا دُ دھا تختیں نہ آؤنی پھر ہوئے زمیلا (۲)  
کہے فرید سیلیو سہمہ لاسی مہنس چلی ڈونناں ایہ تن دھیری تھیں (۳)  
(۲)

۲۷۔ کیا یہ شیخ فرید جس کا کلام اوپر درج ہوا۔ اور جو گورو نانک سے پہلے ہو چکا تھا۔ شیخ بابا فرید الدین گنج شکر اچو جی یا پٹنی ہے ؟

اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں کلام شیخ فرید مندرجہ گورو گرتھ صاحب کے مضامین اور زبان دونوں پر غور کرنا ہوگا۔ اور اس بات کا جواب بھی دینا ہوگا کہ کیا فرید گنج شکر کے زمانہ سے پہلے یا اسی عصر میں کسی اور مصنف نے پنجابی (لاہوری)۔ ملتان (غیر) میں کوئی نظم و نثر تصنیف کی ؟ کیا شیخ فرید کا کلام 'ملتان' ہے ؟ کیا اس کلام کی اندرونی مضمونی شہادت ایسی ہے۔ جو فرید کے حالات، عادات، خیالات سے جو تذکروں میں درج ہیں۔ کوئی تطابق رکھتی ہے ؟ کیا گورو نانک۔ گورو امر داس۔ گورو راجن دیو کو بابا فرید گنج شکر کے کچھ حالات معلوم تھے ؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ انہوں نے دوسرے نامور معروف بھگتوں کے کلام کے جمع کرنے میں نہایت تحقیق اور تدقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ فرید الدین لقب گنج شکر المشہور بابا فرید یا شیخ فرید کے کلام کے جمع کرنے میں بھی اسی احتیاط اور تحسّس کو روا رکھا ہوگا ؟ کیا گورو نانک کو جو کہ ملتان اور تین وغیرہ علاقوں میں کافی دیر تک سیاحت کرتے رہے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ ان اطراف میں فرید الدین گنج شکر بابا فرید کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان شیخ بابا فرید کا کلام لوگوں کی زبانوں پر ہے ؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بابا نانک نے بابا فرید کا کچھ کلام فرید



جانشین یا خلیفہ ابراہیم سے حاصل کیا ہو ؟

ہو سکتا ہے کہ کچھ کلام گورو امر داس نے بھی جو نانک سے دس ہی برس بعد تولد ہوئے۔ اور جنہوں نے بابا سے انتیس برس بعد رحلت فرمائی جمع کیا ہو ؟ یا کچھ اشعار گورو ارجن دیو نے گورو گرنتھ صاحب کی تالیف و ترتیب کے وقت بہم پہنچائے ہوں ؟

۲۸۔ پہلے ہم بابا فرید الدین لغبہ گنج شکر کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کلام شیخ فرید کُل کاکل درج کرینگے سو اردو ترجمہ کے۔ پھر مقابلہ کریں گے۔ کہ کیا یہ کلام بابا فرید گنج شکر کا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کلام کی لسانی خصوصیات پر غور کریں گے۔ سارے کلام کا انڈکس تیار کریں گے۔ آخر میں فرید کے عہد سے پہلے کے مصنفین اور اس کے قریبی معاصر اور بعد میں آنے والے شاعر کا کچھ ذکر مضمون و لسانی مقابلہ کے کریں گے ؟

پہلے محمد شفیع صاحب نے شعورہ دیا ہے کہ حالات بابا فرید کے لئے سیر الاولیا کو دوسرے تذکروں پر ترجیح دینی چاہیے۔ یہ تذکرہ مولانا میر خور و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے ۱۱۳۵ھ میں تصنیف کیا۔ اس تذکرہ کے بیانات کی تائید و تردید کے لئے ہم تاریخ فرشتہ اور نواید الفوائد (امیر حسن) سے مدد لے سکتے ہیں۔ سیر الاولیاء لالہ چرنجی لال جینی رئیس قدیم درگاہ حضرت نظام الدین اولیا واقع غیاث پور نے دہلی سے ۱۸۸۵ء میں شائع کی ؟

سیر الاولیا سے ضروری فارسی عبارات اخذ کر کے نیچے دی جاتی ہیں۔

”شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین . . . . . جد بزرگوار شیخ قاضی شعیب باسہ پسر و اتباع ذیل در دیار لاہور تشریف آوردند و منصبہ (مقصود) نزول فرمودند۔ . . . . بعدہ قصائے کثرت کہ از ملتان نزدیک است بقاضی شعیب مقوض شد و آنجا سکونت کرد۔ حق تعلق از دو دمان (ایں بزرگ باوشاہ ہے فرید) را پیدا آورد۔ . . . . منقول است کہ شیخ فرید از غنوان جوانی کہ قوت کامرانی است بعبادت و محبت باری تعالی مشغول گشت و رکے بہ یک باری پیش گرفت و از خویش دیو نذاجد اشد۔ چوں نیت صادق بود۔

ہم دریں حال شیخ بجمتہ تعلیم در ملتان رفت .... شیخ در مسجدے فرو و آید . . . .  
 قطب الدین بختیار از او شہ در ملتان رسیدہ . . . . و خلاصہ این سخن ایں مصراع است کہ  
 دریں باب ہر زبان سلطان المشائخ گذشتہ است مصرع بیرون دروں بہ کہ دروں بیرون +  
 شیخ فرید، فرمودن دوتے کہ در آں جامہ پارہ دہتم دریں جامہ تو نیافتم۔  
 بعد اآنکہ بخلافت شیخ قطب الدین مخصوص شد خلق ہجوم کرد و مطلوب ستر بود از شہر (دہلی)  
 در ہانسی رفت۔ آنجا ساکن شد و مجاہدہ و مشغولی ظاہر و باطن مشغول گشت و خود را ستور  
 مے داشت و نمی خواست کہ ہیچ آفریدہ بر حال او مطلع شود . . . . جامہ شیخ طیبخ العالم  
 رگیس و پارہ بود . . . چوں در ہانسی عظمت و کرامت شیخ خلق را روشن شد ازین جانب  
 طرف کھتوالا رفت کہ وطن قدیم آباد اجداد ایں بادشاہ دیں بود و مدتے آنجا مشغول بود . . .  
 پس پشت نماز گاہ کھتوال مشغول مے باشد . . . شیخ بلال الدین تبریزی آں انا پارہ  
 کرد و خوردن گرفت۔ شیخ (فرید) صائم بود افطار نکرد . . . . از آنجا در اجودہن آید کہ مقامے  
 مجہول بود۔ بروایتے شانزدہ سال دروایتے بیت و چہار سال تا آخر عمر در اجودہن ماندہ  
 و آں مقام ہجو مبارک او قبلہ ہندوستان و خراسان شد . . . در کھتوال کہ معاش کتر  
 باشد و مقلے مجہول است ساکن گشت۔ چوں آں مقام از ملتان نزدیک است آنجا متو  
 نماید۔ بارہا خواستے کہ از آنجا ہم برو در لاہور کہ خراب است و آبے رواں دار و سکونت سازد  
 فی الجملہ آخر عمر در اجودہن گذرانید۔ مقصود ازین حکایت آں است کہ خود را ستور داشت۔  
 و در اشنہا نکوشید۔ بارہا ہر زبان مبارک ایں بیت رفتے سہ ہر کہ در ہند نام و آوازہ است  
 خانہ او بیرون دروازہ است . . . . در ہانسی . . . در آں آیام شیخ (فرید) را روزہ و اوادی  
 بود . . . بخاطر شیخ علی گشت کہ چہ نیکو بودے کہ شیخ (فرید) را صوم و وام بودے . . . .  
 شیخ (فرید) گفت آنچہ بخاطر خاصگان حق گذشت تکفل کردم . . . کار شیخ (فرید) دیگر بود  
 ترک خلق گرفت۔ دوش و بیابان اختیار کرد۔ یعنی در اجودہن ساکن گشت۔ بنان درویشانہ

بچیز ہائے کہ در آں دیار خیز و چوں پلید و مانند اک قانع گشت . . . یعنی پیوستہ دربار بودے  
 و طعام و نعمت موجود۔ انکرم خدا۔ و آئندہ و روندہ را ازاں نصیب شدے . . . .  
 ظاہر و باطن یک روش داشت . . . . بیشتر افطار شیخ (فرید) بشریت بودے . . . بعد  
 پیش از نماز دو نان برغن چرب کر دے و میاورندے۔ آں دو نان کم از یک آثار بودے  
 یک نان پارہ کر دے بجای آن کلیدے و یک نان دیگر خود خوردے۔ و ازیں نان خاص  
 ہم کسے را کہ خاصے ہم نصیب کر دے۔ بعد از او ائے نماز شام مشغول شدے۔ بعد از اں  
 ماندہ پیش او آوردندے و طعام از بہر آن بودے چوں طعام خرچ شدے پیش طعام دیگر  
 نخوردے مگر باز بوقت افطار روز دیگر . . . یک شب بوقت استراحت . . . کھتے  
 جگہ راست کروند۔ ہاں کلیم کہ بر آں روز نشستے ہاں بالائے کھٹ انداختندے چنانچہ  
 آں کلیم تاپایاں نے رسید۔ آنجا کہ موضع پائے مبارک ایشان بود شقہ آوردندے و نہادند  
 کہ اگر آں شقہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے . . . و یک عصائے بود کہ از  
 قطب الدین یافتہ بود آں را مے آوردند و جانب سیر آں کھٹ مے داشتند۔ شیخ (فرید)  
 بدال متکا کر دے و استراحت فرمودے۔ و بدال دست فرو آوردے و تقبیل کر دے  
 . . . شیخ (فرید) بیشتر نان زبیل خوردے البتہ بوقت افطار یک دو پر کا لنان زبیل پیش بودے  
 . . . و تھے برائے شیخ (فرید) خادم یک دانگ رانک و ام کر دے۔ شیخ بنور باطن دریافت  
 فرمود و ریں طعام پوئے تصرف مے آید . . . روانا شد کہ من این طعام بخورم ۔  
 . . . چوں وقت افطار شد و در خانہ خدمت شیخ چیرے موجود بود کہ از آں افطار نشو  
 شیخ (فرید) باصرم بیار بود۔ و تھے نیز حرم ایشان بخد مت شیخ آمد و گفت خواجہ امر و فلاں  
 پسر از سبب گرنگی و معرض ہلاکت شدہ است۔ شیخ سراز مشغولی بر آوردند و فرمودند سعو  
 بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق و رأید و از جہاں سفر کند رسنے در یائے او بندہ سی و بیرون مقلینی  
 و بیائی۔ بعدہ سلطان المشائخ فرمودند خواجہ کہ خوش خورد و خوش خُشد و عوے محبت خدا

کند و روغ گفتہ باشد :

شیخ فرید خواست کہ مجاہدہ پیش گیرد . . . سہ روز چیرے نخورد . . . سہ روز دیگر طے کرد . . . چوں وقت افطار شد ہیچ طعامے پیدا نہ شد . تا یک پاس شب گذشت ضعف غالب تر شد . دست مبارک جانب زمیں فرار کرد و چند سنگ ریزہ کہ از زمین برداشت بر زمین مبارک خود انداخت . اں سنگ ریزہ از بکت دین مبارک او ٹکر شد . . . باغوش گفت نباید کہ از فایت ضعف از طاعت باز نام . باز چند سنگ ریزہ بستہ در دین انداخت ٹکر شد . . . آنچہ از غیب برسد بدل افطار کنی . . . شیخ قطب الدین (شیخ فرید را) فرمود کہ ہا برو چہلہ معکوس بردار . چہلہ معکوس اں باشد کہ چل روز یا چل شب ہائے خود بر شتہ بندند و در چہلہ سرنگوں خدائے تعالیٰ را عبادت کنند . . . شیخ (فرید) عمریت چہلہ معکوس مصمم فرمود لیکن بنوے کہ این معنی مستور ماند . بعدہ در طلب مقلدے شد کہ آسنا مسجدے باشد . و در وین آں مسجد چلبے و نزدیک آں چاہ ورنختے کہ شاخ آں درخت بر سر آں چاہ رسید باشد و آں مسجد مؤذنے باشد متدین . لایق صحبت درویشاں باشد و صاحب سرایشاں :

. . . شیخ این جنس مقامے . . . تفحص کردند . . . تا آنکہ در خطہ اُچر رسید . آسنا مسجدے یافت . . . مؤذنے کہ نام او خواجہ رشید الدین . . . بعدہ سرنگون خود را

(باقی دارد)

مومن نگہ دیوانہ

# شبلی فکر جدید سے کیونکر رُٹھنا س ہوئے؟

ایک مصنف اور شاعر اپنے سفر زندگی میں جن جن واقعات و حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان کا اثر اس کے لوحِ قلب پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ نقوش آہستہ آہستہ اس کے دھماں کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے میں مدد ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ اس کو محسوس کرتا ہے۔ پھر یہی حسیات، ایک خاص ذہنی حالت۔ اور ایک خاص تصور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۚ

اگرچہ مولانا شبلی کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر نے طریقے پر ہوئی۔ لیکن خارجی واقعات اور معاشرتی ماحول ان کے تصورات اور رجحانات میں وقتاً فوقتاً بعض نمایاں انقلاب پیدا کرتے رہے جن کا سمجھنا اور اندازہ لگانا، ہمارے لئے نہایت ضروری ہے ۚ

شبلی کی ابتدا یہ تھی۔ کہ انہیں دنیا میں وہابیوں کی تردید سے زیادہ کوئی شغف دلچسپ نظر نہ آتا تھا۔ اس کا مقابلہ اس معراجِ کمال سے کیجئے جب یہی شبلی ہمارے سامنے ایک بلند پایہ محقق، ایک بے نظیر مؤرخ اور ایک بے مثال ماہرِ علمِ کلام کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں ۚ

فضل و کمال کی یہ منزل کیونکر طے ہوئی؟ اس کا سراغ لگانے میں آج ہم بعض خارجی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے شبلی کے دھماں پر گہرا اثر ڈالا اس کے شاہی ہم عصر یعنی تانگیہ کے شبلی یورپ کے افکار کیونکر واقع ہوئے؟ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ شبلی شروع میں ایک متعصب حنفی تھے اس کا التذری

میں جو وہابیوں کی تردید میں ایک عربی رسالہ ہے۔ وہی پُرانا زاویہ نگاہ نظر آتا ہے مولانا کی ایک قدیم اُردو تحریر امام کے پیچھے نماز باجماعت میں ناحتہ نہ پڑھنے کے مسئلہ پر موجود ہے۔ جس میں سادگی اور جبرنگی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ ان جبرنیات ہی کو اصولِ دین سمجھنے والا شبلی کسی دن ہندوستان کا

بہترین مصلح ادب اور نقادِ اسلامیات بنے گا۔

ہندوستان اور مسلمانانِ ہندوستان جس دور سے گذر رہے تھے۔ اس کا ان اوراق میں بار بار اعادہ ہو چکا ہے۔ اُن پر سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ذہنی اور علمی انحطاط بھی غالب تھا۔ تقلید اور اشخاص پرستی مسلمانوں پر اس درجہ منتولی تھی کہ اس سے سرِ موخرات کرنے والا ایک جنبشِ تلم دین سے خارج ہو سکتا تھا۔ غرض مسلمانوں کی علمی ضمیر بے حد مضطرب تھی اور ان کا سیاسی شعور نہایت ناچختہ۔ ان دنوں اسلام کی تاریخ، روایات اور کچھ پر دو طرفت سے حملے ہو رہے تھے اور مسیحی مبلغین مناظرانہ رنگ میں اسلامی تعلیم کا تجربہ اور تخریب کر رہے تھے۔ اُدھر یورپ میں کشتِ شرقتین کی نوزائیدہ جماعت، جدید اصولِ تنقید کے مطابق اسلام اور اس کے تمدن پر حملے کر رہی تھی۔ سرسید احمد خان مرحوم سب سے پہلے اس معاملے میں مدافعت کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے اس چیز کی طرف توجہ کی۔ کہ یورپ کے حملوں کا جواب یورپ ہی کے طریقہ پر ہونا چاہیئے اور اسلام اور علومِ اسلام کی حفاظت کے لئے مغربی اصول سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے۔ سید صاحب نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو جو رواج دیا۔ اس سے علاوہ سیاسی اور مقامی اغراض کے ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ مسلمان یورپ کے دلائل سے باخبر ہوں اور پھر ان ہی دلائل سے یورپ کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ خود انہوں نے خطباتِ احمدیہ کو مرتب کیا اور اپنے معاصرین کے لئے ایک شاہراہِ عمل تجویز کر دی؛ لیکن افسوس کہ سید صاحب علومِ اسلامیہ سے کما حقہ واقف نہ تھے۔ وہ اس مدافعتِ جنگ میں مغرب اور مغرب کے اصول کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ ان کا ہولِ اسلامی نہ تھا۔ وہ جب منقولات سے جواب پیدا کر سکتے تھے۔ تو مغربی طرز کا جہنم کر لیتے تھے۔ ان کے رکش کے اکثر تیر مغربی نہر میں بجھے ہوئے تھے۔ جن کا اثر

بعض اوقات خود تیر انداز رہو جاتا تھا۔ پھر انگریزی تعلیم کا اثر حقد زیادہ بھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر شکوک و اہام دین کے متعلق زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ سید صاحب نے آزادی اور عدم تقلید کا جو سبق سکھایا۔ اس سے نوجوان طبقہ میں لا اوریت اور وہریت پھیلنے لگی۔ جس کے آثار خود سید صاحب نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔ کارکنان قضا و قدر کو یہ منظور ہوا کہ بندول کا ایک طالب علم بشی جو ابھی کنز اور قدوری کی بھول بھلیاں میں مبتلا تھا۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے اور بیک وقت دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ ادھر علما میں آزادی کی سپرٹ پیدا کرے اور ادھر یورپ کے سیلاب کا مقابلہ کرے۔

۱۸۸۲ء میں ہمارا نو عمر مولوی اپنے بھائی محمد مدنی کو کالج میں داخل کرانے کے لئے علیگڑھ گیا۔ وہاں سر سید احمد خان سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں کی فطرت کو ایک دوسرے کی پیاس تھی۔ سید صاحب نے مولانا کو کالج کی پروفیسری پیش کی جو قبول کر لی گئی۔ بشی کی زندگی میں اس واقعہ سے ایک اہم انقلاب آیا۔ اگر خدا خواستہ سید صاحب کالج کی پروفیسری نہ پیش کرتے۔ یا بشی اس کو قبول نہ کرتے۔ تو آج دنیا بشی کو اس حیثیت سے نہ جانتی اور وہ بیش بہا تصنیفات بھی موجود نہ ہوتیں جو آج ہمارے علم و ادب کی رونق ہیں۔

اگرچہ بشی کی طبیعت میں علمی مذاق قدرت کا عطیہ تھا جس کی ابتدائی تربیت انہوں نے پہلے تو ان نامی گرامی اساتذہ کے زیر سایہ کی اور پھر عظیم گڑھ کے فیاض کتاب فروش کی دکان کے ایک گوشہ میں اس کو اور جلا ملی۔ تاہم جب وہ دارالعلوم میں پہنچے تو وہاں انہیں ہر طرف ایک نئی دنیا نظر آئی۔ ادھر نوجوانان کالج تھے۔ جو نئے نئے ولوے کے کرمیدان میں اکٹھے ہوئے تھے۔ اور جن کی زبان پر سید صاحب کی تلقین کی بدولت "قوم قوم" کے الفاظ بطور ورود جاری تھے۔ ان کی پُر جوش

گفتگو میں، ان کے بلند ارادے، ان کے جذبات و حسیات سب کے سب زندہ اور بیدار دماغِ بشی کو تڑپانے کے لئے کافی تھے۔

اس ساز و سامان اور رونقِ بزم کے کہیں زیادہ میرِ مجلس کی عظمت اور اس کی بینظیر ہمت اور جوش، جو اپنے خلوص کی وجہ سے مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا رہی تھی ان کے خطبات، ان کا علومِ اسلامیہ کو از سر نو زندہ کرنے کا خیال، بیرونی حلوں کا تسلی بخش جواب دینے کی زبردست خواہش، نازک احساسِ بشی کے سوز و ساری میں کیوں اضافہ نہ کرتیں۔

سید صاحب کا کتب خانہ مشرق و مغرب کی بہترین اور منتخب کتابوں کا مجموعہ تھا۔ بشی کے علمی ذوق و شوق کو پورا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "میں جس حالت میں ہوں۔ (اچھا ہوں) سید صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت مجھے عام اجازت دے رکھی ہے۔ اور اس وجہ سے مجھ کو کتبِ مبنی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے۔" پھر فرماتے ہیں "سید صاحب کے پاس تاریخ اور جغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں جن کو حقیقت میں میں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے۔"

بہیں انہوں نے ۱۸ ویں صدی کے نامور مؤرخ گبن کی شہرہ آفاق کتاب کا مطالعہ کیا۔ جس کے اثرات کا ہم آئندہ صفحات میں پتہ چلا میں گے۔ بشی اس کتب خانہ کی ماریوں کے پاس گھنٹوں کھڑے کھڑے مطالعہ کرتے اور جب تھک جاتے تو وہیں بیٹھ جاتے۔

سید صاحب کے دائرہِ علمیہ میں ایک ازرقی بزرگ بھی تھے۔ جن کو دنیا آرنلڈ کے نام سے جانتی ہے۔ لیکن ہم ان کو مصنف "پریچنگ ات اسلام" بشی کے فریج



کے استاد اور سفر روم و شام میں جہاز کے ہم سفر کے طور پر جانتے ہیں۔ کانج کا یہ دُور بھی ایک مبارک دُور تھا۔ جس میں مذاکرہ علمی کے لئے ان بزرگوں کا عجیب و غریب اجتماع اتفاقاتِ زمانہ نے قائم کر دیا تھا۔

اسی زمانے میں آرنلڈ نے اپنی کتاب ”پریچنگ اوف اسلام“ لکھی جس کے سلسلے میں شبلی سے استفادہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کا عام رجحان وہی ہے۔ جو علیگندھ کا اور اس عہد کا ستم رجحان ہے۔ یعنی یہ کہ مذہب کی عام مقبولیت اور اس کی اعلیٰ تعلیم ہی اس کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کی اصولی سادگی اور فطری پاکیزگی اس کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ کتاب کے وسیع مضامین کو دیکھ کر جن میں تاریخی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس میں مدرسۃ العلوم کے پروفیسر شبلی کا کتنا حصہ ہوگا۔ اس کے برعکس شبلی کی کتابوں میں جہاد کی تعلیم کے متعلق جو دھیما رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کو ”پریچنگ“ کے اصول سے کس قدر مطابقت ہے۔ شبلی نے آرنلڈ سے فریج۔ اور آرنلڈ نے شبلی سے عربی زبان سیکھی۔

سفر نامہ کی سطور میں شبلی نے آرنلڈ کے ساتھ اپنے پُر محبت تعلقات کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے اس اثر کا پتہ چلانا مشکل نہیں۔ جو صاحبِ موصوف نے ہمارے مؤرخ پر ڈالا ہوگا۔

بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی ایک سخت خیال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ شبلی یورپ کے اثرات سے بالکل آزاد تھے۔ یہ لوگ غالباً اس کوشش سے یہ مقصد رکھتے ہیں۔ کہ اس طریق سے شبلی کے اجتہاد اور مذہبی رتبہ کو ثابت کریں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ خیال بہت حد تک غلط ہے۔ انسان خارجی اثرات کی مخلوق ہے یہی اثرات جو بمقامِ مشیتِ ایزدی اشخاص و افراد سے دوچار ہوتے ہیں۔ زندگی

کے سارے رجحان اور فائیت کو تبدیل کرتے ہیں۔ شبلی کے متعلق بھی یہی ہوا۔ اور اگر شبلی ان اثرات سے متاثر نہ ہوتے تو ممکن ہے کہ آج یہ سطور لکھنے کی نوبت نہ آتی، آئندہ صفحات میں ہم ان مغربی اثرات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ شبلی کی زندگی پر علاوہ ملک کے سیاسی ماحول اور مسلمانوں کے انحطاط کے سب سے زیادہ اثر مغرب کا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ شبلی نے ان اثرات کو، اپنی اسلامی طبیعت اور اسلامی روایات سے کس طرح تطبیق دی۔ لیکن شروع سے لے کر آخر تک شبلی نے مغربی رجحان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا ڈاکٹر لائشر کی کتاب "سنین اسلام" نے شبلی کے لئے ایک خفیت سی راہ عمل پیدا کی اور پہلے پہل مغربی طرز کی ایک تالیف کا دلدادہ بنایا:

خطبات احمدیہ نے یہ بتایا کہ یہی فرض موجودہ وقت کا اہم ترین فرض ہے۔ سید صاحب نے شبلی میں مغربی اثرات کو قبول کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت پیدا کر دی۔ یورپ کی خدمتِ علم اور علوم اسلامیہ کی قدردانی اور نادر کتابوں کی اشاعت نے تعصب کو دور کر دیا اور شبلی کے قلب میں مشرق و مغرب کے امتزاج کی خواہش بیدار ہو گئی۔ چنانچہ شبلی کا تمام سرمایہ تفسیف اسی ایک خواہش کا منظر ہے:

بہر حال کمالج کے سارے زمانہ قیام میں شبلی مغربی اثرات کے اندر کھینچے رہے اور ان کی مشرقی فطرت اس قوت کو اپنے سانچے میں ڈھالتی رہی۔ چنانچہ اسی کے نقوش، صبحِ امید (۱۸۸۴)، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۱۸۸۷)، رسائل اور المامون وغیرہ میں صاف طور پر نمایاں ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے:

۱۸۹۲ء میں شبلی نے الفاروق کے لئے ذخیرہ معلومات جمع کرنے اور بعض نادر کتب کا پتہ چلانے کے لئے روم، مصر اور شام کا سفر اختیار کیا۔ یہی خیال تھا جس

اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے۔ ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سیر و سیاحت کے دوران میں شبلی کی زیادہ تر توجہ ان ممالک کے علمی تمدنی اور کلچرل حالات کے مطالعہ کی طرف مبذول رہی۔ ان امور کے متعلق شبلی نے جگہ جگہ پھر کر مختلف ”پرائم“ پر غور کیا۔ اور اکثر چیزوں کے اسباب و علل کے دریافت کرنے کی کوشش کی ۛ

یہ عجیب بات ہے کہ ان اسلامی سلطنتوں کی سیاحت کے دوران میں اور اس کے بعد شبلی کے تصورات مختلف مسائل کے متعلق تقریباً وہی رہے بلکہ جو نقوش اور جو آب و رنگ پہلے ذرا ہلکا تھا۔ اب تیز تر ہو گیا۔ یعنی ہندوستان میں قوم کی بے بسی کا جو احساس سناتا رہا تھا۔ اس نے ترکی اور روم اور شام میں پہنچ کر اور بھی مہرچ کر دیا شبلی نے محسوس کیا کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے۔ تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے ۛ

ہندوستان میں شبلی جس امتزاج جدید و قدیم کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل تھے مصر اور روم و شام میں پہنچ کر اس مقصد کے حل کرنے کے مسائل پر بخوبی غور ہوتا رہا۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت ہندوستان میں تھی۔ وہاں بھی جدید جماعت کو اسی مرض کا شکار پایا۔ پرانی تعلیم میں جو کمزوریاں یہاں نظر آتی تھیں۔ ان کی حالت وہاں بھی کسی طرح بہتر نہ تھی۔ شبلی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہاں پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے۔ اور دونوں سے مل کر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا ۛ

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں تمام اسلامی ممالک میں سیاسی اور تہذیبی زندگی میں ایک انقلاب کیساں طور پر برپا تھا۔ اور اس انقلاب کے اسباب ہر جگہ تقریباً ایک ہی تھے۔ یعنی سلطنت کے فرق کے علاوہ تمام ملکوں میں قدیم و جدید کے درمیان اثرات مغرب کے ماتحت ایک کشمکش برپا تھی۔ اور ملک و قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو قلب ماہیت کیا کرتی ہے۔ ان تمام مشاہدات کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ شبلی کے دماغ نے ہندوستان میں جو صلح مغربی اثرات قبول کئے تھے انکار تک مغربیوں زیادہ گمراہ ہو گیا۔ اور ان کا جو حصہ غیر معتدل تھا اور جس کے خلاف شبلی کی ضمیر میں ایک ہیجان یہاں پیدا ہو چکا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت نے اس خفیت ہیجان کو ایک باقاعدہ اور زبردست "احتجاج" کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ غرض یہ کہنا غلط نہیں کہ یہ مغربی سیر و سیاحت بھی دراصل شبلی پر خارجی اثرات پڑنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے۔

مصر ایک عرصہ سے اسلامی دنیا میں دماغ کا درجہ رکھتا ہے۔ علی الخصوص اس زمانے سے جب کہ نپولین اعظم کی کشور کشائیوں نے مصر کو بھی فتح کئے بغیر نہ چھوڑا۔ یہی دور تھا۔ جبکہ یہ ملک پہلی دفعہ مغربی اثرات سے روشناس ہوا۔ مصر جدید کے بانی محمد علی پاشا نے تمام سوسائٹی کی بنیاد نئے اصولوں پر رکھنے کی جوان تھک کوششیں کی ہیں۔ ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کے بعد وہاں کے علما و فضلا نے علوم و فنون کے اندر نئی روح پھونکنے کے لئے شبانہ روز محنتیں کیں۔ پریس کی آزادی اور علوم کے نظریہ ہائے جدید نے مصر کو اسلامی دنیا میں اثر و تاثیر کا ایک نہایت ہی خوشگوار چشمہ بنا دیا اور باوجودیکہ جامعہ ازہر ابھی تک قدیم نظام تعلیم کے ساتھ وفا و رانہ وابستگی رکھتا تھا۔ ملک میں "مغرب پسند" علما کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ جس کی کوششوں کے طفیل انگریزی لٹریچر کا ایک منتخب سربراہ عربی زبان

میں منتقل ہو چکا تھا۔ اور بہت سی ”اورنجیل تصانیف“ بھی شائع ہو کر اکناف و اطراف ملک میں پھیل چکی تھیں ۛ

ہندوستان بھی مصر کے اس اثر سے محفوظ نہ تھا۔ اور سیاسی حالات نے مصری اور ہندوستانی مسلمانوں کے تعلقات کو اور بھی مضبوط بنا رکھا تھا پس شبلی ان اثرات سے کیسے بچ سکتے تھے ۛ

مصر سے جو لٹریچر شائع ہوتا تھا۔ شبلی اس کو منگوایا کرتے تھے۔ وہاں کی تعلیمی اور علمی تحریکوں کی رفتار کا بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ”نصاب تعلیم میں برسوں غور کر چکا ہوں۔ مصر کی اصلاحات کو دیکھتا رہتا ہوں۔ وہاں سے جدید کتابیں جو اب تک کسی کے پاس نہیں پہنچیں۔ ان کو منگوایا گیا ہے“ وہاں کے علماء سے خط و کتابت بہر جاری رکھتے تھے۔ سید رشید رضا مصری جو المنار کے ایڈیٹر تھے۔ شبلی کی دعوت پر ندوہ میں تشریف لائے۔ ایک علمی بحث و مباحثہ کے وجہ خود مصر بھی مولانا کی ذات سے بخوبی روشناس ہو چکا تھا۔ مصر کے مشہور مؤرخ جرجی زیدان نے اپنی کتاب ”تمدن اسلام کی تاریخ“ میں شبلی کی علمی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ اور تصانیف شبلی سے حوالے نقل کئے ہیں۔ اس تصنیف پر شبلی نے ایک تنقید عربی زبان میں لکھی تھی جو المنار میں شائع ہوئی ۛ

ان تفصیل سے ہمیں صرف اس قدر غرض ہے۔ کہ شبلی کی ذہنی تربیت میں مصر کا کچھ کم حصہ نہیں۔ اور حقیقت مصری ”مغربی اصول علمی“ سے شبلی کی واقفیت کا ایک واسطہ تھا۔ انگریزی کی بہت سی کتابیں جو شاید شبلی کے مطالعہ میں نہ آسکتیں۔ عربی کے توسط سے ہندوستان پہنچیں۔ اور شبلی نے ان کے مطالب سے استفادہ کیا۔ کارلائل کی کتاب ”ہیرو اینڈ میروور شپ“ عربی لباس میں ہی شبلی کے پاس آئی

جنہوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں  
 ”کارلائل کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اچھا ترجمہ کیا ہے۔ میرے کام کی چیز  
 ہے۔“ یہ کیونکر شبلی کے کام کی چیز تھی۔ آئندہ سطور میں اس کے اثرات کا ہم ذکر کریں گے۔  
 مقرر میں الیڈ کا ترجمہ ہوتا ہے۔ شبلی کی نظر سے گزرتا ہے۔ فرید و جدی اسلام  
 کے ثبوت اور فلسفہ حال کی تطبیق پر مقرر سے ایک پرچہ نکلتے ہیں۔ شبلی اس کو بہت  
 پسند کرتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں ”ماہوار نکلتا ہے۔ زور کا پرچہ ہے اور واقعی  
 عمدہ ہے۔ ایڈیٹر فرینچ اور جرمن زبان کا ماہر ہے۔“

ان تعلقات نے شبلی کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ مختصراً یہ کہ یورپ کے  
 مآخذ زیادہ آسانی کے ساتھ شبلی کی نظر سے گزرے۔ اور انہوں نے ذاتی مطالعہ سے  
 یورپ کے اصول علمی کے متعلق رائے قائم کی۔<sup>۱</sup> علمی زاویہ نگاہ میں ناقداً بصیرت  
 پیدا ہوئی۔ جو وسعت مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جو علمی ماحول کی تنگی سے یقیناً  
 محدود ہو جاتی۔<sup>۲</sup> شبلی کے ”رجحان معقولیت“ کو ترقی ہوئی۔<sup>۳</sup> شبلی کی سیاسی  
 حیثیات جو ان کی اکثر تصانیف کی جان ہیں۔ زیادہ بیدار ہوئیں اور بین الاقوامی سلامتی  
 کا جذبہ جو حیات شبلی کے دورِ آخر میں ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بہت  
 نشوونما پا چکا تھا۔ زیادہ مشتعل ہوا۔

شبلی کے شاگردوں اور دوستوں کی ایک بہت بڑی جماعت انگریزی تعلیم سے  
 بہرہ ور تھی۔ ان کے اپنے خاندان میں انگریزی تعلیم کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ان کے  
 حقیقی بھائی ہمدی اور جنید وکیل تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی مولانا حمید الدین مشرقی  
 اور مغربی تعلیم کے جامع تھے۔ پھر دوستوں میں شیخ عبدالقادر ایم اے (افغانستان)  
 کالج بمبئی۔ ایم ہمدی حسن (مصنف افادات)۔ سید نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج)  
 اور عطیہ نشینی۔ شاگردوں میں سید سلیمان اور مولانا عبدالماجد وغیرہ سب انگریزی سے واقف

تھے۔ شبلی کی زندگی کی یہ ایک عجیب و غریب خصوصیت ہے کہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ علمی افادہ و استفادہ، اور شاگردوں کی تربیت میں گزرا۔ مولانا نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے علمی مذاق کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا۔ اس کا مختصر سا خاکہ ہم کو کتاب کے پہلے صفحہ پر اس سلسلے میں سب سے پہلے بات یہ ہے کہ شبلی اپنی تصانیف کی ترتیب و تحریر کے دوران میں اپنے ان انگریزی دان و دونوں اور شاگردوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ عربی اور اردو درجوں کے ذریعے جن مغربی تصانیف تک پہنچنا مشکل تھا ان کے مطالب اور معانی ان لوگوں کے ذریعے معلوم کئے کہ یہی کو کھٹا "فارسی شناسی میں تخیل کی چند مثال حسب خیالات یورپ لکھ بیجو" مولانا حمید الدین کو شکایت کے بعد میں لکھتے ہیں۔ "کاش حکماء یورپ کے خیالات سے واقف کرتے" عبدالماجد سے میور۔ ولما وزن۔ تولد کی اور فارسی کی کتابوں اور تحقیقات کا خلاصہ مانگتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر کو لکھتے ہیں۔ "ذریعہ یا اخلاقی شاعری پر انگریزی کا نمونہ چاہتا ہوں"

غرض قدم قدم پر اپنی اس نو تربیت یافتہ جماعت سے یورپ کی کتابوں کے سلسلے میں فائدہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو یہ مقصد تھا۔ کہ یہ لوگ بھی اسی ذوق سے متصف ہو جائیں۔ جو ان کا اپنا خاصہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ان کی توجہ کسی وقت یورپ کے اثرات سے غافل نہ رہے۔ جن کے سلسلے میں انہوں نے مدت سے "خدا صاف دے ماکدر" پر عمل کر رکھا تھا۔ اس انماک کے پیش نظر، ہمارے مصنف اور مؤرخ کی بیدار مغزی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ جس نے تصنیف و تالیف پر قلم اٹھانے سے پہلے، ہر مسئلہ و مضمون کے متعلق مشرق اور مغرب کے بنیادی اصول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ہر مسئلہ کے متعلق ایک نقادانہ رائے قائم کی

سید محمد عبد اللہ

# تبصرہ و تنقید

## ۱۔ ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء

(۱۳۲۱ھ تا ۱۳۷۹ھ)

(از ڈاکٹر اقبال حسین صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل پی ایچ ڈی فارسی لکچرر ٹیپہ کالج)

یہ سرت کا مقام ہے۔ کہ ہندوستان کے قدیم شعرائے فارسی کے متعلق تحقیقات کا شوق ملک میں پیدا ہونے لگا ہے اور زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے سند یافتہ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر وحید مرزا عننی پرنسپل لکھنؤ یونیورسٹی نے حضرت امیر خسرو کی حیات و مصنفات پر ایک عالمانہ تبصرہ زبان انگریزی تالیف کیا جس کو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے مصارف سے طبع کیا۔ سید یوشع جونیر لکچرر فارسی مدراس یونیورسٹی نے فتوح السلاطین تالیف ۱۳۵۷ھ کا دیباچہ بنام عصامی نامہ حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اب ڈاکٹر اقبال حسین ایم۔ اے۔ بی۔ ایل پی ایچ ڈی فارسی لکچرر ٹیپہ کالج نے امیر خسرو کے پیشرووں پر ایک انگریزی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جو جمع دیباچہ وانڈکس وغیرہ چھوٹی تقطیع کے دو سو چونتیس صفحات پر شامل ہے اور اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے۔ اس رسالہ کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مقالہ ہذا ہمارے ملک کے مشہور استاد ڈاکٹر عظیم الدین کی رہبری اور سر ڈینی سن راس اور ڈاکٹر ہادی حسن کے قیمتی مشوروں کے ساتھ طیار ہوا ہے۔ ٹیپہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر ٹیٹ کی نگہی کے واسطے پیش کیا گیا اور منظور ہوا اور اسی یونیورسٹی نے اسے طبع کیا۔ قدیم شعرا نے ہند پر قلم اٹھانا کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مترادف ہے اور ڈاکٹر اقبال حسین اس سنگلاخ اور



بنجر زمین میں اپنی تیشہ زنی اور بگر کاوسی پرستی مبارکبادیں +

یہ ہمارے ملک کی بدستی ہے کہ خالص مشرقی موضوعات پر بھی ہمارے نوہمال ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ناروا اور غیر مفید ضوابط کی بنا پر انگریزی زبان میں اپنے مقالے لکھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں جن سے ملکی زبانوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ ہمیں رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ جب ہم مقالہ نگار کو سلطان شمس الدین التمش کے پورے نام السلطان الاعظم شمس الدین ابو المنظر التمش کے ترجمہ کے ساتھ عبارت ذیل لکھش میں مصروف پاتے ہیں :-

*The mighty sultan, sun of the Empire and the Faith, Conquest laden Ilutmish.*"

اگر ڈاکٹر صاحب نے "ابو المنظر" کا ترجمہ "کانکوٹ لیڈن" رفتح سے لدا کر دیا تو اس میں ڈاکٹر صاحب کا کیا تصور ہے۔ قصور ان ضوابط کا ہے۔ جو ہمیں انگریزی لکھنے اور پھر متعارف انگریزی لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ مقررہ تھا +

مقالہ ہذا میں چھ شاعر ابو عبد اللہ النکتی - ابو الفرج رونی - مسعود سعد سلمان -

تلج الدین ریزہ - شہاب ممہر - اور عمید شامی کا مذکور ہے اور جس قدر ذرائع معلومات ان شعرا کے لئے میسر ہیں۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ اور سارے مواد کو ایک خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اہل پنجاب کے لئے شاید یہ اطلاع موجب اطمینان ہو کہ ڈاکٹر صاحب کی فہرست کے ان چھ شعرا میں سے چار پنجاب سے علاقہ رکھتے ہیں۔ یعنی ابو عبد اللہ النکتی - ابو الفرج رونی - مسعود سعد سلمان - عمید شامی + ڈاکٹر صاحب نے شاید ہندوستان زانی کی شرط قائم کر کے اس عہد کے دیگر

شعرا کو اپنی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ حمید الدین مسعود بن سعد شالی کو جو بقول عوفی "احرار خطہ لوہور دلاہور" سے تعلق رکھتا ہے اور مولانا سر سراج منہاج لوہور <sup>الہو</sup>

کا داخل تو ان کی فہرست میں ضروری تھا۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ ایسے بیرونی شعرا جنکی شاعری ہندوستان کی سرزمین میں پرورش اور نشوونما پاتی ہے۔ ہندی نثر اور شعر کے ساتھ ساتھ ہندی کے استحقاق میں دوش بدوش ہیں۔ اگر قطب الدین ایبک۔ انتش۔ بلعن اور بابر کا شمار سلاطین ہند میں ہو سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وطنیت کے تنگ خیال کی بنا پر ان شعرا کو یوں کہہ ہندی شاعروں کے طبقے سے خارج رکھا جائے۔ اسی خیال نے شاید انہیں ملتان کے تمام شعراء کو جو ناصر الدین قباچہ کے دربار سے متعلق تھے دشنام شمس الدین محمد کاتب لہجی۔ فضلی۔ ضیاء الدین سجری وغیرہم) اپنی فہرست میں شامل کرنے سے باز رکھا ہے۔ قباچہ کو علم و فضل و شعرو سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ اور اس کے دربار میں اچھے اچھے فضلا و شعراء جمع تھے۔ اور اس کثرت سے تھے۔ کہ عبداللہ سید الاناضل نے ایک علیحدہ تذکرہ ان کے ذکر میں تالیف کیا تھا اور نوٹ کلام بھی کثرت سے دیا تھا ۛ

جس قدر شعراء و اکابر صاحب نے لئے ان کے تعلق میں بھی تمام مباحث کے ساتھ کافی داد نہیں دی گئی۔ ابوالفرج کے دیوان کو اگر بغیر غائر مطالعہ کیا جاتا تو اس عہد کے سیاسی و تاریخی و دیگر مسائل پر نئی روشنی پڑتی۔ وہ افغانوں اور جاٹوں (رجت) کو مشترک لکھ رہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ افغان اور جاٹ اس وقت تک من حیث القوم مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے ہاں سب سے پہلے دہلی۔ میرٹھ (میرٹ) اور بدایوں (بوداؤں) کا ذکر آتا ہے ۛ

ابوالفرج کے باپ کا نام مسعود ہے۔ مگر یہ کونسا مسعود ہے۔ ایک مسعود رازی ہے جسے سلطان مسعود شہید نے اس جرم میں کہ اس نے سلجوقیوں کی بڑھتی طاقت کے ٹوڑنے کا ایک قصیدہ میں مخلصانہ مشورہ دیا تھا ۛ

مخالفان تو موران بدنہ مارشندند برآرزو زوز موران مارگشتہ دلد  
جو مسعود کو برا معلوم ہوا۔ ہندوستان میں جلاوطن کر دیا۔ بعد میں ایک قصیدہ کی بنا پر

۳۳۱ھ میں اگرچہ قصور معاف کر دیا اور تنخواہ جہلم (جہلم) کے معاملہ پر مقرر کر دی۔ مگر حکم دیا کہ ہندوستان ہی میں رہے اور غزنی نہ آئے پائے۔ ادھر خود ابو الفرج اپنے باپ کو مسعودی کے نام سے یاد کرتا ہے اور امیر سلیمان الدولہ محمود سے اپنے نام پر اس کی تنخواہ کی بحالی کا مستدعی ہے۔ چنانچہ

کر و جو ہی کہ داشت مسعودی کند آزا ملک بدان کنین

۲۵۰ھ سلیمان الدولہ محمود کے ایک جشن کے سلسلہ میں مسعود سعد سلمان کے دیوان سے ایک تاریخ دے کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ابو الفرج نے اس کی تاریخ نہیں دی۔ مگر ابو الفرج نے جو ایک تاریخ دی تھی ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی نظر التفات نہیں ڈالی وہ ہوتا :-

خسروا بندہ را بلو ہاور در مدیح تو شعر ہاست متین

ہر کی کردہ را وی انشاد در سنہ اربع سنہ و ستین

آخری لفظ کی قرأت میں اختلاف ہے۔ سبعین اور تسعین بھی قلمی نسخوں میں ملتا ہے۔ جس میں تسعین تو صریحاً غلط ہے۔ سنہ کی جگہ مابہ بھی ملتا ہے۔ جس سے مراد سنہ ۴۶۶ھ ہو سکتا ہے۔

بعض موقعوں پر غیر ضروری مباحث داخل کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷ پر سلطان ابراہیم غزنوی کے جلوس و وفات کے سنیں کے تعلق میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس کا سال جلوس ۵۸۴ھ ہے۔ اگرچہ متعدد ماخذ گنا دیئے۔ مگر یہ فیصلہ نہیں کیا۔ کہ اس کی تخت نشینی کا صحیح سال کیا ہے۔ ابراہیم کے جلوس کے لئے سب سے قدیم اور معتبر مؤرخ ابو الفضل جہتی ہے۔ اس نے یہ تاریخ بدیں الفاظ دی ہے :-

”روزہ و ثننبہ نوز و ہم صفر سنہ احدى و خمسين و اربع مائے“۔ ۱۹ صفر ۵۸۴ھ مطابق

۶ اپریل ۱۵۹۰ء

اس طرح ابراہیم کی وفات کے لئے ہر دور روایت ۳۸۲ھ و ۳۹۲ھ تحریر کرنا۔ اور  
مؤخر الذکر سال کی تصدیق کے لئے برٹش میوزیم کے سکوں کی شہادت پیش کرنا ہمارے نزدیک  
تخصیص حاصل ہے۔ کیونکہ آج ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو ابراہیم کی وفات ۳۸۲ھ  
میں تصور کرتا ہو۔

۱۵ ابوالفرج رونی کی وفات کے متعلق مختلف اقوال دینا کہ صحت ابراہیمی میں ۳۸۹ھ  
مرات عالم میں ۳۸۲ھ۔ نشر عشق میں ۳۸۹ھ۔ جن میں آخری تاریخ ڈاکٹر کی نگاہیں صحت کے  
زیادہ قریب ہے اور کہ وہ ۳۹۲ھ کے بعد تک زندہ رہا۔ ہمارے نزدیک تصویر کا نیم رخ دکھانا  
ہے۔ اگر ہم ڈاکٹر کی جگہ ہوتے تو اس استدلال کو جہاں انہوں نے ختم کیا ہے۔ وہاں سے  
یوں شروع کرتے۔ کہ سلطان مسعود ثالث ۳۹۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے اور ابوالفرج رونی  
نے اس کی مدح میں سولہ سترہ کے قریب قصائد اور چند قطعات لکھے۔ جو اس کے دیوان  
میں موجود ہیں۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کے جلوس سے بدرجہ اقل چند سال بعد تک زندہ  
رہنا چاہیئے۔ وہ مسعود کی تاجپوشی کے موقع پر قصیدہ لکھتا ہے۔ دوسرے قصیدہ میں شامیہ  
کے اک دن تہمتی کی طرف تلمیح ہے۔

بشکل پیل یک دندش نگہ کن نعم چون پیل یکدندش ہزار است

’یک دند‘۔ اک دنتا۔ ’دند‘ پنجابی شکل ہے ہندی ’دانت‘ کی۔ ایک قصیدہ یورش قنوج کے  
ذکر میں ہے۔ شاہ موصوف ہندوستان میں ’مومند‘ کے قریب سے جو کہ سوا لک میں ایک درہ کا  
نام ہے۔ گذرنا ہوا بیشیہ ہر پایہ؟ کو عبور کر کے ’سنگت‘ ہوتا ہوا قنوج پہنچتا ہے اور ’ملی‘  
والی قنوج سے کچھ پیل و مال پر صلح کر کے واپس ہوتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ میں فتح قنوج  
اور نشاط صید کی مبارکباد دوی جاتی ہے۔ ایک قصیدہ اس وقت لکھا ہے۔ جب مسعود انخلاء  
اور جاٹوں کو عید قربان کے ایام میں سمرزدیتا ہے۔ ایک قصیدہ شاعر نے اس وقت نظم کیا۔

جب غزلیں ہیں بارگاہ خلافت سے بادشاہ کے لئے مہمہ دلوا گیا ہے۔ اور شہر میں عام خوشیاں منائی جا رہی ہیں (ہمارے قیاس میں خلیفہ المستظهر کی یہ سفارت مسعود کے پاس ۴۹۷ء سے قبل نہیں پہنچ سکتی) ایک قصیدہ کسی جدید عمارت کی تعریف میں ہے۔ جو مسعود نے اپنے لئے بڑائی۔ موسم سرما کی آمد پر ایک اور قصیدہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شاعر بادشاہ کو غزلیں کے سر و سیر سے ہندوستان کے گرم سیر کی طرف جانے اور قنوج و بنارس فتح کرنے کی تحریص کرتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ کسی غزو کی مبارکباد میں تحریر ہوا ہے۔ جس کی خوشی میں جشن بھی منایا جاتا ہے۔ دو قصیدے غالباً لاہور میں مسعود کی دوبارہ آمد پر مرقوم ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور دیگر قصاید ابو الفرج نے خاص خاص موقعوں پر لکھے ہوں گے۔ جن کے لئے ایک مدت درکار ہے۔ ادھر مسعود کے باپ ابراہیم کی تعریف میں ابو الفرج کے ہاں کل چھ سات قصیدے ملتے ہیں جس سے بظاہر یہی قیاس قائم کیا جاسکتا ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں ابو الفرج کی شاعری کا زمانہ مسعود کے عہد میں زیادہ گزرا ہے۔ اگرچہ اور تو یہی موافق و مخالف لائی جاسکتی ہیں مگر ان واقعات کی بنا پر یہ استدلال قابل قبول ہوگا۔ کہ مسعود کی شان میں یہ قصیدے شاعر نے کئی سال کے عرصے میں لکھے ہوں گے۔ اس لئے ابو الفرج کو مسعود کی تخت نشینی سے جو ۴۹۲ء میں ہوتی ہے کئی سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔

اس مدت کی حد بندی کے لئے ہم دو تاریخیں پیش کرتے ہیں (۱) شاعر نے سلطان مسعود کی شان میں جشن آبان کے موقع پر جب ایام عید بھی تھے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے۔

شاہ راروی بخت گنگلوں باد      جشن آبان بروہا یوں باد

آبان اور عید کی تلمیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جشن ۱۰ آبان ۴۹۷ء یزدجردی کو منایا گیا ہوگا۔ جو ۱۱ ذی الحجہ ۴۹۵ء کے مطابق ہے۔ (۲) ایک اور قصیدہ میں (۷) آد آن نیر ماہ سرد سخن) جو خواجہ ابو سعد بابو کی مدح میں ہے۔ شاعر نے فارسی میں 'تیر' اور 'روزہ کشائی' و عید کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قصیدہ ہذا ایسے سنہ میں لکھا گیا ہوگا جب تیر اور رمضان

اکٹے آئے ہیں۔ ۱۰- اتر ۱۳۳۷ھ یزدجردی کو تاریخ یکم رمضان ۱۳۹۷ھ واقع ہوتی ہے۔ ان تاریخوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفرج رونی ۱۳۹۷ھ تک تو زندہ ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر پانچویں صدی کے اختتام تک بقید حیات ہو۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال نسبت اس استدلال کے جس میں زیادہ تر متاخر تذکرہ نگاروں کے اقوال و آراء منقول ہیں زیادہ قرین صحت اور مفید کن ہے۔

۲۷۔ ابوالفرج کے پہلے مدوح ابراہیم کے ذکر میں ڈاکٹر نے اس کے خطابات اور تاریخ جلوس و وفات پر بحث کرنے کے سوا اور کوئی کام کی بات نہیں کی۔

۲۹۔ ابوالفرج کے دوسرے مدوح علاء الدین مسعود کے تذکرہ میں بھی کوئی بات نہیں پیدا کی۔ وہی تاریخ جلوس و وفات اور خطابات پر بحث ہے۔ زیادہ زور اس بات پر صرف ہوا ہے۔ کہ تاریخ روضۃ الصغائر جلال الدولہ جو اس کا خطاب درج ہے۔ بالکل غلط ہے۔ اس کے لئے سکون تک کی شہادت پیش ہوئی ہے۔

۳۱۔ تیسرا مدوح سیف الدولہ ہے۔ ڈاکٹر اگر چاہتے تو اس کے متعلق خواجہ مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی کے دیوانوں کے مطالعہ سے ہندوستان میں اس کے کارناموں کی تفصیل دے سکتے تھے۔

(۴) خواجہ منصور بن سعید بن احمد بن حسن مہندی (۵) ثقۃ الملک طاہر بن علی بن مشکان (۶) ابو نصر پارسی (۷) خواجہ ابوسعید بابو (۸) ابوالقاسم خاص (۹) ابورشد رشید خاص (۱۰) عبد الحمید بن احمد بن عبد الصمد (۱۱) محمد ہروز پر ڈاکٹر نے کام کے اور قیمتی نوٹ لکھے ہیں۔

(۱۲) نجم الدین اباعلیم زریں شیبانی کو ڈاکٹر سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد کا سپہ سالار مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ سلطان ابراہیم کے عہد میں تھا۔ وہ ایک اونے سپاہی کے درجہ سے ترقی کرتے کرتے سپہ سالار مہند بن گیا۔ اس کے کارنامے دو محمودی کی یاد دلاتے ہیں

وہ ایک طرف بنارس (بازسی) اور دوسری طرف سومات پہنچا ہے۔ تھانہ سر (ٹانہ سر) کو مغلوب اور قنوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹھ (میرٹ) اس کے حلقہ اثر میں ہے اور الٹی (الٹی) کی سزا دی کے لئے جس نے میرٹھ پر تاخت کی تھی طیاری میں مصروف ہے۔ اتنے میں سلطان ابراہیم کی آمد کی خبر پہنچتی ہے۔ زری کی تقصیر کا ہمیں علم نہیں مگر وہ باغی و غدار قرار دیا جاتا ہے اور ایک قلعہ میں پناہ لیتا ہے۔ جہاں سے محاصرہ کے بعد گرفتار ہو کر ابراہیم کے سامنے لایا جاتا ہے اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے :

یہاں ہم کچھ اشعار جو ابراہیم کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواجہ مسعود کے دیوان سے نقل کرتے ہیں :-

گوبدان کہ خلافت خدا یگانہ خواہد	کہ کارنامہ بے مغز راکھی برخوان
نگاہ کن کہ چو برہنیتین بر پید ازوی	چگونہ روی بدوداد محنت و حرمان
شدش فرمش آخال کا دازا جرم	نمدقباشی پوشیدہ پارہ خلقان
براہ مرکب او بود پیر لاشہ خری	ز چوب کردہ رکاب زلیف کردہ عنان
ہمہ فراغت او آنکہ گرم نغمتی شب	ہمہ تنعم او آنکہ سینہ خوردنی نان
لباس خوش بشم و بساط زرش خاک	سلیج و آلت خاشاک نان و انبان
بفر دولت وقبال شہر یار اہل	بقدر و نیت بگذاشت تارک از کیوان
چو یافت از ملک شرق زور و زہر شیر	بد و سپہ و ملک مرغزار ہندستان
زر زم جو بیان دوش چہل ہزار سوار	چو تیغ آختہ قدو چونیرہ بستہ میان
ولایتی کہ بدوداد خسرو عالم	ہزار رای فنون بود در نواحی آن
بطول بود زمیاریہ تا با سارو	بعض بود ز کشمیر تا بہ سیستان
چو مار چپان بودی ز حد تغیش رای	چو برگ لرزان بودی ز نوک تیرش خان
چو از قبائل بہت ہی شیبیان کرد	شدند بر فلک از مغزش بنی شیبیان

بدان سپاہ و بد انخواستہ فریفتہ شد      بگشت در سر ہیوش و مغز او عصیان  
 بہ نیم ساعت کفران نہ ہرچہ نیت داشت      ہی نشانیش آری چنین کند کفران  
 طلوع بودش چون نجم و نجم نام و نسب      غروب باشد آری پس از طلوع بدن  
 بقرب خسرو شد محترق چنین باشد      ہر آتشا رہ کہ با آنتاب کرد قران  
 کد ام حسن ز ہند او حصار خوا گرفت      کہ نہ بدولت سلطان ہر اوی شدندان  
 چو فوجی از سپہ شاہ روی داد بدو      ہمہ نشاط وی اندوگشت و سود زیان  
 غریو کوکب خسرو چو گرہ حسن نجاست      گرفت سخت گریان بخت او خذلان  
 سعادت ملک اورا فر کوٹ بیدر حسن      بغل دو دست ہرچہ خواست نہار و امان  
 شکوہ شاہ نخم کرد چون کمان پشتش      گلوسی او بڑہ اندر کشید ہچہ کمان

(دیوان مسعود سعد سلمان ص ۱۴۶ طبع ایران - ابوالقاسم خوانساری ص ۲۹۶)

ابا علیم کے حسرتناک انجام کے بعد غالباً ایالت ہند سیف الدولہ محمود کے سپرد ہوتی ہے جو ابراہیم کا خلف اکبر تھا +

انوری پر ابوالفرج کے اثر کے متعلق کافی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے  
 مگر ایک بات رہ گئی۔ انوری نے ابوالفرج کے نتیجے میں جو قصیدے لکھے ہیں۔ ان کا تذکرہ  
 نہیں کیا +

ص ۱۴۶ سے ص ۱۴۷ تک مسعود سعد سلمان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اس شاعر کے باب میں  
 جو اطلالع ڈاکٹر صاحب نے دی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی  
 اپنے مضمون میں جو خواجہ مسعود پر لکھا ہے دے چکے ہیں۔ ان بیانات کی تکرار اور دوبارہ  
 چہان بین کی بجائے اگر ڈاکٹر مسعود کے ہاں ایسے امور پر جو ہند و غزنہ کے تعلقات اور  
 ہندوستانی معاملات سے متعلق ہیں توجہ دیتے تو ان کے لئے نیاز دین اور ہمارے لئے معلومات  
 کا جذبہ ناخن بن جاتا +



مسعود کے والد سعد سلمان کے ذکر میں ایک امر قابل اضافہ ہے کہ وہ ۲۷ھ میں بہمد سلطان مسعود شہید جب شہزادہ مجدد و دوالی ہند مقرر ہوتا ہے۔ مستوفی کے منصب پر سرفراز ہو کر ہندوستان آتے ہیں۔ تب سے یہ خاندان اس سرزمین میں آباد ہو گیا۔ تاریخ ہندی میں آتا ہے۔ "وہی راجشہزادہ مجدد و ہما جب با سپاہ وادند و بومنصور پسر ابوالقاسم علی لوکی از دیوان ماباوی بدبیری رفت و سعد سلمان بہ مستوفی و حل و عقد سرنگ محمد بن محمد بہلیم (Mohammad Bhylim) یہ نام پڑھ کر ہر شخص چونک اٹھے گا۔ طبقات ناصری میں رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ محمد باہلیم ہے۔ مگر فخر دہرنے کتاب آداب الحرب میں جو بہمد سلطان شمس الدین شمش تصنیف ہوتی ہے محمد باہلیم مذکور ہے اور یہی شکل صحیح ہے۔ آداب الحرب میں سلطان بہرام شاہ اور محمد باہلیم کی جنگ کا قصہ بھی تفصیلاً مرقوم ہے۔ ولایت ملتان (مولتان) کے ایک کافو کیگور کے پاس جس کے ایک طرف پانی اور دلدل تھا۔ یہ جنگ واقع ہوئی۔ محمد باہلیم کا اکثر لشکر اس دلدل میں تلف ہو گیا +

۱۵۷۱ء - چاندر - ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں جہاں کہیں اس شہر کا ذکر کیا۔ چاندر باہیم فارسی لکھا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس مقام کا نام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تقلید میں انہوں نے یہ قوت اختیار کی جو غلط ہے۔ لیکن مرزا ایرانی ہیں اور ہندوستان کے جغرافیہ سے ناواقف۔ صحیح نام "ہالندھر" ہے۔ جو پنجاب کے ضلع جالندھر کا صدر مقام ہونے کے علاوہ لدھیانہ اور امرتسر کے درمیان شمال مغربی طے کا ایشین اور صوبہ پنجاب کا مشہور و معروف شہر ہے +

مسعود سعد سلمان کے تذکرہ میں ڈاکٹر صاحب بڑی حد تک میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے فاضلانہ رسالہ "مسعود سعد سلمان" کے ممنون ہیں جس کا ہر فیہ سربون نے انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ مگر اس ممنونیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ بغیر

ایسے رہبرِ کامل کے مسعود و مسعدِ مسلمان کے سفرِ حیات کی منازل اور ان کے نشیب و فراز طے کرنا ڈاکٹر صاحب کے لئے نہایت دشوار ہو جاتا۔ تاہم میرزا کی طرف ان کا رویہ حریفانہ ہے۔ وہ میرزا کے رسالہ کا اسی وقت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ جب اس سے اختلاف منظور ہوتا ہے اسی حالت میں کشر وہ اپنا راستہ گم کر جاتے ہیں۔ ہم یہاں بخوفِ طوالت اس پیراہرہ روی کی ایک آدھ مثال پر قناعت کرتے ہیں۔

(۱) مناسہ عفو سلطان نامدار رضی برشب من نگند نور قمر

اس شعر کی سند پر میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے یہ رائے قائم کی کہ خواجہ مسعود کو پہلی قید سے جو دہ سالہ مہتی سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنی زندگی ہی میں رہا کر دیا تھا اور شخص ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کرے گا۔ خود شاعر کے اپنے بیان سے زیادہ کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ڈاکٹر اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”سلطان رضی سے میرزا محمد خاں کی مراد سلطان ابراہیم ہے۔ اگرچہ بعض غیر مشہور تاریخوں میں سلطان ابراہیم کو سلطان رضی کے نام سے یاد کیا گیا ہو مگر رضی اس موقع پر اسم صفت کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اور سلطان ابراہیم مراد نہیں۔ نہ اس کے بے شمار سکوں پر یہ خطاب پایا جاتا۔“

ڈاکٹر اس متذکرہ تو سچے ہیں۔ کہ ابراہیم کے سکوں میں یہ نام (رضی) نہیں ملتا اور ملتا بھی کمالی سے جب اس کی زندگی میں یہ خطاب اس کے لئے استعمال ہی نہیں ہوا۔ ہمارے ڈاکٹر اس لفظ کے حقیقی مفہوم سے نا آشنا ہیں اور اسی لئے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ متوفی سلاطین کے لئے ضابطہ تھا کہ سرکاری دفاتر اور تاریخوں میں خاص خاص ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ فارسی میں یہ قاعدہ بنو سامان کے عہد سے رائج ہے۔ احمد بن اسماعیل سامانی کو امیر شہید نصر بن احمد کو امیر سعید، فوج بن نصر کو امیر حمید، عبدالملک کو امیر سدید، سلطان محمود کو امیر فی، ہمایوں کو جنت آشیانی، اکبر کو غرض آشیانی، اور عالمگیر کو خلد مکان کہتے تھے اسی طرح

ابراہیم بن مسعود غزنوی وفات کے بعد سلطان رضی کے نام سے یاد کیا گیا۔ مسعود کے شعر بالا میں 'سلطان رضی' سے مراد قیداً ابراہیم غزنوی ہے اور میرزا محمد کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔  
 ڈاکٹر کا یہ مقولہ کہ 'رضی' غیر متعارف تاریخوں میں آتا ہوگا۔ پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔  
 کیونکہ اکثر متبصر تاریخوں میں اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ طبقات ناصری سے ایک مثل عرض ہے  
 "تحت سلطنت بہ سلطان رضی ابراہیم علیہ الرحمۃ رسیدہ بود" (ص ۴۳)

(۲) ص ۲۵ تا ص ۲۸ مسعود سعد سلمان نے کسی ابوالفرج کے خلاف ایک قطعہ لکھا ہے  
 جس کا پہلا شعر ہے

ابوالفرج شرم نامت کہ بخت بہ چنین حبس و بندم انگندی

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ابوالفرج ہمارے شاعر کو قید میں ڈالتا ہے۔ اس ابوالفرج کے متعلق مسعود کے تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر نے شاعر مشہور ابوالفرج رونی کا نام لیا ہے۔ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مسعود کے دیوان سے دو ابوالفرج تلاش کئے پہلا یہی ابوالفرج رونی اور دوسرا ابوالفرج نصر بن رستم جو نائب دیوان ہند ہے۔ یہ مسعود کی قید ثانی کا ذکر ہے جو واقعہ سلطان مسعود کے دور میں پیش آتا ہے۔ میرزا نے نمبر اول کو تو اس بنا پر خارج کر دیا کہ مسعود کے قطعات سے ثابت ہوتا ہے کہ دو شاعروں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور نمبر دوم کیوں بری کر دیا کہ سلطان سابق کے عہد میں وفات پا چکا تھا جیسا کہ اس کے مرثیے سے جو خود خواجہ مسعود نے لکھا ہے ثابت ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں ہے۔

ہمارے ڈاکٹر ان امور کو جاننے کے باوجود ایک نہایت عجیب اور زلے استدلال سے ابوالفرج نصر بن رستم کو مسعود کی قید کا مجرم گردانتے ہیں۔ قطعہ مذکورہ کے آخری شعر میں وہ مسعود کی ایک دھکی

زود خواہی درووبے شہت بر تخی کہ خود پراگندی

نقل کر کے کہتے ہیں۔ کہ مسعود کی یہ دھمکی بالآخر کچھ عرصہ بعد اپنا رنگ لائی جیسا کہ اشعار آئندہ سے جو شاعر نے ابوالفرج نصر بن رستم کو لکھے ہیں ظاہر ہوتا ہے۔

اے کینہ و زمانہ غدار خبیثہ ہمارے  
بے خیرہ تیرہ کردہ بسا تو روزگار

بر بندگان اگر بہ تنیز است کار تو  
بر خواجہ عمید چرائی ستیزہ کار

بر نصر رستم از چہستم گار گشتہ  
در دمتری بنود شکر بہ ہر چہ کار

آن بالفرج کہ داد جہان از غم فرج  
اکنون ہم از جہان تو بر آری ہی دمار

مگر ڈاکٹر یہ بیان نہیں کرتے کہ اس دھمکی نے آخر کیا عمل کھلایا۔ قدیم مختصر ان اشعار اور قطعہ کی بنا پر نیز اس بنا پر کہ مطبوعہ دیوان میں ابوالفرج نصر بن رستم کا نام قطعہ مذکورہ کی سرخی میں درج ہے ڈاکٹر کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ابوالفرج نصر بن رستم ہے جو ابونصر یارسی کی تنباہی اور اس کے مصلحتین کی (جن میں مسعود سعد سلمان بھی شامل ہے، قید و بند کا بانی کا رہتا ہے،

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ابیات بالا کی روشنی میں کس طرح اس خلاف توقع

نتیجہ پر پہنچے۔ ان اشعار سے بر خلاف اس کے کہ مسعود کی کسی دھمکی کی ایفا مترشح ہو ابوالفرج

نصر بن رستم کے ساتھ شاعر کی دلی ہمدردی اور غمخواری ثابت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

ابوالفرج اپنے عمدہ امارت سے معزول ہو گیا ہے اور شاعر اس کی تسلی اور دلہی میں بہ قصیدہ

لکھتا ہے۔ ابتدا میں زمانہ کو خطاب کرتا ہے کہ تیری بیباکیوں نے ہماری اوقات تلخ کر دی ہے

خیر ہم غریبوں کو تو جتنا جی چاہے سنا لے مگر خواجہ عمید نصر بن رستم پر کیوں ظلم روا کرتا ہے۔ اس

نے تو اپنے دور امارت میں کبھی تم سے کام نہیں لیا۔ وہی ابوالفرج جس نے دنیا کو ظلم سے

نجات دی اور تو اب بھی بدستور دنیا کی ہلاکت میں مصروف ہے۔ اس کے بعد شاعر اپنے

مدد کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ چاند کو گھٹنے سے شرم نہیں محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ گھٹنے

ہی سے بڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اور چودھویں کا چاند بن جاتا ہے۔ گردش فلکی ہمیشہ نخست

میں قائم نہیں رہے گی سعادت کی طرف بھی کروٹ بدے گی۔ آخر ایک دن تیری مراد بر آسکی

اور دنیا تیری زرقی پر ناز کرے گی، چنانچہ

اسے چون نہ چہارہ درکاش و کمی      مہ راز کاستن نبو بیچ ننگ و مار  
مہ ارہمہ تمام نکاہد از انچہ بہت      آخر برآید از فلک ارچہ زلف و زار  
آخر فزل شود کہ زرقی زکاستست      وز پستی آروش بہ بلندی وہ چہل  
این گردش فلک نہ ہمہ بزخاستست      آخر سعادیت درین خستہ و مار  
آخر یکام دل رسی و ہوائے دل      آخر زمانہ باتو کند باز فتح و مار

(دیوان مسعود منتہا - طبع ابوالقاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

یہ اشعار ڈاکٹر صاحب کے منقولہ بالا اشعار کے عین بعد آتے ہیں۔ اور قصیدہ اس دعا  
پر ختم ہوتا ہے۔

غزل بقات باد و سرت سبز و تن درست      دلشاد و نشاط و کام و تن آباد و نشاط و خوار  
مہ پار دل باندہ گیتی ہی سپر      گلدزد تو از جہان و جہان خوش ہی گذار (منتہا)  
مطبوعہ دیوان میں قطعہ مذکور کا ابوالفرج نصر بن رستم کے نام کے ذیل میں دیا جانا کوئی  
مستند نہیں۔ یہ دیوان بالکل غیر مستندانہ حالت میں طبع ہوا ہے۔ متن بے حد تقسیم ہے اور سرخیوں  
میں بھی کئی موقوفوں پر غلط اندراج ہیں۔ قطعہ کے متعلق دیوان کی تنہا شہادت کافی نہیں اور قطعہ  
اپنی سرخی کی تائید میں بھی نہیں۔ لیکن جب میرزا محمد اطلاع دے چکے کہ ابوالفرج نصر بن رستم  
سلطان ابراہیم کے عہد میں وفات پا چکا اور مسعود نے اس کا مرثیہ بھی لکھا۔ اس واضح اور صحت  
اطلاع کے بعد ڈاکٹر کا نصر بن رستم کو اس کی وفات سے کئی سال بعد ظہور پذیر ہونے والے  
جس مسعود سعد سلمان کے لئے ماخوذ کرنا بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یا تو مرزا کے بیان  
کی تردید کر کے ثابت کرتے کہ ابوالفرج معلوم مسعود کی قید دویم کے وقت زندہ موجود تھا یا بجائے  
قطعہ کی سرخی پر اعتبار کرنے کے دیوان مسعود کے خطوط کی ورق گردانی کرتے اور یہ دکھاتے  
کہ وہ مرثیہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ میرزا محمد کا اس مرثیہ کے اشعار نہ دینا ان کی ثقاہت پر حریف

نہیں لاتا۔ اور نہ ان کے بیان کی اہمیت کو گھٹاتا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کے دعوے کے واسطے بھی کوئی مقبول وجہ یا قرینہ موجود ہے؟ دیوان میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج نصر بن رستم 'عمید ملک' سالار اور صاحب دیوان ہند (وزیر دیوان ہند) ہے۔ مسعود نے اس کی شان میں آٹھ نو قصیدے لکھے ہیں۔ وہ اس کو نہایت ادب اور احترام کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اپنا سرپرست اور مرئی تسلیم کرتا ہے۔ اس کا لہجہ نہایت مخلصانہ اور نیازمندانہ ہے اور شاعر پر اس کے احسانات مسلم ان قصاید میں کسی ناخوشگوار واقعہ کی طرف تلمیح تک نہیں جس کی بنا پر مسعود اس ممدوح کے خلاف اپنی برو پکھن لاتا یا شکایت سے لب آشنا کرتا۔ یہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زوال و وات کے وقت بھی شاعر اس کے ساتھ وفادار رہا ہے۔ جیسا کہ ابیات بالا سے ظاہر ہے۔ پھر مراتب زندگی اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک امیر کبیر اور سالار صاحب اقتدار اور دوسرا اس کا مداح اور متوسل۔ ادھر قطعہ بالا میں جس ابوالفرج کو شاعر نے خطاب کیا ہے وہ یقیناً شاعر کا ہم رتبہ بلکہ کم رتبہ ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شاعر کے ساتھ سلوک و احسان کرتا اگلے شاعر نے اس کے ساتھ سلوک کئے ہیں۔ چنانچہ مسعود اسی قطعہ میں کہتا ہے :-

شد فراموشش کر برای تو باز من چہ کردم ز نیک پو بندی

یعنی میں نے اپنی شرافت سے تیرے ساتھ جو سلوک کئے۔ تو نے سب کو نیا منیا کر دیا کیا ایک رئیس اعظم اور امیر مخرم کو اس طرح سے خطاب کیا جاسکتا ہے۔ یہ شعر بھی قابل غور ہے

تامن اکنون ز غم ہی گریم تو بہ شادی زدو ز بختندی

کہ میں تو غم میں رو رہا ہوں اور تو مجھے روتا دیکھ کر دور سے کھڑا کھڑا ہنس رہا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کیا غزوہ مسعود کا یہ نالہ ایک امیر و الامجاہ کے خلاف فریاد خوانی کا پتہ دیتا ہے یا ایک سنگدل حریف کے برخلاف جو اپنے رقبہ کو پامال ہوتا دیکھ کر جوش مسرت میں

بغلیں بجانے لگتا ہے۔ پورے قطعہ کی زبان۔ اس کا اسلوب بیان اور جذبات سب اس خیال کے مؤید ہیں کہ ان کا مخاطب ایک بے وفادار دوست اور مہر ہے نہ کہ کوئی امیر بیل نقد ہم ایک شعر اور نقل کرتے ہیں۔

وین چنین قوتی تراست کہ تو پارسی را کنی شکا وندی

اور اب تو تیرا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ (ابنصر) پارسی کی کرید میں لگ گیا ہے۔ اس شعر سے بھی ہمارے خیال کی تائید مزید ہوتی ہے :

یہاں ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جب ایالت ہند عند الدولہ شیراز کے سپرد ہوئی۔ ابنصر پارسی عمید ملک اور نائب مقرر ہوا۔ یہ وہی منصب ہے جس پر ہم ابو الفرج نصر بن رستم کو بھی سرسراز دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ عمید ملک اور وزیر دیوان ہند ہے ابو الفرج رونی اور مسعود کے قصائد سے یہ امر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ دو شخص ایک وقت میں اسی ایک خدمت پر مامور نہیں ہو سکتے۔ اس وقت کو دور کرنے کے لئے لامحالہ ہمیں ان کے زمانوں میں فرق ماننا پڑے گا۔ ادھر شیراز کے دور کے منصبداروں کی فہرست میں جو مسعود کی مثنوی میں محفوظ ہے۔ ابنصر پارسی کا نام ملتا ہے۔ مگر ابو الفرج نصر بن رستم کا نام موجود نہیں۔ اس سے بھی ان کے زمانوں میں تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ لہذا ہم کہیں گے۔ کہ ابو الفرج نصر بن رستم ابراہیم کے دور میں اور ابنصر پارسی مسعود کے عہد میں نائب ہند تھے۔ جب ان کا زمانہ مختلف لازم آگیا تو ان وزیروں کا اسی ایک معاملہ میں بحیثیت رفیق مخالف حصہ لینا تقریباً دشوار ہے۔ ان وجہ کی بنا پر ہم ابو الفرج نصر بن رستم کو اس قطعہ کا مخاطب تسلیم نہیں کر سکتے۔

ہمارا ان دو مثالوں سے یہ کھانا مقصود تھا۔ کہ ڈاکٹر نے جہاں جہاں میرزا سے مختلف الراے ہونے کی کوشش کی ہے۔ مطلق کامیابی حاصل نہیں کی۔ بلکہ انے مشکلات میں گرفتار ہو گئے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس قطعہ کا مخاطب کونسا ابوالفرج ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف اسی قدر کہیں گے۔ کہ یا تو ہمیں ایک تیسرا ابوالفرج تسلیم کرنا پڑے گا یا پھر امین احمد رادی کا ہمنوا ہو کر ابوالفرج رونی پر شبہ کی نظر میں دوڑانی پڑیں گی۔ ڈاکٹر کو اعتراض ہے کہ امین احمد نے افسانہ تراش لیا۔ ممکن ہے کہ افسانہ ہو مگر اس افسانہ کے لئے گنجائش ضرور موجود ہے ہو سکتا ہے کہ ابوالفرج رونی نے سعایت کی ہوسع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن۔ رشک و حدشمر کی عام خصوصیت ہے۔ خود مسعود سعد سلمان اپنے پیدے جس کے متعلق توصات صاف ایک شاعر ہی کو لازم قرار دے رہا ہے۔ وہ سلطان ابراہیم سے مخاطب ہے۔

ہمی ندانم خود را گستاخی و جرمی      مگر سعایت و تبلیس دشمن مکار  
زمین تبر سدا می شاہ خشم ناقص من      کہ کار بدج بن باز گرد و خسر مکار

(دیوان ص ۵۷)

ان اشعار کے ساتھ جب صاحب ہفت اقلیم نے اس قطعہ کو بھی دیکھا۔ جس میں ابوالفرج کا نام مذکور ہے۔ تو وہ نذرنا اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ابوالفرج رونی ہے۔ جس نے غریب مسعود کو قید میں ڈلوا یا۔ اس لئے تذکرہ نگاروں کا یہ اعتقاد اس قدر گمراہ کن نہیں بقدر ڈاکٹر سمجھے ہیں۔ لاہور میں اس وقت چوٹی کے شاعر صرف دو تھے۔ پہلا مسعود سعد سلمان اور دوسرا ابوالفرج رونی۔ جب مسعود شکایت کرتا ہے کہ میرے ہم پیشہ شاعر نے بنائے رشک میری بدگونی کی تاکہ منصب مداحی پر میری باز جالی نہ ہو سکے۔ تو ظاہر ہے کہ تذکرہ نگاروں کی نگاہیں قدرتا ابوالفرج رونی پر اٹھیں گی ؟

ص ۱۱۱۔ ڈاکٹر کا اعتقاد ہے۔ کہ مسعود نے اگرچہ ملک ارسلان کی شان میں قصائد لکھے

لیکن اس کو شاہی عنایت حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے جانشین ہرام شاہ کے دور میں مسعود سعد سلمان ندیمان خاص میں شامل ہے۔ یہ پادشاہ شعر کا بڑا قدردان تھا اور مسعود کا زمانہ اس کے دربار میں آسائش و راحت سے بسر ہونے لگا ۔



مگر دیوان پر سرسری نظر ڈالنے سے قضیہ بالکل یکس معلوم ہوتا ہے۔ بہرام شاہ کی تعریف میں قصائد کی تعداد چار سے زیادہ نہیں۔ ادھر ملک ارسلان کی شان میں چھ عدد غزلیات و قطعات کے علاوہ بارہ قصائد ملتے ہیں۔ ان قصائد میں اس کا انداز بڑی مد تک غیر مبالغہ ہے۔ کبھی وہ اپنے متعلق کبھی دوسروں کے متعلق عرض و معروض میں مصروف ہے۔ ایک قصیدہ میں وہ اپنے پرانے دوست ابو نصر پارس کی وفات کا ذکر کرتا ہے۔

ابو نصر پاریسی ملکاجان تبوسپرو      زیر امنزای مجلس عالی جزآن ندانست (ملا ۱)  
پھر اس کے اخلاق و محاسن بیان کر کے کہتا ہے کہ اس نے تیسٹھ سال کی عمر میں جان دی۔ مرتے وقت اس کے آخری الفاظ شاہ کی مدح و ثناء میں تھے۔ مرحوم مجید پر خاص طور سے مہربان تھا۔ ہم میں دوستی کا یہ سلسلہ چالیس سال سے قائم تھا۔ اب پادشاہ کو چاہیے کہ اس کی اولاد کی عزت وداشت سے غافل نہ رہے؛

ارسلانی قصائد میں شاعر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی قید کے واقعہ کی طرف تلمیح کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے اواخر عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک مقدمہ پر کہتا ہے۔

ای شاہ جہان فلک ندانست      آنگاہ کہ بر تنم جفا کرد  
چون دیدم را بن خدمت تو      دانست کہ آن جفا خط کرد (ملا ۳ دیوان)  
دوسری جگہ کہتا ہے :-

در انتظار رحمت و فضل تو مانده ام      اسی کردہ روزگار تو دولت انتظار  
داند خدا می عرش کہ گیتی قرار داد      کز رنج دل نیایم شبہا ہی قرار  
من بندہ سال سیزہ محبوبس مانده ام      جان کنده ام ز محنت و دین مصهار  
زین دنیا فرخا فلک جان من گر خجیت      در زینہارت ای ملک زینار وار  
در سہمای تنگ و خوش مانده مستمند      در بندہای سخت بتر مانده سوگوار (ملا ۱ دیوان)

اب وہ اپنی بے نوائی اور قرض کے متعلق گویا ہے :-

دارم ہزاروشن و کیمیان و بیسم تن      لیکن گذشتہ وام من ارشہن قصد ہزار  
پیر ضعیف عالم و درویش عاجز زم      برپیری و ضعیفی من بندہ رحمت آر  
گیرم گناہگارم و اندکہ نیستم      نہ عفو کردہ گنہ ہر گناہگار  
ان گذارشات سے روشن ہے کہ ملک ارسلان کے ساتھ شاعر کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ اس کی بہت توقعات وابستہ ہیں ۴

اکثر تذکرہ نگاروں نے سعود کا سال وفات ۱۵۱۵ھ مانا ہے۔ ڈاکٹر برخلاف جمہور  
تقی کاشی کی تقلید میں ۱۵۲۵ھ لکھتے ہیں جس کے واسطے کوئی معقول وجہ تو موجود نہیں -  
بہرام شاہ ۱۵۱۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے۔ اس کی مدح میں سعود نے کل چار قصیدے لکھے  
ہیں جن سے قیاس ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے عہد میں ہمارا شاعر دیر تک زندہ نہیں رہا۔ اسلئے  
جو لوگ اس کی وفات ۱۵۱۵ھ میں بیان کرتے ہیں۔ انکی رائے صحت کے قریب ہے ۵

مقالہ کا جو حصہ سعود کی شاعری اور اس کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری  
رائے میں نہایت مفید اور قیمتی کارگذاری ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اضافہ کی گنجائش محسوس ہوتی  
ہے۔ عروضی نقطہ نظر سے خواجہ سعود کے ہاں بعض جدید اوزان ملتے ہیں اور ایسی نظمیں بھی  
ملتی ہیں۔ جن کو ہندی اثرات کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے مثلاً بارہ ماسہ یا دو اوزہ ماہرہ  
جسے خواجہ نے غزلیات مشورہ کے نام سے یاد کیا ہے اور غزلیات اسبو غیبہ و ایامیہ اور  
شہر آشوب۔ نظموں کی یہ تیس سرزمین پنجاب میں فارسی اور ہندی کے روابط کی یادگار  
ہیں اور فارسی شاعری کے مورخ کے لئے ان کا جائزہ لینا ازس ضروری۔ فارسی میں  
ان نظموں کی روشناسی سے یہ امر توصات روشنی میں آجاتا ہے کہ خواجہ سعود ہندی کی  
ان اقسام نظم سے یقیناً واقف تھے اور تذکرہ نگاروں کا یہ دعویٰ کہ خواجہ سعود نے ہندی  
میں بھی ایک دیوان یا دو گار چھوڑا ہے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ۶

یہاں ہم ایک پانفز کا بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کو پیش آئی۔  
تاج ریزہ کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں کہ تعلق اوصدی اور رضا فانی خاں نے انوری کے بعض اشعار  
تاج ریزہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ مثلاً یہ قصیدہ :-

افزدو باز رونق ہر مرغزار گُل چون زیر یافت نالہ ہر مرغزار گُل

حالانکہ دیوان انوری میں موجود ہے۔ تاج کے حوالے کر دیا ہے ۱۳۱

ہماری رائے میں یہ قصیدہ تاج کا ہے نہ انوری کا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اہل مطبع  
نے کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ صرف یہی قصیدہ بلکہ تاج ریزہ کے کئی اور قصیدے لکھنا انوری  
میں شامل کر لئے۔ یہ غلطی قدیم ہے اور انوری کے بعض مخطوطات میں بھی موجود ہے۔  
تاج کے قصائد زبان کی سادگی و سلاست اور داخلی شہادت کی بنا پر انوری کے کلام  
سے جس کی خصوصیت تکلف۔ ذقت بیان اور حسن ادا ہے۔ آسانی پہچانے جاسکتے ہیں  
قصیدہ بالا التمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی تعریف میں ہے اور اس کا نام متن میں  
موجود ہے۔ اسی غیاث الدین کی مدح میں ایک اور قصیدہ ہے جو کلیات انوری میں  
۱۳۱ پر پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلع ہے :-

ساقی یا کہ وقت میے لعل روشن است میدان خاک تیرہ کنون بزم گلشن است

التمش کا مدحیہ قصیدہ جو ڈاکٹر نے ۱۵۴-۱۵۱ پر نقل کیا ہے۔ کلیات انوری میں  
۱۳۱ پر صرح مطلع موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ کلیات انوری میں دو قصیدے (۱۳۲ اور ۱۳۳)  
سلطان رکن الدین فیروز کی تعریف میں اور دو قصیدے (۱۳۴ و ۱۳۵) نظام الملک  
قوام الدین محمد بنیدہ کی شناخت میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک قصیدے میں شاعر اپنی ہندی  
نژادی کے متعلق لکھا ہے :-

مولد و منشامین در خاک ہندستان مرا نظم و شرمین کہ بر آب خراسان آئدہ است  
(۱۳۴ کلیات انوری)

ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے۔ جب التمش زندہ ہے :-

راضی ز تو اسی رضیۃ الدین ❖ حق قادر ذوالجلال اکرم (۲۸: کلیات نوری)  
ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس موضوع پر رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۳ء میں بحث کی ہے۔  
جو ص ۲۲ سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا یہاں اس مختصر پر تناعت کی جاتی ہے ❖  
سنام کا تلفظ فی زمانہ بضم اول ہے۔ قدیم تلفظ بضم اول و تشدید دوم ہے سب  
سے پہلے اس قصیدہ کا ذکر عثمان مختاری کے ایک قصیدہ میں آتا ہے جب مسعود ثالث نے  
اس پر حملہ کیا ہے :-

خبر رسید کہ اندر نواحی سنام سرحصاری کو داشت باشارہ نذران  
سنام ریاست پٹیالہ کی عملداری میں پٹیالہ سے ۴۳ میل جانب مغرب نظامت کرگڑھ میں  
لدھیانہ جا کھل ریلوے پر واقع ہے ❖

تاج ریزہ - شہاب مہرہ - اور عمید سنامی کے سلسلہ میں تمام ذرائع سے ضروری اطلاع  
فراہم کر لی گئی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ایک دراز عرصہ تک ان شعرا پر جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے  
لکھا ہے۔ اس پر جدید اضافہ نہیں ہو سکے گا ❖

یہ بعض اختلافی اور اضافی امور جو ہم نے گذشتہ صفحات میں درج کئے۔ ان سے  
یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی مساعی کی قرار واقعی شناخت سے قاصر ہیں۔ بلکہ مقصد  
ہے۔ کہ مقالے کی دوسری اشاعت کے وقت ہماری ان گذارشات پر بھی غور کر لی جائے  
شعر کا کلام نقل کرتے وقت متن کی تصحیح میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اور  
پروف تو بڑی عجلت سے پڑھے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔  
چند مثالیں عرض ہیں :-

۱۔ پرانکنتی کا شعر بظرافہ و خنخری زلفین دراز پرستخیز بہم خوبان طراز و خراز است

بحالت موجودہ پہلا مصرعہ نہ صرف مہمل بلکہ خارج از وزن ہے۔ وزن کی خاطر ہمیں بطراز  
 (دی) قد وخر (خیزی) ی زلفین دراز " پڑھنا ہوگا۔ لیکن دوسرے مصرعے میں طراز اور  
 خزر کا استعمال مقتضی ہے۔ کہ پہلے مصرعے میں بھی یہ الفاظ آنے چاہئیں۔ اس صورت  
 میں ہمیں مصرعے اول میں یوں ترمیم کرنی ہوگی ع بطراز (دی) قد (دی) و (آن خوزی) لف (دراز)

۵۵۔ اوری کا شعر و یک اسی صورت منصورہ باغی نہ سراي الح

مصرع ہذا میں 'منصورہ' کی جگہ 'منصوریہ' چاہیے۔ جو شہر طوس کے ایک باغ و عمارت کا  
 نام ہے۔ اس کا ذکر معاصر تاریخوں میں بکثرت آتا ہے۔ اوری نے کئی موتوں پر اپنے اشعار  
 میں منصورہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ

منصوریہ ہرگز نہ در آمد بضییہ کاید بدرت موبک میمون وزیر

تاریخ جہانگشاہی جوینی (جلد سوم ص ۳۷۷ و ۳۷۸) میں بھی اس کا ذکر آتا ہے :

پروفت کی بعض غلطیاں ذیل میں بقید صفحہ و سطری جاتی ہیں :-

صفحہ و سطر غلط	صحیح	صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۲۲/۲ کہ مسعود	کہ مسعود	۱۵۸/۵	نات	بنات
۲۲/۸ اشارتی	اشکاری	۱۵۸/۱۶	عطر گر	عطر کر
۳۵/۴ خیر و ساز	خیر و ساز	۱۵۹/۲	بمن	بین
۶۱/۴ بطلع	بطالعی	۱۵۹/۲	روی و	روولی
۶۲/۱۱ کہ	گہ	۱۶۸/۴	مغانی	امانی
۶۳/۴ بیالاید	بپالاید	۱۶۸/۹	بگیرم	بگیرم
۷۱/۱ لماور	لماور	۱۶۹/۴	ستائی	ستانی
۷۲/۴ برآمد	برآمد (ایہ؟)	۱۶۹/۷	شد	شدہ
۱۳۳/۱۴ غناد	غناء	۱۶۹/۹	طبعم	طعم

صفحہ وسط	غلط	صحیح	صفحہ وسط	غلط	صحیح
۱۷۱	دم کورہ	دم کورہ	۱۹۳	خونین	خونی
۱۷۱	بشبیہ	بشبه	۱۹۴	تیز تر	تیز تر
۱۷۱	اول	زاول	۱۹۴	سوز پسر	سوز پسر
۱۹۳	چنگ بند	چنگ و بند	۱۹۵	مینازو	میسازو؟
۱۹۳	رشک او	رشک چنگ او			

کتاب پر قیمت درج نہیں۔ مصنف سے پٹنہ کالج پٹنہ کے پتر سے مل سکتی ہے۔  
 ”ش“

## ۲۔ فارسی ادب کی تعلیمات و اشارات

برائے امیدواران امتحانات یونیورسٹی ازبیک تائیم، اے زبانی انگریزی  
 (از جناب نال شہر یار رستم ایرانی بی۔ اے، ایس۔ ٹی سی مدرس فارسی سینٹ میرزہ ہائی سکول بمبئی)۔  
 اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ فارسی ادب کی متعلقہ تعلیمات مذہبی۔  
 تاریخی و افسانوی مع ضروری تشریح درج ہیں۔ جن کا جاننا ہر فارسی آموز کے واسطے لازمی ہے  
 جو لوگ انگریزی کے ذریعے فارسی سیکھتے ہیں۔ ان کے لئے رسالہ ہذا بڑی حد تک مفید ثابت  
 ہوگا۔ اس کے تریپن صفحات ہیں۔ جن میں تین سو چودہ تعلیمات کی شرح دی گئی ہے ان میں ایک  
 چونتالیہ ایسی ہیں جو کمرائی ہیں۔ اصطلاحات پہلے فارسی خط میں بعد انگریزی خط میں دی ہیں۔  
 انگریزی تلفظ میں ہمارے خیال میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً *meher-e-Goyah* کو *Naga-ye-Saleh* اور نامہ سیاہ کو *Hamah-ye-Siyah*  
 اور خشب کو *Nakh-Shal* قلب بند کیا ہے۔ بعض اوقات اسی لفظ کے ایک سے زیادہ تلفظ

دیے ہیں۔ مثلاً ۱۷ میں سبکتگین کو سبکتگین *Salahatagin* اور ۱۳۹ میں سبکتگین *Salahatagin* تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی بدگمان اعتراض کرے تو زوال شہر یا رستم صاحب ایرانی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے دو تلفظ دیئے اور تم دونوں سے مطمئن نہیں۔ اور سچ بھی تو ہے آخر آٹھ آنے میں جو اس رسالہ کی قیمت ہے اور کتنے تلفظ دیئے جاتے۔ بابل کے متعلق بھی جناب مؤلف نے اور تسامع سے کام لیا ہے یعنی ۳۷ میں بابل اور ۵۷ میں بابل اور ۷۳ میں بابل کو 'بابلی' *Baboli* رقم کیا۔ تلفظ میں ایسا تصرف انگریزی خواں ہندوستانی کیا کم کیا کرتے ہیں پھر ہم کس منہ سے مؤلف کی جو ایرانی میں شکایت کریں ؟

چنخورری اخلاقی لحاظ سے ایک بدنام عیب ہے مگر تبصرہ نگار میں ہنر اس لئے ہم مبصر کے اس مبارک وصف یعنی غازی سے کام لے کر عرض کرتے ہیں کہ صاحب سالہ کے نزدیک ۱۲۱ میں 'دوم عیسیٰ' اور 'سجاد دم' ایک دوسرے کے مراد ہیں ۱۱۴ میں 'رستم دستان' کو بلا اضافت لکھا ہے مصنف کی رائے میں جو سفید باغی رستم نے ہلاک کیا تھا وہ بادشاہ کا تھا اگرچہ فروری کی روایت سے خود سپہدار زوال یعنی رستم کے باپ تھا کہ پل سپید سپہد زبند۔ رہا گشتہ اندیمہ و مگر زند۔ اسی طرح اسفند یا مؤلف کے نزدیک ایران کا بادشاہ ہے حالانکہ تخت ایران کے ارمان ہیں وہ رستم سے جنگ کر کے راجا تھا ہے ۲۹ میں ایاز کو محمود کا حبشی غلام بتایا ہے اگرچہ ہمیں ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔ اسکے نام ایاز اویاق سے توصاف ظاہر ہے کہ وہ ترک الاصل ہے۔ فرخی ۷۵ امیر جنگجو ایاز اویاق۔ دل و بازوی خسرو روزپکا ۱۳۹ میں سبکتگین کو غزوی خاندان کا بانی بتایا ہے اگرچہ مؤرخین الپتگین کو یہ عزت دیتے ہیں ؟

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر غلطی کی جو سرزد ہوئی ہیں صاحب لہ اشاعت ثانی ہیں تصحیح کر دیں گے۔ ہم نے یہاں رسالہ کی انگریزی کی غامبیوں سے کوئی تعلق نہیں لکھا ہے۔ ٹائپ اور چھاپی اعلیٰ اور آٹھ آنے میں جو اس کی قیمت ہے۔ طالب علموں کے لئے یہ سودا برا نہیں ؟  
ملنے کا پتہ ۱۔ حاجی آغا شیرازی و فرزند ان کتاب فروشان۔ عمر کھڑکی بمبئی ۹

۳۔ مکاتیب غالب ۔ برصغیر ہندوستانی از منشی امتیاز علی صاحب عری نانم  
کتبخانہ ریاست رامپور (سلسلہ مطبوعات کتب خانہ رامپور نمبر ۱) مطبعہ قیامی ممبئی ۱۹۳۷ء۔ صفحات  
۳۲۰ (فہرست مضامین ۲ صفحہ + تقریب ۱۶ صفحہ + دیباچہ ۱۶ صفحہ + مکاتیب ۱۲۱ صفحہ + نہرت  
اشخاص مقامات ۱۱ صفحہ + تصحیح و استدراک ۲ صفحہ) تصاویر علاوہ قیمت للعرض، مطبعہ قیامی ممبئی  
یا جناب مصنف سے طلب کیا جائے +

دنیا میں شہرت و ناموری کا معاملہ بہ ظاہر بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے ایسے  
لوگوں کی کمی نہیں۔ جو اپنی زندگی میں اتنے مشہور و ہر دلعزیز تھے۔ کہ کوئی  
مجلس ادب و شعر ان کے نام کو طراز انعقاد بنائے بغیر عوام کی طرف سے  
گرمجوشانہ پذیرائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن جب وہ دنیا سے نہت ہو گئے  
تو آہستہ آہستہ ان کی شہرت بھی ختم ہو گئی۔ اور اب ان کے نام صرف تذکروں  
کے صفحات بڑھانے کا سر و سامان ہیں +

چند لوگ ایسے بھی ہیں۔ جن کے لئے زندگی میں ان کی حیثیت و مرتبہ  
یا نمنہ و آرزو کے مطابق استقبال کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن جب وہ اپنی حیات  
مستعار کی مقررہ میعاد کو پورا کر کے موت کی آغوش میں چلے گئے تو ان کے لئے  
منتقل شہرت و ہر دلعزیزی کے دروازے وا ہو گئے۔ یعنی ان کی آنکھیں بند  
ہو گئیں تو دنیا کی آنکھیں کھلیں۔ اور ان کے کام کی اہمیت کا صحیح احسا  
پیدا ہوا +

مروجات کے پابند | لیکن غور کیا جائے۔ تو یہ صورت حالات بالکل قدرتی  
معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے دوار علم و عمل کی طرح ادب و شعر کا شیوہ اختیار  
کرنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بڑا گروہ ایسا ہے جو صرف اپنے ماحول کی  
عام طلب کا جواب دینا ہی حقیقی کام سمجھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے عہد اور مقام کے



مروجہ مرغوبات سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ وقت کے بازار میں جس جنس کی خرید زیادہ پاتے ہیں۔ اس کی دکان آراستہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی وہ محض عام رجحانات کی ترجمانی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ طرز عمل قدرتی طور پر ان کے لئے وقتی شہرت کا سامان بن جاتا ہے۔ لیکن جب وقت بدل جاتا ہے۔ رجحانات و مرغوبات میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی حاصل کی ہوئی شہرت بھی بٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔

نئے دور کے رہنما | اس کے برعکس جو لوگ وقت کے عام مالومات میں محصور نہیں رہتے۔ بلکہ مذاق زمانہ کے ممکنات ارتقا کا صحیح اندازہ کر کے نئے راستے نکالتے ہیں۔ اور اپنے محدود زمان و مکان کی حدود کو توڑ کر وسیع تر زمان و مکان پیدا کرتے ہیں۔ ان کو طبعاً اپنے عہد میں اتنی شہرت و ہر دلچسپی حاصل نہیں ہوتی جس کے وہ ہر اعتبار سے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن جب زمانہ ترقی کرتے کرتے ان لوگوں کے نتائج طبع کی سرحدیں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی شہرت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ شہرت و ہر دلچسپی ان کے نتائج طبع کی پائیداری اور ان کے پیدا کردہ زمان و مکان کی وسعت کے برابر ہوتی ہے ہندوستان کے اردو شاعروں اور ادیبوں میں سے غالب کا تعلق اسی آخری گروہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی قدر و منزلت اس کی زندگی سے کہیں بڑھ کر اس کی موت کے بعد شروع ہوئی۔ اور زندگی اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

غالب کا مقام | غالب نے خود کہا تھا۔

کو کم را در عدم او چقبوے بودہ است      شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن  
یہ پیشگوئی میرے نزدیک اسی پختہ احساس کا نتیجہ تھی۔ کہ زمانے کا مذاق ضرور بدلے گا۔ اور اس تبدیلی کے بعد لازماً اس کے کلام کی حقیقی اہمیت دنیا پر

پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔ اُردو کے گذشتہ شعراء میں غالب کے سوا کون ہے جس نے اپنے بلند تخیل اور دلکش انداز بیان سے اُردو شاعری کے لئے ایک ایسا جامع اور بدیع سا پنچہ مہیا کیا۔ جو بعد کے دور کی تمام ضرورتوں اور تمام تقاضوں کو پورا کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا؟ دنیا کی ترقی رُک نہیں گئی۔ اور خدا جانے بعد کو آنے والی نسلوں کی ضرورتیں کس قسم کی ہوں گی۔ لیکن تصور کا نقاش نئی نئی ضرورتوں کے جتنے نقش مہیا کر سکتا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھ لینے کے بعد بھی کم از کم میرا اندازہ یہی ہے۔ کہ غالب کا کلام اس سے میرا مقصود وہ کلام ہے۔ جو غالبیت کا صحیح مرقع ہے، کبھی بھی پرانا نہ ہوگا جس طرح مثلاً ذوق یا دوسرے شعرا کا کلام پرانا معلوم ہونے لگا ہے +

غالب کی ہر دلعزیزی کے مظاہر غالب کے ساتھ اعتناء و توجہ کی افزائش کے عملی نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے مختصر سے اُردو دیوان کے کئی نہایت پر تکلف ایڈیشن پھپ پھکے ہیں۔ دورِ حاضر کے مشہور مصوّر خان بہادر چغتائی کو اپنے کمالِ مصوری کی نمائش کے لئے کسی جامع اُردو مرقع کی تلاش ہوئی۔ تو ان کی نظر انتخاب بھی اسی دیوان پر پڑی۔ جس کے اشعار کی تعداد صرف اٹھارہ سو بتائی جاتی ہے۔ اس دیوان کی اتنی شرحیں لکھی گئیں۔ کہ دُنیا کے صرف محدود شاعروں کے کلام کے ساتھ اس قسم کے شغف کی مثالیں مل سکتی ہیں +

غالب کی مفصل سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ اس کے کلام کو بہ اعتبارِ نین مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اس کی ایک ایک چیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی اور شائع کی گئی۔ اس سلسلے کی تازہ کاری ”مکاتیب غالب“ ہے جس پر سرسری تبصرہ

موجودہ مقالہ کا موضوع ہے +  
**مکاتیب غالب** | دربارِ رام پور کے ساتھ غالب کا گہرا تعلق بارہ برس قائم رہا۔ اس دور میں اس نے فرمانروایانِ رام پور کی خدمت میں جو عرائض بھیجے۔ وہ

شاہی دارالانشاء میں محفوظ تھے۔ اعلیٰ حضرت فرما زوائے رام پور کی علم نوازی اور ان کے قابل وزیر اعظم جناب بشیر حسین صاحب زیدی کی توجہ فرمائی سے غالب کے تبرکات کا یہ گراں بہا ذخیرہ ستر پچتر برس کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ کتب خانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب امتیاز علی صاحب عسکری نے اسے انتہائی کاوش و انتہام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اور اس پر ایک مبسوط و مفصل دیباچہ رقم فرمایا ہے۔ کتاب ٹایپ میں چھپی ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ لمباعت کی دیدہ زیبی کے اعتبار سے اول درجے کی اردو کتابوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

**کتاب کی عام کیفیت** | پوری کتاب کے صفحات قریباً سو تین سو ہیں۔ ایک سوتر اسی صفحے کا دیا جا چکا ہے۔ ایک سو اکیس اصغوں میں غالب کے مکاتیب آئے ہیں۔ جن کی کل تعداد ۱۱ ہے۔ آخر میں تین اندکس ہیں۔ ایک رجال و افراد کے متعلق۔ دوسرا مقامات کے متعلق اور تیسرا کتب و جرائد کے متعلق، چار عکس ہیں۔ ایک غالب کا۔ دوسرا فردوس مکان نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کا تیسرا اعلیٰ آشیان نواب کلب علی خان بہادر کا۔ چوتھا عکس غالب کے ایک خط کا ہے۔ کتاب پر مبسوط حواشی ہیں۔ جن میں مکاتیب غالب کے ہر مہم یا کم و وضع پہلو کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ خود فرما زوایان رام پور کے بعض جوانی مکاتیب کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ تاکہ غالب کی متعلقہ تحریر کے مفہوم کا کوئی پہلو بھی غفی نہ رہے۔ اور اس کی بعض گزارشات کے ضمن میں دریا کی طرف سے جو انتظامات ہوئے وہ بھی سامنے آجائیں +

مکاتیب کی تفصیل | اغرض کتاب نہ محض اسی اعتبار سے قابل قدر ہے۔ کہ یہ غالب کی غیر مطبوعہ تحریر کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کلام غالب کے بعض غیر مطبوعہ فارسی اور اردو قطعات بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی قابل قدر ہے۔ کہ اس میں ترتیب و تہذیب کا ایک بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس

میں غالب کے کل ایک سو ستروں مکاتیب ہیں۔ جن کا اجمالی مرقع درج ذیل ہے۔

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	کیفیت
نواب یوسف علی خان ناظم مرحوم	۴۲	پانچ فارسی میں باقی سب اردو میں
نواب کلب علی خان مرحوم	۶۵	ایک فارسی میں باقی سب اردو میں
نواب زین العابدین خان نگر کلنیاں	۲	اردو میں
میرنشی رام پور	۶	"
خلیفہ احمد علی صاحب آہر رام پوری	۱	"
مولوی محمد حسن خان صاحب مالک مطبع	۱	"

کتاب کی عام حیثیت کے اس سرسری بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبرکات غالب کے اس نئے گنجینہ کی علمی و ادبی حیثیت کے متعلق بھی چند گزارشات پیش کر دی جائیں :

**خطوط غالب کی خصوصیات** | غالب کے مکاتیب کی خصوصیات کے مقتضاء کا یہ موقع نہیں۔ لیکن چند خصوصیات عام طور پر نمایاں ہیں۔ مثلاً،

۱) غالب کا انداز نگارش و انشاء بے حد دلکش۔ بدیع اور بے تکلف ہے۔

۲) اس کی کوئی مثال اس سے پیشتر کے ادیبوں یا اس کے معاصروں میں نہیں ملتی۔

۳) اس کے بعد کے اکابر علم و ادب کے خطوط کے جو مجموعے چھپ کر ہمارے سامنے آئے ہیں

ان میں سے بھی کسی کا انداز نگارش دلربائی میں غالب کے برابر نہیں پہنچتا۔ غالب

کے زمانے تک مقتضیٰ نشر کا عام دستور تھا۔ لیکن اس میں بڑے تکلفات سے کام

لیا جاتا تھا۔ آج ان عبارتوں کو پڑھا جائے تو وہ حد درجہ الجھی ہوئی اور بے مزہ

معنوم ہوں گی۔ غالب کے ہاں بھی جابجا مقتضیٰ نشر موجود ہے۔ لیکن اتنی دلکش ہے

کہ گویا دوران نگارش میں بغیر کسی عزم و اہتمام کے خود بخود لایفہ پیدا ہو گئے۔

۴) غالب کے مکاتیب میں اس کے عہد کے مختلف حالات کا جو ذخیرہ

موجود ہے۔ وہ کسی دوسرے ادیب و نثر نگار کی تحریرات میں نہیں ملتا ۛ

(۳) غالب کے مکاتیب میں خود اس کی زندگی کے حالات کا بہت بڑا مواد موجود ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ غالب کے خطوط نہ تو اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ اس عہد کا تاریخی یا معاشرتی مرقع مرتب ہو جائے اور نہ ان خطوط کا مقصود یہ تھا کہ آئندہ چل کر یہ غالب کے سوانح حیات کے ماخذ بن جائیں۔ لیکن غالب کا اسلوب بیان ایسا ہے۔ کہ وہ بے لگت اپنا اور اپنے ماحول کا نقشہ جا بجا پیش کرتا جاتا ہے ۛ

(۴) غالب کے مکاتیب میں علمی نکات کا کافی ذخیرہ موجود ہے ۛ

مکاتیب غالب کی حیثیت | ”مکاتیب غالب“ کے بیشتر خطوط ایسے ہیں۔ جن کو محض رام پور والے منتقل و نطیفے یا موقت عطیات کی رسیدیں سمجھنا چاہیے بعض خطوط ایسے ہیں۔ جن میں غالب نے اپنی ضروریات پیش کی ہیں۔ لیکن بقیہ خطوط غالب کے انداز تحریر کی محولہ بالا خصوصیات کا بہت اچھا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی ان میں علمی نکات بھی ہیں۔ غالب کے حالات کے متعلق بھی مواد موجود ہے۔ اس عہد کے بعض معاشرتی اور دوسرے پہلو بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر خطوط میں اس کا دلکش انداز نگارش بھی قائم ہے۔ اس وجہ سے خطوط غالب کا یہ نیا ذخیرہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ افسوس کہ میں قلت فرصت کے باعث تمام خصوصیات کی مثالیں پیش نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ۛ

خلعت غالب کی تفصیل | غالب کی مطبوعہ تحریرات میں خلعت کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل اب تک صرف اس قدر معلوم تھی۔ کہ جیفہ سترچ اور مالے مروارید کے علاوہ سات پارچے ملا کرتے تھے۔ ”مکاتیب غالب“ کے ایک خط سے ان سات پارچوں کی تفصیل پہلی مرتبہ معلوم ہوئی ہے۔ یعنی ۱۔

(۱) کنو اب کا ایک عنان (۲) بندسی عنان سنہری بونٹوں والا (۳) بنارسی سیلا (۴) اول

کی چادر کنارہ کلاتون (۵) کنارہ بڑا کاغذ (۶) الوان کی چادر بے کنارہ (۷) دو مثالہ ۴

**مکاتیب کا دیباچہ** | حواشی کے علاوہ مکاتیب غالب کا دیباچہ بڑا جامع اور فاضلانہ ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلو صرف رام پوری مکاتیب کی بناء پر بیان کئے گئے ہیں۔ دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی وفات کے قریب اس پر آٹھ سو روپے کی رقم بطور قرض موجود تھی جس کے اتارنے کے لئے وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں چند مرتبہ فرما زوائے رام پور کی بارگاہ میں درخواستیں پیش کر چکا تھا اور غالب کی وفات کے بعد اس کی نگیم صاحبہ نے جہاں اپنے گزارے کے لئے دربار رام پور میں درخواستیں بھیجیں۔ وہاں اس آٹھ سو روپے کی رقم کے لئے بھی چند مرتبہ عرض کیا۔ یہ درخواستیں بھی دارالانشاء میں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار انگلشیہ نے غالب کی وفات کے بعد اس کے ذلیفہ کی رقم اسکے متبنے احیسن علی خان (ابن زین العابدین خان عارف) کے نام منتقل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور نگیم صاحبہ کو اس شرط پر ماہوار دس روپے کی رقم دینی منظور کی تھی کہ وہ کپڑی میں ہنچکر اسے وصول کیا کریں۔ لیکن نگیم صاحبہ نے اس سے انکار کر دیا۔ فرما زوائے رام پور نے نگیم صاحبہ کی درخواستوں کے جواب میں نواب مرزا خان داغ کو زبانی حکم دے دیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس حکم کا مفاد کیا تھا ۵

**بعض مسامحات** | بہر حال "مکاتیب غالب" مختلف اعتبارات سے غالب کے متعلق لٹریچر میں بڑی قیمتی اضافہ ہے۔ لیکن یہ گزارش غالباً غیر مناسب نہیں سمجھی جائے گی کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں فاضل مرتب سے بعض مسامحتیں بھی سرزد ہو گئیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کتاب کے وقت غالب کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کا وہ مجموعہ ان کے پیش نظر نہ تھا جو "سجدین" کے نام سے کلیات کے بعد چھپا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "سجدین" کے مجموعہ کی بعض نظموں کو غیر مطبوعہ قرار دیا گیا ہے یا "مکاتیب" کے صفحہ ۴۷ کے حاشیہ میں نواب یوسف علی خان بہادر ناظم غلے و صحت

کے متعلق چھ شعر کا جو قطعہ تذکرہ انتخاب یادگار کے حوالے سے درج ہے۔ اس کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے کہ اس میں سے ایک شعر ساقط ہے حالانکہ سجدین میں یہ قطعہ چھپا ہوا موجود ہے اور اس کے اشعار چھ یا سات نہیں۔ بلکہ پینتیس ہیں۔ بعض اور مسامحتیں بھی ہیں لیکن ان سے کتاب کی قدر و قیمت یا فاضل مرتب کی محنت، دیدہ ریزی اور کمال ترتیب و تحشیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ تیار سے مستحق احترام علامہ رسول مہرزی تھے۔

## ۴۔ فہرست کتب خانہ سٹی کالج۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۹۳۷ء

یہ سٹی کالج حیدرآباد دکن کی عربی فارسی اور اردو کتابوں کی ایک اجمالی فہرست ہے جسے جناب غلام رسول صاحب مددگار گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد نے مرتب کیا ہے جیسا کہ فہرست نگار نے اپنے دیباچہ میں وضاحت کی ہے اس کتب خانہ کی کتابوں کی ترتیب کو تقسیم کے مطابق ہے۔ یہی اصول اس فہرست کی ترتیب میں بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو کتابوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سرسری طور پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے مرتب کی محنت قابلِ داد ہے لیکن افسوس ہے کہ ذیلی تقسیم میں تاریخ اشاعت و طباعت کے تقدم و تاخر کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مزید برآں صاحبِ غلطی بھی نظر آتی ہیں جن میں سے بعض کو کتاب کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے مثلاً آغانی رجبائے آغانی فیضانی رجبائے ذبیانی، البشمی (رجائے البشمی)، وجاہت شادال (رجائے وجاہت شادانی)، الشرفی (رجائے الشرفی) وغیرہ وغیرہ۔ امید ہے کہ مرتب کی محنت کی قدر کی جائے گی :

سید محمد عبد اللہ

## اسماء شعرا

جن کا کلام لسان العرب میں درج ہے

(مسند کے لئے دیکھو بھی میگزین بابت فروری ۱۹۳۸ء)

# فہرست اسماء شعرا

جن کے

اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج

ہوئے ہیں



# عرض حال

لسان العرب عربی زبان کی ضخیم اور بغایت مفید کتاب ہے مؤلف نے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے بہت سے الفاظ کے استعمال کی سند اشعار، محاورات اور قرآن و حدیث سے پیش کی ہے۔ اس سلسلے کی اہم کڑی شاعروں کے نام اور ان کے اشعار ہیں اور یہ اس لئے کہ اس شعبہ ادب کا اکثر حصہ تو حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گیا اور جو بچ گیا وہ مختلف کتابوں میں کچھ اس طرح بکھرا ہوا ہے کہ اس کا جمع کرنا بہت دشوار ہے۔ "لسان العرب" اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ بہت سے شاعروں کے نام جو دیگر کتب میں نہیں ملتے "لسان العرب" میں موجود ہیں، اسی طرح اکثر اشعار۔

یہ کتاب ۳۱۵۷ میں ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی۔ جن شعرا کے اشعار شاہد کے طور پر درج ہوئے ہیں۔ ان کی اور قوافی کی فہرست اس سے پہلے مرتب نہیں ہوئی۔ اس لئے اسٹاذِ مکرم پرنسپل محمد شفیع صاحب کی تجویز کو انہی کے زیرِ ہدایت میں نے عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کام کو شروع کر دیا۔ فہرست شعرا کو مکمل کر لیا ہے۔ اور اس کو باقسط ہدیہ ناظرین کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فہرست قوافی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) پوربیت (۲) مصرع۔ یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ شعر کا بحر بھی ساتھ ساتھ بتلادیا جائے۔ یہ فہرست اب زیرِ تالیف ہے۔ عبد القیوم میکلوڈ ایک ریسرچ سٹوڈنٹ

لے فاضل ٹرولٹ جمال الدین البرافضل محمد بن کرم الافریقہ المصری المعروف بابن منظور (۶۳۰-۷۱۱ھ)

مطابق ۱۲۳۲-۱۳۱۱ء کے فہرست حالات کے لئے درکار نامہ: ابن حجر، حسن المحاضرہ اور لغتیۃ الوعایۃ؛ سیوطی، اشذرات الذمیب: ابن عماد، وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

# فہرست اسماء الشعرا

ذیل میں "لسان العرب" کے اُن شعرا کی فہرست درج کی جاتی ہے جن کے اشعار کے ساتھ مولف نے ناموں کا بھی ذکر کیا ہے۔

نوٹ: (۱) خط کشیدہ ہند سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس صفحہ پر شاعر کا نام ایک سے زائد مرتبہ مذکور ہے (۲) (۹) یہ نشان مشکوک مقامات ظاہر کرتا ہے۔

۱

آدم مولیٰ بَلْعَنْبَر ۱۸: ۱۰

أَبَانُ الدُّبَيْرِي ۲: ۳۰۵، ۸: ۱۹۲، ۱۵: ۱۷۹، ۱۶: ۱۳۲، ۱۷: ۳۷

۲۳۳، ۳۳۳

ابن أَبَانُ الدُّبَيْرِي ۱۶: ۱۲۷ (نیز ملاحظہ ہو۔ رَکْحَاضُ بْنُ أَبَانِ الدُّبَيْرِي)

ابراہیم بن عمران الانصاری ۲: ۱۷۰، ۱۱: ۴۴۴

ابراہیم بن هَرْمَةَ - ملاحظہ ہو۔ ابن هَرْمَةَ -

الْبَرْش (هَوَيْجُ بْنُ حَسَّان) ۱۸: ۱۲

الْبَيْرُودِي ۱۱: ۲۱۷، ۲۳۹، ۳۹۱

الْأَجْدَع ۱۸: ۱۲

الْأَجْدَعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ مَسْرُوقِ بْنِ الْأَجْدَعِ ۱۰: ۵۸، ۲۴۳، ۷: ۱۰۲

۱۹: ۱۶۴

الْأَجْدَعُ الْهَمْدَانِي ۱۰: ۱۱۵، ۱۸: ۲۷۳، ۲۰: ۲۰۸

الْأَجْلَحُ بْنُ قَاسِطٍ ۹: ۳۹

أحمد بن جندل السعدي ۴: ۴۱۲





أَبُو الْأَحْزَرِ الْحَمَّانِيُّ (اسمه قتيبة) ٤: ٢٢٨، ٤: ٤٨، ٩: ٣٠٦، ٥: ١٢٨

١١٠: ١٤، ١١٠: ١٢٨، ٢٤٠: ٤، ٢٢٨: ٤

أَبُو أَحْزَمِ الطَّائِي ٣: ١٢٨، ٥: ٤٤

الْأَحْزَمِيُّ بْنُ قَارِبِ الطَّائِي (١) ٣٥٢: ٩

أَحْضَرُ بْنُ عَبَّادِ الْمَانِيِّ الْجَاهِلِي ٥: ١٣

الْأَحْضَرُ بْنُ هُبَيْرَةَ الضَّبِّي ٣: ٢٥٢، ٩: ٢١٨

الْأَخْطَلُ (هَوْغِيَاثُ بْنُ غُوْثٍ) ١: ٨٥، ١٨١، ١٥٨، ١٨٠، ٢٣٢، ٣٣٣، ٤٤٤

١٠٠: ٢٢٨، ٣٥٤، ٢٦٦، ٢٦٤، ٢٤٦، ٢: ٢٠٠، ١٠٠، ١١٥، ٢٠٠، ٣٠٠

١٢١، ٢٤٨، ٢٩٥، ٣٠٠، ٣٣٣، ٥٥٤، ٥٥٤، ٢٤٤، ٣: ٩٣، ١٥٩، ١٤٩

١٢١، ٢٢٨، ٥٢٠، ٥٢٠، ٥٠٠، ٢: ٤٤، ٩٢، ١١١، ١٢٩، ١٥١، ٣٣٣

٢٢٤، ٢٣٦، ٣٥٤، ٣٥٤، ٥٠٠، ٥٢٢، ٥: ٥٠، ٢٨، ٢٤، ١٥٤

١٤٠، ١٤٠، ١٨٠، ٢٠٠، ٢٢٢، ٢٢٨، ٢٢٢، ٢٢٢، ٢٢٢، ٢٢٢، ٢٢٢، ٢٢٢

٢٠٤، ٩: ٢، ٨، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣٣٣

١٢٩، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١، ١٥١

٣٢٥، ٣٢٠، ٤: ١٥، ٢٦، ٣٩، ٥٢، ٥٢، ٥٢، ٥٢، ٥٢

٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢

٨: ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢

٣٩٨، ٩: ١٤٥، ٢٠٥، ٢٥٨، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢

١٠: ٢٨، ٢٩، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢، ٣٢٢

١٤٥، ١٢٢، ١٢٢، ١٢٢، ١٢٢، ١٢٢، ١٢٢، ١٢٢

٤٨، ٩٨، ١٣٣، ١٣٣، ١٣٣، ١٣٣، ١٣٣، ١٣٣

٢٢٤، ٣٥٣، ٣: ٥٤، ٨٥، ٩٣، ١٢٦، ١٢٩، ١٤٥، ١٩٥

۳۱۳، ۳۶۶، ۳۷۷ (؟)، ۳۹۹، ۴۰۵، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۵۲، ۴۸۱،  
 ۴۸۱: ۳۲۳ (؟)، ۴۳۴، ۴۵۶، ۴۶۲، ۴۶۸، ۴۸۷، ۴۹۱، ۴۹۹، ۵۱۸،  
 ۵۰۲، ۵۵۸، ۵۷۷، ۶۰۲، ۶۱۷، ۶۶۶، ۷۵: ۳۳، ۳۸، ۴۲، ۵۲،  
 ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۶۶، ۲۲۰، ۲۴۵، ۲۷۸، ۳۱۳، ۳۶۶،  
 ۳۸۸، ۳۳۴، ۴: ۶، ۷، ۶، ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۲۲، ۲۴، ۲،  
 ۲۲۹، ۲۶۸، ۲۷۷: ۷، ۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۸۹، ۴۱۳، ۴۹۸،  
 ۳۴۳، ۳۹۰، ۴۸: ۷، ۱۱، ۱۱، ۱۸، ۱۹۹، ۲۵۵، ۲۷۰، ۲۷۹،  
 ۴: ۱۰، ۵۵، ۶۱، ۸۰، ۸۱، ۱۵۳، ۱۶۱، ۲۱۹، ۲۲۱ (؟)، ۲۶۶،  
 ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۴۰، ۳۵: ۳۳، ۴۱، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۶۳،  
 ۱۸۳، ۲۳۵، ۲۷۵، ۳۴۲، ۳۴۳؛

الاضطل بن ربيعة م: ۳۲۸؛

الاضفل بن شهاب | : ۲۴۰؛

الاضفل م: ۳۴۴؛

الاضفل بن شهاب التغلبي | : ۳۴۵؛

الاضفل م: ۲۰۷، ۲۶۷؛

ابو الاضفل الرياحي م: ۱۲۴؛

الاضفل بن عبد الله الرياحي م: ۲۳۳ (؟)؛

الاضفل الطائي ۸: ۳۷۳، ۹: ۱۹۷، ۴۰: ۲۱۱؛

الاضفيلية — ملاحظه بر لبلى الاخيلية

ادهم بن الزعرى م: ۱۵۲؛ (نيز ملاحظه بر ادھم بن ابى الزعرى)

ادھم بن ابى الزعرى ۱۰: ۱۳۳، ۱۶: ۷؛

ابن اذينة ١٥ : ١٣٠ ؛

أرطاة بن سهينة ٥ : ١٩٩ ، ٤ : ١٩ (٩) ، ١٥١ ؛

الأرقط — ملاحظه هو حميد الأرقط

الأرقط — ١٣ : ١٥٩ (٩) ؛ نیز ملاحظه هو حميد الأرقط

الأردية ١٢ : ١٩٥ ؛

الأرق بن طرفة بن العتمر دلفراعى ١٣ : ١٣٠ (٩) ؛

الأرق العنبرى ١٣ : ٣٨٤ ؛

أخزم الفزاري ١٣ : ١٣١ ؛

أسامة بن الحارث الهذلي ١ : ٢٦٦ (٩) ، ١٥ : ٢١٨ ، ١٣ : ١٥٤ ؛ (نیز ملاحظ

هو أسامة الهذلي)

أسامة بن جبيب الهذلي ١ : ٢٥٢ ، ١٥٦ : ١٦٦ ، ٩ : ١٤٢ ، ١٥٥ : ١٠ ؛

٣٢١ ، ٤ : ٢٦٦ ؛ (نیز ملاحظه هو أسامة الهذلي)

أسامة الهذلي ١ : ٢٦٣ ، ٢ : ١٠ ، ٢٤٣ ، ٣ : ٣٩٨ ، ٥ : ١٢١ ، ٤ : ١١٢ ؛

١٣٠ ، ٨ : ٣٥٨ ، ٩ : ٢٨٩ ، ٢٩١ ، ٣٠٠ ، ١٠ : ٢٢١ ، ٣٩٤ ، ٣٢٢ ، ٣٢٥ ؛

١١ : ١٥٥ ، ٣٦٢ ، ١٢ : ٢٩٢ ، ١٣ : ٩٨ ، ١٥ : ١١١ ، ٤ : ٣٢٥ ، ٣٣ ؛

١٨ : ٢٩١ ، ٣١٤ ، ٩ : ١٤٩ ، ٢٦٥ ؛

أبراسق ١٣ : ٢٨٥ ؛

أسحق بن إبراهيم الموصلی ١ : ٥٢ ؛

أسحق بن خلف ١٢ : ٢٦٦ (٩) ؛

أصحم ١٣ : ٨٠ ؛

أسد بن ناعصة ١ : ٣٠٨ ، ٢ : ٤٠ ؛

لسان في ناعضة، معجم الشعر بالعين

الاسدي ٧: ١٨٩، ٨: ١٥٢، ٩: ٢٤٧ (؟)، ١٠: ٨٨، ١١: ١٠٤ (؟)، ١١: ١١٤

[illegible]

الْأَسْعَى الْجَعْفَى ٤ : ٣٢ ، ٣ : ٣١ ، ٤ : ٢٥٧ ، ٢٥ : ٢٥٧ ؛

الْأَسْعَى بْنُ حُمْرَانَ ١٥: ٢٨٦ (٩)؛ (نیز ملاحظہ ہو الاسعی الجعفی)

ابن الأُسَلْتِ - ملاحظ هو أبو قيس بن الأُسَلْتِ السُّلَمِي

الأَسْلَح بن قِصاف الطُّهَوِي ١٢ : ٣٢٨؛

أَسْمَاءُ بْنُ خَارِجَةَ | ٢٨ : ٤ : ٣١٥ : ١١ : ١١٢ : ١٣ : ١٤ : ٢٤٠ : ٢٢ : ١٢٢

:154:19

ابو اسماعيل الضريفة ١٢: ٣٦٠، ٣٦١ (٩)؛

الكسود (٩) : ٩ : ٣٩٣ ، ٣١٤ ، ١٠ : ٩٠ ، ٥٤٤ ، ١٣ : ٢٦٣ :

أبوالاسود ٢ : ١٤ ، ٣ : ٢١ ، ٤ : ١٣ ، ٥ : ٢٤ ، ٦ : ١٤

124 19 258

ابوالاسود الاسدي ۱۳: ۷۲؛

أبو الأسود الدؤلي ٢ : ٣٥٢ ، ٥ : ٢٣٢ ، ٤ : ٢٢٢ ، ٩ : ٣٢٤ ، ١٥ :

243 : 11 : 344 : 12 : 145 : 13 : 282 : 14 : 148 : 15 : 253 :

۳۳۳ ، ۹ : ۱۵۱ ، ۳۷۱ :

ابو اسود العجلیؓ : ۱۰۴، ۴۷۰، ۸، ۳۷۳، ۳۱۶، (۶)، ۱۰، ۹۸، ۱۱، ۷۷،

۳۱:۳۴، ۱۰۳، ۱۹۷، ۱۵:۱۷، ۱۷:۱۸، ۳۵:۳۰، ۱۴:۱۳

الاسود بن عمارۃ النوفلى ١٥ : ٢٩٣ :

الْأَسَدُ بْنُ يَعْفَرٍ | : ١٣٠ ، ١٦٨ ، ٣٤٣ ، ٣ : ٢١٣ ، ٣٠١ ، ٣ : ٣٠١ ، ٣٤٣ ، ٩٤ ،



[illegible]

(نیز ملاحظہ ہو۔ ابن کُفَر)

اُسَيْدُ بْنُ الْحُلَاحِلِ م : ۲۷۴ :

أُسَيْدُ بْنُ عُنُقَاءَ الْفَزَارِيُّ ١٥ : ٢٠٥ :

ابو سیدۃ التَّابِیْرِ ۷ : ۱۵۹ :

الاستشارة الشعبية : ٤ : ١٨٧ :

الاشجع السُّلَمِي ٥ : ٣٢ :

الأشجعي | : ٢٢٢ ، ٢ : ٨٥

اشترس بن بَشَامَةَ الحَنْظَلِي ٢ : ٤٨ ؛

الأشعة الجعفي ٣ : ٣٤١ : ٤ : ٢٤٠ : ٣٩١ : ٨ : ٢٩١ : ١٢ : ١٣٢ : (٩) :

(انیز ملاحظہ ہو الاسعہ الجعفی)

الأشعة الرقبان الاسدي م: ٢٣، ٤: ١٥٨؛

الاشعري الجعفي — ملاحظه هو الاشعري الجعفي

الأشهب بن رُمَيْلة م: ١٤٣: ١٢٢: ١٤: ١٩٩: ١٨: ٢٥٩: ٢٠٠: ١٢

الأشيم بن معاذ بن سنان ( المعروف بالافرع ) ١٠ : ١٣٢ :

الاصبع ١٤ : ٣٨ :



124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200 201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300 301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400 401 402 403 404 405 406 407 408 409 410 411 412 413 414 415 416 417 418 419 420 421 422 423 424 425 426 427 428 429 430 431 432 433 434 435 436 437 438 439 440 441 442 443 444 445 446 447 448 449 450 451 452 453 454 455 456 457 458 459 460 461 462 463 464 465 466 467 468 469 470 471 472 473 474 475 476 477 478 479 480 481 482 483 484 485 486 487 488 489 490 491 492 493 494 495 496 497 498 499 500 501 502 503 504 505 506 507 508 509 510 511 512 513 514 515 516 517 518 519 520 521 522 523 524 525 526 527 528 529 530 531 532 533 534 535 536 537 538 539 540 541 542 543 544 545 546 547 548 549 550 551 552 553 554 555 556 557 558 559 560 561 562 563 564 565 566 567 568 569 570 571 572 573 574 575 576 577 578 579 580 581 582 583 584 585 586 587 588 589 590 591 592 593 594 595 596 597 598 599 600 601 602 603 604 605 606 607 608 609 610 611 612 613 614 615 616 617 618 619 620 621 622 623 624 625 626 627 628 629 630 631 632 633 634 635 636 637 638 639 640 641 642 643 644 645 646 647 648 649 650 651 652 653 654 655 656 657 658 659 660 661 662 663 664 665 666 667 668 669 670 671 672 673 674 675 676 677 678 679 680 681 682 683 684 685 686 687 688 689 690 691 692 693 694 695 696 697 698 699 700 701 702 703 704 705 706 707 708 709 710 711 712 713 714 715 716 717 718 719 720 721 722 723 724 725 726 727 728 729 730 731 732 733 734 735 736 737 738 739 740 741 742 743 744 745 746 747 748 749 750 751 752 753 754 755 756 757 758 759 760 761 762 763 764 765 766 767 768 769 770 771 772 773 774 775 776 777 778 779 780 781 782 783 784 785 786 787 788 789 790 791 792 793 794 795 796 797 798 799 800 801 802 803 804 805 806 807 808 809 810 811 812 813 814 815 816 817 818 819 820 821 822 823 824 825 826 827 828 829 830 831 832 833 834 835 836 837 838 839 840 841 842 843 844 845 846 847 848 849 850 851 852 853 854 855 856 857 858 859 860 861 862 863 864 865 866 867 868 869 870 871 872 873 874 875 876 877 878 879 880 881 882 883 884 885 886 887 888 889 890 891 892 893 894 895 896 897 898 899 900 901 902 903 904 905 906 907 908 909 910 911 912 913 914 915 916 917 918 919 920 921 922 923 924 925 926 927 928 929 930 931 932 933 934 935 936 937 938 939 940 941 942 943 944 945 946 947 948 949 950 951 952 953 954 955 956 957 958 959 960 961 962 963 964 965 966 967 968 969 970 971 972 973 974 975 976 977 978 979 980 981 982 983 984 985 986 987 988 989 990 991 992 993 994 995 996 997 998 999 1000





اعشى همدان م: ٣٨٣، ٤: ١٩٣؛

اعصم بن سعد بن قيس عيلان (هو ابواهلة) ٤: ٢٥٤، ٩: ٣٠٦؛

الاعلم بن جرادثة السعدي ٩: ٥؛

الاعلم بن عقيل الجاهلي - ملاحظه الحرب بن عقيل

أزاعلم الخذلاني (هو حبيب بن عبد الله) ١: ٣١، ٥٥، ٢٨٨، ٣٠٨، ٣: ١١٥؛

٣٢٤، ٣: ١٨٥، ٣: ١٩٩، ٥: ٢١٠، ٢٢٤، ٢٣٥، ٢١٨، ٤: ٢٥١؛

٤: ٢١٣، ٣٦٣، ١: ١٠١، ٣٦٠، ٣: ٣٤٣، ٣: ٣٥٢، ٢: ٢٠٢؛

٣٥٨، ٤: ٢٢٩، ٢٢١، ٣٢٣، ١٨: ٤٥، ٩: ١٥٩، ٣٠: ١٢؛

الاعور بن براء ٣: ٢٢، ١٨: ١٢؛

الاعور الشقي ٤: ٨٥، ١٨: ١٠١، ٣٠: ٢١٥ (؟)؛

الاعور الكلبى ٥: ١١٤؛

الاعور النخاني ٨: ٨٣، ٤: ٢١٥، ٢١٦؛

الآخر بن عبد الله بن الحارث ١٤: ١٣٤؛

الاعلى العجلي ١: ٢٢٣، ٢٣١، ٣٢٥، ٣٤٣، ٣: ٣٠٥، ٣٣٤، ٣٨٨؛

٣: ٢٣٤، ٣٣٨، ٥: ٤٣ (؟)، ٢٠١، ٣٠٤، ٣٢٦، ٤: ٣٥٠، ٣٣٥؛

٤: ١١٤، ١٥٥، ٨: ٣٠٣، ٣١٣، ١٠١، ٩: ٨٣، ١٢٥، ١٢٥، ١٠١؛

٣٤٦، ١: ٣٢، ٢٠٦، ٣: ٢٣١، ٣٢٢، ٣٢٣، ٣: ٢١٣، ٣: ٢١٣؛

١٥: ٤٣، ١٠٣، ٣٢٤، ٣٢٣، ٣٢٣، ٣٢٣، ٣٢٣، ٣٢٣، ٣٢٣، ٣٢٣؛

٢٢٣، ٤: ٢٢، ١٩١، ١٨: ١٢١، ٢١٢، ٩: ١٤٠، ٣٦٨، ٣٠: ٢٠؛

٢٤٠، ٢٦٢

أفون التليقي ٣: ١٢٠، ٣: ٢٢٩، ٣: ٢٢٣، ٤: ٣٦٣، ٩: ٣٦٣؛

٢٨٥، ٣٠: ٢٨٥











أَنَسُ بْنُ مَدْرِيثَ (أَوْ مَدْرِيكَةَ) الْخَثْعَمِيَّ ٥ : ١٤٨، ١٥ : ٢٥٩، ١١ : ١٦٦؛

(أَتَغَانِي وَخِزَانَةُ : مَدْرِيكَةُ، كِتَابُ الشَّعْرِ : مَدْرِيكُ،

أَنَسُ بْنُ نَهْيَكٍ ٣ : ٣٣٣؛ (نَهْيَكُ كَيْ بَجَلْتِ نَهْيَكُ بِرُضْنَا جَائِي)

أَنَسُ بْنُ أَبِي نَوَاسٍ الْحَارَبِيُّ ٥ : ١١٨؛

الْأَنْصَارِيُّ ٢ : ٢٨٢، ٥ : ٣٨٤، ٤ : ٣٨٢، ١٤ : ٢٥، ٢٠ : ٢٦٢؛

أُتَيْفُ بْنُ جَبَلَةَ ٣ : ١٣٠، ١٥ : ٣٨٤؛

هَاشِبُ بْنُ عُمَيْرٍ ١ : ١٤٤، ٤ : ٢٤٢، ٣ : ١٣٩؛

الْأَهْثَمُ بْنُ سُمَيٍّ الْمُنْقَرِي ٤ : ٢٠٣؛

أَوْسُ (؟) ١ : ١٨١، ٣ : ١٢٠، ٤٨٠، ٣٩٥، ٣ : ٩٩، ١٩٨، ٣٣٣، ٣٩٣؛

٥٨١، ٢٦٤، ٣ : ١٢٠، ١٤٩، ١٩٢، ٥ : ٣٤٦، ٤ : ١٣٩، ١٥٢، ١٤٠، ٢٢٦؛

٥٨١، ٤ : ٣٥٢، ٨ : ٣٠٨، ٣٣٥، ٩ : ١٢٦، ١٢٠، ٢٨٤، ٥ : ١٠٩، ١١٨، ١٨٩؛

٥٨١، ٥٣٥، ١١ : ١٥، ١٤٨، ١٢ : ٩٩، ١٢٣، ٢٢٥، ٣ : ١٤، ٦٤، ١٢٥، ١٩١؛

٢١٠، ٢٢٨، ٢٢٩، ٢٤٥، ٣٩٤، ٣٨٨، ٣٨٩، ٣٤٦، ٥٨١، ٣ : ١٤٢؛

١٦٥، ٢١١، ٢٢٦، ٣٤٥، ٥ : ٢٠٠، ٢١٢، ٣١٠، ٣٣٩، ٣٤٦، ٣٩٨، ٣ : ١٦٦؛

١٨١، ١٨٢، ٤ : ١٨، ١٢١، ٢٣١، ٢٤٢، ٣٢٨، ٣٨٨، ١٨ : ١٤٥، ٣١٠؛

٩ : ٣٣٣، ١٠٦، ١٥٨، ١٨٥، ١٨١، ٣١٤، ٣٥٤، ٣٦٤، ٣٠ : ٣٠٥؛

٢٥٥، ٢٨٣، ٢٢٠، ٣٥١؛

أَوْسُ بْنُ حَارِثَةَ بْنِ لَوْثُمٍ الطَّائِي ٢ : ٢٢٢؛

أَوْسُ بْنُ حَجَّاجٍ ١ : ٢٤٤، ٢٠٤، ٢٢٥، ٢٩٤، ٢١٢، ٣٣٣، ٣٠٢، ٢ : ٥٦؛

٦١، ٨٠، ١٩٨، ٢١٢، ٢٢٦، ٢٤٨ (؟)، ٢٨٠، ٣ : ٣٤، ٢٦، ١١٠، ٢٨٦؛

٣ : ٥٢، ١٩٩، ٢٠٢، ٢٦٣، ٥ : ١٦١، ٢٢٣، ٢٨٥، ٣٤٤، ٣٠٢؛



أَيُّمَنَ بْنِ حُمَيْدٍ الْأَسَدِيِّ ۹: ۲۶۱، ۱۴: ۵، ۱۵: ۷۳، ۳۸۸؛  
 أَيُّوبُ بْنُ عَبَّادَةَ (أَوْ عَبَّادَةَ) ۹: ۲۲۲، ۸: ۳۶۷، ۱۳: ۸۰، ۳۳۵،  
 ۴۲: ۱۴ (أَتَانِي مِنْ عَبَّادَةَ كَمَا سَجَ)

## ب

بَاعِثُ بْنُ مَرْيَمَ الشَّكْرِيِّ ۱۳: ۳۲۳، ۱۵: ۳۸۲ (؟)؛  
 الْبَاهِلِيُّ ۴: ۱۱۳، ۶: ۲۵۹، ۷: ۳۰، ۱۳: ۵۱۹، ۱۸: ۳۳، ۱۹: ۲۷۹؛  
 بُنَيَّةُ ۱۹: ۲۹۲؛  
 الْبُنَيَّةُ الْهَذَلِيُّ ۳: ۲۷۹، ۸: ۴۲، ۱۳: ۵۶؛  
 بُجَيْرُ بْنُ نَهْشِيرٍ الْمُرْتَضِيُّ ۳: ۳۳۳؛  
 بُجَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَمَةَ الْقَشِيرِيُّ ۴: ۴۳۹؛  
 بُجَيْرُ بْنُ عَنَمَةَ الطَّائِي ۱۵: ۱۸۹ (؟)، ۲۰: ۳۴۷، (عَنَمَةُ كَيْ بَلَغَتْ عَنَمَةَ  
 بِرْمَا جَابِيَةً)  
 بُجَيْرُ بْنُ أَرْثَى بْنِ حُجْرٍ ۱۳: ۱۸۴؛  
 الْبُخْتَرِيُّ الْجَعْدِيُّ ۱۳: ۱۶۴؛  
 بَخْدَجُ ۵: ۱۸، ۱۹، ۲۶، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۴۴، ۱۴: ۱۷۵، ۱۸: ۸؛  
 بُدْرُ بْنُ حَمْرَاءَ الْقَيْسِيِّ ۶: ۴۴۵؛  
 الْبُودَرُ السَّامِيُّ ۱۰: ۳۳۴، ۱۳: ۲۶۳، ۱۶: ۹۳؛  
 بَدْرُ بْنُ عَامِرٍ الْهَذَلِيُّ ۳: ۲۳، ۷: ۲۲۰، ۹: ۱۷۰، ۱۹: ۲۲۸، ۱۷: ۷۷؛  
 بَدِيعُ الزَّمَانِ ۳: ۶۷؛  
 الْبَرَاءُ بْنُ عَائِبِ الصَّنَبِيِّ ۱۹: ۱۳۸؛  
 ابْنُ بَرَاقَةَ الْهَمْدَانِيُّ ۳: ۸۹، ۹: ۲۲۴؛

الْبُرْج بن مُسْهِر الطائِي : ۱۰ : ۱۲۷ : ۱۱ : ۳۷۳ : ۲ : ۱۱۴ : ۱۱ : ۱۸۵۰ : ۶۹ : ۶۹ : ۲۰

الْبُرْجِي : ۱۱ : ۱۹۷ :

الْبُورْدَة : ۵ : ۲۳۲ :

الْبُرْقِي الْهَذَلِي : ۱ : ۲۱۰ : ۲۹۸ : ۴۶۸ : ۲ : ۱۴۲ : ۳ : ۱۹۱ : ۵ : ۱۵۱ :

۴ : ۲۱۲ : ۸۰ : ۷ : ۱۶۵ : ۴۰۵ : ۱۰ : ۱۲۲ : ۱۱ : ۳۲ : ۱۱۴ : ۱۱۵ :

۱۴۵ : ۱۲ : ۳۳۲ : ۱۵ : ۳۴۹ : ۳۵۶ : ۱۴ : ۱۲۰ : ۵۰ : ۱۹ : ۱۰۱ : ۱۴۹ :

بَشَامَة بن حَنْزَل : ۸ : ۳۹۷ : (بَشَامَة کی بجائے بَشَامَة پڑھنا چاہیے)

بَشَامَة بن الْعَدْبِير : ۹ : ۱۶۴ : (بَشَامَة کی بجائے بَشَامَة پڑھنا چاہیے)

بَشَار : ۱ : ۱۷۵ : ۴ : ۴۵۷ : ۷ : ۳۶۵ : ۹ : ۱۷ : ۱۳ : ۲۰ : ۲۶۷ : ۲ : ۱۹۲ : ۱۹ :

بَشَار بن يَزِيد : ۱ : ۲۳ : ۴۲۷ : ۱۱ : ۲۲۶ : (بَشَار کی بجائے بَشَار پڑھنا چاہیے)

بَشَامَة بن حَرِي النَّمَشَلِي : ۱۹ : ۲۴۷ :

بَشَامَة بن حَزْن النَّمَشَلِي : ۱۳ : ۱۲۳ : ۳۰ : ۲۱ : (بَشَامَة کی بجائے بَشَامَة پڑھنا چاہیے)

بَشَامَة بن الْعَدْبِير النَّمَشَلِي : ۱۳ : ۲۵۰ : ۲۷۱ : (بَشَامَة کی بجائے بَشَامَة پڑھنا چاہیے)

بَشَار : ۱ : ۲۲۸ : ۱۹ : ۲۴۱ : ۳۳۴ : ۴ : ۹۰ : ۱۶۳ : ۲۴۲ : ۳ : ۳۱۷ :

۳۴۸ : ۴ : ۲۶۴ : ۵ : ۲۲ : ۲۳ : ۳۷۰ : ۴ : ۲۳۶ : ۳۳۲ : ۳۰ : ۳۳۸ :

۷ : ۱۰۳ : ۱۰۴ : ۲۴۴ : ۸ : ۲۸۷ : ۲۸۸ : ۳۴۹ : ۳۶۵ : ۹ : ۲۴۲ : ۲۴۵ :

۳۰ : ۱۰ : ۱۵ : ۱۶۴ : ۹۸ : ۱۱۹ : ۱۱ : ۱۲۹ : ۷۷ : ۲۳۴ :

۳ : ۳۲ : ۳۸۵ : ۱۴ : ۱۶۳ : ۷۷ : ۳۵۱ : ۱۵ : ۱۸۸ : ۱۸۹ : ۱۹۳ :

۱۹۸ : ۲۲۹ : ۲۳۷ : ۳۸۷ : ۱۰ : ۱۳۱ : ۱۴ : ۶۱ : ۱۴۱ : ۷ : ۳۲۴ :

۱۸ : ۲۵۱ : ۲۷۰ : ۲۷۳ : ۲۸۴ : ۹ : ۲۳ : ۸۴ : ۱۴۸ : ۲۲۱ : ۲۰ : ۳۷۱ :

۲۳۸:

بشر بن ابی خازم الأسدی: ۱۳۵، ۲۱۷، ۲۵۳، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۸۲، ۴: ۲۹،  
 ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۶۹، ۲۳۹، ۲۴۰، ۳۰۵، ۳۷۷، ۳۳۸: ۳،  
 ۲۴۹، ۲۳۸، ۲۵۳، ۳۹۰، ۴۰۱، ۵: ۸، ۳۵۹، ۴: ۹۱، ۲۰۶، ۲۹۸،  
 ۳۰۵ (۹)، ۳۲۸، ۳۳۸، ۴: ۷۰، ۱۰۵، ۱۲۹، ۳۳۳ (۹)، ۳۸۸، ۳۳۳،  
 ۸: ۱۴۹، ۱۶۰، ۹: ۲۵، ۳۷۰، ۴۹۷، ۱۰: ۹۸، ۲۵۳، ۱۵۱،  
 ۱۱: ۳۰، ۴۵، ۴۸، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۷۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۴۱۰، ۴۱۰: ۳، ۲۵۹،  
 ۲۷۸، ۲۸۰، ۳: ۱۶۸، ۱۵: ۱۰، ۳۲، ۱۰۱، ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۲۹، ۳۳۳،  
 ۲۹۱، ۳۸۲، ۴: ۳۵، ۳۲۲، ۱۲۱، ۱۴۰، ۳، ۱۸، ۳، ۴، ۱۹: ۱۹،  
 ۲۱۹، ۲۸۱، ۲۹۹، ۳۲۰، ۴۰: ۴۵، ۶۹، ۱۶۹، ۱۸۹، ۲۸۱، ۳۰۴،

(نیز ملاحظه ہو بشر)

بشر بن سفیان الراسبی: ۸: ۷،

بشر بن المعتمر: ۳۲۸، ۸: ۲۶۰، ۱: ۲۸۹،

بشر بن المغيرة بن المهلب بن ابی صفرة: ۱۰: ۳۶،

بشر بن النکث: ۱۰: ۳۱۰، (نیز ملاحظه ہو بشیر بن النکث)

بشیر بن ابی حمام العبسی: ۹: ۱۷۳،

بشیر بن عبد الرحمن بن کعب بن مالک الانصاری: ۷: ۳۰۷، ۱۹: ۲۶۲،

(بشر کی بجائے بشیر پڑھنا چاہیے)، ۴۰: ۸۱،

بشیر الفزری: ۱۵: ۹۱،

بشیر الفرمیری: ۱۱: ۲۰۷، ۱۶: ۱۵۷، ۷: ۲۲۵، ۱۸: ۱۹۹،

بشیر بن النکث: ۴: ۳۱۷، ۵: ۳۷۳، ۹: ۳۵۴، ۱۱: ۱۱، ۱۲: ۲۸۱،

۱۸: ۲۸۲؛

البعیث بن عمرو بن مُرَّة بن وُی بن زبید بن مُرَّة الشُّکری ۷: ۱۹۴؛

(البعیث کی بجائے النعیت پڑھنا چاہیئے: معجم الشعراء)

الْبُعَيْثُ الْمُجَاشِعِيُّ (هُوَ خِدَاشُ بْنُ بَشْرِ) ۷: ۳۸۱، ۷: ۳۵۴، ۳۵۴؛

۳۹۵، ۴۲۲، ۴۳۰: ۲۶۹، ۳۹۲، ۴۰۴، ۴۱۳، ۴۲۰: ۳۶۴، ۳۶۵؛

۷: ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰: ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳؛

۹: ۳۵، ۳۵۹، ۴۰۸، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰: ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳؛

۱۹: ۲۹۲، ۱۱۳: ۲۵۲، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰: ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳؛

۱۴: ۳۵۳، ۱۵: ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰: ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳؛

۷: ۹۶، ۱۳۰، ۴۲۷، ۴۲۸: ۱۱۱، ۳۱۷، ۳۱۸: ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱؛

بُعْثَرُ بْنُ لَقِيطٍ ۱۰: ۱۱۵؛

الْبُعَيْثُ الْجُمَيْيُّ ۱۵: ۳۲۶؛

ابوالبقرات النخعی ۱۴: ۲۷۶؛

بُعَيْثَةُ الْاَكْبَرُ (ابوالمُنْهَالُ الشَّجَعِيُّ) ۱۴: ۴۸۶؛ (نیز ملاحظہ ہو بُعْیَةُ الْاَكْبَرُ

اور ابوالمُنْهَالُ)

ابوبکر بن الاسود — ملاحظہ ہو۔ ابن شعوب اللیثی

بکر بن زبید القُشَیْرِيُّ ۱۴: ۴۳۶؛

ابوبکر الصّدِّیق (رض) ۴: ۲۰۱، ۱۵: ۱۷۲؛

بُکَیْرُ أَصَمِّ بْنِ الْحَرِثِ بْنِ عِبَادٍ ۱۰: ۳۵۱؛

بلال (رض) ۱۴: ۱۲۷، ۴۲۹، ۴۳۰: ۲۲۴؛

بلال بن جریر ۱۴: ۱۵۵، ۱۰: ۴۶، ۴۷: ۳۳۹؛



بَلْعَاءُ بْنُ قَيْسٍ ٧ : ٨١ ؛

الْبَوْلَانِي ١١ : ٢٢٥ ، ٣ : ١٦٠ ، ١٤٥ ، ٢٧٥ ، ٥٠٧ ، ١٢٩ : ١٨ ، ١٠٢ ، ٨٦ ؛

بَيْهَسُ بْنُ صَرْبِيمَ الْجَزْمِي ٨ : ٤ ؛

بَيْهَسُ بْنُ مَهْدِيٍّ ، أَبُو الْمُقْدَامِ ٣ : ٣٦٥ ، ٤ : ١٨٠ ؛

بَيْهَسُ الْعُدَيْرِي ٣ : ٣٤٢ ؛

## ت

تَابِطُ شَرًّا ١ : ٩٧ ، ٢٧٢ ، ٣٥٠ ، ١٤٢ ، ٢٧٤ ، ٣ : ٢١٩ ، ٢٣٩ ، ٢٩٤ ، ٢٧٢ ؛

٣ : ٢٨٣ (؟) ، ١٢٦ (؟) ، ٣١٣ ، ٣٨٤ ، ٥ : ١٨٦ ، ١٩٧ ، ٧ : ٣٠٠ ؛

١٨٠ ، ٤ : ١٢٢ ، ٢١٩ ، ٨ : ٢٤٨ ، ٩ : ٥٤ ، ١٥٩ ، ١٠٠ ، ١٥٠ ؛ ٢٥ ؛

١١ : ١٠٢ ، ١٨٢ ، ٢٧٣ ، ٢٢٢ ، ٢ : ٨٢ ، ١٥٦ ، ٣٢٤ ، ٣٧٠ ، ٣ : ١٠٢ ؛

٩٦ ، ٢١٢ ، ٢٢٣ (؟) ، ٣٠٣ ، ٣٠٦ ، ٣٧٢ ، ٣٤٤ ، ٣٨٥ ، ٣٧٤ ، ٢٧٤ ؛

١٣٥ ، ١٠٥ ، ٢١٢ ، ٢١٤ ، ٣٥٠ ، ٥ : ٣٠١ (؟) ، ١٧٩ ، ٤ : ٨٠ ؛

١٥٠ ، ١٤٥ ، ١٨٠ ، ١٨ : ٤٤ ، ٩ : ١٠١ ، ٢١٢ ، ٢٤٦ ، ٣٥٩ ، ٢٠ : ١٦١ ؛

٢٠٣ ؛

أُحْتُ تَابِطُ شَرًّا ١٥ : ١٢٤ ؛

مُحْتَم تَابِطُ شَرًّا ٢ : ١٥٩ ، ١٢٧ ؛

تَبِيعَ ١ : ٢١٣ ، ٢٢٨ (؟) ، ٢٥٢ ، ١٢٥ ، ٣٦٨ ؛

التَّغْلِي ١ : ٣٠٠ ، ٣ : ٣٦٣ ، ٧ : ٢٨٢ ، ٩ : ٣٢٢ ، ٢٠ : ٢١٤ ؛

تَكَلَّمَ نَبْتُ الْفَوْثِ ١٨ : ٧ ؛

أَبُو تَمَّامٍ ٤ : ٢٦ ، ٢٠ : ٣٢٢ ؛

نَصِيبٌ ٧ : ١٩٨ ، ٩ : ٢٥٠ ؛

تمیم بن ابی بن مقبل ۱۲: ۱۳، ۳۱۳: ۲۸۵؛

تمیم بن الحمر بن عامر بن عبد شمس ۱: ۳۵، ۱۳: ۶۸؛

تمیم بن مقبل — ملاحظہ ہوا بن مقبل

التیمی ۱۰: ۲۳۲، ۲۰: ۱۵۹؛

النوأم الیشکری ۸: ۴۸؛

توبة بن الحمير ۳: ۳۶۰، ۵: ۱۳۲، ۶: ۲۰۲، ۹: ۳۳۶، ۳۵۵؛

توبة بن مضرس العبسی ۱۳: ۱۲؛

الوتوبة — ملاحظہ ہوا بن حفص

تیم ۱۲: ۸۶؛

التیمی ۴: ۲۶۹؛

## ث

ثابت بن قطنہ ۱۰: ۱۰۴؛

ثروان العکلی ۱۳: ۸؛

ثعلب بن صعیر المازنی ۱۵: ۱، ۱۷: ۱ (ثعلب کی بجائے ثعلبة پڑھنا چاہیے۔ نیز ملاحظہ

ہو ثعلبه بن صعیر)

ثعلب بن عبید ۱: ۳۹، ۲۰: ۱۶؛ (نیز ملاحظہ ہو ثعلبة بن عبید)

ثعلب بن عمرو العبدي ۱۳: ۱۰۶؛ (ثعلب کی بجائے ثعلبة پڑھنا چاہیے۔ نیز

ملاحظہ ہو ثعلبة بن عمرو)

ثعلب بن أوس الکلابی ۹: ۴۲۱، ۴۲۳؛

ثعلبة بن صعیر (او صعيرة) المازنی ۶: ۴۶۳، ۹: ۴۵۲، ۱۳: ۱۷۹، ۱۷۹؛

۳۵۳، ۱۸: ۴۱۴، ۳۱: ۲۰، ۱۱۹: ۳۰۶؛

تعلية بن عبید العدوی ۱: ۶۹، ۲: ۸۸، ۳: ۱۶، ۴: ۱۹، ۵: ۱۱، ۶: ۶۶؛

ثعلبة بن عمرو ١٣ : ١٥٥ : ١٨ : ٢٠٦ :

ثمامة بن المخاض السدوسي ٣: ١٢٠٦: ٢٥٥؛

جایزہ ۱۲: ۲۶۵:

ابن حبان ۴ : ۵۰۹ :

جواب اخوی بنی معاویہ بن بکر التغلبی ۱۲: ۵۱؛

جابر بن الثعلب (الطائي) ٤ : ٢٠٦ :

جابر الثقلي (١٥): ٢٧٤؛ (نیز ملاحظہ ہو جابر بن حنی)

جابر بن حُرَيْث ١٤: ١٨٥؛

جابر بن حنی الثعلبی ۴: ۱۰۵: (الثعلبی کی سبائے الثعلبی پڑھنا چاہیے، معجم الشعر<sup>۱</sup>

ص ۲۰۷، کتاب الشعراء

جابر بن ترائان لأن السِّنْبِيَّ ٩: ٥٤:

جامر بن سَحَبِيم (بن وَثِيل) ۸ : ۴۷۱ م (۹۵ : ۱۵۰)؛

جارية بن بكر، ١٩: ٢١٨:

جامع بن مُرْخِيَّةَ الْكَلَابِي م: ١٥٨ (٩) ١٠٣؛

جَبَلَة : ۱۰۹ : ۱۰۹ : ۱۰۹

جَيِّتُهَا الْأَسَدِي ٥ : ٣٠٣ : ٣٠٢ :

جُبَيْهَا الْأَسْمَقِي ١٥ : ٢٠٢ : (نيز ملاحظه ہو جائیگا کہ اس شعبی)

جَبِيْهَا الشُّجْعَى ۛ : ۛۛۛ ، ۛۛۛ : ۛۛۛ ، ۛۛۛ : ۛۛۛ ، ۛۛۛ : ۛۛۛ ، ۛۛۛ : ۛۛۛ ، ۛۛۛ : ۛۛۛ

جَنَامَةُ اللَّيْنِيِّ ٢٠ : ٩٠ ؛









الْجَمُوحُ الْهَذَلِيُّ ٢ : ٣٣٦ (؟) ، ١٥٠ : ٢٩٨ ؛

الْجَمِيْعُ ١ : ٣٣٨ ، ٣٥ : ٣ ، ٣٤٥ : ٤ ، ٢٤٨ : ٣ ، ١٣٨ : ٩ ، ٣٥٣ : ١٥٤ ؛

الْجَمِيْعُ بْنُ سُدَيْدِ التَّغْلَبِيِّ ١٨ : ٢٩٠ ، ١٩ : ٦٨ ؛

الْجَمِيْعُ بْنُ الطَّقَّاحِ الْوَسْدِيُّ (؟) ١٨٨ : ٣ ، ٢٨٨ : ٩ ، ٢١٨ : ٣ ، ٢٢٢ : ١٨ ؛

١٨ : ١٥١ ، ١٩٨ (؟) ؛

الْجَمِيْعُ بْنُ مُنْقِذٍ ١ : ٢٤٨ ، ٣١٨ ؛

جَمِيْلُ (؟) ١ : ١٢١ ، ٢ : ٢٤٥ ، ٣٥٨ : ٣ ، ٢٨ : ١٣٨ ، ٣٨٩ : ٣ ، ٢٢٨ : ١٥٠ ؛

٢٩٤ : ٥ ، ٢٤٩ : ٤ : ٣٣٩ ، ٢٢٩ ، ١٥٠ : ٢٢٨ ، ٢٤٠ ، ٢٤٤ : ١٢٠ : ٣٠ ؛

٢٢٢ ، ٢٢٢ ، ٢٢٢ (؟) ٢٤٣ ، ٢٤٣ : ٣ ، ٢٤٣ : ١٢٤ ، ٣٨٨ : ١٥٠ : ٢٢٢ ؛

١٩ : ١٩٠ ، ٤ : ١٤٢ ، ١٤٢ : ٣٢٤ ، ٢٢٤ : ٢٢٤ ، ١٨ : ٢٢٢ ؛

٢٩٨ ، ١٩ : ٢٦٠ ، ٣٤٥ : ٢٠٠ : ١٤٤ ؛

جَمِيْلُ بْنُ مَرْثَدِ الْمَعْنِيِّ ٣ : ٣٢٢ ؛

جَمِيْلُ بْنُ مَعْمَرٍ ٣ : ١٩١ (؟) ، ١٢ : ١٨٣ ، ١٢ : ١٨٣ ، ١٤ : ٢٢٢ ؛

جُنَادَةُ بْنُ عَامِرٍ ٩ : ٣٤٣ ، ١٢ : ١٦٣ ، ١٥ : ٨٨ ؛

ابْنُ حُبْدَاقٍ ٣ : ٣٣٣ ؛

ابْنُ حُبْدَاقٍ الْهَذَلِيُّ ٣ : ٢٢ ، ٨٥ : ٥ : ٣٣٤ ، ٩ : ٢٨ ، ٤ : ٢٣٤ ، ٩ : ٢٨٢ ؛

١٥٣ : ١١ : ٢٠٠ ، ١١٥ : ٢٢٨ ، ١٢٠ : ١٥٠ : ٢٨٠ : ١٥ : ٢٥٢ ، ٣٣٣ ، ١٣٣ ؛

٤ : ٢٢٨ ، ٢٢٨ : ١٨ : ١٩٥ : ٢٩٢ : ١٩ : ٥٨ ؛

حَبْدَلُ (؟) ١ : ٢٢٨ ، ٢ : ١٥٩ ، ٣ : ٣٩ ، ٣٩ : ٢٢٨ ، ٢٠٩ : ١٠٢ ؛

١٤٠ : ٢٢٨ ، ٢٠٩ : ٥ : ١٨٢ ، ٤ : ١٥١ ، ١٤٥ : ٤ : ٣٤٨ : ٨ : ١٣٨ ؛

٩ : ٢٢٩ ، ١٥ : ٣٢١ ، ١٢ : ٢٤٤ ، ٢٤٤ : ٢٥٤ ، ٢٤٠ : ٢٢٨ : ١٠٤ ؛





جَوَّاسُ بْنُ قُطَلٍ ٩: ١٥٥، ١٥: ٢٠٨؛

جَوَّاسُ بْنُ نُعَيْمٍ الضَّبِّيُّ ١: ٥٨؛

جواس بن نعيم (احد بني الهُجيم بن عمرو بن تميم) المعروف بابن ام نهاس

١٢٢:١٩

جَوَابُهُ: بن عبد الرحمن بن عبد الله بن الجراح ١٤: ٩٥؛

جُؤِيَّةٌ م: ٣١٨؛

جَوِيَّةُ بْنُ عَائِذِ النَّصْرِيِّ ٨: ٣٠٢، ٣١١؛

2

حاتم - ملاحظہ ہو حاتم الطائی

ابوحاتم ۱۸: ۱۴۶؛

### حاتم بن حِیَّاش ۵۱: ۶۰؛

حاتم الطائي ٢ : ١٤٥، ١٠٣، ٩١، ٨٧، ٦٣، ٤٣، ٣٠٠، ٢٧٣، ١٨٠، ٣١٨.

5:10 q1, a r: A, p a1 (9) 4 -: 2, p q r, p r a, p r r, q r r: 4

11: 123, 142, 134, 125, 144, 135, 145, 136, 146, 137, 147, 138, 148, 139, 149, 140, 150, 151, 152, 153, 154, 155, 156, 157, 158, 159, 160, 161, 162, 163, 164, 165, 166, 167, 168, 169, 170, 171, 172, 173, 174, 175, 176, 177, 178, 179, 180, 181, 182, 183, 184, 185, 186, 187, 188, 189, 190, 191, 192, 193, 194, 195, 196, 197, 198, 199, 200, 201, 202, 203, 204, 205, 206, 207, 208, 209, 210, 211, 212, 213, 214, 215, 216, 217, 218, 219, 220, 221, 222, 223, 224, 225, 226, 227, 228, 229, 230, 231, 232, 233, 234, 235, 236, 237, 238, 239, 240, 241, 242, 243, 244, 245, 246, 247, 248, 249, 250, 251, 252, 253, 254, 255, 256, 257, 258, 259, 260, 261, 262, 263, 264, 265, 266, 267, 268, 269, 270, 271, 272, 273, 274, 275, 276, 277, 278, 279, 280, 281, 282, 283, 284, 285, 286, 287, 288, 289, 290, 291, 292, 293, 294, 295, 296, 297, 298, 299, 300, 301, 302, 303, 304, 305, 306, 307, 308, 309, 310, 311, 312, 313, 314, 315, 316, 317, 318, 319, 320, 321, 322, 323, 324, 325, 326, 327, 328, 329, 330, 331, 332, 333, 334, 335, 336, 337, 338, 339, 340, 341, 342, 343, 344, 345, 346, 347, 348, 349, 350, 351, 352, 353, 354, 355, 356, 357, 358, 359, 360, 361, 362, 363, 364, 365, 366, 367, 368, 369, 370, 371, 372, 373, 374, 375, 376, 377, 378, 379, 380, 381, 382, 383, 384, 385, 386, 387, 388, 389, 390, 391, 392, 393, 394, 395, 396, 397, 398, 399, 400, 401, 402, 403, 404, 405, 406, 407, 408, 409, 410, 411, 412, 413, 414, 415, 416, 417, 418, 419, 420, 421, 422, 423, 424, 425, 426, 427, 428, 429, 430, 431, 432, 433, 434, 435, 436, 437, 438, 439, 440, 441, 442, 443, 444, 445, 446, 447, 448, 449, 450, 451, 452, 453, 454, 455, 456, 457, 458, 459, 460, 461, 462, 463, 464, 465, 466, 467, 468, 469, 470, 471, 472, 473, 474, 475, 476, 477, 478, 479, 480, 481, 482, 483, 484, 485, 486, 487, 488, 489, 490, 491, 492, 493, 494, 495, 496, 497, 498, 499, 500, 501, 502, 503, 504, 505, 506, 507, 508, 509, 510, 511, 512, 513, 514, 515, 516, 517, 518, 519, 520, 521, 522, 523, 524, 525, 526, 527, 528, 529, 530, 531, 532, 533, 534, 535, 536, 537, 538, 539, 540, 541, 542, 543, 544, 545, 546, 547, 548, 549, 550, 551, 552, 553, 554, 555, 556, 557, 558, 559, 560, 561, 562, 563, 564, 565, 566, 567, 568, 569, 570, 571, 572, 573, 574, 575, 576, 577, 578, 579, 580, 581, 582, 583, 584, 585, 586, 587, 588, 589, 590, 591, 592, 593, 594, 595, 596, 597, 598, 599, 600, 601, 602, 603, 604, 605, 606, 607, 608, 609, 610, 611, 612, 613, 614, 615, 616, 617, 618, 619, 620, 621, 622, 623, 624, 625, 626, 627, 628, 629, 630, 631, 632, 633, 634, 635, 636, 637, 638, 639, 640, 641, 642, 643, 644, 645, 646, 647, 648, 649, 650, 651, 652, 653, 654, 655, 656, 657, 658, 659, 660, 661, 662, 663, 664, 665, 666, 667, 668, 669, 670, 671, 672, 673, 674, 675, 676, 677, 678, 679, 680, 681, 682, 683, 684, 685, 686, 687, 688, 689, 690, 691, 692, 693, 694, 695, 696, 697, 698, 699, 700, 701, 702, 703, 704, 705, 706, 707, 708, 709, 710, 711, 712, 713, 714, 715, 716, 717, 718, 719, 720, 721, 722, 723, 724, 725, 726, 727, 728, 729, 730, 731, 732, 733, 734, 735, 736, 737, 738, 739, 740, 741, 742, 743, 744, 745, 746, 747, 748, 749, 750, 751, 752, 753, 754, 755, 756, 757, 758, 759, 760, 761, 762, 763, 764, 765, 766, 767, 768, 769, 770, 771, 772, 773, 774, 775, 776, 777, 778, 779, 780, 781, 782, 783, 784, 785, 786, 787, 788, 789, 790, 791, 792, 793, 794, 795, 796, 797, 798, 799, 800, 801, 802, 803, 804, 805, 806, 807, 808, 809, 810, 811, 812, 813, 814, 815, 816, 817, 818, 819, 820, 821, 822, 823, 824, 825, 826, 827, 828, 829, 830, 831, 832, 833, 834, 835, 836, 837, 838, 839, 840, 841, 842, 843, 844, 845, 846, 847, 848, 849, 850, 851, 852, 853, 854, 855, 856, 857, 858, 859, 860, 861, 862, 863, 864, 865, 866, 867, 868, 869, 870, 871, 872, 873, 874, 875, 876, 877, 878, 879, 880, 881, 882, 883, 884, 885, 886, 887, 888, 889, 890, 891, 892, 893, 894, 895, 896, 897, 898, 899, 900, 901, 902, 903, 904, 905, 906, 907, 908, 909, 910, 911, 912, 913, 914, 915, 916, 917, 918, 919, 920, 921, 922, 923, 924, 925, 926, 927, 928, 929, 930, 931, 932, 933, 934, 935, 936, 937, 938, 939, 940, 941, 942, 943, 944, 945, 946, 947, 948, 949, 950, 951,

١٠ : ٢١ : ٣٤ : ٥٨ : ٩٦ : ١٥٧ : ٢٥٣ : ٣٩٩ : ٦١٦ : ٩٦٥

[illegible]

حائِمِ مَدْرِك ۹: ۱۱۵؛

حاجب بن حبيب الأسدي (۱: ۳۱۶)؛

حاجب بن زُبَّان ۱۰: ۹۵:

حاجب القیل ۱۶: ۲۲۴؛

حاجب المازني (١ والمزني) ٣: ١٥٥، ٣٨٦، ١٤: ٢٢١؛

حاضر السروى ٣: ٢٢٣، ١٢: ٢٢٣؛

حاجز بن الجعد ٨: ٢١٢؛ (تأج العروس ٣: ٣٢٨ حاجز بن الجعيد)

حاجز بن الجعيد الأندلسي ١٠: ٢٢٣، ٣٢٣؛

حاجز بن عمت ٩: ٣ (٩)؛

الحارثة الغطافني (هو قنينة بن ادس) ٥: ١٩٨، ٣٦٦، ٤: ٣٦٨، ٩: ٥٩، ٢٥٩؛

١٥: ١١٣، ١٨: ٢٦٤؛

الحارث ١٩: ٣٥٤؛

الحارث بن أمية ٣: ٣٢٦؛

الحارث الجرهني ١٦: ٢٦٣ (٩)؛

الحارث بن حلزة ١: ٣٢٢، ٣٨٣، ٣٢٦، ٣: ١٠١، ١٢٠، ١٥١، ١٩٦، ٢١٦، ٢٥٥؛

٢٤٦، ٣٠٨، ١٢٠، ٥: ٤٨، ٢٠٨، ٣٠٨، ٩: ١١، ٣٠٣، ٣٠٥، ٣٠٨، ٣٠٨؛

٤: ١٩٥، ٨: ١٠٩، ١٦٢، ٢٢٥، ٢٥١، ٣١٢، ٣٢٦، ٣٠: ١٥، ١٨٥، ٢٨٥، ٣٢٠؛

٣٣١، ١١: ٣٦، ٤٩، ١٢: ٣٠، ١٢٣، ١٦٩، ١٩١، ٢٢٤، ٣٤٨، ٣: ١: ٢٨٩؛

٣٩٨، ٥: ٢٢٠، ٢٢٢، ٩: ٣٤، ٤: ١٦٣، ٢٨٣، ٨: ٥٥، ٢٠٨؛

٩: ٣٣، ٣٠٨، ٢٥٥، ٣٣٣، ٣٠٨، ٢٠: ٢٣، ٤١، ١٢٢، ١٢٨، ٢٨١؛

الحارث بن خالد بن العاص ٩: ٥٣، ٤: ٢٦١؛

الحارث بن خالد المخزومي ٢: ٢٢، ١٥: ٣٣، ١٢: ٢١٤، ٤: ٢٢٤؛

١٨: ٣٤، ٩: ٣٥، ١٢٦، ٣٦٢، ٣٦٨؛

الحارث بن دؤس الإيادي ٣: ٦٥؛

الحارث بن زهير العيسى ١٢: ١١٠، ٤: ٣١٩؛

الحارث بن طفیل ۱۹: ۳۴۸؛

الحارث بن ظالم المُرْتَقِی ۱۶: ۴۵، ۱۸: ۲۵۲؛ (الحارث حارث ہے۔ نہ کرجم ہے)

الحارث بن عباد ۸: ۳۵۰، ۱۶: ۶۸، ۱۷: ۱۶۹؛

الحارث بن عمرو — ملاحظہ ہو ابو مکلف الاسدی

الحارث بن مُصَرِّف (هو ابو مزاحم العقیلی) ۷: ۲۸۲، ۱۳: ۴۲۳، ۱۹: ۲۲۰؛

الحارث بن وعلہ ۴: ۲۰۰، ۲۷۵، ۱۹: ۱۰۴؛

الحارث بن وعلہ الجعفی ۶: ۲۰۵، (۹)، ۱۱: ۱۱۶؛

الحارث بن وعلہ الذہلی ۱: ۴۴۸، ۱۰: ۱۲۵، ۱۳: ۱۲۵، ۳۵۵؛

حارث بن بدلہ ۸: ۳۷۲، ۴: ۲۶۸؛

الحارثی ۱۱: ۳۰۸، ۱۹: ۹۲؛

۲ بن حارث ۱۸: ۱۵۴؛

حباب بن عمار السُحَیْمِی ۱۶: ۲۶؛

ابن حُبْناء التمیمی ۲: ۴۶، ۵: ۸۳، ۸۱، ۸۳، (۹) ۴: ۲۱، ۸: ۱۵۵؛

۱۰: ۲۳۶، ۴: ۲۰۴، ۱۶: ۱۶۸، ۱۸: ۱۸، ۲۹: ۱۹، ۳۷؛

حبیب بن اَوْس ۴: ۳۷؛

ابن حبیب الشیبانی ۹: ۱۸۴؛ (۳: ۱۳) یہی شعرا ابو حبیب الشیبانی کی جانب سے لکھا

ابو حبیب الشیبانی ۳: ۱۳، ۱۰: ۲۳۶، ۱۷: ۱۷۰؛

حبیب بن عبد اللہ اُھْذَلِی — ملاحظہ ہو الاعلام

الحبیب القشیرِی ۱۶: ۲۱۷، ۲۷۹؛

حبیب بن المر (۹: ۴۷، ۱۸: ۳۰۸)؛

ابو حَبِیْبَة الشیبانی ۱۱: ۳۱۸، ۱۶: ۲۳۸؛

حُبَيْبَةُ بن طريف السُكَلِي ٣ : ٨٣ ، ٩ : ٢٢٩ ؛

الحجاج ٥ : ١١١ ، ٣٣٣ ، ٥ : ٢٨ ؛

ابو الحجاج ١٢ : ٣٨٨ (٩) ؛

حجر ٥ : ٢٠٩ ؛

حُجْر بن حَبِيلَة ١٢ : ٣٥٣ ؛

حُجْر بن خالد (احد بنى قيس بن ثعلبة) ٩ : ٣٦٩ ، ١١ : ٣٩٦ ؛

حَجَل بن فضلة (قاموس بين حنظلة) ٩ : ١٢٠ ؛

حُجَيَّة بن المصْطَرَب ١٥ : ٣٥٠ ؛

حدير (عبد بنى قميئة من بنى قيس بن ثعلبة) ١٣ : ٣٢٨ ؛

ابن حَدَّاق الصدي ٩ : ٣٥٠ ؛ (يزم لاخته يوسويد بن حدّاق الصدي)

الحذلي ١١ : ١١٦ ، ١٣ : ٣١٦ ، ١٥ : ١٣٣ ، ١٦ : ١٥٢ ، ٢٢ : ٢٦٩ ؛

١٦ : ٩٩ ، ٢٩٤ ، ٣٦٦ ، ٣٠٤ ؛

حُدَيْفَة بن انس لَهْدِي ١ : ٣٠٣ ، ٥ : ٢١٤ ، ٦ : ٢٨٤ ، ٨ : ١١٩ (٩) ، ١٤ : ٢٣١ ؛

البحر ١٢ : ٣٢٢ ؛

البحر بن عَقِيل الاعلم الجاهلي ٣ : ٣٨٣ ؛

الحُرَّة بنت النخاع بن المنذر ١١ : ٢٣٦ ، ١٦ : ٢١٣ ؛

الحج ماضي ٩ : ٣٠٦ ، ١٥ : ٣٠٦ ، ٣٣٢ ؛

حُمَلَة بن حكيم ١٣ : ٢٣١ ؛

حُمَلَة بن المنذر — ملاحظه يوسويد بن بيد الطائي

حَرْقِي بن مَمْزَرَة ٩ : ١٠٠ ؛

حَرْث بن جبلة العذري ٥ : ٣٨٠ (٩) ، ٩ : ٢٣٣ (٩) ؛















## خ

ابن خَارِجَة ۳۵: ۳۳۵؛

خارجة بن عمار المصري ۹: ۳۶۱، ۱۲: ۲۱۰، (۹): ۲۹۱؛

خالد ۱۵: ۳۱۸؛

خالد بن جعفر بن كلاب (او الكلابي) ۴: ۲۲۳ ۱۰: ۳۸۵، ۱۷: ۴۴۶؛

۱۹: ۲۶۴؛

خالد بن حنق (كذا) ۱۳: ۱۸۷، (۹)؛

ام خالد الخثعمية ۴: ۳۷۳، ۶: ۳۱۸، ۱۵: ۲۹۰، ۱۷: ۳۲۲؛

۱۹: ۳۶۵؛

خالد بن زهير الهذلي ۱: ۴۲۶، ۲: ۱۰۲، ۵: ۱۳۷، ۶: ۲۵۱، ۱۷: ۵۶؛

۱۸: ۱۸، ۱۹: ۱۷۶، ۲۰: ۱۶۶، ۲۱: ۳۸۷، ۲۲: ۳۷۷، ۲۳: ۱۸؛

۱۹: ۱۲۰؛

خالد بن الصنعبي الهذلي ۱۵: ۲۲۰، (۹)؛

خالد بن عامر ۶: ۴۲۳، ۱۰: ۲۱ (مقابل كرين تلج العروس ۵: ۳۸۲)؛

خالد بن عتبة الهذلي ۱۷: ۸۹؛

خالد بن علقمة الدأرمي ۴: ۴۰۷، ۲۳: ۴۰۸، ۲۴: ۱۸۹، ۲۵: ۸۱؛

ابو خالد القتاني ۱۵: ۴۱۴؛

خالد بن قيس (بن منقذ بن طريف) التميمي أو التميمي ۹: ۴۰۴،

۱۳: ۱۰۱، ۱۴: ۱۲۹، ۱۵: ۲۴۵؛

خالد الكاتب (ابو الهيثم) ۳: ۳۳؛

خالد بن مالك الهذلي ٣ : ٣٥٩ ؛

خالد بن الوليد ١ : ٢٠٢ ، ٤ : ٢٢٦ ، ١٢ : ٢٥٢ ، ١٩ : ١٢٢ ؛

خبّاب بن عزيق ١٥ : ١١ ؛

خبّيب بن عدي ١٠ : ٢١٣ ، ٢٢٦ ؛

خثيم بن عدي ١٥ : ٣ (؟) ، ٥٤ : ٢٠٨ ، ٢٨٦ (؟) ؛

خداش بن بشر (الوماك) — ملاحظه بر البعث

خداش بن نزهة العامري ٣ : ٢٠٥ ، ٢٩٩ ، ٣ : ٢٦٩ ، ٣٠٦ ؛

٣ : ٢١٢ ، ٤ : ١٩٠ ، ٤ : ٢٦٦ ، ٨ : ٣٨٠ ، ٩ : ٤٢ ، ١٠ : ١٣٨ ، ١١ : ٣٢٠ ؛

٣٥٥ : ١٢ ، ١٨٠ : ٢٣٢ ، ٢٣٣ ، ٣ : ١٨٦ ، ١٠٩ : ١٥ : ١٢٠ —

١٨ : ٣١٤ ، ١٩ : ٢١٦ ؛

خديج بن حبيب ١٦ : ١٢٨ ؛

ابن خداق ٣٠ : ٢١٥ (؟) ؛ (نيز ملاحظه بر ابن خداق)

خداق الأسدي ١٦ : ١٠٣ ؛

الخزاز بن عمرو ٩ : ٣٣٠ ؛

خداش بن نزهة ٣ : ٣٠٤ ؛

ابو خراش (هو خويلد بن مبرة) الهذلي ١ : ١٨١ ، ١٥٠ ، ١٥٥ ، ١٥٨ ، ١٦٢ ، ١٦٤ ؛

٢٢٩ ، ٢٨٥ ، ٣ : ١٦٦ ، ٢٣٢ ، ٢٣٩ ، ٢٨١ ، ٢٨٥ ، ٣ : ٢٨٤ ، ٢٨٤ ؛

٢٨٤ ، ١٥٨ ، ٣ : ٣٨٠ ، ٣٨١ ، ٣٨٢ ، ٣٨٣ ، ٣٨٤ ، ٣٨٥ ، ٣٨٦ ، ٣٨٧ ، ٣٨٨ ، ٣٨٩ ، ٣٩٠ ، ٣٩١ ؛

٢٣٥ ، ٢٤٠ ، ٥ : ٢٤٠ ، ٤ : ١١٠ ، ١١٠ ، ١١١ ، ١١٢ ، ١١٣ ، ١١٤ ، ١١٥ ، ١١٦ ، ١١٧ ، ١١٨ ، ١١٩ ، ١٢٠ ، ١٢١ ، ١٢٢ ، ١٢٣ ، ١٢٤ ، ١٢٥ ؛

٢٣٤ ، ٨ : ١١٩ (؟) ، ٩ : ٣٦٣ ، ٣٦٤ ، ٣٦٥ ، ٣٦٦ ، ٣٦٧ ، ٣٦٨ ، ٣٦٩ ، ٣٧٠ ، ٣٧١ ، ٣٧٢ ؛

٢٤٥ ، ٣٩٠ ، ٣٩١ ، ٣٩٢ ، ٣٩٣ ، ٣٩٤ ، ٣٩٥ ، ٣٩٦ ، ٣٩٧ ، ٣٩٨ ، ٣٩٩ ، ٤٠٠ ؛

إِلَى الْخُشَاءِ ١٠: ١٥٤ (٩)؛



۴ خَلَفَ الْحُثَمِيَّةَ ۱۵: ۱۶۴: (بہی شعر ۴: ۳۷۳ پر ام خالد الحثمیتہ کی طرف منسوب ہے)۔

خَلِيجُ الْأَعْيَوَى ۲: ۱۶۰، ۱۸: ۲۰؛

خُلَيْدُ الْيَسْكُرِيِّ ۱۰: ۲۲۲، ۴: ۳۶۲، ۱۵: ۲۳۵، ۳۹۰، ۴۰۰، ۴۲۰،

۶: ۱۱۳، ۶۸: ۱۱۳؛

الخليل ۴: ۳۰۴، ۱۷: ۲۴۹؛

الخليل بن احمد ۶: ۲۱۳؛

خُصَامُ بْنُ زَيْدٍ مَنَاةَ الْيَرْبُوعِي ۱: ۲۴۵؛

خُضَافِرُ ۶: ۷۳؛

الْحُتَجَرُ بْنُ صَخْرٍ الْأَسَدِيِّ ۷: ۲۴۵؛

حَنْدَقُ بْنُ أَيَادٍ ۶: ۱۹۰؛

الْحَنَاءُ ۱: ۱۱۵، ۳۲، ۱۵۱، ۴: ۱۵۸، ۳: ۳۷، ۴: ۳۷۵، ۵: ۳۶۹،

۶: ۶۰، ۱۰۹، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۶۱، ۱۷۶، ۱۸۰، ۳: ۷۲، ۸: ۷۲،

۴: ۱۵۲، ۱۵۴، ۲۰۴، ۹: ۷۷، ۱۰: ۱۵۱، ۱۱: ۱۸۸، ۱۰: ۱۸۱، ۱۱: ۲۸۲، ۱۲: ۲۱۲،

۳: ۳۴۶، ۳: ۳۴۶، ۱۲: ۱۹۱، ۱۹: ۲۹۰، ۳۵۴، ۱۳: ۹۰، ۲۲۶،

۲۷۴، ۳۰۷، ۳۳۷، ۴: ۱۵۱، ۵: ۱۵۱، ۴: ۱۵۸، ۵: ۱۵۸، ۹: ۱۹۹، ۱۵: ۲۶۶،

۱۶: ۱۸۹، ۱۷: ۱۷۶، ۱۸: ۲۳۳، ۱۹: ۳۳۰، ۲۰: ۳۳۰، ۲۱: ۳۳۰،

۱۵: ۲۶۶، ۱۹: ۳۳۰، ۲۰: ۳۳۰، ۲۱: ۳۳۰، ۲۲: ۳۳۰، ۲۳: ۳۳۰،

۲۶۳، ۲۲۰، ۱۷۷، ۱۴۰؛

خَوَاتُ بْنُ جُبَيْرٍ ۳: ۱۲، ۱۸: ۷۷، ۷۸: ۷۷؛

خَوِيلَةُ الرِّيَاضِيَّةِ ۸: ۲۸۸؛



خُوَيْلِدِ ۱۹: ۲۹۰؛

خُوَيْلِدِ بْنِ مُرَّةَ الْهَذَلِيِّ — ملاحظہ ہو البخاراش الہذلی -

خُوَيْلِدِ بْنِ فَوْقِلِ الْكَلَابِيِّ ۸۵: ۱۷، ۲۷؛

الْحَنِيزِيُّ الْيَهُودِي — ملاحظہ ہو الیہودی الحنیزری

الْوَحْشِيُّ ۱: ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۲؛

## د

الدَّاهِلُ بْنُ حَرَامِ الْهَذَلِيِّ ۳: ۳۷، ۱۳۱، ۱۱۵؛

ابن دارسة — ملاحظہ ہو سالم ابن دارسة

ابن دالون الطائي ۸: ۳۸۲؛

دَبَّانُ الدُّبَيْرِيِّ ۹: ۱۵۳؛ (دیز ملاحظہ ہو الدبیری)

الدُّبَيْرِيُّ ۱: ۳۶۳، ۴: ۲۹۳، ۵: ۲۲۱، ۹: ۲۷۸ (یہی شعر ۱۹: ۱۵۳)

پر دبان الدبیری کی طرف منسوب ہے؛

ابو الدُّحْدُوحِ ۷: ۲۸۸، ۱۱: ۱۰۹؛

الْوَدْحَتُونُسُ — ملاحظہ ہو لقیط بن نُرّ دارسة

رَحْتَنُونُسُ بِنْتُ لَقِيطِ ۳: ۱۸۰، ۱۸: ۲۵۴؛

دُرّاج بن نُرّعة ۳: ۳۱۱؛

دُرّة بنت ابی لہب ۱۱: ۸؛

الْوَرَّةُ الْهَذَلِي ۱۵: ۶۶؛

ابو الدرداء لِكَعْبَرِ ۸: ۲۴۵؛

ابو الدرداء مُمَيَّرَةُ ۱۵: ۲۰۸؛



۱۷: ۸۸ (۹) ۲۳۳، ۱۹: ۲۳۳؛

ذُھَلْبُ بن قُرَیْضَہ: ۳، ۲۴۳، ۸: ۲۶۵، ۱۴: ۱۶، ۱۶: ۳۰۰،

۱۷: ۲۲۳ (۹)؛

الدَّهْنَاءُ (امراة العجاء) بنت مِسْحَلٍ: ۵، ۱۵۸، ۹: ۲۰۲، ۱۰: ۴؛

ابودواد — ملاحظہ ہو ابودواد (الایادی)

ابودواد الایادی: ۱، ۲۰۲، ۲۰۰، ۲۹۷، ۲۴۵، ۳۸۱، ۴۵۷، ۴۸۴، ۴۸۳؛

۱۷۳، ۲۰۱، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۴۵، ۳: ۱۲۶، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۷۰، ۱۸۹؛

۱۹۸، ۲۳۰، ۲۶۰، ۳۲۲، ۳۶۷، ۳۸۸، ۵۰۲، ۴: ۴۳۳، ۱۰۵، ۲۶۰؛

۲۶۶، ۲۷۳، ۲۷۷، ۳۳۳، ۳۳۴، ۵: ۱۲، ۴: ۲۹، ۹: ۴۰، ۱۵، ۱۸، ۴؛

۷۳، ۷۴، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۹۳، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۶۰، ۳۶۱؛

۹: ۱۱، ۱۱، ۱۱، ۱۱، ۱۳۲، ۱۷۰، ۱۷۷، ۳۸۱، ۱۰: ۸۲، ۱۹۳، ۲۶۹، ۳۳۰، ۳۳۱؛

۳۷۸، ۳۷۹، ۴۰۵، ۴۲۲، ۴۷۷، ۴: ۱۲، ۷۵، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۰۷، ۲۶۵، ۲۶۶؛

۲۷۸، ۲۸۹، ۳۳۳، ۳۶۹، ۳: ۳۶۹، ۴: ۳۹۰، ۴۷۷، ۱۵۹؛

۱۹۷، ۲۶۹، ۴: ۱۵۳، ۲۶۸، ۳۱۶، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴؛

۱۵: ۲۱۶، ۲۸۵، ۳۳۸، ۳۳۹، ۱۶: ۸۶، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۳، ۱۸: ۲۵۵، ۱۹: ۱۸۶؛

دُودان بن ابی رواد: ۳، ۴: ۴ (یہی شعر: ۸: ۲۱۱ پر ابودواد کی جانب منسوب ہے۔)

ابودواد الرَّؤاسی — ملاحظہ ہو یزید بن معاویہ

دُودان بن سعد الأسدی: ۱۹: ۲۶۱ (۹)؛

ذ

الذبیانی: ۱۰: ۲۸۷، ۲۰: ۲۹، ۲۹؛

المنذر الغضامی: ۱: ۲۳۰ (۹)؛

البرذخۃ المذلی: ۲: ۲۹۶، ۲۸۶؛

ذُرَّةُ بن خَيْفَةَ (كذا) الصَّمُوقِي م: ۱۱۱ خيفة كل بجائے خيفة، ۱۵: ۸۰،

۲۰: ۱۵۳ (خيفة)؛

ابن ذُرَّيج — ملاحظہ ہو قیس بن ذرریج

ذُكُونُ العَجَلِي م: ۱۰۲؛

ذُحُلُ بن فَرْجُج م: ۱۳۹؛

ذوالِ اصْبَعِ العَدَوَانِي م: ۱۱۶، م: ۶۴، م: ۱۸۲، م: ۲۲۲، م: ۲۵۰،

م: ۲۱۱، م: ۳۰۳، م: ۱۸۶، م: ۲۷۵، م: ۱۰۵، م: ۱۹۹، م: ۲۶۱، م: ۲۹۲، م: ۳۱۲،

م: ۳۵۸، م: ۳۹۱، م: ۳۹۶، م: ۱۶۶، م: ۱۰۹، م: ۲۷۰، م: ۳۰۶، م: ۳۸۹، م: ۳۹۹،

م: ۳۳۰، م: ۳۵۹، م: ۳۶۶، م: ۱۸۰، م: ۲۷۰، م: ۲۷۷، م: ۳۰۶، م: ۳۷۰،

۲۰: ۳۲۳؛

ذوالِ بَجَادِثَيْن — ملاحظہ ہو عبد اللہ ذوالِ بَجَادِثَيْن (المزنی)

ذوالِ حَرَقِ الطُّهَيَّوِي م: ۳۸، م: ۴۰، م: ۴، م: ۵، م: ۹، م: ۳۹۰، م: ۳۹۱، م: ۳۹۶،

م: ۱۲۵، م: ۲۸۴، م: ۳۱۷، م: ۳۱۷، م: ۳۱۷، م: ۳۱۷، م: ۳۱۷، م: ۳۱۷،

ذوالِ رَمَّةٍ (هو غَبْلَانُ العَدَوِي) م: ۱۱، م: ۷۸، م: ۹۵، م: ۱۱۱، م: ۱۳۶، م: ۱۳۸، م: ۱۴۶،

م: ۱۵۲، م: ۱۵۶، م: ۱۵۹، م: ۱۶۷، م: ۱۷۱، م: ۱۷۷، م: ۱۸۲، م: ۱۹۶، م: ۲۱۱، م: ۲۲۱، م: ۲۲۵،

م: ۲۷۷، م: ۲۷۷، م: ۲۷۹، م: ۲۸۰، م: ۳۱۰، م: ۳۱۲، م: ۳۱۹، م: ۳۲۹، م: ۳۳۱، م: ۳۳۱، م: ۳۳۱،

م: ۳۶۸، م: ۳۷۰، م: ۳۷۷، م: ۳۸۱، م: ۳۸۲، م: ۳۸۸، م: ۳۹۲، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵،

م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵،

م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵،

م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵،

م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵، م: ۳۹۵،





92, 93, 94, 95, 96, 97, 98, 99, 100, 101, 102, 103, 104, 105, 106, 107, 108, 109, 110, 111, 112, 113, 114, 115, 116, 117, 118, 119, 120, 121, 122, 123, 124, 125, 126, 127, 128, 129, 130, 131, 132, 133, 134, 135, 136, 137, 138, 139, 140, 141, 142, 143, 144, 145, 146, 147, 148, 149, 150, 151, 152, 153, 154, 155, 156, 157, 158, 159, 160, 161, 162, 163, 164, 165, 166, 167, 168, 169, 170, 171, 172, 173, 174, 175, 176, 177, 178, 179, 180, 181, 182, 183, 184, 185, 186, 187, 188, 189, 190, 191, 192, 193, 194, 195, 196, 197, 198, 199, 200, 201, 202, 203, 204, 205, 206, 207, 208, 209, 210, 211, 212, 213, 214, 215, 216, 217, 218, 219, 220, 221, 222, 223, 224, 225, 226, 227, 228, 229, 230, 231, 232, 233, 234, 235, 236, 237, 238, 239, 240, 241, 242, 243, 244, 245, 246, 247, 248, 249, 250, 251, 252, 253, 254, 255, 256, 257, 258, 259, 260, 261, 262, 263, 264, 265, 266, 267, 268, 269, 270, 271, 272, 273, 274, 275, 276, 277, 278, 279, 280, 281, 282, 283, 284, 285, 286, 287, 288, 289, 290, 291, 292, 293, 294, 295, 296, 297, 298, 299, 300, 301, 302, 303, 304, 305, 306, 307, 308, 309, 310, 311, 312, 313, 314, 315, 316, 317, 318, 319, 320, 321, 322, 323, 324, 325, 326, 327, 328, 329, 330, 331, 332, 333, 334, 335, 336, 337, 338, 339, 340, 341, 342, 343, 344, 345, 346, 347, 348, 349, 350, 351, 352, 353, 354, 355, 356, 357, 358, 359, 360, 361, 362, 363, 364, 365, 366, 367, 368, 369, 370, 371, 372, 373, 374, 375, 376, 377, 378, 379, 380, 381, 382, 383, 384, 385, 386, 387, 388, 389, 390, 391, 392, 393, 394, 395, 396, 397, 398, 399, 400, 401, 402, 403, 404, 405, 406, 407, 408, 409, 410, 411, 412, 413, 414, 415, 416, 417, 418, 419, 420, 421, 422, 423, 424, 425, 426, 427, 428, 429, 430, 431, 432, 433, 434, 435, 436, 437, 438, 439, 440, 441, 442, 443, 444, 445, 446, 447, 448, 449, 450, 451, 452, 453, 454, 455, 456, 457, 458, 459, 460, 461, 462, 463, 464, 465, 466, 467, 468, 469, 470, 471, 472, 473, 474, 475, 476, 477, 478, 479, 480, 481, 482, 483, 484, 485, 486, 487, 488, 489, 490, 491, 492, 493, 494, 495, 496, 497, 498, 499, 500, 501, 502, 503, 504, 505, 506, 507, 508, 509, 510, 511, 512, 513, 514, 515, 516, 517, 518, 519, 520, 521, 522, 523, 524, 525, 526, 527, 528, 529, 530, 531, 532, 533, 534, 535, 536, 537, 538, 539, 540, 541, 542, 543, 544, 545, 546, 547, 548, 549, 550, 551, 552, 553, 554, 555, 556, 557, 558, 559, 560, 561, 562, 563, 564, 565, 566, 567, 568, 569, 570, 571, 572, 573, 574, 575, 576, 577, 578, 579, 580, 581, 582, 583, 584, 585, 586, 587, 588, 589, 590, 591, 592, 593, 594, 595, 596, 597, 598, 599, 600, 601, 602, 603, 604, 605, 606, 607, 608, 609, 610, 611, 612, 613, 614, 615, 616, 617, 618, 619, 620, 621, 622, 623, 624, 625, 626, 627, 628, 629, 630, 631, 632, 633, 634, 635, 636, 637, 638, 639, 640, 641, 642, 643, 644, 645, 646, 647, 648, 649, 650, 651, 652, 653, 654, 655, 656, 657, 658, 659, 660, 661, 662, 663, 664, 665, 666, 667, 668, 669, 670, 671, 672, 673, 674, 675, 676, 677, 678, 679, 680, 681, 682, 683, 684, 685, 686, 687, 688, 689, 690, 691, 692, 693, 694, 695, 696, 697, 698, 699, 700, 701, 702, 703, 704, 705, 706, 707, 708, 709, 710, 711, 712, 713, 714, 715, 716, 717, 718, 719, 720, 721, 722, 723, 724, 725, 726, 727, 728, 729, 730, 731, 732, 733, 734, 735, 736, 737, 738, 739, 740, 741, 742, 743, 744, 745, 746, 747, 748, 749, 750, 751, 752, 753, 754, 755, 756, 757, 758, 759, 760, 761, 762, 763, 764, 765, 766, 767, 768, 769, 770, 771, 772, 773, 774, 775, 776, 777, 778, 779, 780, 781, 782, 783, 784, 785, 786, 787, 788, 789, 790, 791, 792, 793, 794, 795, 796, 797, 798, 799, 800, 801, 802, 803, 804, 805, 806, 807, 808, 809, 810, 811, 812, 813, 814, 815, 816, 817, 818, 819, 820, 821, 822, 823, 824, 825, 826, 827, 828, 829, 830, 831, 832, 833, 834, 835, 836, 837, 838, 839, 840, 841, 842, 843, 844, 845, 846, 847, 848, 849, 850, 851, 852, 853, 854, 855, 856, 857, 858, 859, 860, 861, 862, 863, 864, 865, 866, 867, 868, 869, 870, 871, 872, 873, 874, 875, 876, 877, 878, 879, 880, 881, 882, 883, 884, 885, 886, 887, 888, 889, 890, 891, 892, 893, 894, 895, 896, 897, 898, 899, 900, 901, 902, 903, 904, 905, 906, 907, 908, 909, 910, 911, 912, 913, 914, 915, 916, 917, 918, 919, 920, 921, 922, 923, 924, 925, 926, 927, 928, 929, 930, 931, 932, 933, 934, 935, 936, 937, 938, 939, 940, 941, 942, 943, 944, 945, 946, 947, 948, 949, 950, 951, 952, 953, 954, 955, 956, 957, 958, 959, 960, 961, 962, 963, 964, 965, 966, 967, 968, 969, 970, 971, 972, 973, 974, 975, 976, 977, 978, 979, 980, 981, 982, 983, 984, 985, 986, 987, 988, 989, 990, 991, 992, 993, 994, 995, 996, 997, 998, 999, 1000.





192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 841. 842. 843. 844. 845. 846. 847. 848. 849. 850. 851. 852. 853. 854. 855. 856. 857. 858. 859. 860. 861. 862. 863. 864. 865. 866. 867. 868. 869. 870. 871. 872. 873. 874. 875. 876. 877. 878. 879. 880. 881. 882. 883. 884. 885. 886. 887. 888. 889. 890. 891. 892. 893. 894. 895. 896. 897. 898. 899. 900. 901. 902. 903. 904. 905. 906. 907. 908. 909. 910. 911. 912. 913. 914. 915. 916. 917. 918. 919. 920. 921. 922. 923. 924. 925. 926. 927. 928. 929. 930. 931. 932. 933. 934. 935. 936. 937. 938. 939. 940. 941. 942. 943. 944. 945. 946. 947. 948. 949. 950. 951. 952. 953. 954. 955. 956. 957. 958. 959. 960. 961. 962. 963. 964. 965. 966. 967. 968. 969. 970. 971. 972. 973. 974. 975. 976. 977. 978. 979. 980. 981. 982. 983. 984. 985. 986. 987. 988. 989. 990. 991. 992. 993. 994. 995. 996. 997. 998. 999. 1000.









السريج بن نزياد العبسي ٤: ٣٥، ٣٤٩: ٣٦، ١٩: ٣٧، ٣٥٦: ٣٠، ٤٠؛

السريج بن صبيح الفزاسي ٥: ٣٨، ٣٦٨: ٣٩، ٦٨: ٤٠، ١٢٨: ١٨، ٣٢: ٢٠؛

٢ السريج الكامل ٣: ٣٦٩: ١٩؛

٢ ابن أبي ربيعة - ملاحظه بر عمر بن أبي ربيعة

ربيعه (السدي) ٤: ٣٥، ٣٥٦: ٤٨؛

ربيعه بن الجحدر الهذلي ٢: ٣٣، ٣١٨: ٨، ٤٤؛

ربيعه بن جندل الحيفاني ٤: ١٠؛

ربيعه بن جشم ١٦: ٢٣٢: ١٩؛

ربيعه الترقى ٢: ٣٥٢؛

ربيعه بن مالك - ملاحظه بر المخبل السعدي

ربيعه بن مقروم الضبي ٣: ٣١٦، ٥٠، ١٦٢: ٨، ٥٨، ١١٦، ٩: ٢٢٠؛

٣٨٢، ٣٩٤، ١٠: ٥٨، ٤٠، ٢٢٦: ٣٣، ٣٥، ٣٩٥، ١٥: ٣٨، ٣٩٣؛

٣٣٣، ٤: ١٦٣، ٢٠، ١٥٥، ٢٥٤: ٢٥٤ (نيز ملاحظه بر ابن مقروم)

ربيعه بن همام بن عامر البكري ٣: ١٦٦؛

الرحال (هو عمرو بن النعمان بن السراء) ٩: ١٨٣؛

برداء بن منظور ٤: ٢٦؛

برذافان الكلبى ٣: ٣١٨؛

سرخ (اخوتقى بن كلاب) ٥: ٣١؛

الوزيمة ٦: ٢٦١؛ سرخرين بن لخط (كذا) ٣: ١٨٦؛

مُشَبِّد بن مُرْمِيض العَنَزِي ۴ : ۳۱ ، ۱۰۹۰ ، ۹ : ۵۶ ، ۵ : ۱۵ ، ۲۹ : ۱۶ ، ۱۲۶ :

(نیز ملاحظہ ہو مشبید بن سرمیض الغنوی اور ابن سرمیض)

مُشَبِّد بن مُرْمِيض الغنوی ۱۰ : ۲۹۷ :

سرفاع بن قیس الاسدی - ملاحظہ ہو سرفاع بن قیس الاسدی

الترقاص الکلبی ۱۰ : ۱۱۱ ، ۱۵ : ۱۳ (؟) ، ۵۶ : ۱۹ (؟) ، ۲۰ : ۲۸۶ (؟) :

ابن السرفاع (هو عدی العاملی) ۱ : ۲۰۳ ، ۲ : ۱۲۰ ، ۱۲۹ ، ۳ : ۴۰۹ :

۴ : ۴۴ ، ۶۴ ، ۱۲۴ ، ۲۸۸ ، ۳۴۸ (؟) ، ۱۷۷ ، ۵۰۴ ، ۵ : ۸۲ ، ۹۷ ، ۳۹۴ :

۶ : ۲۴۸ ، ۲۶۷ ، ۳۷۸ ، ۷ : ۲۵ ، ۲۰۱ ، ۸ : ۲۶ ، ۱۱۸ ، ۲۲۶ ، ۹ : ۱۷۷ :

۱۱ : ۱۱۸ ، ۱۶۴ ، ۱۹۲ ، ۱۰ : ۱۸۲ (؟) ، ۱۸۳ ، ۲۸۳ ، ۳۷۸ ، ۱۱ : ۵۳ ، ۷۳ :

۱۷۷ ، ۲۲۷ ، ۲۵۷ ، ۳۱۰ ، ۳۱۹ ، ۴ : ۱۳۰ ، ۱۷۷ ، ۲۸۴ ، ۳۳۰ ، ۳۳۱ :

۳ : ۲۵۵ ، ۲۶۲ ، ۴ : ۱۶۸ ، ۲۵۰ ، ۳۱۷ ، ۳۶۳ ، ۳۶۶ ، ۵ : ۲۲ :

۵۹ ، ۱۲۳ ، ۱۶ : ۲۸۱ ، ۱۷ : ۱۲۶ ، ۱۷۷ ، ۲۳۶ ، ۳۴۰ ، ۳۹۳ ، ۳۹۴ :

۱۸ : ۵۵ ، ۲۲۷ ، ۱۹ : ۱۵۰ ، ۱۹۸ ، ۲۵۴ ، ۳۱۳ ، ۳۴۹ ، ۴۰ : ۱۶۱ :

۲۱۹ :

السرفاع العاملی ۴ : ۲۹۲ :

سرفاع (اور سرفاع) بن قیس الاسدی ۹ : ۲۹۶ ، ۴ : ۳۳۶ :

ابن السرفیث ۲ : ۱۴ ، ۳ : ۱۱۲ ، ۷ : ۳۸۵ ، ۱۰ : ۱۴۸ ، ۱۴۸ ، ۳ : ۱۶۲ ، ۱۶۲ :

۱۹ : ۳۷۰ :

مُرْقِيح الوَالِی ۳ : ۲۵۱ :

سرفاض بن اَبَاق الدُّبَيْرِي ۲ : ۲۱۷ ، ۷ : ۳۷۸ ، ۹ : ۱۱۶ ، ۱۷۷ ، ۱۰ :

۲۹۸ ، ۱۵ : ۳۹۶ ، ۱۷ : ۲۹۳ ، ۱۹ : ۴ :













١٢ : ٢٥٨ ، ٣ : ١٢٨ ، ٢٨ ، ٣٤٨ ، ١٤ : ١٣١ ، ٢٠ : ٥٢ :

ابن الزَّيْبَرِي (هو عبد الله) السهمي ٢ : ٣٥١ ، ٣ : ٢٥ ، ٥ : ١٥٣ :

٢٨٥ (٩) : ٤ : ٢٣٠ ، ١٥ : ١٠٥ ، ٢ : ٢٤٨ ، ١٤ : ٩٢ :

ابو زَيْد الطائي (اسمه خزيمة بن المنذر) ١ : ٤٢ ، ٩٠ : ١١٣ ، ١٢٨ :

٢٠٥ ، ٢٥٨ ، ٢٦١ ، ٢٤٤ ، ٩٢ ، ٢ : ٥٩ ، ٤٢ ، ٨٨ ، ١٢٥ ، ١٩١ ، ٢٤٤ :

٢٨٤ ، ٣ : ١٠٥ ، ١٠٦ ، ٣٣٦ ، ٣٣٤ ، ٣٢٩ ، ٣ : ٥٢ ، ١٢٦ ، ١١٠ ، ٣٠٩ :

٣٥٦ ، ٣٠٤ ، ١٠٨ ، ١٢٨ ، ٣٣٤ ، ٥ : ٣٠ ، ٩٢ ، ١٤٢ ، ٢٨٩ ، ٣٢٠ :

٩٢ ، ٣ : ١٠٦ ، ١٠٦ ، ٤٠٠ : ٢١٤ ، ٢٥٢ ، ٢٨٥ ، ٣٠٥ ، ٣٢٤ ، ٤ : ٣٦٠ :

٩٢ ، ٣ : ١٠٦ ، ١٠٦ ، ٨ : ٣٦٠ ، ٣٠٥ ، ١٠٦ ، ١٠٦ ، ١١٤ ، ٢٢٥ :

٢٩٠ ، ٣٨٦ ، ٩ : ٥١ ، ٣٢٨ ، ٣٥٤ ، ٣٢٨ ، ١٥ : ٣٢٨ ، ٩١ ، ٩٤ ، ١١٤ :

١٨٢ ، ٣٣٣ ، ٣٦٩ ، ٢٨٣ ، ٣٢٠ ، ٣٢٨ ، ٩ : ٢٥ ، ٣٢٨ ، ٣٣٦ ، ٣٢٨ :

١١ : ٥ : ٣٨ ، ١٠٥ ، ١٠٦ ، ٢١٢ ، ٣٢٦ ، ٣٠٤ ، ٣ : ١١٨ ، ١١٨ :

٣٣٣ ، ٣٢٠ ، ٣ : ١١٤ ، ١١٤ ، ١١٤ ، ٥١١ ، ٣ : ١٨٨ ، ٢١٢ ، ٥ : ٣١١ :

١٥٤ ، ٢٦٠ ، ١٤ : ١٨٣ ، ٢٨٤ ، ٤ : ٣٦٠ ، ٢٨٨ ، ٢٥٢ ، ٤١ ، ٣٢٠ :

٢٦٦ ، ١٨ : ٩٢ ، ٩٣ ، ٢٠٠ ، ٩ : ٣٦٠ ، ٢٠١ ، ٢٠ : ٣٢٠ ، ٣٢٠ ، ١٠٣ :

١١٩ ، ١٤٥ ، ٢٥٩ ، ٢٤٤ ، ٣٥٥ ، ٣٦٠ :

ابن الزبير - ملاحظه هو عبد الله بن الزبير

ابو الزبير الثعلبي ١١ : ٣٥٣ :

الزبير بن عبد المطلب (عم رسول الله ص) ٢ : ٣٦٠ ، ٣٨٠ (٩) ، ٣٨٩ :

ابو الزَّحَف (٩) : ١٥ : ٩٢ :

ابو زَحَفٍ الثعلبي ٣ : ٢٨٣ :

ابو الرُّحَافِ الْكَلْبِيُّ ۴ : ۲۵۱، ۲۷۰؛

زُرَّابْنِ اَوْفَى الْفُقَيْمِيُّ ۱۹ : ۱۳۲؛

ابن اَنحَى زِرَّابْنِ حُبَيْشِ الْفَقِيهِ الْقَارِئُ ۱۵ : ۱۷۱ (۹)؛

زُرَّارَةُ ۴ : ۱۴۶؛ (بہی شعر زرارۃ بن صَعْب کی جانب منسوب ہے)

زُرَّارَةُ بْنُ سُبَيْحِ السَّادِي ۱۹ : ۲۶۱ (۹)؛

زُرَّارَةُ بْنُ صَعْبٍ ۲۰ : ۱۲؛

ابو زُرَّارَةُ النَّصْرِيُّ ۲ : ۴۱۵؛

زُرَّافَةُ الْبَاهِلِيُّ ۷ : ۳۶۱ (۹)؛

ابو زُرَّارَةُ الْبُتَيْمِيُّ وَالْبُتَيْمِيُّ ۷ : ۳۴۵، ۸ : ۲۰۱؛

ابو زُرَّارَةُ الْعَبْسِيُّ - ما حظہ بردلم

زُرَّارَةُ (ابو شَفِیق) الْبَاهِلِيُّ ۴ : ۴۰۶ (۹)، ۱۱ : ۳۱۲ (۹)، ۳۲۳؛

ابو زُرَّارَةُ الْخَزَرَجِيُّ ۱۱ : ۳۷۰، ۱۲ : ۳۲ (۹) (الخزرجی کی بجائے الخزارجی لکھا ہے)

۱۵ : ۲۹ (۹)، ۱۶ : ۱۲۶ (۹)؛

زُرَّابْنِ الْحَرثِ الْكَلْبِيُّ ۵ : ۱۱۵، ۳۳۱، ۷ : ۲۰۰، ۱۱ : ۳۰۴ (۹)، ۱۲ : ۳۸۴؛

۱۳ : ۵۱۹، ۱۷ : ۱۵، ۱۸ : ۱۲؛

زُفَرُ بْنُ الْجُبَارِ الْحَارَبِيُّ ۴ : ۱۶۷؛

الزُّفَرِيُّانِ السَّعْدِيُّ ۱ : ۳۵۰، ۳۹، ۴۱ : ۳۳، ۳۳، ۱۸۷، ۲۴۷، ۲۴۸؛

۴ : ۵۷، ۷ : ۲۲۶، ۱۰۵ : ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۵۱ (۹)، ۱۱ : ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۵۹؛

۳۷۱، ۳۹۳، ۳۹۹، ۴۰۲ : ۱۲۸، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۵۵ : ۳۸۸، ۳۸۹، ۱۵ : ۲۱۳؛

۲۴۷، ۱۶ : ۲۰۸، ۷ : ۶۹، ۲۹ : ۱۹، ۴۰۶ (۹)؛

زُرَّابْنِ اَبِي زُرَّارَةَ (ابو زُرَّارَةُ) (وقیل لہ ابن ام دینار) ۵ : ۳۸۶؛



9: 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 841. 842. 843. 844. 845. 846. 847. 848. 849. 850. 851. 852. 853. 854. 855. 856. 857. 858. 859. 860. 861. 862. 863. 864. 865. 866. 867. 868. 869. 870. 871. 872. 873. 874. 875. 876. 877. 878. 879. 880. 881. 882. 883. 884. 885. 886. 887. 888. 889. 890. 891. 892. 893. 894. 895. 896. 897. 898. 899. 900. 901. 902. 903. 904. 905. 906. 907. 908. 909. 910. 911. 912. 913. 914. 915. 916. 917. 918. 919. 920. 921. 922. 923. 924. 925. 926. 927. 928. 929. 930. 931. 932. 933. 934. 935. 936. 937. 938. 939. 940. 941. 942. 943. 944. 945. 946. 947. 948. 949. 950. 951. 952. 953. 954. 955. 956. 957. 958. 959. 960. 961. 962. 963. 964. 965. 966. 967. 968. 969. 970. 971. 972. 973. 974. 975. 976. 977. 978. 979. 980. 981. 982. 983. 984. 985. 986. 987. 988. 989. 990. 991. 992. 993. 994. 995. 996. 997. 998. 999. 1000.



نریار بن مسعود القصبی ۱: ۱۸۷، ۵: ۱۶۲، ۸: ۳۳، ۱۱: ۳۱۴، ۱۲: ۱۰۶؛

نریار بن الحرث القصبی ۱۳: ۱۲۴؛

نریار بن العجم ۱: ۳۶۹، ۷: ۲۵۶، ۳۰۶، ۸: ۳۵۹، ۱۰: ۱۵۶، ۱۵: ۲۰۴؛

۱۲: ۳۶، ۱۳: ۶۷، ۱۶: ۲۸، ۱۷: ۲۵۰، ۱۹: ۱۷۴، ۳۵۹، ۳۶: ۹؛

۲۰: ۲۷۱؛

نریار بن جمیل ۴: ۹۱؛

نریار بن حماد ۱۸: ۳۹، ۱۹: ۱؛

نریار بن سبأ الفزاری ۱۰: ۳۷۸، ۱۲: ۲۹۹؛

نریار الطحی ۱: ۳۲۶، ۵: ۲۵، ۹: ۱۲۳، ۱۹: ۱۰۶؛

نریار بن عتبة الهذلی ۱۵: ۲۲۵؛

نریار الضبوی ۸: ۲۹۹؛

ابو نریار الکلابی ۳: ۳۳۸؛

نریار الملقبی ۲: ۲۶، ۳: ۲۷۴، ۱۰: ۱۳، ۱۱: ۲۵۷، ۱۲: ۳۴۴؛

۱۳: ۱۳، ۱۶: ۷۷، ۱۰۰: ۱؛

نریار بن منقر ۳: ۲۲۲، ۱۲: ۳۹۴، ۱۵: ۳۷۷، ۱۶: ۹۶، ۹۷؛

۱۸: ۳۹، ۱۹: ۱؛

نریار بن نریار العدیری (هو ابن اخت هذیلة) ۱: ۳۹۵؛

۲۰: ۲۱۸؛

نریار بن نریار العدوی ۲۰: ۳۱، ۳۲: ۱؛ (ممكن ہے کہ العدوی کی بجائے العدوی  
لکھا گیا ہو)

ابو نریار ۱: ۲۸۶، ۴: ۲۰۵، ۶: ۲۱۶، ۷: ۷۴، ۸: ۳۵، ۹: ۸۹؛

١٣: ١٨، ١٩: ١٨٢؛

نريد بن تميم الدَّبَرِيُّ ١٩: ٨٦؛

نريد الحنبل الطائي ٢: ٣٩٣، ٣: ٢٢١، ٤: ٢٠٦ (٩)، ٥: ٣٥٩، ٦: ٤١٤،

٨: ٣٤٤، ٩: ٢٥٢، ١٢: ٢٥٢، ١٤: ١١٩، ١٥: ١٨٠، ١٦: ٢٢٣، ١٧: ٢٦٩،

١٩: ٢١٥، ٢٠: ٢٤؛

نريد بن ضبة ٩: ١٨٢؛

نريد بن عتاهية التميمي ٥: ٢٥٢؛

نريد بن عدي ٤: ٥٨؛

نريد بن عمرو بن قيس بن عتَّاب بن هرمي بن سرياح. ملاحظه هو الاخوص بن

عبد الله الرياحي

نريد بن عمرو بن نفييل ٣: ١١٨، ٤: ٣٦٤، ٨: ٢٤٥، ١٠: ٣٠٠ (٩)؛

٣٨ (٩)؛

نريد الفوارس الصَّبِّي ٥: ١٥٨؛

نريد بن كُتُوبَةُ الخُبَرِيِّ ٩: ١١١؛

نريد بنت الطثرية (اخت يزيد بن الطثرية) ٩: ٢٣٠، ١٠: ٣٣٠،

١٨: ٣١٨، ١٩: ٣٠٩، ٢٠: ٢٢٠ (٩)، ٢١: ٢٦٤؛

## س

ساعدة - ملاحظه هو ساعدة بن جُزَيَّةَ الهذلي

ساعدة جُزَيَّةَ الهذلي ١: ٢٢٠، ٢: ١٨٨، ٣: ٢٣٦، ٤: ٢٤٣، ٥: ٢٨٣،

٦: ٣٠٨، ٧: ٣٢٩، ٨: ٣٥٩، ٩: ٣٠٤، ١٠: ٣٠٨، ١١: ٣٤٥، ١٢: ٣٨١،





سُرَاقَةُ بن مِرْدَاس بن ابی عَاصِر (اخو العباس بن مرداس) ۳۳۳: ۹؛

سعد بن زید مَنَاة ۳۳۷: ۱۱؛ ۱۵۶، ۷۱؛

سعد القُرْقَرَة ۳۷۷: ۱۱؛

سعد بن مالک بن ضُبَيْعَة ۳۳۱: ۹، ۳۵۹: ۱۱؛ ۱۰۴: ۱۱؛

ابن سعد المَعْنَى ۲۷۵: ۱۱ (ابن کی بجائے ابو لکھا ہے، مگر دونوں کے تحت میں ایک

ہی شعر مذکور ہے) ۱۵۷: ۱۱؛ سعد بن المنتحر ۱۰۲: ۸؛

سَعْد بن نَاشِب المَازَنی ۲۰۶: ۲؛ ۲۳۱: ۳؛

السَّعْدِی ۴: ۲؛ ۴۷۲؛

سَعْدِی الجُهَنیَّة - ملاحظہ ہو سَلَمَی الجُهَنیَّة

ابن سَعْنَة ۵: ۲۲؛

سعید بن عبد الرحمن بن حسان ۳۰۵: ۸، ۲۷۹: ۹؛

سعید بن مسحُوح الشَّیْبَانِی ۴۰: ۸۸؛

السَّفاح بن بکیر الیروعی ۱۸: ۱۸؛ (بزر ملاحظہ ہو السَّفاح الیروعی)

السَّفاح بن خالد التَّغَلَبِی ۲۲۳: ۱۱؛

ابو السَّفاح السَّلَوِی ۳: ۳۸۵؛

السَّفاح الیروعی ۴: ۲۵۴؛

ابوسفیان ۹: ۲۰۹؛

جَدَّة سفیان ۱۷: ۲۸۰؛

مُسَکِیْن بن نَفْثَة (او نَفْثَة) البَجَلِی ۵: ۱۲۹، ۲۰: ۲۳۲؛

مُلاَم بن عویة الضبی ۹: ۱۴۳؛ ۱۱۶؛

سَلَامان الطَّالِق ۹: ۳۸۰؛



السُّلَوِيُّ ۱۶: ۲۰۶؛

السُّلَيْكُ بْنُ السُّلَكَةِ السَّعْدِيُّ ۱: ۳۱۳، ۳۹۳، ۲، ۲۶۷، ۳: ۱۹۰، ۲۸۳ (۹)؛

۴: ۱۷۱، ۲۱۵، ۳۰۲، ۷، ۱۶، ۸: ۱۵۷، ۹، ۲۸، ۱۱: ۹۰، ۳: ۱۵؛

۴: ۲۱۰، ۱۵: ۱، ۳۹۴، ۱۶، ۱۹۱ (۹)، ۱۸: ۱۷۷، ۱۹: ۱۹۲؛

سُلَيْمُ بْنُ ثُمَامَةَ الْحَنْفِيُّ ۱۹: ۲۹۵ (۹)؛

سُلَيْمُ بْنُ سُلَيمٍ الْحَنْفِيُّ ۴: ۱۷۷؛

السُّلَيْمَانُ الْفَقْعَسِيُّ ۱: ۸۸؛

سُلَيْمَانُ بْنُ يَزِيدٍ الْعَدَوِيُّ ۱۰: ۲۳؛

سُمَاعَةُ بْنُ أَسْوَدٍ النَّعَامِيُّ ۱۹: ۲۸۴؛

ابن سُمَاعَةَ الذَّاهِلِيُّ ۱۶: ۹۵؛

سُمَيْكُ بْنُ الْعَامِلِيِّ (أَخُو مَالِكِ بْنِ عَمْرِو) ۴: ۲۹۶، ۱۶: ۳۸؛

السَّمَوِيُّ بْنُ عَادِيَّاءَ ۲: ۳۳۳، ۳۸۰، ۸: ۱۱۹، ۱۷: ۳۰ (۹)، ۱۹: ۲۰؛

سَيَّانُ الْأَبَّاسِيُّ ۱۸: ۲۷۲؛

سَيَّانُ بْنُ عَمْرٍو ۱۰: ۱۴۱؛

سَيَّانُ بْنُ الْحَجَلِ ۲۰: ۱۹۹؛

سَيَّانُ بْنُ مُحَمَّدٍ شَرِّ السَّعْدِيِّ ۹: ۱۰۰؛

سَهْلُ بْنُ شَيْبَانَ - مَلَا حَضْرَتِ الْفَتْدِ الزَّمَانِي

سَهْمُ بْنُ أَبِي السَّهْدَانِيِّ ۱۶: ۵۲؛

سَهْمُ بْنُ حَنْظَلَةَ الْغَنَوِيُّ ۱: ۱۷۳، ۱۶: ۲۶۹، ۱۸: ۱۵۱؛

سَهْمُ الْغَنَوِيُّ ۱: ۸۳؛ (صاحب معجم الشعراء کے نزدیک یہ سَهْمُ، سَهْمُ بْنُ حَنْظَلَةَ

سے مختلف ہے)

ابو سَهْمٍ الهذلي م: ۸۴، ۸: ۲۰۲، ۱۱: ۱۵۶، ۱۲: ۱۵۵، ۱۵: ۲۳۱،  
۲۵۶: ۲۰

ابو سَهْوٍ الهذلي م: ۱۸: ۱؛

سَهيل بن ابی كاهل ه: ۱۹۰؛ ابو سَواح م: ۲۰۵؛

ابو سَواح الصنبي م: ۷؛ (سَواح کی بجائے ابو سَواح پڑھنا چاہیے)

سَوار بن قارب م: ۳۰؛

ابن سَوادَةَ م: ۲۳۰؛

سَوادَةُ بن زَید بن عدی م: ۳۶۸: ۶؛

سَوار بن حَبان البُنْقَرِي م: ۲۰۳: ۶؛

سَوار بن الْمُضَرَّب السَّعْدِي م: ۲۴۱، ۳۲۲، ۳۰۷: ۹، ۳۰۷: ۳، ۳۰۷: ۳۰۷؛

۱۷: ۵۴، ۱۶۸، ۲۰: ۲۶۹؛

ابو السَّوداء العَجَلِي م: ۳۳۱، ۵: ۱۹۲، ۱۳: ۲۰۹، ۲۰: ۲۰۳؛

سُور الذَّئِب م: ۳۸۳، ۱۳: ۷؛

سُؤید ه: ۱۰، ۱۰: ۹۴، م: ۱۳۰، ۱۷: ۳۳۳، ۱۹: ۵۰، ۱۸۵؛

سُؤید الحارثي م: ۳۶۷، ۸: ۲۷؛

سُؤید بن حذاف العبدي ه: ۳۱۹: ۶؛

سُؤید بن الصامِت الانصاري م: ۳۹۷، ۳: ۳۹۷، م: ۴۹، ۱۷: ۳۹۷؛

۱۹: ۲۷۷؛

سُؤید بن الصَّلْت م: ۲۵۲: ۶؛

سُؤید بن عامر المصْطَلقي م: ۲۰: ۱۶۱؛

سُؤید عمیر الهذلي م: ۴؛









الشَّعْرُ دَلْ بِن شَرِيك الْبِرْبُوعِي ١٣ : ٢٩٣ ؛

شَمْعَلَةُ بِن الْأَخْضَرِ الضَّبِّي ١٢ : ٥٢ ، ١٤ : ٢٤٣ ، ١٤ : ٢٣٩ ؛

الشَّيْبَاءُ بِنْت زَيْد بِن عُمَارَةَ ١٨ : ٤ ؛

الشَّيْفَرِيُّ ١ : ١٤٣ ، ٢ : ٣١٥ ، ٣ : ٣٥٤ ، ٣ : ١٢٢ ، ٥ : ٢٣٥ ؛

٩ : ٢٨٨ ، ١٣ : ٢٨٨ ، ٤ : ٢٨٨ ، ٨ : ٢٨٨ ، ٩ : ١١٩ ، ١٠ : ٢٥١ ، ١١ : ٣٨١ ؛

١١ : ٢٨٨ ، ١٢ : ٢٨٨ ، ١٣ : ٢٨٨ ، ١٤ : ٢٨٨ ، ١٥ : ٢٨٨ ، ١٦ : ٢٨٨ ؛

١٤ : ٢٨٨ ، ١٥ : ٢٨٨ ، ١٦ : ٢٨٨ ، ١٧ : ٢٨٨ ؛

شَهَاب بِن أَبِي ذُوَيْب الْهَذَلِي ٥ : ٢٤٥ ، ١٣ : ١١٣ ؛

ابن شَهَاب الْهَذَلِي ١٠ : ٤٤ ؛ (بِهِ شَعْرُ شَهَاب الْهَذَلِي كِي جَانِبِ مَنْسُوقِ)

(ملاحظة : ١١٠)

ابو شَهَاب الْهَذَلِي ٣ : ١١٠ ، ٥ : ٢٤٥ ؛ (بِهِ ملاحظة هو ابو ذُوَيْب الْهَذَلِي)

شَهْل بِن شَيْبَانَ ملاحظة هو الْفَنْدُ الزَّمَانِي

شَوَّال بِن نَعِيم ٤ : ٩ ؛

الشُّوَلِيُّ ملاحظة هو مُحَمَّد بِن حَمْدَان بِن مَالِك الْحَجْفِي

الشُّوَلِيُّ الْحَنْفِيُّ ملاحظة هو هَانِي بِن نَوْبَةَ الشَّيْبَانِي

ابو الشَّيْبِيس ٩ : ٨٢ ؛

شَيْم بِن خُوَيْلِد ١١ : ٣٤٨ ؛

ص

صَالِح بِن الْأَحْنَف ٥ : ١٣٤ ؛

ابن الصَّامِت الْحُشْبِيُّ ٢ : ١٤٣ ؛

الصَّبَّاحُ بْنُ عَمْرِو وَالهَمَزُ أَفِي ١٥ : ٢٧٤ :

ابْنُ الصَّبَّغَاءِ ١١ : ٢٢٤ :

أَبُو صَحَّارٍ ١٢ : ٢٥٢ :

صَحْحُ النَّحْيِ الْهَذَلِيَّ ١ : ٢٨ : ٢٨٠ : ١٧٤ : ٢٠٠ : ٢٤٢ : ٢٨١ : ٢١٨ : ٢٨٠ :

٣٩٨ : ١١٢ : ٢٢٢ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٩٥ : ٢٢٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٤٤ : ٢٩٨ : ٢٢٢ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٩ : ٢٤٤ : ٤ : ٩٥ : ٨ : ١٧١ : ٩ : ٤١ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

١٧٤ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ : ٢٨٤ :

٢٨٠ : ٢٢١ : ٩ : ٥٤ : ٤٣ : ٢٢٨ : ٢٠ : ٢٨٠ : ١٧١ : ١٧٤ :

صَحْحُ بْنُ حَبْنَاءِ ١ : ٢٧٤ :

صَحْحُ بْنُ عَمْرِو (بْنِ) التَّنَزِيدِ السَّلَاقِي ٥ : ٣٥٥ : ٤ : ٢٠٩ : ١١ : ٢٠٩ :

٢٨٠ : ٢٢٢ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

صَحْحُ بْنُ عَمِيرٍ (أَوْ عَمِيرَةُ) ٣ : ١١ : ٣ : ١١ : ٣ : ١١ : ٣ : ١١ : ٣ : ١١ :

٢٠١ :

أَبُو صَحْحٍ الْهَذَلِيَّ ١ : ٢١٤ : ٢٤٩ : ٣٥١ : ٣٤٣ : ٢ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :

٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ : ٢٨٠ :



ابوالصوف الطائی ۲۰: ۷۳؛

## ض

ضابی بن الحارث البکر جُحَی ۵: ۱۶، ۴: ۳۸، ۹: ۱۸۸، ۱۱: ۳، ۱۲: ۱۵۹،

۱۳: ۲۱۹، ۲۱۹، ۲۲۰، ۱۴: ۱۵۶، ۱۷: ۹۲، ۱۸: ۲۱۱

ضَبَّ ۱۳: ۲۲۸؛

ضَبَّ بن نَعْرَة ۱۷: ۳۱۵؛

ابوضب الہذلی ۸: ۲۸؛

الضباب بن سَیْع بن عوف الخنظلی ۱۳: ۲۶۹؛

الضباب بن سُبَیْح ۱۵: ۲۲؛

ضباب بن وائل الطَّهَوِی ۵: ۳۱، ۴: ۲۶۵، ۹: ۱۹؛

ضباب بن وَقْدَان السدوسی ۲۰: ۲۵؛

ابوضبة الہذلی ۴: ۳۸۸؛

ابن القُبُعَاء ۱۹: ۱۹؛ (یہی مصرع ابن القُبُعَاء کے تحت میں مذکور ہے)

الضَبَّی ۱۰: ۲۱۵، ۲۶۲؛

الضحاك العاصری ۳: ۳۵۰؛

ضرار بن الخطاب الفہری ۳: ۱۲۰؛

ضرار بن عتبۃ العبشمی ۴: ۲۳۲؛

ضرار بن عمرو السَّعْدِی ۱: ۱۰۲؛

ضَمْرَة بن ضمرة بن جابر بن قطن النهشلی ۸: ۸۶، ۹: ۲۳۳،













ابوالطیب / ۱۱۲، ۲۲۷، ۴، ۲۵۵، ۱۶۱، ۱۵، ۳۹۹، ۱۶، ۲۰۸، ۱۹، ۵۸،

رنیز (لاخطہ ہوا المتنبی)

ابن الطیفان الدامری / ۳: ۲۶۷؛

ابن الطیفایۃ / ۱: ۱۷۶؛

## ع

ابن عباس البخاری / ۴: ۲۰۵، ۱۹؛

عائکہ بنت عبد المطلب / ۱۰: ۵۳؛

عادیۃ راقمہ / ۷: ۷۰۷؛

عاریق الطائی / ۹: ۳۸۵، ۱۲، ۱۱، ۱۹، ۲۰۵؛

العاصم / ۵: ۳۶۸؛

ابن العاصم ملاکولابی / ۱۰: ۲۹۷؛

ابوعاصم الانکلابی / ۳: ۱۶، ۷: ۱۰۸، ۱۰، ۳۶، ۱۲، ۲۹۰، ۱۶، ۱۳۳، ۱۹، ۲۶۰؛

ابوعاصم الانکلابی / ۴: ۸۱، ربیعہ شعراء: ۲۹۷ پر ابن العاصم ملاکولابی کی جانب سے

۷۰۷-

عاصم بن ثابت الانصاری / ۳: ۳۴۴، ۳، ۳۵۹، ۳، ۲۲۲، ۴، ۱۶۵؛

عاصم بن منظور / ۳: ۳۸۰؛

ابن ابی عاصیۃ / ۲: ۲۶۴؛

ابوالعاصیۃ السُلَی / ۸: ۱۴۹؛

ابوعامر رجب العباس بن مزداس / ۴: ۲۲۷، ۱۲، ۱۰۸، ۱۱؛

عامر بن حمزہ الطائی / ۷: ۳۰۹، رشاید جوتین کی بجائے حمزہ لکھا گیا ہو؛

عامر بن جُوین الطائی : ۱۳۲، ۱۰۹، ۱۳ : ۲۵۲، ۳، ۳۵، ۴۳؛ ریز ملاحظہ ہو  
عامر بن جریر اور عمرو بن جُوین -

عامر بن الحارث — ملاحظہ ہو جریران العود

عامر بن الحُلَیْس — ملاحظہ ہو ابوکبیر الہذلی

عامر الخَصَفی : ۳۷۷، ۲۰، ۲۸۹؛

عامر بن شَقِیق القِیّی : ۳۲۸، ۴ : ۲۷۹؛

عامر بن الطَّفِیل السعدی : ۵۶، ۳، ۵۸، ۹، ۳۵۸، ۳، ۹۷، ۴، ۲۵۲؛

۴۷۹، ۴۷۹، ۱۰، ۷۹، ۷۹، ۴۰، ۹۳، ۱۱، ۱۵۱، ۳۳۴، ۱۲ : ۱۲؛

۱۳، ۲۹۳، ۴ : ۵۷، ۱۱، ۱۸۲، ۳۶۶، ۱۵ : ۲۷۵، ۲، ۱۸، ۲۴۵؛

۲۵۴

عامر بن العَجَلان الہذلی : ۲۰؛

عامر بن عَقِیل السعدی : ۳۳۵، ۳۸۸؛

عامر بن فُحَیْرَة : ۳۸۲، ۱۱ : ۲۲۳؛

عامر بن قیس : ۳۹۹؛

عامر بن کثیر الحارثی : ۲۹، ۱۴؛

عامر بن کعب بن عمرو بن سعد : ۲۸۳؛

ابو عامر الکلابی : ۱۲۱، ۷ : ۳۷؛

عامر بن مالک رَمَدِیْعَب الْأَسْتَدِ : ۱۳ : ۳، ۴ : ۲۸۸؛

العامری : ۲ : ۴۷۹؛

العامریۃ : ۴، ۱۴، ۷ : ۱۲، ۱۵، ۱۷ : ۱۲، ۱۸، ۳۸۹، ۲۰ : ۲۱۱؛

عَاہَان بن کعب بن عمرو بن سعد : ۷ : ۳۲۷، ۳ : ۱۵۵، ۴ : ۱۴۵؛







عبد اللہ بن سلیم (من بنی ثعلبہ بن الدّ ول) ۱۳: ۱۴۹؛

عبد اللہ بن سلیمہ ۵: ۴۲۲؛

عبد اللہ بن سمعان التغلّبی ۱: ۷، ۲۵۱، ۴، ۳۹۴، ۵: ۲۱۹؛

عبد اللہ السجعی ۵: ۳۳؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن الزبیری السجعی)

عبد اللہ بن عبد الدعلی ۱۷: ۲۴۹؛

عبد اللہ بن عجلان النہدی ۱۳: ۱۰۸، ۱۴: ۲۴، ۱۵: ۱۱۷؛

عبد اللہ بن عمر ۷: ۲۰۹، ۱۵: ۱۹۱، ۱۷: ۲۲۶؛

عبد اللہ بن غنمۃ الضبی ۲: ۲۰۷، ۴: ۱۵۵، ۲۴: ۴ (غنمۃ کی بجائے

غنمۃ لکھا ہے) ۵: ۲۹۲، ۱۲: ۴، ۲۰۷ (یہاں بھی غنمۃ مرقوم ہے)؛

۱۴: ۱۵۲، (یہاں غنمۃ مرقوم ہے) ۳، ۲۷، ۱۹: ۱۹۶؛ (نیز ملاحظہ

ابن غنمۃ اور ابن غنمۃ)۔

عبد اللہ بن قیس الترقیّات — ملاحظہ ہو ابن قیس الترقیّات

عبد اللہ بن مسلم (من بنی ثعلبہ بن الدّ ول) ۷: ۱۱؛ (یہی اشعار

عبد اللہ بن سلیم کی جانب منسوب ہیں، دیکھو ۱۳: ۱۴۹)۔

عبد اللہ بن مسلم الہذلی ۱۰: ۲۹۹، ۱۱: ۳۱۸؛

عبد اللہ ذوالنجاذین — ملاحظہ ہو عبد اللہ ذوالجنادین المزنی۔

عبد اللہ بن ثبیث الثقفی ۴: ۴۷، ۱۰: ۱۰۹، ۱۱: ۴۸؛

عبد اللہ بن حاتم السلولی ۳: ۲۳۹، ۵: ۹۱، ۴: ۲۹۱، ۱۰: ۱۱۹، ۱۵:

۳۴۲، ۱۷: ۲۸۲؛

عبد بنی الحسحاس (هو سعیم) ۳: ۱۵۲، ۲۰: ۴، ۲۵: ۵، ۲۷: ۵،

۲۸: ۳۱۸، ۵: ۲۵۲، ۱۱: ۲۸، ۱۲: ۲۱۷، ۱۳: ۱۲۸، ۱۷: ۳۷،

۱۳ : ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۱۴ : ۲۱۲ ، ۱۷ : ۱۱۳ ، ۱۸ : ۲۰۸ (۹) ،

۲۰ : ۳۶۵ ، ۲۷۹ :

ابن عبد الجبن ۱۳ : ۶ (یہی شعر تاج العروس میں عمرو بن عبد الحق کی جانب منسوب ہے)

عبد الحارث بن ضرار بن عمرو بن مالک الضبی ۱۰ : ۲۹۴ :

بنت عبد الحارث الیربوعی ۱۷ : ۳۶ (۹) :

عبد بن جیدہ البزلی ۱ : ۳۲۱ :

عبد الحق ۷ : ۶۰ (یہی شعر ۱۳ : ۶ پر ابن عبد الجبن کی جانب منسوب ہے)

عبد ربیعہ السملی ۱۹ : ۲۹۵ (۹) :

عبد الرحمن بن جُمَانَةُ المحاربی جاہلی ۱۵ ، ۱۶ :

عبد الرحمن بن حسان الانصاری ۱ : ۱۸۶ ، ۳۹ : ۳۱ ، ۲۲۱ : ۳۸۶ ،

۵ : ۳۲۳ ، ۱۰ : ۲۹۸ (۹) ، ۱۲ : ۳۰۷ ، ۳۱ : ۱۳ ، ۴۹ : ۲۰۰ ، ۱۷ :

۸۸ ، ۱۴۲ ، ۱۸ : ۷۸ ، ۲۰ : ۷۸ :

عبد الرحمن بن الحكم بن ابی العاصی ۳ : ۳۵۸ ، ۴ : ۳۵۳ (۹) ، ۱۰ :

۸۰ ، ۱۵۶ (۹) ، ۱۱ : ۳۰۴ (۹) ، ۱۳ : ۴۰۰ :

عبد الرحمن بن دارقہ ۱۳ : ۱۳ ، ۱۴ : ۶ :

عبد الرحمن بن عبد اللہ بن الجراح ۵ : ۲۲ :

عبد الرحمن بن عوف ۱۱ : ۱۰ (۹) :

عبد الشارق بن عبد العزیز الجُمَہَنی ۲ : ۴۲۴ :

عبد القیس بن خُفَاف البُرَجَبِی ۲ : ۲۰۶ ، ۵ : ۱۲۷ (۹) :

عبد المسیح بن عمرو بن نفیلۃ الغسانی ۳ : ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۳۱۴ : ۴۰۸ ، ۱۶ : ۲۳۰ :

عبد المطلب بن ہاشم ۶ : ۳۱۴ ، ۸ : ۲۰۹ ، ۱۳ : ۱۷۵ ، ۱۴ : ۱۷۱ ،

۳۱۴؛

عبد الملك ۱۰ : ۱۳۶؛

عبد مناف بن وئح المذنی ۲ : ۳۳۶ (۹) ، ۳ : ۱۸۱ ، ۴ : ۹۶؛

۲۲۲ ربيع کی بجائے ربيع مرقوم ہے، ۲۸۶ ، ۳۴۱ ، ۴ : ۳۴۶ (ربیع

مرقوم ہے، ۷ : ۳۵۱ ، ۸ : ۳۴۸ ، ۱۰ : ۲۵۲ ، ۳۱۹ ،

۲۵۹ ، ۱۲ : ۳۲۷ ، ۱۳ : ۱۳۲ ، ۲۵۶ ، ۵۱۶ ، ۱۵ : ۲۴۱ ، ۳۴۱ ،

۱۶ : ۱۰۹ ، ۱۸ : ۱۴۲ ، ۱۸ : ۱۴۸ ، ۱۹ : ۳۴۶ ، ۲۰ : ۳۱۴؛

عبد المؤمن بن عبد القدوس - ملاحظہ ہو ابو الہندی

عبد النعیم — ملاحظہ ہو طوئیس

عبد ہند بن التغلبی (جاہلی) ۱ : ۱۵۶؛

عبد یعقوب بن وقاص الحارثی ۵ : ۵۴ ، ۶ : ۳۸۳ ، ۷ : ۲۱۱ ، ۸ : ۲۱۱ ،

۹ : ۳۵ ، ۱۰ : ۲۳۰ ، ۱۳ : ۲۸۸ ، ۱۹ : ۲۶۰؛

عبدۃ بن الطیب ۳ : ۱۱ ، ۴ : ۲۰ ، ۸ : ۹۵ ، ۲۵ : ۲۶۸ ،

۱۰ : ۲۵ ، ۲۱۲ : ۲۵۶ ، ۱۳ : ۱۷۹ ، ۳۳ : ۲۶۸ ، ۱۶ : ۲۲۲ ،

۳۳ : ۱۷۰؛

ابن عبیدل ۱۷ : ۶۳؛

العبدی ۴ : ۱۱ ، ۸ : ۱۱۰ (صرف العبد مرقوم ہے) ، ۱۳ : ۵۰۰؛

۱۷ : ۱۶۲؛

عبید (۹) ، ۱ : ۲۱۳ ، ۲۳۲ ، ۳۷۲ ، ۱۱ : ۲ : ۱۶۶ ، ۱۷ : ۲۳۲ ، ۲۸۰ ،

۲۸۳ ، ۳ : ۲۵ ، ۱۷ : ۳۵۴ ، ۳۸۱ ، ۳۹۶ ، ۴ : ۳۹۵ ،

۲۲۲ ، ۷ : ۲۸۱ ، ۳۷۱ ، ۸ : ۷۶ (۹) ، ۹ : ۱۰۳ ، ۱۱ : ۲۲۲ ،

۳۵۵، ۱۱، ۱۲ : ۱۴، ۱۸۲ : ۳۰۴، ۱۵ : ۱۲۳، ۱۲۶، ۲۰۱

۳۹۱، ۱۷ : ۲۹۸، ۲۹۰ : ۱۹، ۸۱ : ۲۰ : ۱۷۸، ۲۳۲، ۲۹۴

؛ ۳۶۶، ۳۳۲

ابوعبید ۱۵ : ۳۸۹

عبید بن الابرص الانزلی : ۱، ۱۲، ۱۳۲، ۳۷۹، ۴۰۶، ۴۹۴ (۹) : ۲، ۲۳۶

۲۷۸، ۳۰۰، ۳ : ۲۲۲، ۵۱۰، ۴ : ۹۶، ۲۰۷، ۳۲۲، ۳۶۱، ۵ :

۴۳، ۳۸۷، ۶ : ۴۳، ۳۱۸، ۸ : ۵۲، ۱۰۶، ۱۲۸، ۳۳۹، ۹ : ۲۱ :

۳۰۰، ۱۱ : ۵۴ (۹) : ۱۲ : ۳۲۴، ۳۶۸، ۳ : ۱۳، ۲۳۳ : ۱۴، ۲۴۲

۱۶ : ۲۱۴، ۲۸۹، ۱۷ : ۱۴، ۹۶، ۱۸ : ۲۳۹ : ۱۹ : ۲۳۳، ۲۴۹

؛ ۳۲۲، ۲۷۶ : ۲۰

عبید بن ایوب العنبری ۵ : ۲۶، ۱۴ : ۲۷۲، ۱۷ : ۲۶۴

عبید بن حصین الثمیری — ملاحظه هو الرائی

عبید بن زید العبّادی ۲ : ۲۷۹

عبید بن القرطی الأسدی ۱۵ : ۴۳

عبید القشیری ۲ : ۳۰۳

عبید بن مأویة الطائی ۷ : ۸۹

عبید المری ۸ : ۲۹۵

عبید بن المضربی — ملاحظه هو القتال الکلابی

عبید الله بن الحر الجعفی ۱۲ : ۳۳

عبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ۱ : ۷۳، ۶ : ۱۱۶، ۱۳ : ۵۱

۱۴ : ۱۴، ۲۷۱، ۱۵ : ۱۵۷، ۱۱۴

عبد اللہ بن عتبہ ۱۳ : ۱۳۴ ؛

عبد یتیم بن حلال لیشکری ۱۲ : ۳۳۱ (۹) ؛

ابن عتّاب بن اسید (۹) : ۱۴ : ۲۶۴ ؛

عتّاب بن ورقاء ۲۰ : ۲۶۳ ؛

العتّابی (ہو کلثوم بن عمرو) ۴ : ۵۵ ، ۵ : ۶ ؛

عتبہ بن شماس ۱۲ : ۱۷۸ ؛

عتبہ بن ابی نہب ۵ : ۳۲۹ ؛

عتبہ بن الرغل التغلبی ۴ : ۱۰۰۲۷۷ : ۲۹۲ (الرغل مرقوم ہے چغلط ہے)۔

عتقی بن مالک العتیلی ۱۸ : ۲۰ ، ۲۶۰ : ۱۸۴ ، ۲۲۱ ، ۲۶۹ ؛

عتیبة بن الحرث الیربوعي ۱ : ۲۱۳ ، ۱۴ : ۵ ؛

عتیبة بن مرداس — ملاحظہ ہو ابن مکتوف

عتیک بن قیس ۱۳ : ۲۶۱ ؛

عثمان بن طارق ۱۲ : ۱۳ : رہی شعر عمارة بن طارق کی جانب منسوب ہے۔

ملاحظہ ہو ۱۱ : ۲۲۹ -

عثمان بن عفان (رض) ۱۱ : ۶۱ ؛

عثمان بن مظعون ۱۰ : ۱۸۰ ؛

ابن عثمة ۱۴ : ۴۱ ؛ (نیو ملاحظہ ہو ابن غنیمہ)

عثایر بن ابی العذرّی ۵ : ۳۸۰ (۹) ؛

الحجاج ۱ : ۴۰ ، ۴۱ ، ۵۶ ، ۹۷ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۷ ، ۱۲۹ ، ۲۶۳ ، ۲۶۴ ، ۲۷۸ ؛

۲۹۲ ، ۳۰۸ ، ۳۲۱ ، ۳۲۸ ، ۳۳۳ ، ۳۴۰ ، ۳۴۲ ، ۳۸۶ ، ۴۸۷ ، ۴۸۸ ، ۴۸۹ ؛

۱۱۴ ، ۱۲۱ ، ۱۲۶ ، ۱۲۸ ، ۱۷۷ ، ۱۸۳ ، ۱۸۶ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۶۰ ، ۲۷۲ ؛



6 794 6 780 6 770 6 760 6 750 6 740 6 730 6 720 6 710 6 700  
 6 690 6 680 6 670 6 660 6 650 6 640 6 630 6 620 6 610 6 600  
 6 590 6 580 6 570 6 560 6 550 6 540 6 530 6 520 6 510 6 500  
 6 490 6 480 6 470 6 460 6 450 6 440 6 430 6 420 6 410 6 400  
 6 390 6 380 6 370 6 360 6 350 6 340 6 330 6 320 6 310 6 300  
 6 290 6 280 6 270 6 260 6 250 6 240 6 230 6 220 6 210 6 200  
 6 190 6 180 6 170 6 160 6 150 6 140 6 130 6 120 6 110 6 100  
 6 90 6 80 6 70 6 60 6 50 6 40 6 30 6 20 6 10 6 0  
 6 99 6 98 6 97 6 96 6 95 6 94 6 93 6 92 6 91 6 90  
 6 89 6 88 6 87 6 86 6 85 6 84 6 83 6 82 6 81 6 80  
 6 79 6 78 6 77 6 76 6 75 6 74 6 73 6 72 6 71 6 70  
 6 69 6 68 6 67 6 66 6 65 6 64 6 63 6 62 6 61 6 60  
 6 59 6 58 6 57 6 56 6 55 6 54 6 53 6 52 6 51 6 50  
 6 49 6 48 6 47 6 46 6 45 6 44 6 43 6 42 6 41 6 40  
 6 39 6 38 6 37 6 36 6 35 6 34 6 33 6 32 6 31 6 30  
 6 29 6 28 6 27 6 26 6 25 6 24 6 23 6 22 6 21 6 20  
 6 19 6 18 6 17 6 16 6 15 6 14 6 13 6 12 6 11 6 10  
 6 9 6 8 6 7 6 6 6 5 6 4 6 3 6 2 6 1 6 0  
 6 99 6 98 6 97 6 96 6 95 6 94 6 93 6 92 6 91 6 90  
 6 89 6 88 6 87 6 86 6 85 6 84 6 83 6 82 6 81 6 80  
 6 79 6 78 6 77 6 76 6 75 6 74 6 73 6 72 6 71 6 70  
 6 69 6 68 6 67 6 66 6 65 6 64 6 63 6 62 6 61 6 60  
 6 59 6 58 6 57 6 56 6 55 6 54 6 53 6 52 6 51 6 50  
 6 49 6 48 6 47 6 46 6 45 6 44 6 43 6 42 6 41 6 40  
 6 39 6 38 6 37 6 36 6 35 6 34 6 33 6 32 6 31 6 30  
 6 29 6 28 6 27 6 26 6 25 6 24 6 23 6 22 6 21 6 20  
 6 19 6 18 6 17 6 16 6 15 6 14 6 13 6 12 6 11 6 10  
 6 9 6 8 6 7 6 6 6 5 6 4 6 3 6 2 6 1 6 0  
 6 99 6 98 6 97 6 96 6 95 6 94 6 93 6 92 6 91 6 90  
 6 89 6 88 6 87 6 86 6 85 6 84 6 83 6 82 6 81 6 80  
 6 79 6 78 6 77 6 76 6 75 6 74 6 73 6 72 6 71 6 70  
 6 69 6 68 6 67 6 66 6 65 6 64 6 63 6 62 6 61 6 60  
 6 59 6 58 6 57 6 56 6 55 6 54 6 53 6 52 6 51 6 50  
 6 49 6 48 6 47 6 46 6 45 6 44 6 43 6 42 6 41 6 40  
 6 39 6 38 6 37 6 36 6 35 6 34 6 33 6 32 6 31 6 30  
 6 29 6 28 6 27 6 26 6 25 6 24 6 23 6 22 6 21 6 20  
 6 19 6 18 6 17 6 16 6 15 6 14 6 13 6 12 6 11 6 10  
 6 9 6 8 6 7 6 6 6 5 6 4 6 3 6 2 6 1 6 0







۱۶ : ۴ : ۷ : ۵ : ۱۴ : ۱۲۹ : ۱۲۹ : ۱۹۶ : ۲۴۵ : ۲۵۱ : ۳۰۴ : ۳۰۴

۱۷ : ۸ : ۲۱ : ۳۷ : ۱۲۲ : ۱۴۱ : ۱۵۵ : ۱۶۰ : ۱۸۸ : ۲۵۲ : ۲۷۱ : ۲۹۷

۳۰۳ : ۳۰۴ : ۳۰۹ : ۳۰۴ : ۱۷۱ : ۱۸ : ۱۳۱ : ۱۳۳ : ۱۸۱ : ۲۰۸ : ۲۰۹

۱۴۵ : ۲۴۵ : ۲۴۸ : ۳۰۷ : ۳۳۸ : ۳۷۱ : ۴۰ : ۲۱ : ۱۰۹ : ۱۰۱ : ۱۶۸

عَدِیُّ بْنُ صُبَیْحٍ ۳ : ۲۴۷ ؛

عَدِیُّ بْنُ الْعَدِیرِ ۱۴ : ۳۷۶ ؛

عَدِیُّ بْنُ عَلِیِّ الْغَافِرِیِّ ۳ : ۲۴۲ ؛

عَدِیُّ بْنُ وَدَاعٍ ۵ : ۱۴۲ (۹) ؛

العَدِیْلُ ۱ : ۲۵۱ ، ۱۶ : ۱۷۹ ؛

العَدِیْلُ بْنُ الْفَرَّخِ ۹ : ۱۷۷ ؛ ۱۱ : ۲۹۱ ، ۱۲ : ۲۴۶ ، ۲۰ : ۱۸۳ ؛

عَدَارِبْنُ دُرَّةِ الطَّائِیِّ ۳ : ۵۱ ، ۱۱ : ۲۲۵ ؛

العُدَاةُ ۷ : ۳۲۳ ؛

عُدَاةُ ۵ : ۱۳۳ ؛

عُدَاةُ الْکَنْدِیِّ ۲۰ : ۸۲ ؛

ابْنُ عَدَاةٍ ۷ : ۱۸ ؛

الْعَرِیُّ ۴ : ۵۱ ، ۱۷۷ ، ۸ : ۳۰۴ ، ۹ : ۳۰۹ ، ۱۰ : ۱۰۰ ، ۱۸ : ۳۴ ؛

ابْنُ عَرِیْسٍ ۳ : ۳۳ ، ۴ : ۱۴۱ ، ۷ : ۲۷۶ ؛

عَرْفُطَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَسَدِیِّ ۲۰ : ۱۴۵ ؛

الْعَرَبَنْدَسُ الْکَلَابِیُّ ۶ : ۵۴ ؛

عُرْفَةُ بْنُ جُلْهَمَةَ الْمَازِنِیِّ ۱ : ۳۸۷ ؛

عُرْفَةُ بْنُ حِزَامٍ ۱۱ : ۱۴۲ ، ۱۳ : ۳۶۳ ؛

عروۃ بن مُرَّة الہُذَلِیُّ ۲ : ۲۲۵ ، ۱۰ : ۲۹۰ ؛

عروۃ بن معدیکرب ۴ : ۳۵۹ ؛

عروۃ بن الوزر العُیَیُّی ۱ : ۱۶۴ ، ۱۸۱ ، ۳۰۳ ، ۴۹۵ ، ۲ : ۱۷۳ ،

۲۲۶ ، ۲۵۱ ، ۳۹۱ ، ۳ : ۴۴۲ ، ۴ : ۸۶ ، ۱۵۴ ، ۵ : ۶۵ ، ۶۹۵ ، ۲۲۶ ،

۳۱۹ ، ۴ : ۲۷ ، ۱۴۸ ، ۲۴۸ ، ۴۷۴ ، ۷ : ۷۵ ، ۱۶۴ ، ۱۸۰ ، ۹ : ۴۷۴ ،

۱۳ : ۵۶ ، ۴۴۴ ، ۱۴ : ۷۳ ، ۳۲۹ ، ۱۵ : ۲۹۸ ، ۳۲۳ ، ۱۹ : ۳۵۸ ؛

الحریان ۲۰ : ۱۹ ؛

ابو عُرَیْبٍ الْکَلْبِیُّ ۱۷ : ۷۶ ؛

ابو العزب النصری ۸ : ۳۷۷ ، ۳۷۳ ؛ (یہ نام ابو العزب النصری سے

متا جلتا ہے)۔

عُثَّان بن لبید العُذْرِی ۹ : ۲۳۴ (۹) ؛

ابو العطاء ۱۱ : ۱۳ ، ۱۹ : ۶۱ ؛

عطاء الاسدی ۱۹ : ۳۱۲ ؛

ابو عطاء السِّنْدِی (مولی بنی آسَد) ۱ : ۲۸۲ ، ۴ : ۳۰۷ ، ۱۱ :

۱۶۵ ، ۱۴ : ۲۶۹ ؛

عُطَارِد بن قُرَّان ۸ : ۸۴ ؛

عُطَّاف بن ابی شُعْفَرۃ الْکَلْبِی ۱۷ : ۳۲۰ ؛

العُطَمُ الْفَیْسِی ۱۵ : ۲۹ (۹) ؛

عطیة الدُّبَیْرِی ۱۷ : ۲۷۸ ؛

عطیة بن زید جاہلی ۵ : ۱۷۷ (۹) ؛

عطیة بن عَنِیف ۱۴ : ۳۶۱ (۹) ؛

العَفِيفُ الْعَبْدِيُّ ۱ : ۸۵ ؛

عُقْبَةُ الْأَسَدِيِّ ۷ : ۲۵۶ ؛

عُقْبَةُ بْنُ مُكْدَمٍ ۱۴ : ۱۵۷ ؛

عُقْبَةُ الْمُحَبِّبِيُّ ۴ : ۴۱۰ (۹) ؛ (یہی شعر ۱۲ : ۱۳، پر عثمان بن طارق کی جانب منسوب ہے)۔

عُقْفَانُ بْنُ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ ۱۱ : ۱۳۴، ۱۵ : ۲۲۲ ؛

عُقَيْلُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ۱۶ : ۲۴ ؛

عُقَيْلُ بْنُ عُقْلَةَ الْمُرِّيِّ ۲ : ۲۶۰، ۴ : ۱۹۱، ۷ : ۴۰۶، ۱۰ : ۱۸۰، ۲۶۰ ؛

۲۱، ۱۹ : ۳۷۴ ؛

العُقَيْلِيُّ ۵ : ۱۹۹، ۱۸ : ۲۹۶ ؛

عُكْرَشَةُ الضَّبِّيِّ ۶ : ۴۳۱ ؛

العُكْلِيُّ ۱۵ : ۴۳ ؛

أَبُو الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ ۷ : ۳۷۹ ؛

الْعَلَاءُ بْنُ عَمْرِو الْبَاهِلِيِّ ۷ : ۲۶۸ ؛

أَبُو الْعَلَاءِ الْمَعَرِّيِّ ۱۶ : ۲۶۰ ؛

الْعَلَاءُ بْنُ مِنْهَالٍ الْغَنَوِيِّ ۱ : ۶۶، ۲۰ : ۷۱ ؛

عَلْبَاءُ بْنُ أَرْقَمٍ ۲ : ۴۷، ۱۷ : ۹۴، ۲۰ : ۳۳۰ ؛

ابن عَلْبَةَ ۱۷ : ۶۰، ۱۳۰ ؛

عَلْقَمَةُ — ملاحظہ ہو علقمة بن عبدۃ التمیمی

عَلْقَمَةُ بْنُ عَبْدِۃ التَّمِيمِيِّ ۱ : ۸۸، ۱۲۲، ۲۶۴، ۲۶۹، ۳۸۵، ۳۹۱، ۴۱۸، ۴۴۰،

۲ : ۴۲، ۵۱، ۶۵، ۳ : ۴۰، ۴ : ۱۷۵، ۷ : ۱۸۴، ۵۲۹، ۴۳۷،

٥ : ١٣ : ٦ : ٣٩٨ : ٢٠٠ : ٢٢٥ : ٤ : ١٥ : ٨ : ١٠ : ٤٣ : ٤٢

١٢٨ : ١٨٦ : ٣٠٠ : ٩ : ١٥٢ : ٢٥٩ : ٢٥٣ : ١١ : ١٢ : ١٢٣ : ١٥٢ : ٢٩٩

١٢ : ١٢٥ : ٢٠٠ : ٢٣٦ : ١٣ : ١٩٢ : ٣٦٢ : ٣٩١ : ١٢ : ١٨ : ٣٢ : ١٩٦

٢٠٣ : ١٥ : ٥٣ : ٥٩ : ٩٤ : ٢١٨ : ٢٢٢ : ٢٨٣ : ٢٠٨ : ٢٣٠ : ٢٣ : ١٩ :

٨٢ : ١٢٥ : ١٤٠ : ١٥ : ١٨ : ١١٩ : ١٣٢ : ٢١٠ : ٢١١ : ٢٢٣ : ٢٣٠ : ١٩ :

٤٢ : ١٢٣ : ٢٢٨ : ٢٠ : ١٩٠ : ٢٥٨ : ٣٢٢ : ٣٢٨ :

علقمة بن عوف ٩ : ٦٨ ؛

علي بن أحمد الغزني ١٤ : ١٠١ ؛

علي بن أبي طالب (رض) ٣ : ٩٨ : ٥ : ٢٢٦ : ٦ : ٢٨ : ١٦٠ : ٩ : ١٩٨ ؛

٣٣١ : ١٠ : ٣١ : ٢٠ : ١١ : ٤٢ : ١٢ : ٤ : ٢٥٢ : ١٣ : ٥٥ (٩) ؛

١٢ : ٢٢٤ : ١٥ : ٢١ : ١٦٩ : ١٦ : ٤٠ : ١٨ : ٢٢٩ : ٢٩٣ ؛

علي بن طفيل السعدي ١٤ : ٣٣٥ ؛

علي بن عبد الله بن عباس (بن عبد المطلب) ٩ : ٣٣٩ : ١٠ : ١٩٩ : ٢٩٣ : ١١ : ٥١ ؛

علي بن عدي الغنوي (المعروف بأبن العرير) ١٩ : ٣٢٣ (٩) ؛

علي بن عذير الغنوي ١ : ٢٤٩ ؛

العليكم الكندي ١٢ : ٤٦ ؛

عمّار بن البزّائنية الكلبى ١٦ : ٢٦٦ ؛

عمّار بن ياسر ١٣ : ١٣٢ ؛

عمارة ٥ : ٣١٣ : ٦ : ٣١٠ : ١١ : ٣٠٠ : ١٢ : ١٢ : ١٢٨ : ٢٥ : ٢٢٢ : ٢٢٣ ؛

٢٦٤ : ٣٣٤ : ١٨ : ٣٣ ؛

عمارة بن ايمن الرياني ١٨ : ١٨١ ؛

عمارة بن راشد ۱۵ : ۳۵۱ :

عمارة بن طارق ۴ : ۴۰۹ : ۱۱ : ۳۳۹ : ۱۲ : ۶۲ : ۱۰۲ : ۱۷۸ : ۱۷ : ۳۱۲ :

عمارة بن عقیل ۸ : ۴۱۲ : ۱۲ : ۲۴۵ : ۱۵ : ۲۵۲ :

ابو عمارة (بن ابی طرفة) الذی ۵ : ۲۶۷ : ۱۱ : ۲۱۲ :

الحماکنی (هو محمد بن ذؤیب الفقیہی) ۱۰ : ۴۲۶ : ۱۱ : ۳۹ : ۱۴ : ۳۴۳ :

۱۵ : ۲۵۵ : ۳۵۷ : ۳۹۸ : ۲۰ : ۲۴۲ :

عمر بن الجعد الخزاعی ۱۱ : ۱۶۳ : (نیز ملاحظہ ہو عمیر بن الجعد الخزاعی)

عمر بن الخطاب (رض) ۳ : ۲۸۲ : ۵ : ۴۲۵ : ۹ : ۱۰۰ : ۱۳۶ : ۱۵ :

۲۱۵ : ۹ :

عمر بن ابی ربیعہ ۲ : ۳۰۶ : ۳ : ۴۱ : ۴۳۷ : ۴ : ۵۰۷ : ۸۳ :

۱۴۸ : ۲۴۵ : ۶ : ۲۷۹ : ۸ : ۱۹۲ : ۱۱ : ۹ : ۴۱۰ : ۴۹۱ : ۱۰ :

۵۴ : ۱۱ : ۶۲ : ۱۱۸ : ۱۲ : ۲۷۳ : ۱۳ : ۲۰۷ : ۴۸۳ : ۱۴ : ۱۰۳ : ۱۱۶ :

۱۵۱ : ۱۷۸ : ۳۲۲ : ۳۶۰ : ۱۵ : ۱۵۶ : ۲۵۵ : ۱۶ : ۱۳۴ : ۱۳۴ : ۱۱۶ :

ربیعہ کی بجائے محض ربیعہ مرقوم ہے، ۱۶۷ : ۲۲۸ : ۱۷ : ۲۴۲ : ۱۸ :

۱۷۷ : ۱۹۸ : ۱۹ : ۸۱ :

عمر بن عبد العزیز ۷ : ۱۹۰ : ۹ : ۳۴۸ :

عمر بن قبیصة العبدي (من بنی عبد اللہ بن دارم) ۱۹ : ۳۶ :

عمر بن قنعاہ المرادی — ملاحظہ ہو عمرو بن قنعاہ المرادی :

عمر بن لُحْیاء الشَّیْبَانِی ۳ : ۱۷۱ : ۵ : ۳۴۷ : ۶ : ۲۶۴ : ۱۶۴ : ۷ : ۳۳۳ :

۸ : ۶۳ : ۱۱ : ۲۲ : ۱۷۱ : ۱۲ : ۳۲۰ : ۱۳ : ۲۰۷ : ۱۵ : ۴۷ :

١٠٢، ٢٩٣، ٣٩٢، ١٤، ١٥٩، ١٨ : ٩١، ١٩ : ٢٢٤، ٦٥؛ (نيز

ملاظمهوا بن لجج)

عمران بن حطان الحزوري) ٣ : ٩٣، ٥ : ٢٠، ١١ : ٣٠، ١٣ : ٣٢٤، ٣٠٢،

٣٢٢، ١٣ : ١٦٠، ١٦ : ١٣٣، ٢٢٩ : ١٤، ٣٣٩ : ١٩، ١٥ : ١٣٨،

١٨٢، ٢٠٢، ٢٠ : ٢٣٢؛

عمران الكلبى ١١ : ٩٥؛

عمرة الخثميّة ١٨ : ١٠؛

عمرة (أخت العباس بن مرداس) بنت الخنساء ٨ : ٨٢؛

عمرة بن دريد ١٢ : ١٢٨؛

عمرة بن طارق ١٢ : ٢٠٥؛

عمرو ٤ : ٣٥٨، ١٠ : ٣٩٣، ١٢ : ٢٥٤، ٢٠ : ٣٢٠؛

الوعمر ١٨ : ٦٩؛

أخت عمرو ٨ : ٢٣٩؛ (نيز ملاظمهوا بن حنوب)

عمرو بن احمر — ملاظمهوا بن احمر

عمرو بن اذينة ١٢ : ٢٤٠؛

عمرو بن الاسود الطهوى ٨ : ٣٩٤؛

عمرو بن اسوى العبدى ١٣ : ٣٣؛

عمرو بن الخطاب ١٣ : ٣٤٨، ١٥ : ٢٤٤، ٢٤٢؛ (نيز ملاظمهوا بن الخطاب)

عمرو بن أمّانة ١٢ : ١٠٣؛

عمرو بن امرؤ القيس الانصارى ٤ : ٣٥١، ١١ : ٢٨٠ (٩)؛

عمرو بن أميّة ١٨ : ٢٢٢؛

عمرو بن الہاتم ۱۰: ۴۱۸، ۱۱: ۱۵۹، ۱۲: ۲۶۷، ۲۰: ۸۸،

(نیز ملاحظہ ہو عمرو بن الہاتم)

عمرو بن الہاتم ۱۶: ۱۴۸؛

عمرو بن الایہم ۱۶: ۸۰؛

عمرو بن بدر الہذلی ۱۹: ۲۶۳؛

عمرو بن براء ۱۰: ۲۲۱، ۱۱: ۱۸۶؛

عمرو بن جبَل ۱۴: ۳۶۶؛ (۱۴: ۳۶۷، پرہی مصرع عمرو بن جبیل کی

جانب منسوب ہے)

عمرو بن جبیل الاسدی ۴: ۳۹۱، ۱۰: ۲۲۵، ۱۴: ۳۶۷، ۱۸: ۱۸۷، ۲۳: ۱۸۷؛

عمرو بن جُزینی ۷: ۳۶۲، (۹: ۸، ۳۷۹، ۱۴: ۱۷۸، ۹: ۱)؛ (یہ نام

عامر بن جویں الطائی سے مشابہ ہے)۔

عمرو بن الحرث ۱۴: ۱۱۰؛

عمرو بن الحرث بن مُضاض بن عمرو ۱۶: ۲۶۳، (۹: ۱)؛

عمرو بن حارثۃ (المعروف بالاشعر الزفیان) ۲۰: ۳۲۹؛ (مجموع الشعراء الزفیان

کی بجائے الوقیان مرقوم ہے)۔

عمرو بن حُشَّان (من بنی الحرث بن ہمام بن مَروَۃ) ۴: ۲۲۶، ۹: ۱۲، ۹۷: ۱۲؛

۱۰۲، ۱۳: ۱۸۷، (۹: ۴۳۱، ۱۷: ۳۰۴، ۱۹: ۳۴۹؛

عمرو بن الدخَل ۴: ۲۷۳، ۳۲۱؛

عمرو بن دَرَّاک العبدی ۱۵: ۱۷۷؛

عمرو ذو الکُنب الہذلی ۲: ۲۳۲، ۴: ۲۲۰، ۲۲: ۷، ۱۲: ۳۱۱، ۲۹۳؛

۱۳: ۴۹، ۱۴: ۱۵، ۱۵: ۴۱، ۱۲۵، ۳۲۱، ۱۶: ۲۲۱، ۲۲: ۱۹؛



۱۷۸؛

ابوعمر والسعدی ۳: ۳: ۴؛

عمرو بن شائس الاسدی ۱: ۳۹۰، ۳: ۳۹۲، ۴۴۵، ۴: ۳۳۹ (شائس

کی بجائے ساس مرقوم ہے)، ۴: ۲۳۶، ۱۰: ۱۹، ۱۵: ۱۲، ۱۶۶؛

۲۷۳، ۳۴۱، ۱۳: ۵۵، ۲۳۵، ۳۸۹، ۴۱۸، ۴: ۱۳۰، ۱۵:

۵۱، ۱۵۷، ۲۱۷، ۳۲۱، ۱۶: ۱۳۳، ۱۷: ۲۰، ۳۴۴، ۱۵۳؛

عمرو بن الشریید ۷: ۳۰۶؛

عمرو بن شقیق ۱۸: ۱۷۵؛

عمرو بن العاص ۳: ۳۸۸، ۷: ۱۹ (۹)؛

عمرو بن عجلان ۵: ۲۲۳؛

عمرو بن العذاع الکلبی ۴: ۴۵۶، ۱۳: ۴۹۱، ۱۹: ۱۰۸؛

عمرو بن الفضل الجعفی ۱۴: ۳۷۷؛

عمرو بن قعاس (او قنعاس) المرادی ۵: ۱۶۱، ۷: ۱۸۹، ۱۱: ۲۸۶؛

عمرو بن قیسۃ ۱: ۴۸۶، ۳: ۳۲۰، ۳۲۱، ۴: ۳۳۰، ۵: ۱۶۳،

۴: ۳۸، ۹: ۲۴۶، ۱۰: ۸۱، ۱۲: ۱۶۶، ۱۳: ۲۷۲، ۲۴۶، ۱۴:

۲۵۹، ۱۷: ۲۹۳، ۴۱۴، ۱۸: ۲۹۷، ۱۹: ۱۱۳؛

عمرو بن کلثوم ۱: ۳۴۴، ۲: ۹۷، ۳: ۴، ۴: ۱۵۷، ۵: ۱۴۶،

۱۸۴، ۳۲۰، ۴: ۴۱۵، ۷: ۹، ۵۳، ۷۴، ۲۱۲، ۳۹۵، ۸: ۲۸۰،

۳: ۴۰۷، ۹: ۳، ۸، ۱۳، ۱۱: ۶۳، ۴: ۳۶۳، ۱۲: ۲۴۸،

۱۳: ۴۸۲، ۴: ۱۱۲، ۱۶: ۱۳۹، ۱۷: ۹، ۲۷۶، ۷۲، ۱۱۱، ۱۱۲،

۱۴۲، ۱۵۸، ۲۱۷، ۳۲۱، ۱۸: ۱۸۳، ۱۹: ۲۵، ۴: ۶۱، ۹۴، ۳۵۸،

۲۰: ۲۹، ۷۵، ۱۲۸؛

عمرو بن لُحَبَّاءُ مَلاظِمُ عُمَرَ بْنِ لُجَاجِ النَّخَعِيِّ

عُمَرُ بْنُ مَخْلَافَةَ الْحَمَارِ ۱۵: ۱۰۶ (۹)؛

عُمَرُ بْنُ مُرَّةٍ ۶: ۳۴۱، ۷: ۱۲۶، ۱۲: ۲۸۹، ۳۰: ۹؛

عُمَرُ بْنُ مَعْقِلِ بْنِ كَيْسِ بْنِ زَيْدِ بْنِ ۱: ۱۹، ۳: ۵۰۲، ۴: ۴۱۷،

۵: ۱۹۶، ۶: ۱۰۴، ۷: ۲۱۵، ۸: ۳۳۸، ۹: ۱۵۳، ۱۰: ۱۵۳،

۱۱: ۲۲۶، ۱۲: ۲۵۸، ۱۳: ۳۶۰، ۱۴: ۴۲۸، ۱۵: ۴۲۸،

۱۶: ۲۲۰، ۱۷: ۲۹۸، ۱۸: ۱۸۱، ۱۹: ۹۳، ۲۰: ۲۸۶، ۲۱: ۳۱۲،

۲۲: ۲۰۰، ۲۳: ۳۱۵، ۲۴: ۲۰۰، ۲۵: ۲۰۰، ۲۶: ۲۰۰،

عُمَرُ بْنُ مَلْطِطِ الطَّائِي ۱: ۲۳۱، ۳: ۷۰، ۴: ۳۰۲، ۵: ۱۸۰، ۶: ۱۸۰،

۱۹: ۶۴، ۲۰: ۲۳۶، ۲۱: ۲۵۱، ۲۲: ۲۵۱،

عُمَرُ بْنُ النُّعْمَانِ بْنِ الْبَرَاءِ — مَلاظِمُ الرِّجَالِ

عُمَرُ بْنُ الْهَذَلِ ۱۱: ۲۵۹، ۱۲: ۳۶۴، ۱۳: ۳۶۴،

عُمَرُ بْنُ الْهَذَلِ الْعَبْدِيُّ ۱۸: ۲۰۹، ۱۹: ۲۰۹،

عُمَرُ بْنُ هَمِيلِ بْنِ التَّمِيمِ ۲: ۳۸۲، ۳: ۱۵، ۴: ۱۵،

أُمُّ سَمُرُونِ بْنِ وَقْدَانَ ۸: ۲۶۴، ۹: ۲۶۴،

عَمَلَسُ بْنُ عَقِيلِ ۱۵: ۱۲۲، ۱۶: ۱۲۲،

ابن العمياء ۱۴: ۱۲۸، ۱۵: ۱۲۸،

عُمَيْرُ بْنُ الْجَعْدِ الْخَزَاعِي ۱۷: ۲۳۳، ۱۸: ۲۳۳،

عُمَيْرُ بْنُ حَبَّابِ ۷: ۶۳، ۸: ۱۹۹، ۹: ۱۹۹،

عُمَيْرُ (بَنِ سُلَيْمٍ) ۱۶: ۳۳، ۱۷: ۳۳،

عمير بن سلى الحنفى ١٤ : ٣٣ ؛

عمير بن شبيب — ملاحظو القطامي

عمير بن قيس بن جذل الطعان ١ : ١٦٢ ؛

عميرة بن طارق ١٣ : ٢٩٣ ؛

ابن عئاب الطائي ١٠ : ٩٢ ؛

العنبر بن تميم ٢ : ١٥٤ ؛

العنبرى ١ : ٢١٣ ، ٤ : ١٨١ ، ٨ : ٢٣٣ ، ٩ : ٢٤٩ ؛

عنبرة — ملاحظو عنقرة بن شداد العبسى

عنقرة بن الاخرس ١١ : ٢٦٥ ، ٢٤٦ ، ١٢ : ٣١٥ ؛

عنقرة بن شداد العبسى ١ : ٢٨١ ، ٢٠ : ٢٤٠ ، ٢ : ٢٢ ، ٣٥ : ١٣٢ ، ١٨٣ ،

٢٠٢ ، ٢٢٩ ، ٣٢٣ ، ١٠٢ ، ٥٠ : ٣٠٨ ، ٢١٢ ، ٢٣٩ ، ١٠٠ : ٣٣٦ ،

٣٥٥ ، ٣٨٩ ، ٣٢٩ ، ٢ : ٢٤٠ ، ١٠٢ ، ٢٢١ ، ٢٨٣ ، ٢٩٢ : ٥ ، ٨٠ : ١٦٩ ،

١٩٨ ، ٢٥٥ ، ٢٩٨ ، ٢٠٢ ، ٢٢٥ : ٤ ، ٢٢ : ١٠٠ ، ١٠٢ ، ١٢٢ ، ١٤٨ ، ١٨٥ ،

٢١٤ ، ٢٥١ ، ٢٨٦ ، ٣٢٥ ، ٢٩١ ، ٢٠٢ : ٤ ، ٢٦ : ١٢١ ، ٣٦٢ ، ٨ : ١٢٣ ،

٢٢٤ ، ٢٦٣ ، ٢٤٥ : ٩ ، ٨ : ٢٠٢ ، ٢٤٠ ، ٢٨١ ، ١٠ : ١٢١ ، ٥٦ ، ١٢٩ ،

١٢٥ ، ١٨٩ ، ٢٢٢ ، ٢٢٤ ، ٢٢٦ ، ٢٨٨ ، ٢٥١ : ١١ : ٣٢٣ ، ٨٦ ، ١٢٣ ،

١٦٩ ، ١٨٦ ، ٣٢١ ، ٣٢٨ ، ٣٣١ ، ٣٦٩ : ١٢ : ١٠٨ ، ١٢٩ ، ١٨١ ، ٣٢٢ ،

٣ : ١٢٩ ، ١٠٦ ، ١٢٢ ، ٢٩٢ ، ٢٩٣ ، ٣٠٥ ، ٣١٣ ، ٣٢٥ ، ٣٢٨ ، ٣٢٩ : ١٣ : ١٢٣ ،

٩١ ، ١٦٣ ، ٣٠٢ ، ٣٢٩ ، ٣٢٥ : ١٥ : ٢٥ ، ٥١ ، ٨١ ، ٩٢ ، ٩٥ ، ١١٦ ،

١٢٤ ، ١٥٨ ، ٢٠١ ، ٢١٠ ، ٢١٥ ، ٢٢١ ، ٢٦٢ ، ٣١٢ ، ٣٢٢ ، ٣٢٨ ، ٣٢٨ ،

٣٢١ ، ٣٩٦ ، ٢٢٩ ، ٢٢٩ : ١٤ : ٣١ ، ٣٢ ، ٣٣ ، ٩٨ ، ١١٢ ، ١٢٨ ، ٢١٠ ، ٢٢٥ ،

۲۹۸، ۱۷: ۱۰۳، ۲۶۴، ۲۹۶، ۴۰۴، ۱۸: ۱۱، ۴۵، ۲۵۲، ۲۸۳،

۳۱۱، ۱۹: ۱۶۳، ۲۴۸، ۲۰: ۱۹، ۲۷، ۶۳، ۱۴۳، ۱۵۹، ۳۰:

عنقر الطائى ۲۰: ۱۵۹؛

ابن عنقاء الفزارى ۶: ۲۳۴، ۲۹۳، ۱۴: ۱۰۵؛ (نیز ملاحظہ ہو اُسَید

بن عنقاء الفزارى)

ابو عنقاء الفزارى ۱۸: ۲۲۸؛ (ابن عنقاء سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ شاید ابن

کی بجائے ابو لکھ دیا گیا ہو۔)

عزام بن شُوْذَب الشَّيْبَانِي ۱۱: ۲۸۷، ۱۳: ۴۸۴، ۱۵: ۱۶۹؛

عوف بن الاحوص (بن جعفر او الجعفرى) ۱: ۶۷، ۴: ۳۰، ۱۰: ۱۸۲،

۲۸۶، ۱۱: ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۲: ۱۲، ۱۲: ۱۳، ۵۷: ۱۸، ۸۰: ۱۸۸،

۱۹: ۲۲۲؛

عوف بن الحَرَج ۶: ۳۷۵، ۱۱: ۴۰۶، ۱۴: ۲۷۳، ۱۵: ۱۷۵، ۱۶:

۱۵۵؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن الحرج )

عوف بن ذروة ۶: ۳۲۲؛

عوف بن عطية التميمي (التميمي وكميوقا لُص) ۳: ۲۷۲، ۴: ۴۴؛

عوف بن مالك التَّصْرِيقِي ۳: ۳۱۴ (۹)، ۶: ۱۶۰؛

عوف بن عبدالله بن عُتْبَةَ بن مسعود ۱۱: ۱۲۲؛

عوم بن عبدالله ۹: ۱۷۹؛

عُوَيْف القَوَانِي ۲: ۱۵۷، ۳: ۲۰۲، ۱۰: ۱۰۳، ۱۱: ۴۰۵، ۱۲: ۲۶۲،

۱۵: ۱۱۴، ۱۷: ۲۳۱؛

عُوَيْف الهُدَلِي ۶: ۶۵؛ (یہی شعر ۱۰: ۱۰۳، پر عوف القواني کی جانب منسوب)

عياض بن خويلد الهذلي ١٥ : ٣٥٦ (٩) ؛

عياض بن دُرَّة ٩ : ٥٣ ، ١٢ : ١٢٠ ، ٢٨٥ : ١٥ : ٣٩٢ ؛

عياض الهذلي ١٥ : ٣٣٦ ؛

ابو العيال الهذلي ١ : ٢٠٣ ، ٢٣٢ ، ٢٤٥ ، ٢ : ٣٢ ، ٢٨١ ، ٣٤ : ٣٠٣ ؛

١٩٠ ، ٢ : ١٦٠ ، ٥٦ : ٥ ، ٢٢٣ ، ٤٠ : ٨ ، ٤٠ : ٩ ، ٢٨١ : ١٠٠ ؛

٢٥٤ ، ٣٤٤ : ١١ : ١٢٩ ، ١٣٢ ، ١٢ : ١٢٠ ، ٢١٠ : ١٢ ، ٢٠٢ : ١٥ : ١١٩ ، ٣٣٣ ؛

١٤ : ٣٣٢ ، ١٨ : ٣٢ ، ١٢٥ ، ١٩ : ٢٢ ؛

عَيَّلان بن شجاع التَّمَشَكَلِي ١ : ٢٨١ ؛

ابن عُيَيْنَةَ ١٢ : ٢٠٢ ؛

ابن ابى عيينة ٢٠ : ٢٥٢ ؛

البُوعُيَيْنَةُ — ملاحظ هو محمد بن ابى صُفْرَةَ البوعيينة

عيينة بن حصن ١١ : ٢٨٨ ؛

عيينة بن مِرْدَاس ١٩ : ٢٨٢ ؛

غ

غادية الذَّبِيرِيَّة ٨ : ٢٩٨ ، ٣٠٥ ، ٣٠٨ ، ٣٦٨ ، ١٢ : ٢٤٣ ؛

غالب المعنى ٩ : ٣٢٢ ؛

ابو غالب المعنِي ٩ : ٢٥١ ، ١٦ : ٢١٩ ؛

غامد ٢ : ٣٢٢ ، ٥ : ٢٤٨ ؛

غاوى بن ظالم السُّلَمِي ١ : ٢٣٠ (٩) ؛

ابو الغزيب المنصري ٣ : ٢٩٤ ، ٤ : ١١١ ، ١٠ : ١٩٨ ، ١٣ : ١٣٦ ، ١٨ :

؛ ۱۴۹، ۱۰۵

غَسَّان السَّيْلِيّ ۱ : ۴۳۰، ۲ : ۳۲۱، ۳ : ۴۳۷، ۵ : ۳۴۷؛

غَسَّان بن وَعَلَة ۴ : ۷۶؛

غُصَيْن ۱۶ : ۲۴۳؛

الوَالِغَطَمَش ۸ : ۲۳۵؛

الغَطَمَش الضَّبِّي (هو من بني شقرة بن كعب بن ثعلبة بن ضبة) ۲ : ۱۴، ۶۶ : ۹۵؛

عَلَفَاء — ملاحظہ ہو معد یکرب المعروف بعلفاء

ابن خَلَفَاء ۱۱ : ۱۷۸؛

عَلَيْم (من بني دُبَيْر) ۳ : ۴۶۴؛

ابن عَنَمَة ۱ : ۱۵، ۶ : ۲۰۹؛

الغَنَوِي ۱ : ۲۵۷، ۲۹۰، ۳ : ۲۳۲، ۱۴ : ۲۵۵؛

غَنِي بن مَالِك ۳ : ۳۸۵ (۹)؛

الوَالِغُول الطَّهَوِي ۲ : ۳۰۲، ۱۶ : ۷۷، ۱۷ : ۲۴۸، ۱۸ : ۲۴۷، ۱۹ : ۲۱۱؛

غَوِيَة (بغين) المعجمة وقيل بعين المهملة بن سُلَيْم بن رَبِيعَة ۱۳ : ۴۳۳،

۱۴ : ۱۰۰، ۲۰ : ۳۲۸؛

غِيَاث بن عَوْث — ملاحظہ ہو الخطل

غَيَّلَان ۳ : ۴۱۷، ۶ : ۱۷۸، ۱۱ : ۱۱۰، ۱۲ : ۳۷۵، ۱۵ : ۳۶۶، ۱۶ : ۲۹؛

غَيَّلَان بن حُرَيْث ۷ : ۵۱، ۱۲۳، ۸ : ۲۵۵، ۹ : ۳۸، ۱۱ : ۳۸۳ (۹)؛

۱۶ : ۸۲، ۱۷ : ۲۶۹، ۲۰ : ۱۶۶؛

غَيَّلَان الرَّبْعِي ۱ : ۷۶، ۸۰، ۱۱۱، ۱۹۳، ۹ : ۳۸۴، ۴۵۱، ۱۱ : ۲۷؛

۱۳ : ۳۲۶، ۱۵ : ۳۰۰، ۱۷ : ۳۸۵، ۱۸ : ۹۲، ۱۹ : ۱۶، ۶ :

؛ ۲۷۹، ۵۸، ۴۴ : ۲۰، ۳۷۲، ۳۶۹

غیلان بن سلمة الثقفی ۱۴ : ۱۸، ۳۳۳ : ۷؛

غیلان العدوی — ملاحظه ذوالرمة

## ف

فاطمة [بنت رسول الله (ص)] ۳ : ۲۰، ۹ : ۴۸۷؛

فدکری بن أعبد ۱۶ : ۲۱؛

الفراء ۱۹ : ۴۱؛

الفرزدق ۱ : ۶۸، ۷۹، ۸۸، ۹۱، ۹۷، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۸۵، ۲۱۵، ۲۹۲، ۳۲۵،

۳۲۶، ۳۸۳، ۳۸۶، ۴ : ۵، ۵۹، ۶۰، ۷۰، ۷۲، ۹۵، ۱۱۳،

۱۵۵، ۱۵۳، ۱۹۰، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۵۰، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۴۶، ۳۹۵،

۴۱۷، ۴۷۱، ۳ : ۱۰، ۵۶، ۷۷، ۷۸، ۹۱، ۱۰۱، ۱۱۷، ۲۷۹، ۳۲۳،

۳۴۶، ۴۰۳، ۴ : ۱۲، ۱۶، ۳۵، ۴۳، ۷۷، ۷۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۲۵،

۱۳۹، ۱۵۰، ۱۶۴، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۳، ۳۱۵،

۳۷۷، ۳۴۹، ۳۴۹، ۳۶۱، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۸۶، ۴۰۳، ۴۵۵، ۴۸۵،

۵ : ۱۵، ۹۶، ۹۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۹۲، ۲۰۹، ۲۳۸، ۲۴۴،

۲۷۷، ۲۵۱، ۲۸۴، ۳۰۶، ۳۲۰، ۳۴۹، ۳۵۲، ۳۸۱، ۳۹۷، ۴۰۳،

۴ : ۴، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۹، ۵۲، ۸۸، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۴۰،

۱۹۲، ۱۹۵، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۷، ۲۶۰، ۲۸۵، ۲۹۳، ۳۲۰، ۳۲۵،

۳۵۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۵، ۴۰۳، ۴۱۴، ۴۱۴، ۴ : ۷، ۹۷،

۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۴، ۴۹۴، ۴۹۴، ۴۹۴، ۴۹۴، ۴۹۴، ۴۹۴،





؛ ۳۰۷، ۲۹۰، ۲۶۵، ۲۶۳، ۲۱۸

فَزْعَانُ بْنُ الْأَعْرَفِ (هو فَزْعَانُ أَبُو مَنْزَلٍ بْنِ فِرْعَانَ) ۱۴ : ۱۸۳،

؛ ۱۳۲ : ۲۰

ابو فِرْعَوْن ۴ : ۳۳، ۱۲ : ۲۷۶، ۲۰ : ۳۱۹؛

فَزَوْقَةُ بْنُ مُسَيِّكٍ الْمُرَادِي ۲ : ۴۲، ۲۰ : ۱۹۴؛

الغَزَارِيُّ ۸ : ۲۹۲؛

ابن فَنَوْقَةَ التَّيْمِي (هو عُثَيْبَةُ بْنُ مَرْذَأِ بْنِ) ۳ : ۴۲۸، ۴ : ۱۲۹، ۵ : ۳۰، (ابن

فَوْقَةَ كُنِيَ بِجَائِئِ ابْنِ فَوْسِقَةَ مَرْقُومٌ هُوَ) ۷ : ۱۶۳، ۹ : ۲۸۹، ۴۲۱،

۱۵ : ۶۶، ۱۹ : ۴۵؛

فَضَّالَةُ بْنُ هِنْدٍ بْنِ شَرِيكَ الْأَسَدِيِّ ۱۵ : ۲۷۳؛

الْفَضْلُ بْنُ الرَّبِيعِ ۱۴ : ۲۳۳؛

الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ بْنُ عُثْبَةَ بْنِ أَبِي لَهَبٍ وَاللَّهْبِيُّ ۲ : ۱۱۶، ۱۴۲، ۸ : ۱۸۷، ۱۳ :

۳۲۶؛

الْفَضْمُ بْنُ مُسْلِمٍ الْبُكَائِيُّ ۹ : ۲۱۵؛

الْفَقْعَسِيُّ ۳ : ۴۹۱، ۴ : ۱۰۲، ۸ : ۲۷۸، ۹ : ۶۹، ۳۳ : ۱۰ :

۱۰۴ (۹) ، ۱۴ : ۳۵۲، ۱۶ : ۱۰۰، ۱۹ : ۲۰۷؛

الْفَيْئِدُ الزَّمَانِيُّ ۱ : ۳۱۳، ۲ : ۸۳، ۷ : ۳۸۸ (۹) ، ۱۲ : ۱۹۶، ۱۳ : ۳۶،

۱۶ : ۱۳۲، ۱۷ : ۴۵۹، ۲۰ : ۵۰؛

ابن فَيْدٍ ۱۰ : ۱۹؛

## ق

ابو القَادِحِ ۱۳ : ۱۹۴؛

قارب بن سالم المُرِّي ۱۳ : ۴۳۹ (۹) : ۱۷۱ : ۲۲۳ (۹) ؛

ام قُبَيْسِ الصَّيْتِيَّة ۲۰ : ۲۰۱ ؛

القتال ۴ : ۳۳۸ ، ۵ : ۴۲۶ ، ۱۱ : ۲۳۲ ؛

القتال العامري ۵ : ۱۱۰ ؛

العُتَالُ الْكِلَابِي (هُوَ عُبَيْدُ بْنُ الْمُضَرِّجِي) ۱ : ۲۷۵ ، ۲ : ۴۲۴ ، ۲۰۲ : ۲۰۲ ؛

۵ : ۱۰۱ ، ۳۱۵ ، ۶ : ۱۳۸ ، ۷ : ۱۲۸ ، ۸ : ۲۰۶ ، ۳۳۸ ، ۹ : ۳۷۷ ؛

۱۴ : ۳۵ ، ۳۰۰ ، ۱۶ : ۲۵۷ ، ۱۷ : ۲۶۴ ، ۱۸ : ۳۷۷ ، ۳۷۷ ؛

۲۰۰ ، ۳۱۳ ، ۲۰۵ ، ۹۵ ؛

بنت القتال الْكِلَابِي ۳ : ۴۲ ؛

قتيبة — ملاحظہ ہو ابوالأخضر الحُمَانِي

قُتَيْبَةُ بنت (راخت) النَّضْرِيْن الْحَرْثِي ۸ : ۲۵۵ ، ۹ : ۳۳۰ ، ۱۱ : ۳۵۶ ؛

۱۲ : ۱۱۲ ؛ (سبحم البلدان لياقوت بذيل الأئيل وسيرت ابن هشام میں بنت

مرقوم ہے، لیکن آغا فی ہدیہ : ۱۹ ، پراخت درج ہے)

قُحَيْفٌ ۹ : ۴۷۴ ، ۱۵ : ۱۶۳ ؛

القُحَيْفُ الْعُقَيْلِي ۳ : ۵۶ ، ۱۳ : ۳۰۵ ، ۱۹ : ۳۹ ، ۲۰ : ۷۲ ؛

القُحَيْفُ بْنُ عَمِير ۱۵ : ۳۳۴ ؛

قُرَادُ بْنُ حَبْشِ الصَّادِرِي ۶ : ۲۸۶ ؛

قُرَّانُ الْأَسَدِي ۱۲ : ۳۲۸ ، ۱۶ : ۱۹۵ ؛

ابو قُرْدُودَةَ ۱۷ : ۳۵۶ ؛

قُرْطُ ۱۲ : ۳۵ ، ۱۲۵ ؛

قُرْطُ بْنُ التَّوْمِ الْيَشْكُرِي ۳ : ۳۳۴ ، ۱۹ : ۲۹۲ ؛

قُرَيْط ١٢ : ١٤ ؛

قُتَيْب بن سَاعِدَة ٢ : ٧ ، ٧٣ : ١٣ ، ١٤٠ : ١٣ ، ٨٣ : ١٣ ، ١٤٣ : ١٧ ، ١٤٦ : ١٧ ؛

قُتَيْب بن كَيْسَر ١٤ : ٢٤٠ ؛

قُتَيْب بن رَوَاحَة ١٠ : ٢٣٨ ؛

القُتَيْبِي ١١ : ٧٢ ، ١٩ : ١٣٨ ؛

قُصَي (اسم زَيْد) ١٣ : ٣٦٣ ، ١٣ : ٢٩٥ ، ١٤ : ٣٦٣ ؛

القُطَامِي (هو عَمِير بن شَيْبَان) ١ : ٣١٢ ، ٢ : ٢١ ، ١٢٢ ، ١٢٣ ، ١٢٤ ، ١٢٥ ، ١٢٦ ، ١٢٧ ، ١٢٨ ، ١٢٩ ، ١٣٠ ؛

١٣١ ، ١٣٢ ، ١٣٣ ، ١٣٤ ، ١٣٥ ، ١٣٦ ، ١٣٧ ، ١٣٨ ، ١٣٩ ، ١٤٠ ، ١٤١ ، ١٤٢ ، ١٤٣ ، ١٤٤ ، ١٤٥ ، ١٤٦ ، ١٤٧ ، ١٤٨ ، ١٤٩ ، ١٥٠ ؛

١٥١ ، ١٥٢ ، ١٥٣ ، ١٥٤ ، ١٥٥ ، ١٥٦ ، ١٥٧ ، ١٥٨ ، ١٥٩ ، ١٦٠ ، ١٦١ ، ١٦٢ ، ١٦٣ ، ١٦٤ ، ١٦٥ ، ١٦٦ ، ١٦٧ ، ١٦٨ ، ١٦٩ ، ١٧٠ ؛

١٧١ ، ١٧٢ ، ١٧٣ ، ١٧٤ ، ١٧٥ ، ١٧٦ ، ١٧٧ ، ١٧٨ ، ١٧٩ ، ١٨٠ ، ١٨١ ، ١٨٢ ، ١٨٣ ، ١٨٤ ، ١٨٥ ، ١٨٦ ، ١٨٧ ، ١٨٨ ، ١٨٩ ، ١٩٠ ؛

١٩١ ، ١٩٢ ، ١٩٣ ، ١٩٤ ، ١٩٥ ، ١٩٦ ، ١٩٧ ، ١٩٨ ، ١٩٩ ، ٢٠٠ ، ٢٠١ ، ٢٠٢ ، ٢٠٣ ، ٢٠٤ ، ٢٠٥ ، ٢٠٦ ، ٢٠٧ ، ٢٠٨ ، ٢٠٩ ، ٢١٠ ؛

٢١١ ، ٢١٢ ، ٢١٣ ، ٢١٤ ، ٢١٥ ، ٢١٦ ، ٢١٧ ، ٢١٨ ، ٢١٩ ، ٢٢٠ ، ٢٢١ ، ٢٢٢ ، ٢٢٣ ، ٢٢٤ ، ٢٢٥ ، ٢٢٦ ، ٢٢٧ ، ٢٢٨ ، ٢٢٩ ، ٢٣٠ ؛

٢٣١ ، ٢٣٢ ، ٢٣٣ ، ٢٣٤ ، ٢٣٥ ، ٢٣٦ ، ٢٣٧ ، ٢٣٨ ، ٢٣٩ ، ٢٤٠ ، ٢٤١ ، ٢٤٢ ، ٢٤٣ ، ٢٤٤ ، ٢٤٥ ، ٢٤٦ ، ٢٤٧ ، ٢٤٨ ، ٢٤٩ ، ٢٥٠ ؛

٢٥١ ، ٢٥٢ ، ٢٥٣ ، ٢٥٤ ، ٢٥٥ ، ٢٥٦ ، ٢٥٧ ، ٢٥٨ ، ٢٥٩ ، ٢٦٠ ، ٢٦١ ، ٢٦٢ ، ٢٦٣ ، ٢٦٤ ، ٢٦٥ ، ٢٦٦ ، ٢٦٧ ، ٢٦٨ ، ٢٦٩ ، ٢٧٠ ؛

٢٧١ ، ٢٧٢ ، ٢٧٣ ، ٢٧٤ ، ٢٧٥ ، ٢٧٦ ، ٢٧٧ ، ٢٧٨ ، ٢٧٩ ، ٢٨٠ ، ٢٨١ ، ٢٨٢ ، ٢٨٣ ، ٢٨٤ ، ٢٨٥ ، ٢٨٦ ، ٢٨٧ ، ٢٨٨ ، ٢٨٩ ، ٢٩٠ ؛

٢٩١ ، ٢٩٢ ، ٢٩٣ ، ٢٩٤ ، ٢٩٥ ، ٢٩٦ ، ٢٩٧ ، ٢٩٨ ، ٢٩٩ ، ٣٠٠ ، ٣٠١ ، ٣٠٢ ، ٣٠٣ ، ٣٠٤ ، ٣٠٥ ، ٣٠٦ ، ٣٠٧ ، ٣٠٨ ، ٣٠٩ ، ٣١٠ ؛

٣١١ ، ٣١٢ ، ٣١٣ ، ٣١٤ ، ٣١٥ ، ٣١٦ ، ٣١٧ ، ٣١٨ ، ٣١٩ ، ٣٢٠ ، ٣٢١ ، ٣٢٢ ، ٣٢٣ ، ٣٢٤ ، ٣٢٥ ، ٣٢٦ ، ٣٢٧ ، ٣٢٨ ، ٣٢٩ ، ٣٣٠ ؛

٣٣١ ، ٣٣٢ ، ٣٣٣ ، ٣٣٤ ، ٣٣٥ ، ٣٣٦ ، ٣٣٧ ، ٣٣٨ ، ٣٣٩ ، ٣٤٠ ، ٣٤١ ، ٣٤٢ ، ٣٤٣ ، ٣٤٤ ، ٣٤٥ ، ٣٤٦ ، ٣٤٧ ، ٣٤٨ ، ٣٤٩ ، ٣٥٠ ؛

٣٥١ ، ٣٥٢ ، ٣٥٣ ، ٣٥٤ ، ٣٥٥ ، ٣٥٦ ، ٣٥٧ ، ٣٥٨ ، ٣٥٩ ، ٣٦٠ ، ٣٦١ ، ٣٦٢ ، ٣٦٣ ، ٣٦٤ ، ٣٦٥ ، ٣٦٦ ، ٣٦٧ ، ٣٦٨ ، ٣٦٩ ، ٣٧٠ ؛

٣٧١ ، ٣٧٢ ، ٣٧٣ ، ٣٧٤ ، ٣٧٥ ، ٣٧٦ ، ٣٧٧ ، ٣٧٨ ، ٣٧٩ ، ٣٨٠ ، ٣٨١ ، ٣٨٢ ، ٣٨٣ ، ٣٨٤ ، ٣٨٥ ، ٣٨٦ ، ٣٨٧ ، ٣٨٨ ، ٣٨٩ ، ٣٩٠ ؛

٣٩١ ، ٣٩٢ ، ٣٩٣ ، ٣٩٤ ، ٣٩٥ ، ٣٩٦ ، ٣٩٧ ، ٣٩٨ ، ٣٩٩ ، ٤٠٠ ، ٤٠١ ، ٤٠٢ ، ٤٠٣ ، ٤٠٤ ، ٤٠٥ ، ٤٠٦ ، ٤٠٧ ، ٤٠٨ ، ٤٠٩ ، ٤١٠ ؛

۲۶۹، ۷: ۱۰۶، ۱۶۹، ۱۷۹، ۲۰۰، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۷۴، ۱۸:  
 ۱۵۶، ۱۷۷، ۲۴۸، ۲۶۸، ۱۹: ۴۲، ۵۱، ۶۰، ۶۶، ۱۵۷، ۱۷۵،  
 ۱۸۵، ۲۱۲، ۲۲۹، ۳۰۰، ۳۳۶، ۴: ۴۸، ۸۶، ۱۵۳، ۱۵۶،  
 ۱۷۳، ۱۸۶، ۲۱۰، ۲۱۶، ۳۱۹، ۳۳۲، ۳۴۱؛

قُطْبَةُ بَنِ اَوْس — ملاحظہ ہو الحَادِثَةُ

قُطْبَةُ بَنِ الْخَضِرَاءِ (مَنْ بَنَى الْقَيْئِنْ) ۷: ۱۵۳؛

الْقَطْرِ اَنْ السَّعْدِی ۳: ۱۹۸، ۶: ۷، ۷: ۴۱، ۹: ۲۸۳، ۱۳: ۲۱۹، ۱۴:  
 ۱۰۵؛

قَطْرِی ۹: ۳۳۳؛

قَطْرِی بَنِ الْفُجَاءَةِ (الْحَاجِبِی الْمَازِنِ) ۱۳: ۵۵، ۱۵: ۴۱، ۱۹: ۱۵۸؛

ابْنُ اُمِّ قَعْنَب ۷: ۳؛

قَعْنَبُ بَنِ اُمِّ صَاحِب ۶: ۱۰۳، ۸: ۳۶، ۱۰: ۲۱۱، ۱۲: ۲۵۸؛

۶۳، ۱۳: ۴۴۶، ۱۶: ۱۴۸، ۱۷: ۵۹، ۲۰: ۱۵۷، ۱۶۱،

۲۳۴، ۳۳۸، ۳۴۵، ۱۸: ۲۷۷؛

قَعْنَب ۱۸: ۱۳۴؛

الْبُقْلَابَةُ الْهَذْلِي ۲: ۴۵، ۷: ۴۴، ۸: ۲۹۱، ۹: ۱۷۸، ۱۱:

۲۲۹، ۱۴: ۳۲۹، ۱۷: ۲۶۱، ۱۸: ۱۸۷، ۲۰: ۱۶۱؛

الْقَلَّاح ۸: ۲۶۸، ۱۰: ۳۳۳، ۱۱: ۲۷۰، ۱۲: ۱۸۹، ۱۴: ۴۸،

۱۹۳، ۲۵۸، ۱۵: ۸۹، ۱۶: ۱۹۸، ۱۷: ۲۵۷، ۲۰: ۸۶، ۲۹:

۱۵۷، ۱۶۹، ۱۸۶، ۳۰: ۱۸، ۴۵: ۲۰، ۸۹؛

الْقَلَّاحُ بَنِ جَنْابِ بَنِ حَبْلَا ۴: ۱۷؛

القلاخ بن حُبابۃ ۱ : ۲۱۶ (۹) ؛

القلاخ بن حَزْنِ المُنْقَرِی السعدی ۳ : ۱۰۵ ، ۴ : ۱۷ ، ۸ : ۶۸ ، ۱۲ :

۱۰ ، ۲۹ ، ۱۶۹ ، ۲۴۱ ، ۱۳ : ۸۸ ، ۴ : ۱۰۵ ، ۱۵ : ۳۸۴ ؛

ابوالقَتمَام الاسدی ۴ : ۲۵۲ ، ۱۶ : ۲۶۹ ، ۱۸ : ۸۶ ؛

ابن قَتَّان ۲ : ۱۸۷ ، ۱۵ : ۳۱۸ ؛

القنانی (ابو الحِجَاء) ۱۸ : ۷ ، ۱۹ : ۱۳۶ ؛

ابن قُیْس ۱۹ : ۴۳ ؛

قیس بن الرَّسَلَتِ السُّلَیْ ۹ : ۷۰۷ ، بہت ممکن ہے کہ ابوقیس کی بجائے محض قیس غلطی سے لکھا گیا ہو۔

ابوقیس بن الرَّسَلَتِ السُّلَیْ ۱ : ۴۳ ، ۲ : ۴۲ ، ۳ : ۴۴ ، ۸ : ۷۸ ؛

۹ : ۴۰۰ ، ۱۰ : ۱۳۷ ، ۱۱ : ۲۴۶ ، ۱۲ : ۳۰۱ ، ۱۳ : ۲۵۷ ، ۱۴ : ۲۵۳ ، ۱۵ : ۳۶۴ ؛

۱۴ : ۳۳۱ (۹) ، ۱۵ : ۲۱۳ ، ۱۶ : ۳۲۳ ، ۱۷ : ۱۹۶ ، ۱۹ : ۱۷۱ ؛

قیس بن شَامَّةَ الزَّحَبِی ۱۵ : ۴۰۴ ؛

قیس بن جِرْوَةَ ۱۲ : ۱۲۱ (۹) ؛

قَیْس بن الحَظِیْم الانصاری ۱ : ۲۰۳ ، ۲۶۰ ، ۳۸۰ ، ۴۴۵ ، ۴۷۸ ، ۲ : ۲ :

۳ : ۶۸ ، ۴ : ۱۵ ، ۵ : ۴۸ ، ۶ : ۲۵۷ ، ۷ : ۳۵۵ ، ۸ : ۵۲ ، ۹ : ۲۱۱ ،

۱۰ : ۴۴۳ ، ۱۱ : ۹۶ ، ۱۲ : ۳۱۷ ، ۱۳ : ۲۸۷ ، ۱۴ : ۲۶۴ ، ۱۵ : ۴۹۸ ،

۱۶ : ۱۹۲ ، ۱۷ : ۳۷۱ ، ۱۸ : ۱۱ ، ۱۹ : ۲۸ ، ۲۰ : ۵۹ ، ۲۱ : ۸۰ ، ۲۲ : ۱۷۹ ، ۲۳ : ۱۹۲ ،

۲۴ : ۲۳۹ ، ۲۵ : ۲۸۰ (۹) ، ۲۶ : ۱۵۸ ، ۲۷ : ۳۸۵ ، ۲۸ : ۳۹۲ ، ۲۹ : ۱۰۳ ، ۳۰ : ۱۷۱ ،

۳۱ : ۳۵۶ ، ۳۲ : ۲۰۵ ، ۳۳ : ۱۶ ، ۳۴ : ۲۱۹ ، ۳۵ : ۱۷ ، ۳۶ : ۳۳ ، ۳۷ : ۲۲۷ ،

۳۸ : ۲۴۹ ، ۳۹ : ۱۲۷ ، ۴۰ : ۲۰۸ ، ۴۱ : ۲۹۴ ، ۴۲ : ۳۱۴ ، ۴۳ : ۱۹ ، ۴۴ : ۳۷۵ ،

۲۰ : ۱۹؛

قیس بن خویلد الہذلی ۵ : ۲۶۲ ، ۱۰ : ۲۳۱ ، ۱۴ : ۱۹۴ ، ۱۶ : ۲۶۲ ؛

قیس بن ذریح ۱ : ۲۸۴ ، ۲ : ۲۷۰ ، ۳۷۱ ، ۵ : ۳۵۰ ، ۸ : ۲۱۰ ؛

۹ : ۳۷۳ ، ۳۸۱ ، ۱۰ : ۱۷۷ ، ۱۱ : ۱۶۲ ، ۱۲ : ۱۸۸ ، ۱۴ : ۲۱۰ ، ۱۵ : ۲۵۱ ؛

۱۱ : ۲۱۵ ، ۱۲ : ۲۱۳ ، ۱۳ : ۲۱۵ ، ۱۴ : ۲۱۸ ، ۱۵ : ۲۱۹ ؛

۱۷ : ۲۱۹ ، ۱۸ : ۲۱۹ ، ۱۹ : ۲۱۹ ، ۲۰ : ۲۱۹ ؛

قیس بن رفاعۃ ۳ : ۶۹ ، ۱۱ : ۱۹۰ ، ۱۲ : ۲۰۱ ، ۱۳ : ۲۰۳ ؛

ابوقیس بن رفاعۃ ۲ : ۳۸۰ (۹) ، ۸ : ۲۷ ؛

قیس الرقیات ۲ : ۹۷ ، ۱۸ : ۲۱۱ ؛

ابن قیس الرقیات ۲ : ۲۰ ، ۷۰ ، ۱۳۳ ، ۳ : ۸۵ ، ۱۴ : ۲۱۲ ، ۱۵ : ۳۱۹ ، ۱۶ : ۳۶۵ ؛

۴ : ۲۸۸ ، ۷ : ۲۹۱ ، ۱۱ : ۳۶۲ ، ۱۳ : ۳۹۱ ، ۱۴ : ۴۱۸ ، ۱۵ : ۳۵ ؛

۱۶ : ۴۱۲ ، ۱۷ : ۴۱۲ ، ۱۸ : ۴۱۲ ، ۱۹ : ۴۱۲ ، ۲۰ : ۴۱۲ ؛

قیس بن زہیر العبسی ۴ : ۲۳۴ ، ۱۱ : ۱۴۰ ، ۱۳ : ۲۶۳ ، ۱۵ : ۳۰۳ ؛

۱۷ : ۳۱۲ ، ۱۸ : ۳۱۲ ، ۱۹ : ۳۱۲ ، ۲۰ : ۳۱۲ ؛

قیس بن عاصم البتقری ۱ : ۸۴ ، ۹ : ۲۴۰ ، ۱۰ : ۲۷۱ ، ۱۱ : ۲۷۵ (۹) ؛

۱۴ : ۲۶۱ (۹) ، ۱۶ : ۲۹۸ ، ۱۷ : ۳۰۰ ؛

قیس بن عبادة ۱۳ : ۳۵۵ ؛

قیس بن عبد اللہ البرلسی — ملاحظہ ہو المجتہدی

ابن قیس لعدوی ۹ : ۴۴۸ ؛

قیس بن عیزارۃ الہذلی ۳ : ۲۴۸ ، ۸ : ۳۳ ، ۱۰ : ۹۲ ، ۱۱ : ۱۱۲ ؛

۱۲ : ۸۷ ، ۱۳ : ۳۲۸ ، ۱۴ : ۳۷۲ ، ۱۵ : ۳۷۲ ، ۱۶ : ۳۷۲ ؛

(آخری دونوں صفحوں پر عیزارۃ کی بجائے عیزار مرقوم ہے)۔

قیس بن معاذ — ملاحظہ ہو مجنون بنی عامر

قیس بن الملوّح ۲ : ۱۶، ۱۲۹ : ۱۷، ۱۹۵ : ۲۰، ۱۲۰ ؛

قیل بن عمرو بن الحُجَیم ۱۵ : ۱۲۳ ؛

ل

کاہل ۱۷ : ۳۸۶ ؛

ابو کاہل الشُّکْرِی ۱ : ۴۱۸، ۵ : ۱۶۰، ۲۴۴، ۶ : ۶۹، ۷ : ۲۹۵،

۱۹ : ۱۶۵ ؛

کُبَیْثَة (اخت عمرو بن معدیکرب) ۱۳ : ۴۸۷ ؛

الوکیب الہذلی (هو عامر بن الحُلَیث) ۱ : ۳۲۷، ۲ : ۴۱۹، ۴ : ۴۶۲، ۳ : ۴۹۳،

۶ : ۲۰۶، ۷ : ۲۷۷، ۳ : ۴۷۳، ۴ : ۵۰۴، ۵ : ۱۲۷، ۸ : ۲۰۸، ۹ : ۲۹۶، ۱۰ : ۳۱۱،

۱۱ : ۱۵۱، ۱۲ : ۱۷۷، ۱۳ : ۲۳۵، ۱۴ : ۳۸۹، ۱۵ : ۴۲۴، ۱۶ : ۴۹۹، ۱۷ : ۵۱۱، ۱۸ : ۵۱۲،

۱۹ : ۶۸۲، ۲۰ : ۷۹۷، ۲۱ : ۸۰۶، ۲۲ : ۸۵۳، ۲۳ : ۹۷۷، ۲۴ : ۱۰۰۰، ۲۵ : ۱۰۲۰،

۲۶ : ۱۰۸۲، ۲۷ : ۱۱۸۲، ۲۸ : ۱۲۸۲، ۲۹ : ۱۳۸۲، ۳۰ : ۱۴۸۲، ۳۱ : ۱۵۸۲،

۳۲ : ۱۶۸۲، ۳۳ : ۱۷۸۲، ۳۴ : ۱۸۸۲، ۳۵ : ۱۹۸۲، ۳۶ : ۲۰۸۲، ۳۷ : ۲۱۸۲،

۳۸ : ۲۲۸۲، ۳۹ : ۲۳۸۲، ۴۰ : ۲۴۸۲، ۴۱ : ۲۵۸۲، ۴۲ : ۲۶۸۲، ۴۳ : ۲۷۸۲،

۴۴ : ۲۸۸۲، ۴۵ : ۲۹۸۲، ۴۶ : ۳۰۸۲، ۴۷ : ۳۱۸۲، ۴۸ : ۳۲۸۲، ۴۹ : ۳۳۸۲،

۵۰ : ۳۴۸۲، ۵۱ : ۳۵۸۲، ۵۲ : ۳۶۸۲، ۵۳ : ۳۷۸۲، ۵۴ : ۳۸۸۲، ۵۵ : ۳۹۸۲،

۵۶ : ۴۰۸۲، ۵۷ : ۴۱۸۲، ۵۸ : ۴۲۸۲، ۵۹ : ۴۳۸۲، ۶۰ : ۴۴۸۲، ۶۱ : ۴۵۸۲،

۶۲ : ۴۶۸۲، ۶۳ : ۴۷۸۲، ۶۴ : ۴۸۸۲، ۶۵ : ۴۹۸۲، ۶۶ : ۵۰۸۲، ۶۷ : ۵۱۸۲،









٣٩٢ ، ٣٩٩ ، ٣٩٨ ، ٣٩٧ ، ٣٩٦ ، ٣٩٥ : ١٥ :

٢٢٩ ، ٢٠٥ ، ١٩٨ ، ١٩١ ، ١٥٢ ، ١٢٨ ، ٩٩ ، ٢٢ ، ٢٤

٢٠٩ ، ١٩٣ ، ١٤١ ، ١٢٨ ، ١١٨ ، ٤٤ : ١٥ ، ٣٣٢ ، ٢٨٥

٢٠٩ ، ٢٠٠ ، ٣٥٣ ، ٣١٤ ، ٢٤٢ ، ٢٥٠ ، ٢٢٤ ، ٢١٩

١٨٩ ، ١٥١ ، ١٥٥ ، ١٤ : ١٤ ، ٣٠٣ ، ١٨٤ ، ١٢٢ : ١٤

٨٢ ، ٩٣ : ١٨ ، ٣٣٣ ، ٣٢٢ ، ٢٤٠ ، ٢١٤ ، ١٩١

١٢١ ، ١٠٣ : ١٩ ، ٢٤٠ ، ٢٣٤ ، ٢٢٥ ، ١٣٤ ، ١٣٠

٣٩٩ ، ٣٣٤ ، ١٨٢ ، ١٦٢ ، ١٢٤ ، ٦٥ : ٢٠ ، ٢٥٤

كعب بن سعد الغنوي : ١ : ٣١٨ ، ٢٤٥ : ٩ : ١٢ ، ٢٨٤ :

(٩) ، ٢٩٤ ، ٩٥ ، ١٨ : ٢٠٠ : ١٩ : ٣٢٣ (٩)

٢٠ : ٢٥٠ ، ٣٠٥ ، ٣٢١ :

كعب بن سؤيد الغنوي ١٣ : ٥٠ :

كعب بن لؤي ٣ : ٣٥ : ٩ : ٤٥ :

كعب بن مالك الانصاري : ١ : ٣٣٣ ، ٣٤١ ، ٣٢٤ ، ٢ : ١٢٢ ،

٣٠٣ ، ٢٤٤ ، ٢ : ٣٣ ، ٥ : ٤٠ ، ١٨٢ ، ١٢٢٨ ، ١٠ :

١٢١ ، ١١ : ١١ ، ١٤٤ ، ١٣ : ٢٣٨ ، ٢٣٩ ، ٢٤٣ ، ١٢ :

٤٤ ، ٤٨ : ٣٠٢ ، ١٨٠ ، ١٨٠ ، ٥ : ١٩ ، ٨٨ :

٢٠ : ٢٠١ :

كعب بن مرة ٣ : ٢٤٥ :

الكلابي : ١ : ٣٤٥ ، ٩ : ١٢٥٨ ، ١٢٦ ، ١٤ : ٢٠ ، ٣٠٢ : ٣٨ :

ابن كلثوم — مظهر عمرو بن كلثوم

الکعبۃ الیروی (ھوہبیتون عبدمناف) ۲ : ۳۸۶، ۴ : ۱۷۷، ۱۲۸۰

۶ : ۱۰، ۲۳۵ : ۱۰، ۱۲۳ : ۴۰۱ (ریال ابن الکعبۃ مرقوم

۱، ۱۱ : ۱۲، ۱۹۴ : ۱۲، ۴۰۵ : ۱۵، ۱۷ : ۵۹،

۱۸ : ۸۶

کلب بن ربیعۃ التغلبی ۴ : ۳۷۷ (۹) : ۲۰۱ : ۳۸۵

کلب الکلابی ۱۲ : ۲۶۸

الکمیت — هو الکمیت بن زید الاسدی

الکمیت بن ثعلبۃ الاکبر الفقعسی ۵ : ۳۸۶ (۹) : ۷ : ۸،

۱۰ : ۱۴۵ (۹) :

الکمیت بن زید الاسدی ۱ : ۲۱، ۴۶، ۵۳، ۸۲، ۱۰۵،

۱۱۱، ۱۳۵، ۱۸۷، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۴۵،

۲۷۹ (۹) : ۲۸۸، ۳۲۱، ۳۲۸، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۱۰،

۴۲۸، ۴۴۷، ۴۵۳، ۴۵۹، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۸،

۴۸۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴ : ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۶۷، ۳۲۷،

۳۶۷، ۴۳۷، ۴۵۷، ۴۶۸، ۷۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۹،

۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۶۵، ۱۷۵، ۱۸۸، ۲۱۸،

۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۸۰،

۲۸۴، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۷۲، ۴۰۴، ۴۱۷، ۴۲۷،

۳ : ۳۷۳، ۴۳۷، ۴۵۷، ۸۵، ۱۷۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۵،

۲۰۸، ۲۱۷، ۲۲۷، ۳۶۷، ۳۹۲، ۴۳۷، ۴۴۷،

۴۵۹، ۴۷۰، ۴۷۲، ۵۰۲، ۴ : ۳۳۷، ۳۳۸، ۴۵۷، ۴۷۲

1193, 1188, 1142, 1141, 1131, 1124, 1119, 1108, 1094  
 1078, 1071, 1069, 1061, 1054, 1050, 1049, 1048, 1047  
 1042, 1041, 1040, 1039, 1038, 1037, 1036, 1035, 1034, 1033, 1032, 1031, 1030, 1029, 1028, 1027, 1026, 1025, 1024, 1023, 1022, 1021, 1020, 1019, 1018, 1017, 1016, 1015, 1014, 1013, 1012, 1011, 1010, 1009, 1008, 1007, 1006, 1005, 1004, 1003, 1002, 1001, 1000, 999, 998, 997, 996, 995, 994, 993, 992, 991, 990, 989, 988, 987, 986, 985, 984, 983, 982, 981, 980, 979, 978, 977, 976, 975, 974, 973, 972, 971, 970, 969, 968, 967, 966, 965, 964, 963, 962, 961, 960, 959, 958, 957, 956, 955, 954, 953, 952, 951, 950, 949, 948, 947, 946, 945, 944, 943, 942, 941, 940, 939, 938, 937, 936, 935, 934, 933, 932, 931, 930, 929, 928, 927, 926, 925, 924, 923, 922, 921, 920, 919, 918, 917, 916, 915, 914, 913, 912, 911, 910, 909, 908, 907, 906, 905, 904, 903, 902, 901, 900, 899, 898, 897, 896, 895, 894, 893, 892, 891, 890, 889, 888, 887, 886, 885, 884, 883, 882, 881, 880, 879, 878, 877, 876, 875, 874, 873, 872, 871, 870, 869, 868, 867, 866, 865, 864, 863, 862, 861, 860, 859, 858, 857, 856, 855, 854, 853, 852, 851, 850, 849, 848, 847, 846, 845, 844, 843, 842, 841, 840, 839, 838, 837, 836, 835, 834, 833, 832, 831, 830, 829, 828, 827, 826, 825, 824, 823, 822, 821, 820, 819, 818, 817, 816, 815, 814, 813, 812, 811, 810, 809, 808, 807, 806, 805, 804, 803, 802, 801, 800, 799, 798, 797, 796, 795, 794, 793, 792, 791, 790, 789, 788, 787, 786, 785, 784, 783, 782, 781, 780, 779, 778, 777, 776, 775, 774, 773, 772, 771, 770, 769, 768, 767, 766, 765, 764, 763, 762, 761, 760, 759, 758, 757, 756, 755, 754, 753, 752, 751, 750, 749, 748, 747, 746, 745, 744, 743, 742, 741, 740, 739, 738, 737, 736, 735, 734, 733, 732, 731, 730, 729, 728, 727, 726, 725, 724, 723, 722, 721, 720, 719, 718, 717, 716, 715, 714, 713, 712, 711, 710, 709, 708, 707, 706, 705, 704, 703, 702, 701, 700, 699, 698, 697, 696, 695, 694, 693, 692, 691, 690, 689, 688, 687, 686, 685, 684, 683, 682, 681, 680, 679, 678, 677, 676, 675, 674, 673, 672, 671, 670, 669, 668, 667, 666, 665, 664, 663, 662, 661, 660, 659, 658, 657, 656, 655, 654, 653, 652, 651, 650, 649, 648, 647, 646, 645, 644, 643, 642, 641, 640, 639, 638, 637, 636, 635, 634, 633, 632, 631, 630, 629, 628, 627, 626, 625, 624, 623, 622, 621, 620, 619, 618, 617, 616, 615, 614, 613, 612, 611, 610, 609, 608, 607, 606, 605, 604, 603, 602, 601, 600, 599, 598, 597, 596, 595, 594, 593, 592, 591, 590, 589, 588, 587, 586, 585, 584, 583, 582, 581, 580, 579, 578, 577, 576, 575, 574, 573, 572, 571, 570, 569, 568, 567, 566, 565, 564, 563, 562, 561, 560, 559, 558, 557, 556, 555, 554, 553, 552, 551, 550, 549, 548, 547, 546, 545, 544, 543, 542, 541, 540, 539, 538, 537, 536, 535, 534, 533, 532, 531, 530, 529, 528, 527, 526, 525, 524, 523, 522, 521, 520, 519, 518, 517, 516, 515, 514, 513, 512, 511, 510, 509, 508, 507, 506, 505, 504, 503, 502, 501, 500, 499, 498, 497, 496, 495, 494, 493, 492, 491, 490, 489, 488, 487, 486, 485, 484, 483, 482, 481, 480, 479, 478, 477, 476, 475, 474, 473, 472, 471, 470, 469, 468, 467, 466, 465, 464, 463, 462, 461, 460, 459, 458, 457, 456, 455, 454, 453, 452, 451, 450, 449, 448, 447, 446, 445, 444, 443, 442, 441, 440, 439, 438, 437, 436, 435, 434, 433, 432, 431, 430, 429, 428, 427, 426, 425, 424, 423, 422, 421, 420, 419, 418, 417, 416, 415, 414, 413, 412, 411, 410, 409, 408, 407, 406, 405, 404, 403, 402, 401, 400, 399, 398, 397, 396, 395, 394, 393, 392, 391, 390, 389, 388, 387, 386, 385, 384, 383, 382, 381, 380, 379, 378, 377, 376, 375, 374, 373, 372, 371, 370, 369, 368, 367, 366, 365, 364, 363, 362, 361, 360, 359, 358, 357, 356, 355, 354, 353, 352, 351, 350, 349, 348, 347, 346, 345, 344, 343, 342, 341, 340, 339, 338, 337, 336, 335, 334, 333, 332, 331, 330, 329, 328, 327, 326, 325, 324, 323, 322, 321, 320, 319, 318, 317, 316, 315, 314, 313, 312, 311, 310, 309, 308, 307, 306, 305, 304, 303, 302, 301, 300, 299, 298, 297, 296, 295, 294, 293, 292, 291, 290, 289, 288, 287, 286, 285, 284, 283, 282, 281, 280, 279, 278, 277, 276, 275, 274, 273, 272, 271, 270, 269, 268, 267, 266, 265, 264, 263, 262, 261, 260, 259, 258, 257, 256,

۱۲۸، ۲۳۱، ۲۱۳، ۲۱۱، ۱۸۵، ۱۶۸، ۱۶۵، ۱۴۸  
 ۲۹۵، ۲۹۱، ۲۸۵، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۵۹  
 ۳۶، ۳ : ۱۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۷، ۲۰۱، ۳۷۵  
 ۱۹۳، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۳۵، ۹۰، ۸۱، ۵۸، ۴۷  
 ۲۸۶، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۷، ۲۰۹، ۱۹۶  
 ۱۳، ۳ : ۱۳، ۳۶۷، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۳۰، ۳۰۶  
 ۱۱، ۱۰۶، ۱۰۳، ۱۰۰، ۸۲، ۶۷، ۶۶، ۴۸، ۲۵  
 ۲۱۸، ۲۱۳، ۲۰۷، ۲۰۶، ۱۹۵، ۱۸۹، ۱۸۱، ۱۱۴  
 ۲۸۰، ۲۶۶، ۲۶۰، ۲۵۴، ۲۴۶، ۲۳۶، ۲۲۵، ۲۱۹  
 ۳۷۴، ۳۶۸، ۳۳۶، ۳۲۵، ۳۰۸، ۲۹۸، ۲۸۷  
 ۴۴۴، ۴۱۹، ۴۱۳، ۴۰۹، ۳۸۹، ۳۸۷، ۳۷۵  
 ۵۱۱، ۵۱۰، ۴۹۹، ۴۹۷، ۴۷۸، ۴۶۹، ۴۵۳  
 ۴۳۵، ۴۲۸، ۴۲۷، ۴۲۶، ۴۱۷، ۴۱۶، ۴۱۵ : ۴۱۴، ۴۱۳  
 ۴۰۰، ۱۹۹، ۱۹۶، ۱۹۴، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳  
 ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۱، ۴۳۰، ۴۲۹  
 ۴۶ : ۱۵، ۳۵۶، ۳۲۸، ۳۱۸، ۳۱۳، ۲۹۵، ۲۷۹  
 ۱۵۹، ۱۵۴، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸  
 ۲۳۸، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۲۸، ۲۱۳، ۱۹۶، ۱۷۶  
 ۵۲، ۵۱ : ۴، ۳۴۸، ۳۲۹، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴  
 ۲۰۳، ۱۹۰، ۱۵۸، ۱۳۱، ۱۲۳، ۱۰۸، ۱۰۳، ۷۹  
 ۱۳۵، ۱۲۰، ۱۱۵ : ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰

۱۵۰، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۹، ۲۵۸، ۲۸۰، ۲۹۴، ۳۲۰،  
 ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۵۰، ۳۳۴، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۸۰،  
 ۸، ۲۵، ۳۴، ۴۷، ۵۱، ۶۷، ۸۰، ۸۷، ۹۵،  
 ۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۵۴، ۱۸۱، ۱۸۶، ۲۰۲،  
 ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۲۳، ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۰۴، ۱۹،  
 ۱۵، ۲۷، ۳۷، ۴۸، ۶۷، ۱۰۱، ۱۴۶، ۱۷۹،  
 ۲۴۷، ۲۶۹، ۲۸۲، ۳۰۹، ۳۲۷، ۳۳۰، ۴۰،  
 ۳، ۱۰، ۲۴، ۳۴، ۴۸، ۵۹، ۱۰۵، ۱۳۴، ۲۰۸،  
 ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۳، ۳۰۳، ۳۰۹، ۳۳۴، ۴۴۴،  
 ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۷۲، ۴۰

الکیت بن معروف (۱: ۳۹۸، ۳: ۶۶، ۵: ۳۸۶)؛  
 ۶: ۳۴۱، ۱۰: ۱۴۵، ۱۵: ۹۵ (۹)؛

کناز الحبرنی ۱۷: ۳۴؛

کناز بن نفیع ۱: ۲۰۵؛

کنان بن ربیعہ ۱۳: ۲۹؛ (یہی اشار کناز بن نفیع کی  
 جانب منسوب ہیں)۔

اخو کندیۃ (۹) ۱۵: ۱۸۷؛

الکندیۃ ۲: ۲۷۵؛

ل

لبن بن ربیعہ (عامری) ۱: ۲۶، ۲۹، ۱۰۳، ۱۳۲،

۲۷۹، ۲۷۸، ۲۳۴، ۲۲۶، ۲۰۶، ۱۸۹، ۱۸۸  
 ۲۷۹، ۳۶۶، ۳۵۳، ۳۴۴، ۳۱۰، ۲۹۷  
 ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۶۷، ۲۶۱، ۲۵۵، ۲۰۸، ۳۸۰  
 ۷۱، ۵۸، ۱۳: ۲، ۲۸۶، ۲۸۰، ۲۷۷  
 ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴، ۱۰۳۸، ۱۰۳۸، ۱۰۳۸، ۱۰۳۸  
 ۲۵۶، ۲۴۸، ۲۳۷، ۲۰۳، ۱۸۹، ۱۸۵، ۱۷۳  
 ۲۶۲، ۳۴۱، ۳۱۹، ۲۷۶، ۲۷۲، ۲۷۰، ۲۶۴  
 ۵۸، ۵۳، ۱۸، ۱۶: ۳، ۲۷۸، ۲۳۹، ۲۳۳  
 ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۱۸، ۱۱۱، ۸۹، ۸۵، ۷۸، ۵۹  
 ۲۳۶، ۲۲۵، ۲۱۸، ۲۰۹، ۱۸۲، ۱۵۸، ۱۵۷  
 ۲۹۳، ۲۸۰، ۲۷۳، ۲۷۰، ۲۵۴، ۲۵۰، ۲۳۷  
 ۲۰۹، ۳۹۱، ۳۴۵، ۳۴۰، ۳۰۹، ۲۹۷، ۲۹۶  
 ۵۰۰، ۲۹۱، ۲۷۳، ۲۶۷، ۲۵۱، ۲۳۵، ۲۰۱  
 ۸۲، ۷۱، ۶۴، ۳۵: ۲، ۵۰، ۵۰، ۵۰، ۵۰، ۵۰  
 ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۲۹، ۱۱۳، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳  
 ۲۷۹، ۲۷۳، ۲۴۳، ۲۰۵، ۱۹۵، ۱۸۹، ۱۸۵  
 ۳۳۱، ۳۲۵، ۳۲۰، ۳۱۸، ۲۹۸، ۲۸۵، ۲۸۴  
 ۲۳۰، ۲۰۲، ۳۹۷، ۳۸۰، ۳۷۲، ۳۵۷، ۳۳۸  
 ۲۵۷، ۱۹، ۲: ۵، ۲۷۲، ۲۵۸، ۲۴۳، ۲۳۸  
 ۱۶۴، ۱۵۹، ۱۴۲، ۱۲۸، ۱۲۴، ۱۱۶، ۹۶، ۸۸، ۲۸  
 ۲۷۳، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۳، ۲۴۰، ۲۳۵، ۲۱۸، ۱۶۶



1359 1360 1361 1362 1363 1364  
 1365 1366 1367 1368 1369 1370  
 1371 1372 1373 1374 1375 1376  
 1377 1378 1379 1380 1381 1382  
 1383 1384 1385 1386 1387 1388  
 1389 1390 1391 1392 1393 1394  
 1395 1396 1397 1398 1399 1400  
 1401 1402 1403 1404 1405 1406  
 1407 1408 1409 1410 1411 1412  
 1413 1414 1415 1416 1417 1418  
 1419 1420 1421 1422 1423 1424  
 1425 1426 1427 1428 1429 1430  
 1431 1432 1433 1434 1435 1436  
 1437 1438 1439 1440 1441 1442  
 1443 1444 1445 1446 1447 1448  
 1449 1450 1451 1452 1453 1454  
 1455 1456 1457 1458 1459 1460  
 1461 1462 1463 1464 1465 1466  
 1467 1468 1469 1470 1471 1472  
 1473 1474 1475 1476 1477 1478  
 1479 1480 1481 1482 1483 1484  
 1485 1486 1487 1488 1489 1490  
 1491 1492 1493 1494 1495 1496  
 1497 1498 1499 1500 1501 1502  
 1503 1504 1505 1506 1507 1508  
 1509 1510 1511 1512 1513 1514  
 1515 1516 1517 1518 1519 1520  
 1521 1522 1523 1524 1525 1526  
 1527 1528 1529 1530 1531 1532  
 1533 1534 1535 1536 1537 1538  
 1539 1540 1541 1542 1543 1544  
 1545 1546 1547 1548 1549 1550  
 1551 1552 1553 1554 1555 1556  
 1557 1558 1559 1560 1561 1562  
 1563 1564 1565 1566 1567 1568  
 1569 1570 1571 1572 1573 1574  
 1575 1576 1577 1578 1579 1580  
 1581 1582 1583 1584 1585 1586  
 1587 1588 1589 1590 1591 1592  
 1593 1594 1595 1596 1597 1598  
 1599 1600 1601 1602 1603 1604  
 1605 1606 1607 1608 1609 1610  
 1611 1612 1613 1614 1615 1616  
 1617 1618 1619 1620 1621 1622  
 1623 1624 1625 1626 1627 1628  
 1629 1630 1631 1632 1633 1634  
 1635 1636 1637 1638 1639 1640  
 1641 1642 1643 1644 1645 1646  
 1647 1648 1649 1650 1651 1652  
 1653 1654 1655 1656 1657 1658  
 1659 1660 1661 1662 1663 1664  
 1665 1666 1667 1668 1669 1670  
 1671 1672 1673 1674 1675 1676  
 1677 1678 1679 1680 1681 1682  
 1683 1684 1685 1686 1687 1688  
 1689 1690 1691 1692 1693 1694  
 1695 1696 1697 1698 1699 1700  
 1701 1702 1703 1704 1705 1706  
 1707 1708 1709 1710 1711 1712  
 1713 1714 1715 1716 1717 1718  
 1719 1720 1721 1722 1723 1724  
 1725 1726 1727 1728 1729 1730  
 1731 1732 1733 1734 1735 1736  
 1737 1738 1739 1740 1741 1742  
 1743 1744 1745 1746 1747 1748  
 1749 1750 1751 1752 1753 1754  
 1755 1756 1757 1758 1759 1760  
 1761 1762 1763 1764 1765 1766  
 1767 1768 1769 1770 1771 1772  
 1773 1774 1775 1776 1777 1778  
 1779 1780 1781 1782 1783 1784  
 1785 1786 1787 1788 1789 1790  
 1791 1792 1793 1794 1795 1796  
 1797 1798 1799 1800 1801 1802  
 1803 1804 1805 1806 1807 1808  
 1809 1810 1811 1812 1813 1814  
 1815 1816 1817 1818 1819 1820  
 1821 1822 1823 1824 1825 1826  
 1827 1828 1829 1830 1831 1832  
 1833 1834 1835 1836 1837 1838  
 1839 1840 1841 1842 1843 1844  
 1845 1846 1847 1848 1849 1850  
 1851 1852 1853 1854 1855 1856  
 1857 1858 1859 1860 1861 1862  
 1863 1864 1865 1866 1867 1868  
 1869 1870 1871 1872 1873 1874  
 1875 1876 1877 1878 1879 1880  
 1881 1882 1883 1884 1885 1886  
 1887 1888 1889 1890 1891 1892  
 1893 1894 1895 1896 1897 1898  
 1899 1900 1901 1902 1903 1904  
 1905 1906 1907 1908 1909 1910  
 1911 1912 1913 1914 1915 1916  
 1917 1918 1919 1920 1921 1922  
 1923 1924 1925 1926 1927 1928  
 1929 1930 1931 1932 1933 1934  
 1935 1936 1937 1938 1939 1940  
 1941 1942 1943 1944 1945 1946  
 1947 1948 1949 1950 1951 1952  
 1953 1954 1955 1956 1957 1958  
 1959 1960 1961 1962 1963 1964  
 1965 1966 1967 1968 1969 1970  
 1971 1972 1973 1974 1975 1976  
 1977 1978 1979 1980 1981 1982  
 1983 1984 1985 1986 1987 1988  
 1989 1990 1991 1992 1993 1994  
 1995 1996 1997 1998 1999 2000

ضمیمہ  
اوریل کالج میگزین

---

منجانب

عربک اینڈ پرنٹنگ سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

# فہرست مضامین

| نمبر شمار | عنوان                 | مضمون نگار                      | صفحہ   |
|-----------|-----------------------|---------------------------------|--------|
| ۱         | آونہ بیگ خاں          |                                 | ۳      |
| ۲         | تفقیہ و تبصرہ         |                                 | ۲۱     |
|           | ۱۔ برہان آثار         | سید اولاد حسین شاہ و آل بلگرامی | ۲۱     |
|           | ۲۔ رسالہ پیامہ        |                                 | ۲۴     |
| ۳         | مطلع السعیدین         |                                 |        |
|           | د سلسلہ کے لئے دیکھیں | مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے     | ۱۹۳ تا |
|           | اورنٹل کالج میگزین    | پرنسپل اورنٹل کالج لاہور        | ۲۲۴    |
|           | بابت نومبر ۱۹۳۳ء      |                                 |        |

# آدینہ بیگ خاں

۱۹۳۶ء میں ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس دوم منقذہ لاہور میں جب راقم نے پنجاب کے آخری مغل وائسرائے آدینہ بیگ خاں کے متعلق ایک مقالہ زبان انگریزی پڑھا۔ تو اس وقت ذیل کا مضمون حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ مضمون ایک مخطوطے کی صورت میں برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ اپنی نوعیت کی واحد تصنیف ہے۔ اور اس کا اور کوئی نسخہ برٹش میوزیم کے نسخے کے سوا کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس مخطوطے میں آدینہ بیگ خاں کے سوانح حیات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ تصنیف نامور ہے۔ فارسی ٹوٹی پھوٹی بلکہ غلط لکھی گئی ہے۔ کئی الفاظ کے جہاں غلط ہیں۔ مثلاً بجی، نذرانہ، شر قپور، عبدالصمد خاں، قلند کوٹلو، قفس، قونج کو بیٹھے، نظرانہ، شرک پور، سمد خاں، قلعہ، کانگوایاں، نفص، کلنج کھنایا ہے، کئی ایک سنیں بھی غلط درج کئے گئے ہیں۔ جن کی تصحیح راقم نے حتی المقدور کی ہے۔ مخطوطے کا متن، جسنہ نقل کر دیا گیا ہے۔ صرف حاشیے کے نوٹ اور خطوط کے درمیان کی عبارت راقم کا اضافہ ہیں جنہاں متن کے الفاظ سے کوئی با معنی عبارت نہیں بن سکی۔ وہاں حاشیے میں ایسی عبارت تجویز کی گئی ہے جس سے مفہوم معین ہو سکتا ہے +

تاریخی لحاظ سے اس تصنیف کو اتنی اہمیت ضرور حاصل ہے کہ اس میں آدینہ بیگ خاں کے متعلق وہ تمام واقعات یکجا جمع کئے گئے ہیں جو دیگر کتب تاریخ میں منسٹر طور پر ملتے ہیں + اس مخطوطے کے مصنف کے متعلق تحقیق کرنے سے بھی کوئی اطلاع نہیں مل سکی لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ۱۸۰۶ء کے نواح میں یعنی آدینہ بیگ خاں کی وفات سے تقریباً چالیس برس کے بعد یہ حال قلمبند کیا۔ ملاحظہ ہو ورق ۶۱ و ۶۲

’دورقت خالصہ جی . . . علاقہ . . . ہم شامل آدینہ نگر بود‘

’درستہ ازالہ روئے آب شلج علداری سرکار کپنی گردید‘

بعض باتوں سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مصنف غیر مسلم ہے۔ اور پنجاب کا باشندہ ہے مثلاً ورق ۶۱ پر مدعا کہ ’کا استعمال‘ مجملہ کے معنوں میں کیا گیا ہے۔ جو خالص پنجابی عوام کا کلیہ کلام ہے چونکہ دو ہجری بنین کے سوا باقی تمام بنین برہمن یا عیسوی ہیں۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ مصنف غیر مسلم ہے ۔

اس مخطوطے میں جن واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہاں مجملہ اُن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم تو ہے مصنف کا بیان ہے کہ آدینہ بیگ خاں قوم کا اراکین تھا۔ اور شر تو پر مٹی متصل لاہور میں ایک شخص چند کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا بچپن جلال آباد، خان پور اور بجوارہ میں گذرا اور اس کی ابتدائی تربیت غلوں کے گھر میں ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ سپاہی رہا لیکن بعد میں یہ کام چھوڑ کر موضع جسووال (ضلع لدھیانہ) میں پٹواری ہو گیا۔ پٹواری کے عہدے سے ترقی کرتا ہوا وہ سلطان پور کا کاردار ہوا۔ اور پھر دو آبہ جالندھر کا حاکم مقرر ہوا۔ سازش کرنا آدینہ بیگ خاں کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور اس سازش کے نتائج سے وہ ہمیشہ اپنا مستقبل استوار کرتا تھا۔ لاہور پر اپنا قبضہ جانے کے لئے وہ مختلف چالیں چلتا رہا۔ کبھی لاہور کے گورنر کو مرکزی حکومت کے خلاف اُکسانا۔ کبھی سکھوں سے بل کر شرورش برپا کرتا۔ بلکہ ضرورت پر مہٹوں کو پنجاب میں بلانے سے بھی اُس نے دریغ نہ کیا۔ لیکن جب اس کا مطلب مل ہو جاتا تو وہ کسی سے تعلق نہ رکھتا۔ اسی طرح وہ رفتہ رفتہ پنجاب کا وائسرائے مقرر ہو گیا۔ اور لاہور جالندھر، ماہجہ کے علاوہ گوجرانولہ کے راجوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی ۔

لیکن اُسے حکومت کرنے کا بہت کم موقع ملا۔ اور وہ ۱۸۵۷ء میں خانپور متصل ہوشیار پور میں فوت ہو گیا۔ وقائع نگار کا بیان ہے کہ اس کی قبر اسی موضع میں ہے ۔

چونکہ آدینہ بیگ خاں نے ساری عمر شادی نہ کی۔ اور موت سے چند ماہ قبل لیک سیھورت سے نکاح کر کے اس سے بھی اندواجی تعلقات منقطع کر لئے۔ لہذا اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور وہ اپنا کوئی وارث چھوڑ کر نہ گیا ۔

محمد باقر ملک

## احوال آدینا بیگ خاں

(دورق ۵۰) میگویند کہ آدینا بیگ خاں قوم ارائیں درخانہ چوڑا می شخصی ساکن موضع شرک پور پٹی متصل لاہور ولادت یافت و درخانہ مغلاں پروردہ شد۔ و اکثر اوقات درجلال آباد و خان پور و بٹوارہ صرف اوقات بیکر و مگر سبب مغلی سپاہ پیشہ و معمولی موضع جیو وال کہ معروف باسم گنگ در علاقہ لویاں واقع است می نمود۔ چونکہ مرو قابل و حساب دان بود و قد و قامت و راز بعد چند سال بساطت ضمانت لالہ سری نواس قوم و ہیر ساہوکار سلطان پوریہ اجارہ بخشش مواضع در علاقہ گنگ گرفت۔ و آئندہ سال رانام علاقہ گنگ گرفت۔ چون علاقہ ہذا شامل علاقہ سلطان پور بود و معاملہ آن متفق ہ؟ ہمراہ آدینا بیگ خاں در لاہوری رسید۔ اتفاقاً حاکم ضلع سلطان پور وفات یافت۔ آدینا بیگ خاں بسا ایش مستعدیان فتر و خزانہ بحضور نواب خان بہادر حاضر شد۔ بہ مستعدیان حکم رفت کہ مناسبتی این کس قبول کنید پس ضمانت لالہ سری نواس بعدہ علاقہ سلطان پور سر فرار گشتہ وارد علاقہ خود گشت۔ و لالہ سری نواس را مختار ملک کرد۔ و برادر کلانش کہ بہوانی واس نام داشت و فارسی می دانست مالک دفتر خود ساخت۔ و روز بروز ترقی گرفت ۔

پس در ۱۹۵۰ء کہ نادر شاہ ہندوستان را تسخیر کردہ وارد لاہور شد مبلغ سر کروڑ روپیہ مفصلہ ذیل تاوان گرفت۔ بنام نواب خان بہادر یک کروڑ۔ و عوض آن تاوان صاحب زادہ فلورنجان کہ از حضور بادشاہ خطب شنو از خاں یافتہ بود و رضامینی شامل رکاب رفت۔ و بنام دیگر امیران لاہور یک کروڑ بابت آن ولایت رای پسر کمپت رای دیوان تاوا می مبلغات شامل رکاب ماند و بنام مردان شہر یک کروڑ۔ و در ادای تاوان تمام شہر تباہ شد۔ و قتیکہ آدینا بیگ خاں حاکم سلطان پور بود و فوج غلنی ملہ شرق پورہ ملہ موضع جلال آباد و ریاضے بیاس کے کنارے ۲۵ می طول بلد اور ۱۰ عرض بلد پور واقع ہے و دیکھو سکھوں کی عمارت کی کا نقشہ از زبان فاکس (Faxon) ملہ موضع گنگ تحصیل نکودر کا ایک گاؤں ہے اور لوہیاں کے دو قینیل کے فاصلے پر بن بن کے جنوب میں واقع ہے و دیکھو ضلع جالندھر کی گزنیہ ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۵) لیکن ہے کہ قی وقت ایسے جیو وال ہی کہا جاتا ہو ملہ مطابق مسئلہ میسوی ۔

بسیار جا آتش زدند۔ مگر آدینا بیگ خاں حکمت علی ہزار گونہ تر دو کردہ و صد ہار و پیر خرچ نمودہ و ورق  
(۵۱) بسیار یغمالان زنانه و مردانه موضع شہ و مہٹہ ؟ رارہائی دہانید ؟

دور ۹۸۰ھ نادر شاہ وفات یافت و در ۹۹۰ھ احمد شاہ بخت نشست۔ بعد رفتن نادر شاہ  
نواب خان بہادر از طلب تقاضای مردمان فوج تنگ آمدہ دیوان لکھپت راسی را حکم ادای طلب  
فوج فرمودند۔ بواسطہ عذر قید شد۔ و برادرش حبیت راسی ہم گرفتار آمدند حبیت راسی کے کہ وانا بود  
عرض کرد کہ موجب قید اگر ہمیں معاملہ است ارشاد شود کہ تجویز آن کنم۔ و اگر تقصیر دیگر است از جان  
گذرانید۔ نواب خان بہادر فرمود کہ تنخواہ تمام فوج از خود ادا کن۔ عرض کرد کہ اگر دیوان لکھپت راسی  
برادرم را غفلت بخشید ہم در عشرہ فارغ غلطی تمام فوج گرفتہ حاضر کنم۔ پس نواب قبول کرد۔ لالہ مروج  
تمامی افسر از اسبازش و حسن سلوکی دست آور خود نوشتہ داد و فارغ غلطی از تمام فوج گرفتہ پیش از بہشت  
روز بجنور نواب صاحب گذرانید۔ نواب ازین معنی خورسند شدہ آفرینیا فرمودند۔ درین موقع لالہ  
مذکور عرض کرد کہ لکھاروپہ در بسیار جا را ایگال افتادہ و سوائے حکم حضور بدست نمی آید۔ اگر حکم شود  
از ان جا با فراہم کنائیدہ داخل خانہ سرکار کنم۔ نواب حکم کرد کہ از ہر جا فراہم کن۔ باز لالہ مذکور عرض  
کرد کہ سوائے تہدید و درشتی فراہم نخواہد شد۔ نواب خان بہادر حکم کرد کہ تو مختار هستی، طوریکہ خواہی  
از ہر کس گرفتہ حاضر کن \*

پس لالہ مذکور اولاً از میر سید مومن شاہ کہ مقرب خاص خان بہادر بود بابت اضافہ جاگیرش  
طلب حساب کرد۔ میر مذکور گفت کہ من جاگیر دار نیستم۔ از من بکدام راہ حساب می طلبید۔ نواب  
ازین معنی میر مذکور را خفہ شد کہ چہ را حساب نمی دہی۔ اشارہ الیہ از غلطی نواب ترسیدہ ہمال وقت  
یک لکبہ روپیہ را نشان داد۔ ازین رو تمام اہل حساب ترسیدند و لکبہ ہاروپہ خود بخود حاضر کردند \*  
درین اثنا آدینا بیگ خاں را براسے حساب در لاہور حاضر کردند۔ و آدینا بیگ خاں وقت  
شب تنہا بجانہ دیوان لکھپت راسے برائے ملاقات رفت۔ و عرض رسانید کہ آدینا حاضر است  
لے مطابق ۱۰۰۰ عیدوی۔ درین غلط درج کیا گیا ہے۔ تمام کتب تاریخ اس متفق ہیں کہ نادر شاہ ۱۰۰۰ عیدیں قتل ہوا تھا۔

دیوان مذکور از اجتماع غرض اور متوجہ بجائش نشدند۔ و آدینیا بیگ خاں شکستہ دل برگشتہ بدیرہ خود رسید۔ چون در معاملہ آدینیا بیگ خاں بسبب زیادتی خروج او کی تمام بود لہذا ارسال مال سخرانہ نواب خاں بہادر داخل نشد۔ لیکن بشرط سازش و حسن سلوکی او کہ ہمراہ علمہ دربار و متصدیان سرکار میداشت عدم ارسال مالش همچنان (ورق ۵۲) چند مدت پوشیدہ ماند۔ آخر وقت حساب چند کسان منصلہ ذیل گرفتار شدند۔ آدینیا بیگ خاں، بہوانی داس، چودھری ندہان سنگھ ساکن متصل بٹالہ۔ تادمیت یک سال قید ماندند۔ بعدش لالہ بہوانی داس بضمانت لالہ سری نواس اداوی محاسبہ را ذمہ خود کرد۔ و آدینیا بیگ خاں را از قید رہائی دہانید :

چون آدینیا بیگ خاں در قید بسیار آزار یافتہ بود۔ لہذا بی اطلاع وقت شب فراری شدہ و رکوہ جیو وال رفت و بہوانی داس ازین معنی بسیار مورد عتاب گردید۔ بلکہ درو بیگ نشانیدہ گرم کرد (ند)۔ ہر چند بدش از آتش آزار کشید لیکن از راہ نمک حلائی بیچ نشان کاغذ آمدنی و خروج و امانت (آ) و دینا بیگ خاں بر زبان نیاورد۔ ہمیں عرض کرد۔ کہ ہر قدر کہ حضور فرمائید از مال جان حاضر۔ اگلا گذارش حساب سوامی بالمواجہہ غاوند خود صورت نہ بندد۔ چون مزاج دیوان کمپت ای منصف و قدر دان بود بر نمک حلائی معذالیہ آفرینیا گفتہ آرا از ویگ بیرون کنانید و در تنجیبہ پیچانیدہ بکمان محفوظ داخل کرد۔ و حکما را فرمودند کہ علاج کنند حکماء علاج کردند۔ و تبت صحت کہ در دربار طلب داشت حکم شد کہ ہر خدمتی کہ خواہی مامور کردہ خواہد شد۔ لالہ مذکور عرض کرد کہ اگر توجہات و محبت فرمائید غاوندم آ، دینا بیگ را طلبیدہ مامور فرمائید و در یک سال معاملہ حساب از وری تا دای داخل خزانہ حضور کنم :

نواب صاحب ہماں وقت پروانہ تسلی بطلبش فرستاد۔ چوں آ، دینا بیگ خاں حاضر شد بہ تہدید و وعید خلعت دادہ مامور ملک کرد۔ اگرچہ آ، دینا بیگ خاں ماموری ملکداری گشتہ نخواست گشت۔ لیکن از نواب خاں بہادر بسیاری ترسید۔ چوں در دستہ نواب خاں بہادر فوت شد۔

لہ مطابق ۱۸۳۷ عیسوی۔ تمام متداول تاجپن میں محمد الدولہ نواب زکریا خاں بہادر کا سرین وفات کا مسئلہ درج ہے۔ کیونکہ اس کی وفات نادر شاہ کے قتل کے کچھ عرصہ بعد واقع ہوئی ہے :



پیشے خاں پسر نواب خان بہادر کس نوابی نواخت۔ ہنوزش کہ در ملک تسلط و لغواء شدہ بود کہ از نوابی موقوف گردید۔ و بجایش شهنواز خان را در خورو بر تخت نشاند (ند) ۴

بعد عرصہ احمد شاہ دُرّانی در ۱۲۰۲ھ از ولایت آمد و شهنواز خاں ہمراہش جنگ کردہ شکست خورد۔ و گر نغیہ در ملتان رفت۔ و رآ، دنیا بیگ خان کہ چون بخت او یاد رہ بود و دیرین افراط و تفریط و شاہ گروی ہلک خود بچہان در امان ماند و فوج و خزانہ بسیار جمع کردہ در ۱۲۰۳ھ ہمراہ سکہاں منفعلہ ظل بسبب عدم اطاعت پذیری کہ ہر کس بجاہای خود دم نخوت می زدند جنگ کردہ فتح یافت ۴

گنڈا سنگہ سنگہ،

جھنڈا سنگہ سنگہ،

جسا سنگہ رام گہڑیہ،

حقیقت سنگہ کنیہ،

جی سنگہ کنیہ،

امر سنگہ کنیہ،

(دورق ۵۳) ہر گاہ کہ احمد شاہ بدوا بہ آمدہ بود (آ)، دنیا بیگ خان در کوہ جہون در راجپور رفتہ دفع الوقتی نمودہ بود۔ و ہمراہ احمد شاہ وزیر قمر الدین کہ محمد شاہ بادشاہ آرا از وہلی برائے مقابلہ مامور کردہ فرستادہ بود متصل سرہند جنگ کرد۔ و لشکر احمد شاہ شکست خوردہ از گنڈر گران ۹ در پی آب عبور کردہ بولایت رفت۔ و وزیر قمر الدین در جنگ سرہند بضر بگولی تفتنگ فوت شد۔ یک شخص خواجہ خاصی نامے کہ در فوج وزیر قمر الدین بود مرد قابل و کار آزمودہ بود۔ از مرگ وزیر مذکور کسی را آگاہ شدن نداد۔ و ہمچنان اشارت انگشت خود فوج را تہوری و ولیہری (دوادہ ماند و ہر کر دگی منون خان لے کیلی خان ۴) مطابق مسند میری لیکن یہ سن ہی غلط ہے۔ احمد شاہ پہلی مرتبہ لاہور میں ۱۱۹۷ھ میں آئے ہے

اور شهنواز خاں شکست یاب ہو کر وہلی بھاگ جاتا ہے (دیکھئے تاریخ پنجاب مصنف سید محمد طیف صفحہ ۲۱۶)

۳۷ مطابق ۱۱۹۷ھ میری ۴

کہ فرزند وزیر مرحوم بود تاوریاسے پہلے عقب گیران احمد شاہ رفت +

و آ، دینا بیگ خان از کوہ جموں و راجپور باز بھک خود آمدہ متصرف گشت۔ و چندین مصلحہ و آداب شامل گردیدند۔ ہمدراں سال ۱۸۰۳ء محمد شاہ بادشاہ دہلی فوت شد۔ و سپہ نش کہ احمد شاہ نام داشت بر تخت نشست۔ فرمان نوابی و صوبہ دار سے لاہور بنام نواب منون خان کہ فرزند وزیر مرحوم بود۔ صادر شد۔ و صفرائیہ بانظام مہام صوبہ دار سے پرداخت آ، دینا بیگ خان رامرو لائق و قابل دانستہ سرفرازداشت +

در ۱۸۰۴ء کوڑال دیوان از حضور نواب منو خان باستخلاص صوبہ ملتان مامور گشت۔ شہنواز خان دران مقابلہ مرد میدان شد۔ بعد مراجعت کوڑال ہنوز نواب منو خان از ہندو بہت ملک فراغت کلی نشدہ بود کہ در ۱۸۰۵ء احمد شاہ باز از ولایت تاخت آورد۔ نواب منو خان ب جنگ پیوست۔ اگرچہ پنج شش ماہ مورچہ بندی بمیان ماند مگر فوج احمد شاہ شکست خوردہ فراری شد و فتح بنام کوڑال گشت +

شخصی افغان قصور یہ کہ ملازم نواب منو خان بود و افسر چند سواران بود در شک خورد کہ فتح بنام نہند آمد و ماحرورم ماندم۔ بضرع تنگ کوڑال را گشت۔ چون مسوخ شد کہ کوڑال فوت شد۔ (دورق ۵۴) فوج احمد شاہ قومی دل بودہ بشکر نواب منو خان حملہ کرد۔ چنانچہ فوج خان مذکور فراری گشت۔ پس احمد شاہ بعد فتح داخل لاہور شد۔ و نواب موصوت شہر سار بودہ حاضر ملا ہو گشت۔ حکم شاہی در بارہ اش نفاذ یافت کہ ہر کس کہ ہمراہ بادشاہان بی ادبی ساز و سزائش صیبت۔ نواب مذکور بسیار شرمندہ شدہ عرض کرد کہ اگر سوداگریستی بندہ را بفروش و اگر بادشاہی بخش۔ بادشاہ فرمود کہ

۱۔ مطابق ۱۲۴۱ء عیسوی۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۲۴۱ء میں فوت ہوا تھا۔ (دیکھو تاریخ پنجاب، مصنفہ سیہ غمطیف صفحہ ۱۱۹) ۲۔ مطابق ۱۲۴۱ء عیسوی۔ لیکن یہاں احمد شاہ کے جس حکم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۵۲-۵۱ء میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ جس جنگ میں دیوان کوڑال مارا جاتا ہے۔ وہ اسی سن میں ہوتی

بخشیدم و ملک تو بتو عنایت کردم +

درین اثنا سے نواب عرض کر دای بادشاہ شہر از دست تطاول فوج مغلی غارت میگردد  
بادشاہ فوج را از تعدی منع فرمود۔ مگر نواب منو خان معرفت شاہ ولی وزیر یک کروڑ روپہ نظر انداز  
مقرر شد +

پس لشکر شاہی روانہ بدہلی گشت۔ ازین معنی آدینا بیگ خان از خوف ورود لشکر شاہی باز  
در کوہ جمون و راجپور کہ دورا آدینا بیگ خان مشہور است متواری و پوشیدہ سلامت ماند۔ در آنوقت  
ابتداء سے ظہور سکماں شدہ بود۔ آدینا بیگ با خالصہ سازش میداشت۔ چنانچہ بگورو صاحب  
و ڈوبگ سنگد خود و چو و سربان پہلو ازہ صفائی کرد +

وقت مراجعت فوج شاہی بدہلی نواب منو خان موافق رنجیدگی درویش از اسب  
فرود افتادہ فوت شد۔ مگر بادشاہ وقت مراجعت از دہلی شاہزادہ طیمور شاہ را، بوزار جہان خان  
در لاہور را مقرر فرمودہ خود بولایت رفت۔ ہنگام مراجعت لشکر کہ آوازہ تعیین شاہزادہ طیمور شاہ  
در لاہور رسید، آدینا بیگ خان از ہنیمانی اندیشہ کرد کہ اکنون کار خوار است۔ بدون متابعت  
شاہزادہ گذارہ نخواہد بود۔ از راہ دورا لدیشی شہاب خان بیگوالیہ و چودہری صاحب خان  
نوشہریہ و دہرم داس رنجینہ و چودہری جود ہانگری و رائے براہم کپور تہلیہ را بطور وکالت معہ  
تخالیف بعضہ بادشاہ فرستادہ متدعی عفو و تقصیرات عدم احضار گردید۔ چون وقت مراجعت  
ڈیرہ شاہی در اثنا راہ چند جا سے قوم خالصہ مصدرانیا و خرابی شدہ بودند و ہم در وقت روانگی  
دورق ۵۵، چون سیماں قرار یکدم روانی شد لا جرم براہ بلند صمٹگی و دور مینی نواختن و بحال  
داشتن را، آدینا بیگ خان مقرون صواب تصوریدہ بنا براموری و مختاری ملک بدستور و انقیاد و

لے نذرانہ یہاں ملتے ہیں ذیل کی عبارت درج ہے :-

منو خان شصت لکھ نقد از توشہ خانہ خود و سب تلکھ را غلہ و زیور و دہ لکھ از امایان خویش و دہ لکھ معاف شد ،

لے اندو بی + سہ تیر شاہ +

متابعت شاہزادہ پروانہ عالی عطا فرمود \*

آ، دینا بیگ خان از اقامت شہزادہ در لاہور خار حسرت بگزر خوردہ و بدبختی خود نگاہ کردہ اگرچہ بطاہر و اطاعت و چالوسی براہ نوشتہ اند بحضور شاہزادہ حضور زید کین بطور پوشیدہ معرفت معتبران براہ فریب بامیران فوج مرہٹہ سازش و رابطہ انداختہ بنمایش طمع یک لکھ کوچ و پنجاہ ہزار مقام لشکر مرہٹہ بانظر گرفت کنانید۔ چون لشکر مرہٹہ متصل بٹالہ رسید آ، دینا بیگ خان دکر، مردی متغنی بود پیشگی خود شامل ویرہ مرہٹہ شدہ بخدمت شاہزادہ طیمور شاہ و جہانخان وزیر بندہ بشت کہ لشکر مرہٹہ (مانند) بلاناگمانے از کہن آمدہ فدوی براہ زمانہ سازی ہمراہ شدہ۔ از انجا کہ نمک پروردہ حضور ام براہ نمک حلالی معروض داشتہ ام کہ مناسب وقت ہمین است کہ عرضی بندہ بعد عبور از دریاے راوی بملاحظہ شریف درآرند۔ یک ساعت توقف جایز نفرمایند کہ کوچ این مروج تا یک صد کردہ روز مرہ می باشد۔ مناسب کہ جلد تر بانظر گرفت کوچ فرمایند \*

بمجرد استماع این خبر شاہزادہ معہ وزیر روانہ ولایت شد۔ و فوج مرہٹہ تا کنارہ اٹک عقب گیران بودند۔ و سید خان عمون احمد شاہ ولایتی کہ در سر ہند بود بقبیلہ مرہٹہ آمد۔ بعدش معرفت آ، دینا بیگ خان خلاصی یافت و بطرف ولایت رفت \*

بعد ازان کہ سلطنت شاہ جہان آبا دوست شدہ آ، دینا بیگ خان خطاب نوابی بنام خود کہ سواے لاہور مالک ملک دوآبہ یعنی بست جالندھر و ماہجہ و کوہستان (دبو) کنانید و بموجب تفصیل جمعیت افواج مستجمع گردانید۔ و دران وقت ہمہ سرداران این ملک و کوہستان و سکھان متابعت آ، دینا بیگ خان می کردند۔ و آ، دینا (ورق ۵۶) بیگ (خان) از راہ دور اندیشی تمام

لہ بانظر آ، احمد شاہ <sup>۱۱۵۸</sup> میں جب پنجاب کو فتح کرتا ہے۔ تو لاہور کو اپنے بیٹے شہزادہ طیمور شاہ کی تحویل میں چھوڑ کر ترکستان چلا جاتا ہے۔ اس وقت عبدالصمد خان محمد زنی کو سر نہاد گاگر زعفر کیا جاتا ہے۔ اور یہی عبدالصمد خان بعد میں سر نہد میں مرثوں کے ہاتھ شکست کھاتا ہے۔ 'سعد خان' سے مصنف کی مراد غالباً عبدالصمد ہے۔ لیکن یکمیں سے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ عبدالصمد خان احمد شاہ کا چچا بھی تھا یا نہیں \*

رہبان سازش و رابطہ می داشت۔ وازر عایا خراج باسلوبی وزمی میگرفت۔ وخرج افزون بود  
لاجرم مدام ترصد زر و خیال اخذ و گرسامو فار مالدار سے داشت۔  
تفصیل فوج این است :

سوار خردار

صمب ہزار

پیادہ ہوشیار

ہم ہزار

جاگیر داران کوہستان وغیرہ سوار و پیادہ

صمب ہزار

ہرکارہ اخبار اور سر؟ جواب تعلق تحصیلدار

سامعہ نفر

لہ ساہ تراش و بلیہ

صمب ہزار

پیادہ و نفر تصدق خواہ

صمب ہزار

اکثر مردمان مسلمان و اندکی سکھان مثل جیسا سنگھ رام گہڑیہ و دیگر ملازم بودند۔ افسران فوج  
اول غریزیگ خان بدش لالہ بشنبر داس +

چون خرابی احوال پنجاب و سرشی را، و دنیا بیگ خان گکوش الہیان و دربار بادشاہ دہلی  
رسید از شاہجہان آباد قطب شاہ نمیلہ در ۱۸۱۲ء معہ افواج قاہرہ بانظام انیطرف آمد را، و دنیا بیگ  
خان اطلاع یافتہ سوای مقابلہ مصلحت ندید۔ چہر کہ اندشید کہ اگر فوج بادشاہی درین ملک آید

لہ یعنی گھسیارہ +

سرداران و زمینداران این ملک ضرور اطاعت پذیرشایی خواهند شد - مبادا که مرا گرفتار کرده و حاله کنند چون فوج مذکور متصل ماچی واره رسید را، دنیایک خال از پیش سوار شده برب تله خشک در موضع بهلول پور یا فوج بادشاهی مقابله کرد - را، دنیایک خان شکست خورد و تمامی افسران شل غریزیگ و غیره رو بفرار نمودند - را، دنیایک خان هم مستعد فرار گردید - وین اثالا لال بشنبر داس که بالوا جهه سوا شده ایستاده بود عرض نمود که اگر درین وقت حضور روگردان شوید حیث است - و خاک بر سر تو خواهد افتاد اگر درین مقابله خواهیم مرد البته نام خواهد ماند و الارو سیاهی بر د جهان خواهد ماند - نواب را، دنیایک خان از استماع این کلام سر بگریبان تامل فرورد و اندیشید که حال مردن بهتر است - از زندگی بخیر و قایم شد و اراده جنگ کرد +

از آنجا که تائید آسمانی و نیروی بخت شامل حال بود ناگاه قطب شاه رهسپار که افسر فوج بادشاهی بود بضرب گولی تنگ فوت گشت - و تفرقه در فوج شاهی افتاد - و فوج را، دنیایک خال حبیت یافت و غالب آمد - و مال و اسباب بسیار از دیره شاهی غارت کرد را، دنیایک خال ازین فتح خود سگشته چادر فیروزی بر سر کشیده غنوده ماند بر فرش استراحت آرام فرمود - و لاله بشنبر داس را ارشاد داد که نذر ایش این فتح از افسران فوج خود شما بگیرد - پس تمام افسران لاله مذکور را، نظرات دادند - غریزیگ هم آمده نذر گزارش (ورق ۷۵) کرد - لاله بشنبر داس خواست که نظر بگیرد - غریزیگ گفت که تو کیستی که از ما نظرگیری - لاله مذکور هنوز لب بند بود که نواب را، دنیایک خان بجزیه تمام برخاسته فرمود که این نذر و اما تو خواهد گرفت - گر خجسته بغلان مادر خود رفته بودی - ای نمک حرام بینی ؟ تو بر رواست - و در شوا از نظر من - و لاله بشنبر داس و اما دلت که ریاست و عزت من قایم دانسته میر غریزیگ نذر لاله مذکور داد - و از آن وقت دیوانی فوج بنام لاله مذکور مقرر گشت +

در فوج جاگیر داران کوستان و غیره و شوهرانی رنجید پگواژه و اله افسر بود - و نواب را، دنیایک خان از اخلف الصدق خوانده بود - چون در وقت سستی نواب موصوف در جالندهر کلینجان انعام

آزاد خیم ششیر دو نیم کردہ بود۔ ہمیں وسیلہ خاطر لوک چند از دیگر افسران این ملک زیادہ میداشت۔  
چودھری جوہری مل پہگواریہ راہم عزیز میداشت وراجگان کوہستان را نیز دوست می داشت۔  
چنانچہ باین طرف اول گورو وڈبھاگ سنگھ جو ودر کوہستان براجہ گہوند چند کٹوچ وراجہ جسوان و  
ازان طرف باراجہ ہوپ چند پدر راجہ رنجند دیو کمال اتحاد و حسن سلوکی و مدد میداشت۔ افسران  
ملک جوہری مل چودھری پہگواریہ گورو وڈبھاگ سنگھ کرتار پوریہ و رای ابراہیم خاں کپورتھلیہ۔ و  
کر مٹیش قوم راجپوت ملتان والہ۔ و دیوان دفتر بہوانی داس سلطان پوری۔ و درگاہی قلا فون گسی  
راہمون والہ مختار آمدنی وغیرہ لالہ سری نواس سلطان پوری، ضلع سلطان پور وغیرہ توالج آن  
ہم تحویل لالہ ندر کور بود۔ شیخ سعادت یار ساکن قصبہ ٹالہ مردی قابل بود۔ دیوان صاحب تیکے پرورد  
دختری باودادہ بودند۔ لہذا شہرت بدلاادی نواب می داشت وچندی دردوابہ ملک دارماند۔ چون  
اکثر اقامت اودر کانگرہ واقع می شد بعد از مرگ نواب صاحب ہم چند پرگنات زیر ملک داری اومانہ  
در سہ ۱۸۱۵ لاولد بہ بیاری قلم در کانگرہ فوت شدہ بود،

اگرچہ دو کابہ و ماہجہ و کوہستان زیر تصرف بود۔ لاکن تعداد آمدنی فی بخرانہ بقدرستی و پنج لکھہ  
سوا می تحلیف و نذرانہ کوہستان بودی۔ چون آمدنی اندک و خرچ افزون بود ازین معنی ازرا حکمت  
عملی چنان تجویز داشتہ بود کہ از تمامی افواج نصف را مغزول و نصف و نصف بجال۔ تا انفرارغ  
حساب طلب مغزولان کہ شش ماہ می گذشت قلم بجالی شان جاری نصف باقی را معزولی،  
اومسئل و کعب بسبب قرار مدار ہم فوج آونیتہ میماند و ہم صرفہ خرچ می شد۔ و گاہ ازنگلی خرچ  
چنان می شد کہ در تعلقہ کوہستان یک گوسائین سنیا سی دولتمند و طبیب حاذق (ورق ۵۸) بود

لہ جیو + سہ رنجیت دیو + سہ یہ غالباً نواب صاحب ہے۔ سہوا دیوان صاحب کما

گیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر شہرت بدلاادی نواب کما ہے۔ اور چونکہ شیخ سعادت یار مسلمان ہے۔ اس لئے

پروردہ لاکھی مسلمان ہی ہوگی۔ اور نواب صاحب نے ہی اُسے پالا ہوگا +

سہ ازبن لیت و لعل + سہ یعنی کفایت +

بوقت نزول دایه بان فوج به بهانه بیماری اورا طلبید؛ خود را بوضع کسکندان و انموده دست بدتش

داده +

ناسمه هر چند تبس کرواتار بیماری، هیچ دریافت نشد - لاجا متفکر شده عرض داشت داده که هر نسخه مرغوب حضور باشد تیار شود - فرمود که عارضه طلب فوج و انگیر دارم - و ظهور مرض از آن وقت استیلا بر طعم گردیده کار بمخرجان آورده - از دوا سخا که دوا این مرض بجز شفاخانه آن طبیب صادق در طلبه دیگر نیست - جلد تجویزش فرماید - چون نامبروه از گرفتاری آن بیماری بهمت جان بری ندیده - گویند و کرا به لبالب اشترانی گذرانیده خلاصی یافت - فقط +

روزی باورچی نواب صاحب حسب الحکم برای قدیمی مریه نزد عثمان خان جالندریه رفت تا مریه بیارود اما از شامت طالع بخمال خام عثمان خان درآمد که اگر امروز مریه خواهم داد شاید که نواب صاحب در آید و فرمایش ده بهیست روپیه شود - ازین بهمت بجمله حواله پرداخته ندر عدم موجود عثمان آورد - و نواب صاحب دور روپیه حساب بدست عاجز می شخصی بیوپاری داده فرستاد - چنانچه بطور بیوپا مریه ازو خرید و آورد - وقت دربار نواب صاحب آن مریه در خوان چینی اندوخته پیش مهمان و افغان قصبه جالندر برگذراشت که از طباطبائی کیست سچایت (عثمان خان) را مره زندگانی تلخ کامی آمده هیچ نتوانست جواب داد - باز حکم شد که سزای آنکسی که از حاکم سکر گرد و دوبر عاجزان بزرگسری بدید چیست - بهنگنان بیان کرد که هر چه رضای حاکم - پس همان وقت عثمان خان را بعد گرفتاری بخرید خواری حکم داد که مثل مریه در دیگ اندازند - تا ذایقه این حرامزادگی دریابد - بجز تمیل این حکم همه مردم شهر بعد مقرر بست و پنجره و سیاهان و کشایش متمس عفو جرایم گردیده از آن دایک جوشان بایند گویند که تا دم حیات در جمله اعضاء او سوزش و درد و تاب مانده - فقط +

دیگر روزی قضا کار برکیت صبار قنار سوار بوده در محله و بازار جالندر بر سیر فرمای بودند - و در چهو تیره پیش خانه قاضیال قدری پوست کونار مالیده افتاده وید فرنگی که چو کفر از کعبه بخیزد کجا ماند مسلمان

له یعنی تیره سه قرابه سه اشترانی +



ہمازبان قاضیان را بدارالقضاء زندان پابندان بروہ سی ہزار روپیہ جرمانہ گرفت۔ و دران جاگیر ضبط کرد۔ همچنین وقت بوقت احتیاج بحجت شرعی و حکمت علمی کارروائی رومی داشتند۔ ولی فرمودند۔ اگرچہ ستم صریح است کہ محضرورت بود روا باشد۔ و حکیم کہ بہ احتیاج است احتیاج است احتیاج۔ آنکہ شیران را کندرو بہ مزاج + بے شائبہ ہنگام احتیاج چشم ایمان تیر و غفل و ناخیرہ می گردد۔ والا درامری عدالت کبک و شیر و گنجشک و باز ہم پلہ میشاید۔ و از عدالت (روزق ۵۹) او ہم بسیار حکام تہاند +

تفصیل مہات ۱۔ در ۱۹۰۷ء بہ تسخیر کوسر مورچہ بندی نمود۔ آنجا بسروار جہا سنگہ الہو لہ و دیگر سکمان ہم جنگ بوقوع آمد۔

در ۱۸۰۸ء مطابق دہم شوال ۱۲۶۷ھ ہجری روز شنبہ احمد شاہ درانی دہلی وفات یافت و عزیز الدین عالم گیر ثانی بر تخت نشست۔ از غایت شورش ہر ماب متوجہ پنجاب نشدند۔ در آخر ۱۸۰۹ء کہ احمد شاہ درانی باز آمدہ بود و گرازا ماہجہ برگشت چندی جاسی بر تہہ سکمان خصوص بسروار جہا سنگہ جنگ شد +

در سنہ ۱۹۱۱ء مقام جلال آباد رلب دریای بیاس خیا م عالی بودہ و سکمان معہ سردار موصوف متفق بودہ متصل کہد و رنعلہ افز و ہنگامہ شدند۔ قطب خان و شادی رسالداران عمدہ زخم کاری یافتہ +

در ۱۸۱۰ء نورنگ آباد مورچہ بندی نمودند۔ چہر اکہ از غلبہ سکمان از اطاعت منحرف شدہ ہوئ

لہ مگر ۱۰۰۰ مطابق ۱۲۵۰ھ عیسوی۔ غالباً سنہ ۱۹۰۷ء۔ جو سنہ کے مطابق ہوتا ہے + ۱۰۰۰ھ

احمد شاہ شاہ دہلی کی وفات کا ذکر کرنا مطلوب تھا۔ لیکن درانی کا غلطی سے اضافہ ہو گیا ہے۔ علاوہ ازین

احمد شاہ ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوا تھا۔ عیسوی ۱۸۵۰ء اور ہجری ۱۲۵۰ھ کے مطابق ہے۔ اور یہ تمام زمین

صحیح سن سے بالکل مختلف ہیں + کہ صحیح نام عز الدین عالمگیر ثانی ہے + ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۲۵۰ھ۔ غالباً

سنہ ۱۸۱۰ء ہے۔ جو ۱۲۵۰ھ کے مطابق ہوتا ہے +



شورش نمود۔ آرزوی آب جن متصل پانی پت کرنال با ہم ہر دو لشکر مقابلہ عظیم واقع شد۔ چنانچہ یک طرف احمد شاہ درانی و شاہ ہند و نجف خان و نجیب خان و شجاع الدولہ و طرف ثانی لشکر مرہٹہ۔ عرصہ گیتی تختہ قیامت گردید۔ ناگمان افسر مرہٹہ را مرگ رسید و ازین معنی لشکر مرہٹہ را شکست رسید و احمد شاہ ہندوستان را متصرف گردید۔ و بسیار مال و اسباب از خزانہ شاہ جہان آباد ولایت برد۔ و تہتر اغارت کرد۔ و بعد مراجعت نمود۔ کابل (ل) (دورق ۶۰) بہتری قوم کپور را کہ مقصدی قابل و معتمد بود و ساکن قند ہار بود بصوبہ داری لاہور سرفراز گردانید۔

و آدینیا بیگ خان و کوہستان کہڈی (و) آدینہ نگر منروی ماند۔ بعد مرور لشکر شاہی باز بدوا بہ آمد۔

چون غلبہ سکمان ہم دوران زمان بدرجہ تمام رودادہ بود۔ لاجرم بجز اندرون شہر لاہور تحت ریاست و سیاست کابل بل برون تاجک کردہ صورت نیافت۔

و در ہمین سال ۱۱۱۴ھ غزنی الدین عالم گیر ثانی (کہ) از روزگشت فوج و کشتہ شدن قطب شاہ بخارا از طرف آدینیا بیگ خان برسینہ داشت۔ و ہنوز شورش مرہٹہ ہیچ تدارک کردن نیافتہ بود۔ مطابق ۱۱۱۵ھ ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید۔ و حضرت عالی گوہر مسند نشین شدہ مطابق ۱۱۱۶ھ ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید۔

ہمچنان ملک پنجاب بقاؤ آدینیا بیگ خان بی خلش و خراش بماند۔

در آخر ۱۱۱۷ھ دیوان بشنبہ داس معہ قدری سوار بسیر کہڈی ہوشیار پور رفتہ بود متصل ٹانڈہ بر لب جو کہ انجا واقع بود افواج خالصہ معہ سردار حبا سنگمہ قابو یافتہ بر اٹانند۔ و رین (۸) دیوان موصوف مروانہ شہادت یافت۔ مشہور کہ باوجود فرار تمام ہمراہی دیوان مسلحہ تنہا مرد میدان ستیر

لہ درانی ۱۱۱۸ھ غالباً کہڈو رہے۔ و کہیکو سکوں کی مدد کی کانتشہ از میان و اگر طول بد کام ۳۰۔ عرض

بلد ہم ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۱۲۰ھ ۱۱۲۱ھ عزالدین عالمگیر ثانی ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۱۲۳ھ یہ تاریخ صحیح دی گئی ہے۔

تہ یہ فقرہ غالباً دربارہ کما گلیا ہے۔ اور سن غلط لکھا گیا ہے۔ تہ بتاوی تہ دیکھو نوٹ ۱۱۲۳ھ رگدشتہ منوم

بر زمین انداختہ بنوائی نشست۔ تاجان ندا دوست از مردانگی بر نہ داشت۔ وہ فیکہ طائر روح پاکش از تنہ غصری بہ پرواز آمد سر دار جہانگاہ کہ جوہر شناس مر و مشہور بود بر سر قوتش رسیدہ صد آفرین فرمود و روش رابد و شالہ خود از غبار صفا نمود۔ ولوح رخس از نگین و تجہیز مصروف توجہ تلمنزل آفرین ہمراہ رفتند۔ فقط ۶

مقام قیام۔ در اوائل اکثر اتفاق جسو وال مشہور کنگ واقع شدہ۔ باز در کار داری سلطان در فوجداری اول ۱۸۰۸ء چہاونی جلال آباد کبارہ دریای بیاس بدت کیسا شش ماہ۔ باز در ۱۸۰۹ء کہ برائے سیر و بندوبست کوہستان و کنگدو نواح پشمان کوٹ نزول ریاات شد۔ و تاب سال چہاونی در آن مقام اتحکام ماند۔ شہر مشہور بدینا نگر بنا فرمود کہ زمین اجازت میداد ان راجپوتان کہ بقوم ہر چند مشہور است بطور رعایت گرفتہ (دورق ۱۱) آبادی ساخت۔ از نظر امر عدالت باؤکات چہوڑہ؛ محصول انجا در تحویل راجپوتان ہر چند قوم دو گو داشت ۶

و نیز خوبتر از گردنپاہ میندہ زمین ہمراہ از آ، وینا نگر نیست۔ انہمہ باغات وغیرہ کہ بہت داخل علاقہ ہنہار؛ است۔ مگر وقت خالصہ جی کہ علاقہ نیار؛ ہم شامل آوینا نگر بود۔ لاجرم ہمہ بدینا نگر معروف۔ لیکن عمل ذل ضبط و تسلط در ان زمین ہنوز بقبضہ زمینداران علاقہ نیار؛ ہو بعد ان فراغ این نواح کہ؛ باز تشریف فرماے دو آبہ شدند ۶

در آغاز ۱۸۱۴ء بمقام موضع دراج؛ واقع ماہجہ چہاونی تعیین یافت و تا کیسا ہشت ماہ رونق پذیر آنجا۔ دیگر قیام فوج و خود بدولت بطور دورہ سیر ملک و ہر جانب می فرمودند ۶ دیگر میان دو آبہ جالندہر کوہستان معہ کل فوج (تا گاہ ماہ مگر؛) بطور دورہ مدام برسل رایت اقبال می افراشتند۔ مدعا کہ از روز ملک داری و خود متنازعے کہ از ان ۱۸۰۸ء عقلاً امتیاز

لے قض شدہ و کیونٹ۔ گذشتہ صفحہ ۱۸۰۸ء سہ ۶ سہ ہر چند راجپوتان کی ایک گوت ہے جو راجپوتان کی ایک اور گوت دودے کے کٹر بھی ماتی ہے۔ دودے قسم کے راجپوت زیادہ تر ہیشیا روپڑی آباد ہیں و دیگر ہیشیا روپڑی کے بیٹے حصہ ۱۹۱۲ء سنو ۱۸۰۸ء ۶ سہ ہر سال شہنشاہی عوام کیلئے کلام ۶

می شود۔ کلم بقدر دوازده سپرده سال کوس صوبہ ولری بنواخت۔ چہ در ۱۸۰۸ صاحب رزم (دو) عزیم (دو) بزم شدند۔ در ۱۸۱۰ پانزدہم ماہ بجاوول کہ اول در جنگی زخمی کارے بر سینه داشتند و در زمانیکہ ہوا می مختلف (بود) بیماری ادھرنگ یعنی کلنج لاق شد۔ در خانپور متصل لدھیانہ و ہوشیار پور رحلت نمود۔ تبرش و رانجا واقعہ است ۶

اگرچہ تازہ نیست بجز الفت و ولبرمی باحدی ایذا روا داشت لیکن بمقتضای رضای الہی از سہ قوم بغض و در خاطرش ماندی۔ اول کانگولیاں کہ ہر گاہ ملک و جوبلی او شال می دید می گفت کہ گل و حل آن از خون و خشت از استخوان مردم است۔ دوم صرافال میگفت امانت و زو غریب کش۔ نقد ہزار روپیہ بجاہزان و امانے غراباہ بی ایمانی زیر داشتہ در روز روشن چراغ دوالہ افروزند۔ سوم افغانان کہ آن مردم بندہ شہوت و مجہول اند کہ نگ و ناموس اہل عزت از دست اندازی (ایشال محفوظ نیست) و خدا پرستی روانی دارند ۶

شجرہ وجودش از شجرہ اولاد بی بہرہ و بی بار رفت۔ گویند کہ در عمر واپسین قریب ۱۸۱۴ زنی (ورق ۶۲) آوارہ بی نکاح کہ حسین بود خواستہ بجاہلہ نکاح آوردہ بود۔ و چون شب محفل خالی از غیر بیاراست و استفسار احوال از طرفین بمیان آمد۔ زنی مذکور بیان کرد کہ از قوم سیدام۔ همان وقت سر بر زمین توبہ نہادہ طلاق داد و مادہ خواند۔ و عمر زینت خود پرورش می داشت۔ بعد وفاتش۔ ہم زاویہ نشین عفت ماندہ۔ اخیر و گذشت ۶

چون پیالہ عمرش یعنی آونیا بیک خال باب اجل لبریز گردید۔ کہ آلات اتمشہ و سلاہماے وضروب توپ و بندوق وغیرہ اسباب چیزہی از نقدی آنہم بدست ہر کس کہ در افتاد و غنیمت انگاشت۔ و ملک زیر تصرف ہر کس از رای براہم و چو ہدری ہنگوار طیبہ و گورو صاحب

۱۔ مطابق ۱۸۱۰ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸

زیبا سی برکت جہان گورو وڈوہاگ سنگھ و کرم بخش لمبیہ وغیرہ کہ بودا پچنیاں قابض ماندند و بندہ ؟  
احوال اختلال سلطنت دہلی مشہور۔ ورنہ ازان رو سے آب تبلیغ عملداری سرکار کسینی گروید  
و سلطنت دہلی بالکل سست شدہ۔ ورنہ بادشاہ عالی گورہ وفات یافت۔ تمام شدہ

## تنقید و تبصرہ

### ۱۔ برہان مآثر شاہ

مولف کتاب ہذا علی بن عزیز اللہ طباطبائی ہیں۔ قبیلہ طباطبائی اسماعیل بن ابراہیم  
بن الحسن بن علی رضوان اللہ علیہم سے منسوب ہے۔ اسماعیل کا لقب طباطبائی اس وجہ  
سے ہوا کہ اسماعیل تونے تھے قاف کی جگہ طوئے اپنے توشے پن کی وجہ سے۔ مولف تھے  
ایک سائل کو انہوں نے اپنی قبا دی۔ ایک دن وہ سائل بازار میں کسی قدر دُور جاتے ہوئے دکھائی  
دیا۔ ان کو اس سے کچھ کہنا تھا۔ انہوں نے اس کو طباطبائی (قبائی۔ قبائی) کہہ کر پکارا۔ لوگ  
اس وقت سے ان کو طباطبائی کہنے لگے۔ یہ قبیلہ سادات حسنی میں سے ہے۔

الغرض مولف اس کتاب کے علی محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں عراق سے دکن میں  
آئے اور مورخ فرشتہ کے ہم عصر تھے۔ تاریخ فرشتہ سے چند سال قبل برہان مآثر لکھی گئی علی بن  
اس کتاب کا قلم نگار کے محاصرہ میں محمد قلی قطب شاہ کے ساتھ موجود تھا لیکن قطب شاہ کی وفات  
پر شاہان احمد نگر کی ملازمت کر لی اور تاریخ برہان مآثر برہان نظام شاہ کی فرمائش سے لکھی۔ برہان مآثر

۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء سے محمد قاسم نام اور تخلص فرشتہ ہے۔ اسنر آباد میں بحر خور  
کے مدور پر ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء سے ۱۰۷۰ھ کے درمیان پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام غلام علی ہندو شاہ  
منا جو اپنے وطن کو چھوڑ کے ہندوستان چلا آیا مرنضی نظام شاہ کے زمانہ میں پہلے احمد نگر پہنچا اور (باقی برصغیر)

اس کا نام تاریخی ہے جس سے سنہ نکلتا ہے :

مولف نے اس میں صرف شاہان دکن کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔  
طبقہ اول میں سلاطین گجرات کا ذکر ہے جو سلطان علاؤ الدین حسن شاہ گنگوٹی سے شروع ہوتا ہے۔ اور  
سلطان فیروز شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے۔ بہمنی خاندان کے سلاطین آٹھ ہوئے ہیں :

طبقہ دوم میں سلاطین بیدر کا ذکر ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بہمنی سے شروع ہو کر سلطان  
محمود شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے :

طبقہ سوم میں سلاطین احمد نگر کا ذکر ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بھری سے شروع ہو کر سلطان  
چاندنی بی پر ختم ہوتا ہے :

ناشر و چاپ زن اس کتاب کے سید ہاشمی معتمد اعزازی مجلس مخطوطات فارسہ دکن اپنے  
دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں یہ کتاب ایک مدت سے نادر الوجود ہو گئی ہے اس کا ایک نسخہ  
مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ جلی قلم سے تقریباً  
پانصو صفحات پر ختم ہوتا ہے اول اور آخر کے چند اوراق ضائع اور تلف ہو گئے ہیں اور سین پہنچ جانے سے  
بعض عبارتیں پڑھیں نہیں جاتیں۔ دو نسخے اس کے برٹش میوزیم میں ہیں۔ بہترین اور کامل نسخہ اسکاکیمبرج  
میں محفوظ ہے جس کا پہلا حصہ غالباً خود مصنف نے لکھایا لکھوایا اور دوسرا اس کے بیٹے ابوطالب نے

سنہ ۱۰۳۸ھ میں تکمیل کو پہنچایا۔ اسی نسخہ کا کس مولوی غلام یزدانی سے مستعار لیکر مجلس مخطوطات نے اپنا نسخہ  
مرتب کیا کہیں کہیں مولوی عبدالحق صاحب کے نسخہ سے بھی اکی تصحیح کی گئی ہے جس کا ڈرافٹ ٹیٹس میں کر دیا گیا ہے

شہزادہ حسین کا استاد فارسی مقرر ہوا۔ مگر اپنا کام شروع کرنے سے پہلے چل بسا۔ محمد قاسم فرشتہ مرضی نظام شاہ  
کی وفات پر سنہ ۱۰۹۹ھ میں بیجا پور چلا آیا یہ زمانہ شہنشاہ اکبر کی سلطنت کا تھا، اور دلاور خاں کی امداد سے ابراہیم  
عادل شاہ دوم کے دربار میں رسائی ہوئی۔ تاریخ فرشتہ اسی بادشاہ کے حکم سے سنہ ۱۱۲۷ھ میں فرشتہ نے لکھی۔ اور  
اسی بادشاہ کی نسبت سے تاریخ فرشتہ کا نام رکھا۔ جن کا دوسرا نام نورس نامہ بھی ہے۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ انگریزی  
میں برگس نے کیا ہے۔ بقول برگس سنہ ۱۳۱۸ھ میں وفات پائی :

بعض بعض مقامات پر تاریخی مساعیات بھی ہیں جن کا ذکر ناشر نے حواشی ذیلی میں کر دیا ہے اور ایسا ہونا تقاضائے بشری یا ضرورت وقت کے لحاظ سے کچھ بعید نہیں۔ میرزا تحقیق میں اس کتاب کا پلہ تالیف فرشتے سے کم ہے پھر بھی اس کے بیان سے فرشتے کے قول کی تصدیق تکمیل اور بعض مقامات پر تصحیح میں بیش بہا مدد ملتی ہے ان اہم اختلافات روایات کا بھی ذکر فرٹ نوٹس ہیں کر دیا گیا ہے، سرولین ہیگ کے انگریزی ترجمہ سے بھی ناشر نے مدد لی ہے چند سال پہلے جو انڈین انسٹی ٹیوٹی کویری میں بلا سنا چھپا اور پھر کتاب کی صورت میں شائع ہو چکا ہے وہ کتاب نہایت صاف ساوہ اور سلیس فارسی میں لکھی گئی ہے اور تاریخ کی عبارت ایسی ہی ہونا چاہیے۔ نہ کہ جہاں کشتہ جوینی و تاریخ و صاف و درہ نادرہ کی ایسی۔ اشعار جو نزل مناسب طور سے تضمین کئے گئے ہیں یا وہ تو مولف کتاب کی تالیف معلوم ہوتے ہیں اپنی معافی اور روانی میں شائنا کئے شاعر سے ملتے جلتے ہیں جس کتاب میں اضافہ ذکر ہے یہ امر ملے ہے کسی کتاب کا صحیح چھپ جانا ہندوستان میں شوار ہے چاہے لیتھو یا ٹائپ چنانچہ ناشر نے طباعت کی غلطیوں کا آخر میں ایک صحت نامہ لکھا ہے پھر بھی متوری بہت غلطیاں ضرور رہ گئی ہونگی کتاب کی الٹ پلٹ میں سرسری طور پر جو نظر پڑ گئیں وہ دو چار یہ ہیں:-

صفحہ ۲۵۰ سطر ۷۔ کہ چون وقت آن شد کہ شاہ ہرنگ و بردخت خود زین جہاں سترگ -

اگر جہاں سترگ سے مراد دنیا ہو تو زین ٹھیک ہے اور اگر آخرت مراد ہیں تو زری بجھی جنب و لرط ہونا چاہیے

صفحہ ۲۵۲ سطر ۶۔ ارشادات اللعرب لیبہ لم یزل کو اسم مان کر مصنف اس پر الف لام لائے +

صفحہ ۲۵۸ سطر ۲۱ "تخیر قلاع و حصونیت کہ حضون خناوش بکر زین منہتی میگد دید" حضیض کی جو شخص

اور احضہ ہے نہ حضون ممکن ہے تصرف ال ایران ہو + صفحہ ۶۲۷ سطر ۱۸۔ نو آنگہ کہ برین شوی دست یاب

زین یہ وہ راوادہ باشی جواب + "نو آنگہ" میں الف پڑھ چھپنے سے رہ گیا اور زین کی جگہ ز نے بہتر ہے +

کتاب ۱۱ x ۱۶ ۱/۲ تقطیع کے چھ ستون "منغات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائپل پیج کے دوسرے

صفحہ پر ان مجلس مخطوطات فارسی کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ دو صفحے میں ناشر کا دیباچہ ہے اور آٹھ صفحات پر

فہرست مضامین کتاب قبل انا فار کتاب ہے۔ آخر میں بتتبع ال یورپ بائیں منغات پر فہرست اعلام

ہے اور دو صفحات پر غلط نامہ۔ مگر بلاشبہ غلط نامہ اس سے زیادہ مفصل ہونا چاہیے تھا۔ اس لئے کہ جس قسم



کی اصلاح مضامین درج ہوئی ہیں وہ ابھی بہت سی باقی ہیں۔ شاید اس نقص کا تدارک اب بھی ممکن ہے  
کاغذ ولایتی آہار اور مہرہ کیا ہوا (دکیرڈ) اچھا ہے۔ ٹائپ ضخامت نہ بڑھ جانے کے خیال سے کئی قدر

مہین ہے۔ مطلع جامعہ دہلی میں دسمبر ۱۹۳۳ء کو چھپی۔ ہندوستان کے اندراگریزی سکھ سے دس روپیہ مع  
محصولہ اک قیمت ہے اور بیرون ہند سے ایک پاؤنڈ انگریزی۔ غالباً سید ہاشمی مرتب و متعدد اعزازی مجلس  
مخطوطات نارسہ جید رآباد وکن سے ملتی ہے ۛ (۱) ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء

۲۔ جامعہ۔ یہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کا ماہوار رسالہ ہے۔ جو زیادارت ڈاکٹر سید عابد جین ایم، اے پنی ایچ، ڈی  
شائع ہوتا ہے۔ اس میں سیاسی و سماجی مسائل خصوصی مضامین لکھے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت اردو کے  
دیگر رسائل میں بالکل کمیاب ہے۔ اور رسالہ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ”جامعہ سیاست حاضرہ اور دنیا کے  
اقتصادی مسائل پر تنقیدی بحث کرنے والا ہندوستانی زبان کا سب سے پہلا رسالہ ہے۔ صرف یہی نہیں  
بلکہ سچے علم میں اردو کے اور کسی رسالے میں یہ مسائل اس خوبی سے بیان نہیں ہوتے۔ سال روان کے پہلے نمبر گزشتہ  
سال کے سیاسی اوقات پر ایک قابل تعریف تبصرہ مرقوم ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اس کے تین حصے ہیں  
(۱) ہندوستان (۲) ممالک غیر (۳) اسلامی دنیا پر قیمت فی پرچہ ۸۔ سالانہ چندہ ۱۰ روپے مکتبہ جامعہ دہلی (ش)

لے بعض افراط بطور نمونہ ایک منوع سے لے کر ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

ملّٰی سنّ دوامدار شد چاہیے (جہائے شد و تداوم) سنّ۔ صاحب قصبہ و قباغیر و منج ہے، شاید قصبہ کیلئے قصبہ پڑھنا چاہیے  
دو کیس عمادی نمر منّ)۔ آخر کی بظاہر آخر کی ہے، سنّ۔ سرانسات لعین بریدہ کی بجائے سرنات لعین را بریدہ چاہیے ۛ

## مطلع السعیدین و مجمع البحرين

(سلسلے کے لئے دیکھو اور نیشنل کان لیگیزین بابت نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۹۲)

مصحوب ایشان قاصدال رفته مجموع شادمان و خرم بارودی معظم رسیدند \*

## ذکر قضایا که در عراق عجم واقع شد

چون میرزا اسکندر ممالک فارس مضبوط ساخت کمند بهت بلند برکنگه نقصر خیر عراق عجم انداخت  
و امیر عبدالصمد و امیر صدیق را بجانب اصفهان روان فرمود و ایشان بقصبه ورزنه آمدند و قلعه از  
محکم ساخته - میرزا رستم خبر یافت \* و قلعه را محاصره کرد و میرزا اسکندر آگاه شد امیر تولک و امیر  
یوسف جلیل را بدو فرستاد و خود نیز متوجه شد میرزا یوسف از آمدن تولک و یوسف جلیل واقف  
گشته باستقبال ایشان آمد ایشان مرد میدان رستم نبودند پناه بقلعه خرابه و ستحر بردند میرزا رستم  
و میرزا ابابکر که در آن زودی بعراق آمده بود و عزم محاصره کردند ناگاه شنیدند که میرزا اسکندر بقصر  
رسید مرزا رستم عازم اصفهان شد و میرزا اسکندر چنان بتجلیل آمد که بعضی رستمیان را اسکندر بیان گفتند  
و همچنان بسرعت می آمدند میرزا رستم سه فرسنگ استقبال نموده هر دو لشکر بهم رسیدند مصرعه  
غریب کوس و بانگ ای برخواست

و آن دو لشکر چون امواج بحر اخضر یا افواج دشت محشر بهم زدند و میرزا اسکندر نظیرانته  
میرزا رستم با اصفهان درآمد و میرزا اسکندر بموضع آتشگاه فرود آمد و پیش ازین مرزا اخیلیل سلطان حبیب  
فرمان خاقان سعید از خراسان با ده هزار سوار بجانب عراق و آذربایجان آمده بود چنانچه شرح آن  
گذشت و مقرر چنان بود که هر جا خواهد ساکن شود و او چندگاه در ولایت ری می بود درین دلا  
میرزا رستم کس فرستاده استمداد نمود و میرزا اخیلیل سلطان بقصد مصالحه میان پادشاهان غریت فرمود  
و هر چند پیغام صلح پیش مرزا اسکندر فرستاده مفید نیفتاد و میرزا اسکندر و یک طرفه اصفهان  
داشت میرزا اخیلیل سلطان از طرفی دیگر با اصفهان درآمد و میرزا اسکندر هر روز جمعی بدروازه

له باب مثل متن آ - تسخیر قصر، با، قصر، سه آ، ورزنه سه آ، ساخت

اکت - ساختند، سه آ، یافته سه باب، حلیل، با، حلیل \*

فرستاده از طرفین جنگها سخت بیکرند اما از عدم قوت قوت اصفهانیان فوت شده از تعذر اسباب نبیشت طاقت ایشان شد میرزا رستم بضرورت اصفهان را گذاشته مازم جانب امیر قمر الیوسف گشت و میرزا اسکندر جمعی را تا قم در عقب فرستاد و از رسیدن و میرزا خلیل سلطان در اصفهان بود و میرزا اسکندر همچنان غنا و خصوصت می نمود و درین اثنا جمعی از لشکر شول واکرا و بی اجازت میرزا اسکندر برگشتند بدین سبب ترک محاصره گرفته مازم شیراز شد و اصفهانیان برنج غلام و بلای قحط مبتلا شدند و آتش جوع شتعل گشت و مصوبت نمایان از مد گذشت از مواسی آنچه داغ اسخلال بر چین داشت هر کس بهره ممکن بودی خرید و بهیچ جا نمیرسید ام چوهای عمارات و ستونهای ایوانات بجای میرزم بسخت - بیت

بسخت آتش قمر تو جملہ را تو خشک چنین بود چو در افتد بمغز آتش

و در ایام در زندان اصفهان گویند میرزا خلیل سلطان بسریا لیز دروشی رسید که در شهر آب چاه مزروع گردانیده بود و دروش خریده آورده شرط خدمت با دارسانید میرزا خواست ب که دروش را رعایتی فرماید میرشد دروش را | عذر خواهی نمود فاعتبروا یا اولی الابصار، میرزا خلیل از اصفهان به رمی آمد و عرض داشت پائیه سر را ملا فرستاد مضمون آنکه چون در اصفهان از جهت قحط نمیتوانست بود بجانب رمی عود نمودیم، اکنون بهره امر فرماید عمل نماید \*

۵۵ در نیمه ۱۳۴۱ بگفته است که معورت این قضایا در رمضان ۱۳۳۵ به شاه رخ سلطان رسید و متعاقب نوکر امیرزاده خلیل سلطان بهادر رسید و عرض داشتی رسانید مضمون آنکه در اصفهان رومی مقام بنمود (نمود) لوزان متفرق می شدند و چون از جهت قوت قوت (قوت) فاساک بمعورت نداشت مانع او از سرخ باهان نمی توانست شد پیش از آن که این چند معدود نیز متفرق گشتند متوجه جانب رمی شده ایم \*

۵۶ ب: از عقب، اک شل بتن، در ب نادر - ۵۷ ب: بدین سبب میرزا اسکندر (بجای بدین سبب) ۵۸ دنا: داد را نداد ۵۹ ب: اک، جلد (بجای همه را)

# ذکر آمدن سلطان احمد به تبریز و قتل او بفرمان امیر

## قرا یوسف بن امیر قرا محمد ترکمان

سلطان احمد و ازو هم محرم از دارالسلام بغداد عازم آذربایجان شد و در نواحی همدان  
اگر او آن بلاد را و رقبه اقتدار آورد شاه محمد بن امیر قرا یوسف در ییلاق او جان واقف شده  
عزیمت خوی نمود و سلطان بیست و هشتم رنج الاول در دولتخانه تبریز نزول فرمود و کسان در  
عقب شاه محمد فرستاده در سلاطین باورسیدند و او را گریزانید و درین حال امیر قرا یوسف در دولت  
ارزنجان بود و ضبط و یاسامشی مہمات آن نواحی می نمود و شرح آن گذشت چون این خبر شنید  
موجود تبریز شد و روز جمعه بیست و هشتم رنج الاخر سلطان و قرا یوسف در قریه اسد که دو فرسخی  
تبریز است بهم رسیدند و از طرفین صفا کشیده اسباب مقاتله و جدال ترتیب داده ابواب محاربه  
و قتال گشادند بیست

ز پیکان الماس و پر عقاب      نبد هیچ پیدار رخ آفتاب  
ز سرخاب شکر رخ آب برسان بود      گذر کرد برداشتن سر درود

له زبده: بردس له زبده: روز دوازدهم محرم سنه ثلاث عشر ثمانیہ له و رک ندارد  
له زبده: بموضع قرا باغ سلاطین له با: گریزانیدند، آتش متن له زبده: صفا، لشکر بی محاربه  
افد با جان برده بود که رک بر ۳، ۴، ۵، ۶ له در زبده: افزوده است که امیر محمد و نو شهر علی لشکر خود کرده بمیان  
بعدش جمعه تبریز آمد سلطان اندولت خانه تبریز بخت عران (کذا) نزول کرد و تعداد لشکر بغداد و کریمیت هزار خانہ بحساب  
درآمد له آت: امیر یوسف با باب: امیر قرا یوسف له فقط زبده: آیند، له آ: مجاوله و قتال له صاحب زبده: لغت  
است که چون امیر یوسف بقریه مکر رسید و دلاوران طرفین محاربه نمودند تا روز جمعه مذکور امیر یوسف و سلطان احمد با  
لشکر بی جوار صفت قتال ترتیب داده دست بحرب گشادند له این ابیات را در زبده دارد له کت: سرخاب

آتش حرب برافروخت و تاب التاب جان دلیران میسوخت له سلطان بنفس خود گویا  
و کوششها بهادرانه فرمود آما ع

چون سعادت نبود کوشش لیا چو  
و سپاه سلطان مردمیدان ترکمانان نبود بیت

نضارا یکی تیر زهر آب دار گذر کرد بر بازوی شهریار  
دلیران احمد شہ سرفراز گرفتند در پیش راه دراز  
ہزیت غنیمت شمر دند زود سر اسیمہ گشتند برسان دود

اتحادیان رو بہ ہزیمت نہادند و یوسفیان دست بغنیمت گشادند سلطان خود را با غی انہ  
و کی از یم تبریز بہاء الدین جولاہ نام امیر یوسف را مطلع ساخت و جمعی بطلب او رفتہ چون  
چشم بادشاہ بر ایشان افتاد بیت

بدانست شہ گامد اورا زمان بدست قرا یوسف ترکمان  
بحکم رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ این بیت خواند کہ بیت

چو باسن بولولطف یزدان پاک نہ باشد ز مردن مرا ہیج باک

دست بہ بند گردون بکند دودہ پیش قرا یوسف آمد و بعد از انواع حکایات بفرمان امیر نشان  
بخشہ زدند با پاک شد و چون این خبر بعرض حضرت خاقان سعید رسید از خواجہ عبدالقادر گویند

لہ در زبندہ اعلام بعضی از امر لہ جا نہیں کہ در سیمہ و میرہ بودند و راجع نمودہ است لہ بب چو  
لہ آ ترکمان لہ این بیات از بلکہ ہفت بیات است کہ در زبندہ دارو، لہ زبندہ: قرا یوسفیان -  
لہ زبندہ: جولاہ لہ زبندہ: اعلام لشکریان امیر یوسف کرد و امیر یوسف چون ازین مال خبر یافت تلمش و  
تکری برش را بان شخص ہمراہ کرد ایندہ بطلب احمد فرستاد، لہ فقط ک دوست، لہ با آہنجہ  
بب آہنجہ، زبندہ: بعد از انواع حکایات مکرم کرد اورا۔ عففہ پاک کردانیدند، لہ  
در زبندہ ندارد

که سالها ملازم سلطان می بود پرسید که برای سلطان احمد بیخ ساخته خواهی این رباعی گفته [و علی ساخته] بیوقت عرض رسانید رباعی

عبدانقادر ز دیده هر دم خون یزد باد و سپهر نینت بای شیشه  
کان هر سپهر خسروی را ناگاه تاریخ وفات گشت قصد تبریز  
فی الجمله سلطان احمد را بعد از هلاک دوشه روز بر خاک انداختند بسبب آنکه فتنه انگیزان می ساختند  
که سلطان اسلاست بیرون رفت تبریز بان اجازت خواسته بوجوب وصیت سلطان در عمارت  
و شقیه پهلوی مادر و برادر مدفون شده بیت

شهر وند تبریز پالش بجاک سوی خانه رفتند دل چاک چاک  
و شاه و ولد بن شاهزاده شیخ علی بن سلطان ادیس که ملازم عم به تبریز آمده بود و سلطان علاء الدوله  
بن سلطان احمد که در قلعه عبدالجوز محبوس بود شربت شهادت چشیدند و بدین شقیه سر نهادند\*  
و سلطان در وقت عزیمت تبریز از پادشاه مشروان امیر شیخ ابراهیم استمداد نموده بود و او  
پسر خود گیومرث را روان فرمود و در روز سیزمیت (ورق ۲۸۸) سلطان احمد گیومرث نزدیک  
رسیده متحیر ماند ع

نثر را می سفر کردن و در روی اقامت

له زبده: گفته ۱. زبده: خواجه عبدالقادر (معصفا بجای خواجه عبدالقادر) که از روی آ،  
درک ندارد، زبده: خواجه ۱۰۰۰ این رباعی و تاریخ وفات او گفته ران علی ساخت و در بندگی عرضه داشت،  
که فقط درک و آ، از قصد تبریز بحساب احمد ۸۱۳ مایل می شود، ه در زبده ندارد، اله در بیت اثر دارد  
بیت تا که در ایشان ص ۲۰۵ س ۱ پادشاهان را نصیحت تلخ آید چه ایشان را ندارد، ه در زبده  
بیت ازین بیت افزوده ۱- ترکیب را در بد و ملوژش - دیگر طرف خویش هم خواهرش، ه زبده: بکشته،  
ف زبده: سلطان احمد، ه فقط آ، عبدالجوز (نیز برکت ص ۱۳۹ ح ۵) زبده: عبدالجوز، له زبده: و ایشان  
هر دو را نیز نقل نوشته کردند ه زبده: همان ایام که سلطان احمد از بند او متوجه تبریز یکشت ه آ، تبریز رسیده ه زبده:  
فی روی ه ب، فی برای دمای، ه

امیر قرا یوسف او را گرفته در قلعه ارجیش حبس فرمود و امیر شیخ ابراهیم هر چند مال بقیل نمود مفید نبود؛ چون امیر یوسف را این فتوحات میسر شد از غارت و گناه تبریزیان که مدو سلطان احمد کرده اند گذشته از راه مرند عزیمت یورت خود نمود و چند گاه آنجا بوده بعزم تشلاق به تبریز آمد و دین اثنا شنید که میرزا رستم از محاربه برادر و قوطی اصفهان روگردان شده متوجه تبریز است. چنانچه ذکر آن گذشت امیر قرا یوسف شرایط تعلیم تقدیم نمود؛ چند روز قویها و سنگین فرمود و بعزم روان داشتیم میرزا رستم و واسطه جیب بطرف مراغه آمد و در حدود لیلان امیر محمد سار و ترکمان از جانب عراق عرب آمده تشریف و نواخت مشرف شد و او آخر جیب میرزا رستم را بانو کران خدمت نامه خسروانه و خلعتها و ملوکانه تعیین نمود و اسبان خوب کشته و جمعی نوکران اعتمادی ملازم ساخته روان داشت و خود در غایت عظمت و شماییت ابست بطرف تبریز رفت.

۱۰

له آباء ارجیس، آ: ارجیس - زبده: ارجیس، (المارک به زبده ص ۱۰۰، و یستریخ ص ۱۸۳) که ارجیش نوشته اند برای ارجیس، سه بعدش در زبده افزوده است؛ و مدتی دران هند بماند، سه با قرا یوسف سه در آن دارد سه از زبده معلوم می شود که امیر یوسف بعد از قتل سلطان احمد حکم کرده بود که تبریز را نهب و غارت کنند بهجت آنکه تبریزیان معاونت سلطان احمد کرده بودند، سه زبده: در روز پنجشنبه بهجت و چهارم جواد الا فر بشهر تبریز نزول کرد و همدان روز خبر رسید، سه زبده: امیرزاده رستم بن امیر شیخ عمر بهادر ۱۰۰۰ از اصفهان بسبب آنکه سستی بود که امیرزاده اسکندر اصفهان را محاصره کرده بود و ابالی آن نقطه و تنگی مبتلا گشته التماس امیر یوسف کرده ... و در دیک شنبه بهجت و بنیم (بهجت و ششم جادی الاخره اندک به اب، تبریز به شش رگه ص ۱۴۳) سه حرکت ندارد، سه زبده: بهجت روانه کردن سه زبده: در سه شنبه جیب سید دوم سه نقطه آ: لیلان، برای این مقام رگه به یستریخ ص ۱۶۵، سه بعدش در زبده افزوده است، که از امرای بزرگ تر که عراق عرب بود، سه آ: آخر جیب زبده: در روز دوشنبه (بعد جیب) بهجت و ششم جیب اندک سه زبده: تبریز مراجعت نمود و آن زمستان در تبریز گذرانید.

## وقایع سنه اربع عشر وثمانمائه ذکر قضایا که در خراسان واقع شد

حضرت خاقان سعید در افتتاح این سال بسعادت و اقبال در دیلیاق باو غیس بود چنانچه صریح قلم سخن پرداز شرح آن باز نمود و درین اثنا میرزا عمر شیخ بن میرزا پیر محمد از جانب فارس و عراق بخدمت آنحضرت آمد و سبب آن بود که میرزا اسکندر چون آن ممالک در تصرف آورد صلاح وقت در آن دید که میرزا عمر شیخ و میرزا سلطان علی بن میرزا رستم را که برادرزادگان او بودند از مملکت عذر خواهد چه ایشان را استعدا و سلطنت اندوی وراثت و استحقاق شیعین بود متوهم شد که ناگاه جمعی ایشان را بران دارند که سر بطلب ملک بر آرند و اختلال بسطنت و زوال بدولت او رسد و شاه زادگان ازین معنی منزه و مبرا بودند فی الجمله ایشان متوجه دارالامان خراسان شده و آخر محرم در دیلیاق باو غیس سعادت دستبوس یافته منظور نظر کبیرا خا گشتند ۱۰ و هم در دیلیاق باو غیس ایلچی هندوستان رسید که خضرخان پادشاه بعضی ازان ممالک اظهار اذعان نموده قاضی مولتان را که واسطه عقد اکابر آن دیار بود با سخت و هدایا ارسال نموده نام و القاب آنحضرت را زینت منابر و نقش و نایب ساخته بعضی رسانید و آنحضرت مناسبات او

---

له آب آک: سخن ساز قصه پرداز، له رکت برص ۱۹۱، له ک: امیر شیخ الم، زبده: امیرزاده  
 پیر محمد (که درست نیست)، له زبده: از خط مملکت و حوزه سلطنت خود بطرف روانه کرد، له آ: آخر،  
 زبده: در او آخر، له آ: خوان، له ک: پادشاه یا که غلط است، در زبده گوید: خضرخان که پادشاه بعضی  
 از ممالک هندوستان بود اظهار اذعان و انقیاد نموده) له بعدش در زبده افزوده: التزام باج و خراج  
 نموده، له بعدش در زبده گوید: هند کی حضرت عزراستماع ... ارزانی فرمودند و او را تحمل (بجلی مضبوط  
 و مکانی موقوف فرود آوردند +



باجای مقرون گردانیده و تشریفات گرانمایه پو شانیده انعام و اکرام نمود و اجازت مراجعت فرمود؛  
و حمزه چهره نوکر میرزا الغ بیگ\* رسید و یکی را از منولان مقید رسانید\* و عرض داشت که امیر شیخ  
نورالدین پیش محمد خان بادشاه منولستان رفته و او شمع جهان را بسود او فرستاده قریب سیرام رسیده  
و شرح این سخن گفته آید انشاء الله تعالی،

و سلطان اویس پسر امیر اید کو برلاس از جانب کرمان قاصد فرستاد که میرزا اسکندر ملک  
فارس و عراق مضبوط ساخته عازم کرمان شد و در نواحی کرمان خرابی بسیار میکنند،  
درین ولا باز نوکر میرزا الغ بیگ آمده و مغولی را در بند آورده اخبار سارای عرض کرد و شرح  
آن آید،

بعد ازین حضرت خاقان سید خاطر خطیر از طرف ماوراءالنهر جمع ساخته لشکر ما را اجازت  
فرمود و از عرصه بادغیس عثمان مرکب کامرانی بمستقر جهانباغی انعطاف داده و در دار السلطنت  
هراة باغ زاغان مرکز پرکار دولت و نقطه داره خلافت آمد،  
و درین ایام نوکر امیر شیخ ابراهیم از مملکت شروان\* رسیده پیشکشها و پادشاهانه بعضی رسانید  
و آنحضرت فرستاده را عنایت فرمود و رعایت کرده باز گردانید،  
و از جانب سمرقند خبر آمد که امیر شاه ملک بجانب منولستان<sup>۱</sup> رفته و الحاحی بسیار گزینند و این  
سخن محتاج بیان<sup>۲</sup> است،

له در زبده گوید که بعد از چند روز تشریفات گرانمایه بهر مریز گشتند که ک: حمزه چهره،  
که اک: نورالدین الغ بیگ، که زبده: یکی از منولان باخو رسانید که بقول زبده: شمع جهان  
بهزده هزار مرد همراه داشت، که آ: بسیرام، که آ: سارای، اک: سیر، و زبده: اخبار  
سارای عرض کرد که راندا، که آ: داده بیتم را، با اک: بیتم شهر صفر، زبده: و بیتم صفر سنه  
اربع عشر و شانویه، که زبده: ملک شروان، که با اک: مغول، که ک: آفت  
با اک: مثل تن،

## ذکر باغی شدن امیر شیخ نورالدین کرت ثانی

سابقاً مذکور شد که امیر شیخ نورالدین در حوالی سمرقند منہزم گشت اما همچنان سودای استقلال و خیال داشت و ہر زمان سر را ہی میگرفت و ہر طرقت فتنہ می انگیزخت زمین عظیم امیر شاہ ملک عرضہ داشت بہ پایہ سربراہی فرستاد کہ شیخ نورالدین ترک باغی گری نمیکند اگر فرمان شود صورتان را محاصرہ کنیم شاید کہ آن صید وحشی بدام آید حضرت خاقان سعید فرمود کہ صلاح و فساد آن طرف بہمدہ اوست ہر چہ مصلحت داند چنان کند امیر شاہ ملک اد اشطہ رمضان سال گذشتہ از سمرقند متوجہ صوران گشت و امیر موسی کا و امیر حمزہ ترخان را منتقلی ساخت و امیر شیخ نورالدین خبر یافتہ راہ گریز پیش گرفت و پناہ بمغول برد اما راء مغلا در عقب رفتہ باز ماندگان او را از شیر و گلہ و گرگ در رمہ نمودند و باز آکند، امیر شاہ ملک پیش امیر عبدالخالق پسر امیر خدا بداد حسینی کہ ویران ملک صاحب طرفی بود فرستاد و پیغام داد کہ چون لشکر ما عود نماید بہینہ شیخ نورالدین این گشتہ بصور آن آید باید کہ در کین باشد کہ احتمال دارد کہ او را بدست آرد امیر عبدالخالق کہ میان او و امیر شیخ نورالدین عداوتی عظیم بود مصرعہ

تینی کشیدہ بر سر برہ در کین نشست

امیر شیخ نورالدین بی ضرر و ولایت درآمد و امیر عبدالخالق ناگمان بہ و تاخت و جنگ بسیار کردہ جمعیت او را پریشان ساخت و امیر شیخ نورالدین باسی سوار باز بجانب مغول رفت

۱۔ لک بہ ص ۱۸۱، و زبہ افزودہ است کہ تاریخ این واقعہ نیم ربیع الاول سنہ ثلث عشر و ثمانیہ بود،

۲۔ بعدش در باب آت افزودہ: سودای سلطنت ز سر این گدازفت ۳۔ زبہ: صور آزا۔ برای صوران (یا میلان)

۴۔ لک بہ بیشتر ص ۴۸۶، ۵۔ آ آت زبہ: ۶۔ تقدیم رساند، ۷۔ زبہ: در سیزدہم رمضان سنہ ثمان

۸۔ عشر و ثمانیہ، ۹۔ بعدش در زبہ افزودہ: چون بندر گاہ (کذا) رسیدند، ۱۰۔ لک: متغلاسی آ: متغلا، یا متغلا

۱۱۔ زبہ: متغلاسی لشکر گمانیدہ (ایشان از طرف صوران نامزد فرمود) ۱۲۔ زبہ: کہ او نیز راخ

وامیر عبدالحق اگرچه اورا قیوانت گرفت اندیشہ کرو کہ اگر او از میان برود امیر شاہ ملک اورا نیز ورن طرٹ نگذارونی الجملة امیر عبدالحق از جمله غنائیم و ہزار اسپ گرفت و مریض شدہ بعد از ہفتہ روز وفات یافت بیت

بغیر زنی اندر تیرس از گزند کہ کیان نگرود سپہ بلند

امیر شاہ ملک جاسی اورا بعد از تسخیر آن بلاد تیسو ملک پسر دولدای داو کہ در شمال او دلائل مردانگی و مغایلی فرا نگاہی مشاہدہ می افتاد، امیر شیخ نورالدین پیش محمد خان پسر خضر خواجہ بادشاہ مغولستان رفت و سعی کرد کہ ایچیان امیر شاہ ملک را کہ آنجا بودند گرفتند و خان پانزدہ ہزار مرد مقرر فرمود کہ ہمراہ برادر او شیخ جہان متوجہ ماوراء النہر شوند و امیر شاہ ملک وقت یافتہ صورت حال عرضہ داشت پایہ سیرا ملی کرد و شیرزا الخ بیگ و سر قند توقف نمود و امیر شاہ ملک عزم رزم مخالفان جزم کرد و مغولان بمحاصرہ قلعہ سیرام کہ در تصرف کسان امیر عبدالحق بود اشتغال داشتند کہ خیر توجہ امیر شاہ ملک یافتند عازم جانب او شدند امیر شاہ ملک از غمیت ایشان آگاہ شد تدبیری اندیشید کہ موافق تقدیر آید و شرح آن چنانست کہ شایستم کہ تو کر شایستہ او بود و ہزار سوار نامدار مقرر فرمود کہ ایجا کردہ بولایگی شہ زبده : قریب دہ ہزار اسپ بدست لشکریان عبدالحق افتاد کہ کذا در کہ : آبا آک زبده : معفہ -

شہ آبا آک : سپہ روزی ... بعدش در زبده سربیت دیگر را وارد شہ زبده : ایالت سیرام و آن فوجی ہمدرد کند، مقرر فرمود شہ زبده : و محمد خان اکذا، بیشتر ایچیان پیش امیر شاہ ملک اکذا، فرستادہ بود امیر شیخ نورالدین ہم نامی و سعادت رسالت ہذا انجا رسانید کہ محمد ایچیان شاہ ملک گرفت، شہ زبده : شاہ جہان -

شہ در زبده اسامی امرای نامدار این لشکر را نیز دارد شہ زبده : عساکر ماوراء النہر ساختہ گردانیدہ امیر ... انبیک کورکان و دردار السلطنت مقررند توقف فرمود امیر شاہ ملک بالشکر ہای آراستہ متوجہ ایشان شد شہ آبا شدہ شہ آ : شایم : آ : شایستم آک شل متن زبده : شایستم شہ آ : بکی آک آک بکی زبده : بکی

نظاہر بگلی است کہ بقول باقر نامہ (طبع وقف گیج) ورق ۱ ب همان طرز یک نظر از ہشت ہین کتاب بروترق ماو بگلی نوشتہ است ہ نیز رنگ ہر جہا باقر نامہ از ہیرو ج مداح ۱

در آیند و بخانهای مغولان که در آن ولایت بود متبصر می نمایند شایسته ششم روز و شب سرعت سیر  
نموده نوعی شتافت که مخالفان را بر بستر اسن در خواب غفلت نهد یافت و آن مجموع را غارتید  
خانها را زیور برگردانید و الجاهی بسیار گرفته شش سزار اسپ خدمت امیر شاه ملک رسانید  
مغولان این خبر شنیدند از هم فرورنجیدند و هر یک بطرفی گریختند و امیر شاه ملک احوال سادات  
مغولان عرضه داشت پایسر بر اعلی نمود در وقتی که موکب همایون (روز ۲۸۹) در سیلاک (۸۹)  
با ونیس بود آنحضرت لشکر را اجازت داده بستمرد دولت مراجعت فرمود چنانچه ذکر آن  
گذشت است شرح احوال که قلم عنبرین خال بطلیب و مده آن مقال ملک ساسی گشت.

## ذکر توجه حضرت خاقان سعید بجانب راء النهر

چون امیر شیخ نورالدین از طرف مغولان طرفی بر نیست و دندان طبع او در کام ناکامی شکست  
روی بجمیده آورده کسان مغولان فرستاد و بصورت عرضه داشت پیغام داد که بارها گفتیم که  
امیر شاه ملک باشما دوست نیست و غدر میکند باور نمیکردید اینک تمام الوس را بر هم زد اگر  
تدارک این قضیه نخواهید کرد ضرر او زیادت خواهد شد، محمد خان بالشکر فراوان عازم راء النهر

له زبده: خانهای اکثر لشکر که توجه آن طرف گشته بودند در ولایت ولایت نیکی بود ۱ ۵۰۰ با شمل

تن، نیکی بود... شایسته را... فرمود که ایضا کرده از راه لنگه کند (۱) ولایت نیکی در آنده و رانده که آت

آ: الجاء ۵۰ بقول زبده از جمله غلایم ۱۲ هزار اسپ گرفته بودند از آن جمله ۶ هزار در راه تلف شده و ۶ هزار گز

پیش شاه ملک رسانیدند ۵۰ بقول زبده مغولان را این خبر و قمرسان که از توابع اترار است رسید، راین قمرسان

مذکور است در شرف نامریز ۹۹۰ ۵۰۰ در زبده بعدش گفته که: امیر شیخ نورالدین بعد از آنکه از مقام دست و

مقال و جنگ و جدال مایوس شد و با مراعی مغول قاعده و داد و برستم (رسم) اتحاد بنیاد ننموده بود و ضرر خود را

نامزد بادشاه جهان و شمع جهان کرده چون این قضیه دست داد با پانصد سوار توجه عسوران گشت و این قضیه

مصادمت (مصاحرت) و مناکحت با تمام رسید ۵۰۰ ۲۰۰ آ اک با: عذر، زبده: مکر و فریب

شد و خبر بمقتدر رسید و میرزا الخ بیگ شرح واقعه بپایه سریر اعلیٰ رسانید، حضرت شاهرخی به احضار اشکر بافرغان فرمود و بدولت و سعادت و عزیمت ماوراءالنهر حزم نمود و چهارشنبه سلخ ریح الاول از دارالسلطنه هراته بباغ مختار آمد و بالشرکهای جهان روان شده بآب مرغاب رسید و قاصد مرزا الخ بیگ خبر رسانید که مغولان بولایت خود بازگشتند و شرح این حال از روی اجمال آنست که محمدخان از تخنگاه خود بموضع غلان باشی که میان نیگی و صورانست آمد و امیر شیخ نورالدین بمقتی شد محمدخان بمیان دولت خود مشورت نموده مردم کار دیده بخرید یافته گفتند چه موجب است که ما برای شیخ نورالدین با قوی با قوت و با جمعی باشکوت دشمنی کنیم و حال جنگ معلوم نیست، ایلمچی حافظان نام پیش امیر شاه ملک فرستاده پیغام داد که سابقا میان ما عداوتی نبود و صورت نزاعی که روی نموده انگیز صاحب غرضان بود این زمان با تو دوستی کنی که گزیم اگر میان تو و شیخ نورالدین نزاع باشد ما او را حمایت نمیکنیم\* امیر شاه ملک ایلمچی را رعایت کرده خوشدل باز گردانید و فوراً بخشی را بابلیاکات پادشاهانه بخندمرت محمدخان فرستاد و از جانبین قواعد مصداقت تاکید یافت،

درین اثنا نوکر میرزا الخ بیگ ملک یساوول رسید و بموقف عرض رسانید که میان مرزا الخ بیگ و امیر شاه ملک کدورتی واقع است، آنحضرت از جهت معارفت مغول و خبر ملک یساوول در عزیمت جانب ماوراءالنهر متروک بود و چند روز را لنگ چیکتو توقف نمود و امیر سید علی ترخان جهته تحقیق اخبار بمقتدر ارسال فرمود و امیر سید علی لغرض احوال نمود و است که از آن وقت که آنحضرت امیر شاه ملک را غایت فرمود و در ممالک ماوراءالنهر صاحب اختیار ساخت تمام امور بر وفق رای جمهور تفکر صایب و نظر ثاقب تنظیم گردانید و با میرزا الخ بیگ در مقام نصیحت و دلتخواهی است

له در زبده افزوده: سند تاریخ و شاهی ماهیه له با: غلان ماسی، آلت غلان باشی، زبده: غلان ماس.

له آ: نیکی، با: سکی، آلت: نیکی، آلت بر من ۲۰۲ ح: الله زبده: می کنم، له زبده: می نمی کنم،

له در زبده افزوده است که محمدخان برهان قول کرده بود بولایت خود مراجعت نموده آلت: شد، له زبده: حضرت سلطنت شکاری امیر شاه ملک را (منظور از نظر عنایت گردانیده در ممالک ماوراءالنهر نیابت فرزند اعراف بیگ که کورگان تکرک

اما اکثر طبایع خاصه بادشاهان را نصیحت تلخ آید چه ایشان همه وقت طعم ایام را شیرین و خوشگوار بکام خود خواهند و همه عالم را فرود خود بینند و اگر امیرنایب مصلحت غلات را می شناسد و کرده باشد اصحاب اغراض آن را بر بی حسابی و سبک داشت حل کنند و بنوعی دیگر باز نمایند و چگونه گمان توان برود که نصیحت موجب عداوت گردد و بهیبت

دار و سبب دروشتا اینجا چه امید است      زایل شدن عارضه و صحت بسیار

امثال این قضایا از کید حساد و مکر اضداد بعید و بدیع نیست خاصه بر درگاه سلاطین فی الجمله امیر سیدی  
ترخان باز آمده شرح احوال بعرض رسانید و از آن طرف امیر شاهک منوجه منول شد حضرت  
خاقان سعید خواست که ضبط ملکات بنوعی نماید که مناسب | ناموس سلطنت باشد بنا بران (۲۸۹)  
موکب نظرنشان عازم سمرقند شدند و بقیه الاسلام تلخ آمده بر شیون پل بستند و موکب منصور بهیبت  
و کیم حامی الاولی عبور فرمود و میرزا الخ بیگ و جمیع بزرگان و در منزل قشقا شرف و ستبوس یافتند ۱۰  
و آنحضرت چون آفتاب در بهشت شرف در درج السلطنه سمرقند نزول نمود و بمزار اکابر آن دیار و  
صاحبقران نامدار رفته صلوات و صدقات بستحان رسانید و مرغزاران کل لشکرگاه گروانید و بعد  
از چند روز نوکر امیر شاهک سر امیر شیخ نورالدین را آورد و شرح این سخن از نواد و تلای است

له رکت برص ۱۹۴ س ۷ - از لفظ بهیبت بران صفت تالفاً ایشان برین صحنه ملایم ساقط  
شده است - ۸ بهیبت با: مصلحتی حیانا زبده: و اگر احیاناً بهیبت مصلحتی غلات را می او کرده  
باشد، ۹ زبده: بر دلیری حل کرده ۱۰ زبده: بادشاهان و ملوک که دایماً در میان ایشان  
حق و حسد و بغض و عداوت است، ۱۱ زبده: آب آمویه، ۱۲ باکت: الاول، زبده:  
الاول سند اربع عشر و ثمانه ۱۳ در زبده: ندارد، ۱۴ بقول زبده: بادشاه در کان کل نزول فرمود  
... مدتی چند روز برای آبادانی ملک و انتظام امور و ولایت بر در شهر مقام فرمود... "بعد از آن شش روز  
که بکان کل مقام فرموده بودند نوکر امیر شاهک رسید، ۱۵ در آ ندارد







بی حرمی کرده که تومی کنی حالا الماضی لایذکر ع

که گفته اند بزرگان که از گذشته بگویند

من بکرم حضرت خاقان سعید اعتماد دارم ( ورق ۲۹۰ ) که تو اگر در مقام اعتذار آئی ترا گزندی  
نرسد ، امیر شیخ نورالدین گفت رسیان که بگسیخت دست نمیشود و اگر شود پیوند گره باقی ماند \*

بیت

رنشته چو گسیخت می توان بست \* اما بمیان گره بماند

سخن صلح قرار نگرفت ، امیر شاهک تومان آغاز اسلام کرده و زمان حضرت صاحبقران  
را یاد آورده و در گریه شده و امیر شاهک شیخ نورالدین را گفت بدو زبند شد و هوا گرم از برای ما  
شامیان و خوردنی فرست تا زمانی بیاسایم بیت

چند روزی که درین محله فرصت اری خوش بیاسای زمانی که زمان این همه نیست

بدین سخن او را فریب داد ، آه از دنیای غدار و فریب آن با یکدیگر !

القصة موسی کا و امیر دولخواجہ چند نوبت آمد شد کرده ، سخن صلح بجائی نرسید ، امیر شاهک

له آ: پیوند درست ، زبده: دیگر زبده درست نمی شود آ: می شود گره باقیست ، با: و اگر پیوند

کنند گره باقیست ، در باب کلمه 'و اگر شود' را ندارد و است ' دارد بجای ماند' ، زبده: و اگر پیوند کنند البته

گره باقیست له زبده: رنشته جوخت [ گست ] و اتوان بست له باب: لیکن ، زبده مثل متن ،

له در زبده گفته است که امیر شاهک از دروازه برکنار خندق بسوی برجی که تومان آقا در آنجا بود روان شد که او را

داشت ( کند ) که اگر بطرف او میل کنند و دریا بکند قصد او دارند و پیش او میروند تا خبر بمهرم خود میپسند و - له از زبده

منعوم می شود که آنکه گریه کرد تومان آقا بودند امیر شاهک ، له درک ندارد له با: اهل آن باب مثل متن -

له درک ندارد ، از روی آ نوشته شد له در زبده ذکر چند نوبت نیست ، فقط یک بار رفتند و وی را نصیحت کردند

که سلطان شاه بر خ را ببند و الا فرزند یا برادر خود را بفرستد ، و چون معیذ نیفتاد پیش شاه ملک آمدند :

چون دید که امیر شیخ نورالدین صلح نمیکند فکر همت فداق با امرادر میان آورد و امرار گفته او از آن نیست که  
پنجین قصد او توان کرد ع

کجا های بلام کسی در آرد سر  
امیر شاهک با امراء و دیگر سخن نگفته با خود گفت این کار جز بدلیری نمیشود و این بهتر کسی نباید گفت ع  
گر اهل عقلی این همه باخوشتن بگوی

امرا را گفت یک بار دیگر این بی دولت را نصیحت کنید که اگر خود و فرزندش بنگی حضرت نمیروند  
دو کوکریک خود را فرستد تا بازگشتن را ناموسی باشد امرار گفته و امیر شیخ نورالدین با دو سوار نزدیک  
قلعه ایستاده با ایشان سخن می گفت 'امیر شاهک همت فداق را گفت تو مرا بجای برادری بل بیشتر اگر  
امروز قدم جرات در پیش نمی و بر این معنی که در خاطر آمده اند هم نمائی شاید که طفر روی نماید و نام دلادی  
بر روی روزگار باقی نماند' درین حال که امراباز کردند زایش شیخ نورالدین باید رفت و او چون ترا رسید  
هر آینه طلبیده در آغوش خواهد گرفت، چون تو نزدیک رسی پیاده شود چون سرفرو آرد که نزد او آغوش  
گیرد او را دلیر و مردانه چنان در آغوش بگیرد که دستهای تو بر پشت او هم رسد او را محکم گرفته از اسب  
فروکش او را بپذیر آوردن عهده تو و ترا نگه داشتن عهده ما،

و همت فداق بدر قلعه رفته چون چشم شیخ نورالدین بر افتاد آواز داد و همت فداق پیاده شده چند کت زانو  
زد و امیر شیخ نورالدین خم شده و آغوش باز کرده او را در بغل گرفت، چون دست همت فداق خدا را بر پشت  
امیر هم رسید بهر زوری که داشت او را فرو کشید و چون بر زمین افتاد زانو بر سینه نهاد و شمشیر را بیانشید

له دلت ندارد نه؛ امیر شاه ملک فرموده که من یک نمکرده ام الخ له دبا (بهر مزخ) بهرتاق  
له با، دیگر امرابا نه؛ یک نوکر نه؛ نه؛ که الانیز ناموسی است تا بازگشتن بهی باشد عه و با ببت  
در نه؛ ندارد عه با، دلیرانه، اکت بب شل تن، عه در نه؛ گوید که امیر شاه ملک فرموده تا دوست سوار چون پوش  
شمشیر گذار دتیه پرتاب از دقلعه دورتر معدایت دند و همت فداق بدان طرقت رفت، له نه؛ آواز داد و او را کرم برید  
له در نه؛ ندارد له ۱۱۰۰

دو لور شیخ نورالدین که در برون قلعه بودند بر بنر همدان تاختند و یکی شمشیر بر بازوی او فرو آورد و دهر همدان  
شیخ نورالدین را بر زانو نگاوه داشته شمشیر حواله سوار کرد و چنان زد که لبهای اسب بریده شد و اسبان دم  
کرده شمشیر بر روی شیخ نورالدین مظلوم فرو آورد چنانکه انگشتهای دست او که منع نیخ میکرد و بینی با  
یک نیمه کاسه سر جدا شد و امیر شاهمک از دور ببالای بلند می چشم برایشان داشت چون همدان  
دست بالا کرد امیر شاهمک باد و بیست سوار کامل تاخته بدر قلعه رسید و همدان هنوز بر سینه شیخ  
نورالدین بود چون مدد رسید بنر همدان یک دو شمشیر دیگر بر سر او زد و سرش از تن جدا کرده بر خاک ملات  
انداخت ۱۰ امیر شیخ نورالدین اگر چه روزی چند با امیر شاهمک شطرنج منازعت باخت و در بلالامقاه  
و مقاهله اسب مخاصمت تاخت و در پس فرزین بند قویب کمن ساخت عاقبت نظر از بازی خصم  
برداشته فیل بنه قدر او را عدم انگاشت و در خانه مات نشست و رتبه حیات بر افتاد میریت

بیتیل بازی خود گرچه ساخت فرزین بند | بیک پیاده شده رخ ز اسب دور افتاد

۱۰۱

امیر شاهمک هر همدان را که چنان امر خطیر از شکاب نمود بتر بیت و نوازش بسیار نمود و او را گشت که  
بسمه نعمتون تو خواهم بود همدان عرض داشت که اگر من در خدمت شتفتی تحمل کردم با مید رضای مخدوم  
بر من آسان گشت و کاجنین جز بمساجدت دولت نذولند بود و کدام خدمت ازین زیادت باشد که  
نام خدمتگاری بنده در میان الواس باقی ماند و این همه نتیجه فکر صواب بندگی مخدوم است

امیر شاهمک بعد ازین واقعه قلعه صوران را محاصره کرد حضرت خاقان سعید امیر شاهمک  
را طلبیده فرمود که ابلی قلعه از تو دور و هم اندویش ما آئی تا ما کس فرستاده ایشانرا اطلب و ابریم امیر  
شاهمک کمر فرمان بسته روی بحضرت بهشت صفت که و اذالایت شرم رایت لیماء و ملکامیر آورد ع  
دست مدار از کمر مقلبان

له درک عماره از روی آ نوشته شد ۱۰ فقط آ اسپا، زبده، اسبان، ایشان ۱۰ زبده، پس شمشیر ۱۰  
۱۰ در زبده ندارد ۱۰ در زبده ندارد ۱۰ در زبده، افزوده است ۱۰ تا شیخ نورالدین را در آغوش گیرد ۱۰ که کج  
۱۰ که اندر او راه عدم بکاش آتش من، (زبده، از فیل بند که وفد روکار این گشته ۱۰) ۱۰ زبده، چون ۱۰  
زبده، همدان بهادر ۱۰ در آ ندارد ۱۰ زبده، همدان بهادر ۱۰ که: کردی آتش من ۱۰

## ذکر معاودت حضرت خاقان سعید از جانب ملواریان النهر

چون مهمات ولایات ملواریان النهر به تجدید مضبوط شد و اطراف دالک از آسیب بی باکان محفوظ گشت حضرت خاقان سعید عزم مراجعت فرموده موکب منصور از کان کل کوچ کرده بکوگ گنبد آمد آنجا میرزا احمد میرک کمر انقیاد بسته شرف و سنبوس یافت و بعنایت مخصوص شد و امیر شاهک نیز بسعادت ملازمت مشرف شد و آفتاب عاطفت از اوج جلال بر چهره احوال او تابان داشت و میرزا الف بیگ در همان منزل ملوخی عظیم کرده پیشکشهای پادشاهانه اجرض رسانید و امیر شیخ حسن برادر امیر شیخ نورالدین عرض داشت فرموده انظار انقیاد کرده آنحضرت کوکل چهره را فرموده اگر ای تو مان آقا را پیش ما فرست چون میان میرزا الف بیگ و امیر شاهک اندک غباری شده بود فرمان هیولان نفاذ یافت که امیر شاهک عازم فراسان شود و موکب عالی باکو کبه دولت و اقبال در دارالسلطنت هرازه نزول اجلال فرمود و بعد از چند روز بانوی عظمی تومان آغازیده و آنحضرت تعظیم شریطت کریم تقدیم نموده قصبه کوسویه را بدستم سیورغال برنواب او مسلم داشت و حالاً در آن قصبه لواحق از آستانه خیر او در سر و خالقاه و رباط بغایت معمورست و

۱- له در آذربایجان ندارد ۲- زبده ای که که کنبه ۳- نوبه امیرزاده، امیرک احمد ۴- آباء بت : استغنا و پانت - ۵- در زبده افزوده است : ایل و احقار اکتا، او را سر کرده کسان او را قبضه نموده باینده کی حضرت سلطنت شکاری انهد از افغان و انقیاد نموده ، ۶- زبده ، مصاحب اردویی هیولان متوجع فراسان کرده ۷- با مثل متن ، بب : جلال ۸- آقا ۹- در زبده افزوده که ایضا که ای علی فردا آوردند و گوهر شاد آقا با مجموع آقا یان و غواتین باستقبال او رفتند و او را اعزاز و اکرام تمام کرده طوبیا کردند ، ۱۰- بقول زبده ( ۱۰۰ ب ) ، ال متوجعات این قصبه در زمان صاحب قزاقی سیورغال این خاکن بود ۱۱- زبده ، حال که مدتی تحریر است و مان موضع ساکن است و عمارات خیر از رباط و خالق و مدارس ساخته

## ذکر وفات میر خلیل سلطان و والده اش خانزاده

موتب منصور چون بدلاسلطنته همراه ریخته خبر واقعه جانسوز و نایب جگر دوز شمراده جهانیان نصیحه الدین\*  
میرزا خلیل سلطان شفیق که در ملک رمی بعارضه دوشم روزه شانزدهم حبیب با حسرت شباب بمنزل نزل  
رفت، انصوح این حادثه و نزول این نازله و لاهی عزیزان در آتش و جانها در کشاکش مانده سیت  
از بسکه خون دیده احباب موج زد از گریه چرخ بر سر طوفان حباب شد  
هنوز گوش از صدای مصادی نزل که کوس خلیل خلاص نیامده طینن ارتحال والده اش ممد علیا خانزاده  
در شرفات قصر دماغ و عرفات شجره خیال پیچید ع  
داغی نگشته نیک که داغی در گرسید

و آن بانوی کبری در مشهد مقدس رضوی وفات یافت و در جوار روضه بزرگوار مدفون شد کشتل آدمی  
داحوال او و سرانجام و کمال او چون مسافریت که منزل او ممدست و مسکن آخر محدود میان این دو  
منزل مرحله چند محدود و چند روزی محدود هر سالی چون مرحله و فصلی چون رباطی و سهر ماهی فرنگی و  
هر هفته سی و سهر روزی قدری و هر ساعتی مسافتی و هر دمی قدری و آدمی در او یک نشسته و از منزل  
آخرت فارغ گشته رباعی

بنگر که برین رسید انفسانه عمر آمد بیک از شمع پروانه عمر  
تو غافل و خوش نشسته بباذل هم که دایمید برد و هم دانه عمر

## ذکر قضایای ممالک فارس و عراق

(۵۲)

له آ — ، له زبده انظر عراق الخ له زبده — ، له زبده ماک له زبده : مرئی  
دوسر روز شب چهارشنبه شانزدهم حبیب سنه اربع عشر و ثمانیله له بآب آ زبده : ممدست ، له زبده  
ذلا [زال] له زبده : حجر له زبده — ، له زبده — ، له ماصل رکت (اولاق متعدد) زرب شده ،  
و ترتیب دست با لادوق داغ اصل زبده : ۱۶۹۸ و ۱۶۹۳ و ۱۶۹۹ ب ، این اوراق و تصحیح ۲۹۳ و ۲۹۴ ب ۱۶۹۸  
نوشته شده است ،

میرزا اسکندر در ماه صفر لشکر معتبر از ممالک فارس مرتب [ساخته] عازم ولایت کرمان شد  
 و اول سیرجان رسیده محاصره کرد، سیرجانیان باره سیرون را بطرح ریخته و قلعه کوه گرینند و میرزا اسکندر  
 جمعی بجا محاصره گذاشته متوجه کرمان شدند و سیرجان را در سید اعمار و وزارت و زراعت اثر نماند فوجی لشکر امرای بزم ایلغا  
 بطرف بم و حیرت و سایر گرمسیرات فرستاده خود بنواحی کرمان آمد و جمعی که محاصره سیرجان میکردند پیش  
 مشغول شده طریقه حرم فرو گذاشتند اهل قلعه ناگاه شیون آوردند و دستبرد می نمودند چنانچه امرای محاصره  
 بیک اسپ و تازیانه برادر او آمده، میرزا اسکندر غضب فرموده که چنانکه رابنوعی ادب کرده که سبب  
 عبرت دیگران شد، و میرزا اسکندر امیر عبدالصمد را بجانب خدیص فرستاده سلطان حسین بدفع او  
 از کرمان روان شد، میان ایشان جنگی سخت بود و قریب بیست عاقبت برهان الدین عبدالصمد ظفر یافت  
 و همچنین امر که بگرمسیرات رفته بودند غالب شده هر دو گروه مضر و منصور باز ماند،

- ۱۰ میرزا اسکندر بنظایر کرمان نزول فرمود که میان مظفر قضا را عظم سید شمس الدین بمی راقدس سر  
 سیرون فرستاده مال و خراج قبول کردند میرزا اسکندر بنجاحسن اعتقاد که در باره سید عظم داشت و نیز  
 شنید که میرزا رستم از دکانه قرا یوسف عود نموده باصفهان رسید و قطب الدین طارمی باطنی شد این

له بعدش در آن فرموده است: در ممالک فارس اساطیر سلطنتی نهاد، له از روی بآب، ک آ — آله و زبده گفته است که جماعتی را باطنی

خندق داشتند و بعضی را بر خضر برج و بار و کما شست تا سیرجانیاں از محاصره و مقاتله بخت آمدند تا غایتی که باره سیرون را  
 بطرح ریخته و قلعه کوه گرینند و سیرجان بگرفتند و قلعه را مدت چهل روز محاصره کردند کاریست  
 نیناد له در زبده اعلام بعضی از اینها را درج نموده است له آ آ — له آ: حرم له

ب: حسین برلاس والد امیر ابیکو برلاس، آ: حسین برلاس، آ: مثل ب: الاولاد نوشته است بجای موالد  
 زبده: سلطان حسین له بقول زبده اهل کرمان سلطان حسین را فرستادند له بقول زبده یکی از اصحاب عبدالصمد  
 زخم خورده با میرزاده اسکندر رفت و تقریر کرد که عبدالصمد از مقابله که نیاں عاجز است، امیر اسکندر را بپایان شاه ابراهیم  
 عبدالصمد فرستاد و دومی هنوز زنده بود که کرمانیان منزه شدند، له آ: هر نقشی، در زبده امیر بجای رتضام عظم سید  
 (و طاب شاه بجای قدس سوا) له آ: حرج، آ: بآب، خرج، زبده مثل متن له آ: امیر قرا یوسف

مطمانی سبب آن گشت که التماس سید قبول کرده صلح نمود و بجانب شیراز معاودت فرمود،  
 و چون نیز از ترم از جاتیجیه با صفهان آنخلایه احمد صاعدی که صاحب اختیار بود با سایر ابرار عراق استقبال نمود  
 و میرزا رستم یکده ماه در اصفهان کامکار و کامران گذراند و چون خواجه احمد صاعدی خلافت احکام رستمی  
 میکرد میرزا رستم در باب قتل او بارکان دولت مشورت نموده قرار دادند که چون به بارکباد عید اضحی که دوران  
 نزدیک واقع بود آید اورا تنها بکجلس آورده از میان بردارند و بموجب مقرر عمل نموده کار اتمام شد ع  
 نشیده که هر که ببرد او تمام شد  
 اصفهانیان با میرزا رستم دل در گرون کردند و میرزا اسکندر نزدیک اصفهان رسیده میرزا رستم طاقت  
 مقاومت نداشت؛ بضرورت عازم خراسان شد؛

## ذکر احوال امیر قرا یوسف و فرزندان او درین سال

چون امیر قرا یوسف خاطر از جانب سلطان احمد جمع نمود و نوشته گاه دارالملک تبریز نصف نمود  
 اراده اش آن بود که اسم خانیست در میان اولاد او باشد بنابراین تختی زرین ساخت و طوی بزرگ

سه با، معامل، زبده مثل متن، سه در زبده درین موضع سبب رفتن امیرزاده رستم تبریز را عاده کرده است چنانکه بر  
 صفحه ۱۹۸ (و جاشی آن صفح) گذشته سه زبده؛ اختیار اصفهان بود، سه آ؛ بمیرد سه آ؛ رسید

سه در زبده این واقع را مفصل نوشته است، مامش این که میرزا اسکندر امیر عبدالصمد بالشکری پورزن  
 فرستاده، رستم بالشکری بسراشان آمده بود و ایشان را محاصره کرده، امیرزاده اسکندر یوسف خلیل و توکل را بمرد عبدالصمد  
 فرستاد و خود نیز متعاقب ایشان روان شد از ترم چون از رسیدن یوسف و غیره خبر داشت از غاهرور زن با استقبال ایشان  
 رفت و از جانبین آتش حرب مشتعل شد، و درین حال امیرزاده اسکندر بکوشک ندر رسید و قاصدی پورزن فرستاد این  
 قاصد را گرفته پیش رستم بردند، و لشکری که قریباً سه هزاره واریاده بودند سانگی جنگ کردند، اما آخر منزم شدند و بجانب  
 شهر رفتند و لشکری را اسکندر در آتش کاه خود آید و رستم با هزاره بترک اصفهان گفته متوجه خراسان گشت سه آینه -  
 سه آ ب ارادش

ترتیب داد و اکابر اعیان آفر بایجان را حاضر نمود و پیر بوداق<sup>۱</sup> که ارشد اولاد اولود بتاج و کمر سر  
افراز ساخت و پادشاهی برداشت و تخت زرین نشاند و لوگروارش<sup>۲</sup> او بخدمت قیام نمود و چند  
روز طویهای بزرگ فرمود و خلعتهای پادشاهانه و کمرهای خسروانه بایگان آفر بایجان و امرای ترکمان  
داد و همیشه شمای مناسب گذاریدند و بعد از طوی بر صدر فرمان چنین نوشتند که:

سلطان پیر بوداق<sup>۳</sup> یر یغیدین ابوالنضر یوسف بهادر نویان شوز میبزر

و هم درین سال شاه محمد پسر بزرگتر امیر قرا یوسف بغداد مسخر کرد و اسنجان بود که بعد از واقعه  
سلطان احمد اولاد شاه زاده ولدین شاه زاده شیخ علی بن سلطان اولیس یعنی سلطان محمود  
و سلطان محمد و سلطان اولیس حاکم بغداد شدند و میان ایشان اختلاف عظیم شد امیر شاه محمد بن امیر  
یوسف در اردبیل بود این اخبار شنید و طبع مک بغداد کرد | و ابلاغ کرده نگاه بدر و راه موق

سلطان فرود آمد و درین حال سلطان محمود پسر بزرگتر شاه ولد حاکم بود و از قبیل ابوالرحیم ملا<sup>۴</sup>  
صاحب اختیار جمعی اش را امیر بخشایش را که در زمان پادشاه شهنه و داروغه بود گفتند با وجود تو این

شک (بهر موضع) پیر بوداق، آ (بهر موضع) پیر بوداق، باب: پیر بوداق، زبده: پیر بوداق، شک: آ، را که  
(بجای که) شک: زبده: بطریق توران دست او پیش گرفته خدمت نمود، شک: آ: شستن امانت بجای نوشتند،  
زبده: و در حکام او شک: ازین روز باز اطراف و جوانب میفرستاد چنین می نوشت، شک: یر یغیدین علی،  
آ: شستن، زبده: بخان یر یغید ابوالنضر، شک: سوز و میز، آ: سیوزم، آ: شستن، زبده: سوز و میز را  
بعدش افزود؛ و درین سال چون فصل تیر ماه باخود رسید زستان بجز بزرگداشتن آن سال و تبریز بود، شک: در  
زبده گوید که بعد از سلطان احمد از اعتاب او فلان و فلان شستن، دامر سلطان اولیس رندی که کذا سلطان

بنت سلطان اولیس بود و ماه یکم جمادی الثانی در سنه ۷۴۸ نامش شاه ولد است و نام والدش علی،  
شک: در زبده گفته است که ایشان هر روز یکی را بغیر شهر تعیین نمودندی و روز دیگر او را بقتل آوردندی، چنانکه در اندک مدت  
چند کسی را که بر تیره امارت رسیده بودند چون عبدالرحیم طرخ و ناصر الدین جلی و بخشایش شسته بقتل رساندند شک: آ —  
شک: درک نموان صفح ۷۴۸ [ب] است شک: در زبده گفته است که تا در بغداد رسیدن وی یکجای کس از اهل بغداد خبر  
نداشت شک: بقول زبده وی هزمان سلطان احمد کشتی بانی شهرت داشتی و هر روز یکی از اعیان شهر گرفته قتل کردی و بعضی را  
مصادره کردی و مرموم بغداد ازین معنی متاصل شده بودند





## که بیت

هزار نافه بهر گوشه کشاده صبا      هزار عقد بهر منزلی گسسته محاب  
 درین اثنا بسع اعلی رسید که مودود گرسیری که التجا بدرگاه عالم پناه آورده بود چنانچه مذکور شد و مدت  
 چندگاه در هرا لازم درگاه بایون بود چون مدت توقف او دید شد و متاع او بلبانیت مخصوص گشت  
 مودود در روزی چندم آلیس حبیبی می زد و به علل و عسی تعلل میکرد درین وقت که موکب منصور  
 عزیمت مشهد مقدس فرمود مودود فرصت قیمت دانسته در اثنای راه عازم گرسیری شد آنحضرت  
 بتفحص احوال او کسی بهرا فرستاد و چون قوت دولت آنحضرت چنان بود که هر که خلافت او بر دل  
 گذراند جان نبرد و اگر پشت بر دولت او کند محنت روی باو آورد و لاجرم چون مودود عزیمت گرسیری  
 نمود در منزل بر نشین جماعتی بلوچان که علی تیمور رئیس و هنتر ایشان بود در شکار باو دوچار شدند علی تیمور  
 ازو پرسید که بدین طرف چگونه افتادی جواب داد که آنحضرت مرا بولایت فرستاد علی تیمور گفت که  
 عنایت نامه باید نمود و الاموات بود مودود تیغ کشیده چند تن از بلوچان مجروح گردانید و بعضی را  
 بدرجه شهادت رسانید علی تیمور فرار نمود و مودود تاخته در عقب او بود تیمور سپهر علی تیمور از پس مودود  
 چو ابروی خوشبان کس فی پجنگ

ع

له زبده : بقعه      له زبده : رقه      له زبده : کشیده      له زبده : جون دو پیمه کوچ بر فتنه  
 له لاله فیاضه در زبده ،      له بعدش در زبده افروخته : و از امارت ولایتی که مقلد حکومت آن بود معزول شد  
 له آ : ایض جبل ،      له ک : بلی ، تصح از روی آ زبده ،      له آب : تنلی      له آ — ،  
 له در زبده گوید که بعد از آنک موکب سیمین چند منزل کوچ فرموده معلوم شد که مودود بیورت خود قزو نیامده بهرات  
 فرستاده تفحص نموده که بسبب چیست ، معلوم شد که این خیال در خاطر داده که قندهار و گرسیری رود و در آن  
 فوجی هت انگیزد ،      له کذا در فح مطلع و زبده ،      قی : ترسین ،      در مقام ذکرش  
 یافته شد ،      له زبده : باید بود تا کلم برسد ،      له زبده : جانان ،      — در زبده مصرع

اول هم دارد ، که چون دل عاشقان کرده تنگ      له رک پیم ۱۸۴

تیری بر شاد او زد که از سینه اش بیرون آمد و از اسپ اتحاد تیر فنا از شصت قضا بدو  
جان او رسید، جماعتی بوجان مودودیان را متعبد ساخته با سر مودود به راه فرستادند و قاصدی  
که از اردوی هایلون بتخص حال مودود آمده بود با سر مودود بیک روز به راه رسید ع  
هر که بر تافت سر از حکم تو جان داد بباد

(۲۱۹)

و چون موکب هایلون بطالح سعد و اختر فرخنده قطعه

بوقت آنکه بمرج شرفند سرفروشد بگاه آنکه بصحرای کشد مباحث  
دهان را کند از مصلحت و کفار بسز کند با مکن عنبر  
بشد مقدس بکشد رسید و شرایط زیارت بجا آورده مدقات بمقتضای رسانید

و درین دلائل نضام عظم سید عزالدین حاکم مملکت قوس که چند جا ذکر شد و گذشته  
از راه حسن اخلاق و صفای عقیدت بشری ملازمت رسید و پیشکشها که از چنان بزرگی منسوب  
چنین حضرتی باشد نگذرانید و غرض قبول یافته بواجب بادشاهانه سرفراز شد و در سلک امرای  
کبار و ملوک نامدار و سادات عظام انتظام یافت ، و نوکر امیر سید علی از بدله ساری و برادر  
امیر حسن کیا از فیروز کوه آمده پیشکشها و عرضها گذرانیدند و جمال حال ایشان بزیور انعام  
آراست شد و زیارت هایلون بجانب دارالملک عود نموده امیر سید عزالدین چون دولت و  
سعادت ملازم بود ، و آنحضرت از راه بادیس بموسی که نقاش چابک دست طبعی در تصویر  
صل ربیعی دستکاری میشود شکار گران و میدگانان جمعه عاشر محرم الحرام در دارالسلطنه به راه  
مقام و آرام فرمود

## آمدن ایلچیان بادشاه خطای

له آباء ، شست ، له آجات — (نیزه : بوجان در قرب یک ساعت متعلقان مودود را

بجسم متعبد گردانیدند) له آراضی ، له آرتضی ، له نیزه بزرگی و شهنشاه ،

له نیزه : از بدله ساری



علی الخصوص ایلمی فرستادیم تا کما<sup>۱</sup> و ز ر خلعت<sup>۲</sup> رسانید چونکه ایلمی آنجا رسیده تو بیک تعظیم امر مانوده و  
 مرحمت مارا نیک ظاهر گردانیده همه خرد و بزرگ شاکشته اند فی الحال ایلمی فرستادی تا خدمت  
 و تحفه اسپان و متاعهای آن دیار رسانیدند بعد صدق نمودن ترا دیدیم که شایسته تائیل<sup>۳</sup>  
 نوازش باشی پیشترد مغول باختر رسید، پدر تو نیمه روز با مرخداوند تعالی اطاعت آورده ای  
 زوی ۱ پادشاه اعلی مارا خدمت نموده تحفه ایلمیان متقطع نگردانیده، سبب این برهان  
 آن دیار را امان داده و گلمان را دوتمند گردانیده، دیدیم که تو بهمت و روش پدر نیک متابعت  
 نموده اکنون دوجوین<sup>۴</sup> بای از کسان<sup>۵</sup> و هزاره<sup>۶</sup> سوجو و داکش<sup>۷</sup> جنگ صده سون تو خجی با جمعهم  
 فرستادیم با تنیست و خلعت کما و ترغوها تا صدق ظاهر گردد، بعد ازین کسان فرستیم تا آ می و رو  
 کنند تا راه متقطع نشود تا تجارت و کسب برادر خویش کنند، فصل سلطان<sup>۸</sup> و اندر راه تست می باید که  
 ویرانیکو بریت نهائی تا حق زادگی خویش بجای آورده باشی، نومی باید که بصدق و ولای متابعت  
 نهائی، اینست که اعلام گردانیده میشود،

و مکتوب دیگر همراه این مکتوب فرستاده بودند یکی بیلاکات که فرستاده بودند در آنجا مفصل کرده

سه یعنی خلعت زرقا، صاحب فرهنگ استدراج ۶۶۴:۱ می گوید که زرقا نوعی از بانه ابریشمی سرخ رنگ باشد، سه

ک: باخورد، بت شل متن، سه ک: تور سه ک: خوا، الصیغ از روی ق با باب: فرما آ آ ک:

قما — فرما — کورکان (ک بر ق م ۲۹۴ ح ۲) سه ک: با چوین پای، آ: حوین بای، ق

م ۲۱۵: Doulehoun-Bai: سه آ با آکان، سه بت — الفخ تاز میر نظامر

از کسان هزاره سوجو<sup>۹</sup> Sou-tcheou می باشد با: دان مینک، اک: داک جینک، آ: داک چنک،

بت: داک چنک، ق: Dan-Tching سه آ: توخجی، اک با: توخجی، —

ق: du sadeh de Soum-Koutouh سه و آذر بلفت

ماه و دارالنهر یعنی برادر شد (فرهنگ اندراج ۵۱۲)

وکی به مثال خط راه دایلمچیان را باشد و هر که مکتوبی (صواب مکتوب) بزبان فارسی و خط فارسی نوشته و در همان مکتوب بخط مغولی مضمون سخن بزبان ترکی نوشته ، و در همان مکتوب بخط خطای همان مضمون بزبان خود نوشته ، حضرت خاقان سعید مکتوب را معنا نموده و قائل آن را بفکر دورین ادراک فرمود و بعد از اطلاع بر مقاصد همه را با ششاد مقرون ساخته فرمان شد امر ایلمچیان ملوی دهند

## ذکر آمدن ملک قطب الدین از سیستان

درین اثنا ملک قطب الدین بن ملک محمود که پیشتر از مراسم بندگی متقاعد بود اعتماد بر لطف حضرت خاقان سعید نمود و بدار السلطنه هراة آمده و امر اکبار را شهنش آنگیخت و دست در دامن اعتماد آویخت ، امر اعرضه داشته که هر چند ملک قطب الدین در غارتگری از موضع ثبات لغزیده است لربن ظنن انفسا گویان یا تیغ و کفن عازم درگاه عالیناه است و غبار وحشت از آئینه فیمبر نمیر آخضر زردوده ملک قطب الدین سعادت و تسکین یافت ۱۰ و بامید رحمت آنحضرت بجلوه نو مستظهر گشت و قدرت استدعای و آتنا ما وعدنا علی العرش در و پدید آمده از گناه استغفار و اعتذار نمود و میست

عذر به آن را که خطائی رسید اوم ازان عذر بجائی رسید

و قبول کرد که هر سال خوانده و احال آراسته جزا نه عامه فرستد و بخدمت شایسته قیام نماید و آنچه از خراج گذاشته باقی باشد به او ارسالند و ولیفه بندگی بجا آورد آنحضرت ملک نیمروز را بجانب ملک تفویض فرمود ،

۱۰ آپاری ۱۰ نبشته ۱۰ کت : باشاد ، آشل تن . ۱۰ نبته : قطب الدین علی —

— ملک قطب الدین که در سیستان از ۸۳۲ تا ۸۴۲ هـ فرمانروائی کرد ، (تاریخ سیستان ص ۳) ح ۱

و در بیاضچان کتاب مسعود زنده افزوده است که با وجود آنکه حضرت سلطنت شعاری لشکر بدان و بار کشیده او

ترود و حیلان نمود و پیش بنامان حضرت نیاید ۱۰ قرآن مجید ۲۲ : ۱۰ نبته چون این پای موی نمودند و

فنا شدت از خاطر اثرش زایل گردانید سعادت بساط بوس .... در یافت ، ۱۰ قرآن مجید ۳ : ۱۹۲ ۱۰

نیمه : مقرر فرموده آمد که انحراف از اراج نامی پیش اوراق مانده است او کند ۱۰ نبته ، او را از اقط ملک نیرو زار و اسلما شد

## ذکر روان فرمودن الپجیان خطا

چون مهمات الپجیان خطا کثایت شد اجازت انصراف یافته معاودت نمودند و شیخ محمود بخشی برسم رسالت با ایشان روان شد و چون پادشاه خطا تا غایت دین اسلام قبول نکرده بر مقتضی شریعت نیریزند حضرت خاقان سید زوی دوستی و نصیحت نامه عربی و فارسی فرستاد تا باشد که بنور هدایت ایمان مشرف شوند.

## صورت مکتوب<sup>ت</sup> عربی \*

بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله محمد رسول الله  
قال رسول الله يعنى محمد [۱] عليه السلام لا يزال من امتي  
امة قائمة بامر الله لا ينصر من خذلهم ولا من خالفهم حتى  
ياتي امر الله وهم على ذلك، لئلا اراد الله تعالى ان يخلق ادم  
وذريته قال كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت  
الخلق لا اعرف فعلهم ان حكمته - جلت قدرته - وعلت كلمته -  
من خلق نوع الانسان انا انا لعرفان واعلاء اعلام الهدى  
ولا ايمان انا انا رسول الله بالهدى والحق ليظهر

له زبده: پادشاهان لله زبده: سواد ، لله با — ، لله درك بعدش افزوده است :

مولى الله ، باب اك زبده — ، لله زبده — ، لله محمد مصطفى مولى الله عليه وآله وسلم ، بب

زبده محمد عليه الصلاة والسلام ، تصح از روی آ و اك لله درك به مشکوة المعارج ج ۱ ص ۵۸۲ و ۵۸۳ و در آن

موضع لا يفتنهم و ادبجای لا ينصرهم دین جلاله اضطراب معنوی هست انا كملت اراو ظاهر می كند كه متولد آن قبل از خلق كند گفته شد

عالم بجز نفس متولد كند فخلقت الخلق بعد ان ولدت لله زبده — ، لله درك: قدرات لله كه بجه لله كدام

ك و زبده ، انا بلام بركه (غالباً بر وزن اعلام مثلاً اعياء معاني) آغاز بوده از اصل مانده شده ،

عَلَى الَّذِينَ كُلُّهُ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، لِيَعْلَمَ الشَّرَائِعُ وَالْأَحْكَامُ  
وَسُنَنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ (ورق ٢٩٣) / وَأَعْطَاهُ الْقُرْآنَ الْمُحْمَدُ  
مُعْجَزَةً لِيَفْحِمْ بِهِ الْمُنْكَرِينَ وَيَقْطَعَ لِسَانَهُمْ عِنْدَ الْمُنَازَعَةِ  
وَالْخِصَامِ وَبَقِيَ بَعَثَاتُهُ الْكَامِلَةُ وَهَدَايَتُهُ الشَّاطِلَةُ الْإِشَارَةُ إِلَى  
يَوْمِ الْقِيَامِ وَنُصِبَ بِقُدْرَتِهِ فِي كُلِّ حَالٍ وَزَمَانٍ وَفُرْصَةٍ وَ  
أَوَانٍ فِي أَقْطَارِ الْعَالَمِينَ مِنَ الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ\* وَالصِّينِ ذَا قُدْرَةٍ  
وَأَمْكَانٍ وَصَاحِبَ جُنُودٍ مُجْتَمِعَةٍ وَسُلْطَانَ لِيُتْرَجَّ اسْوَاقُ الْعَدْلِ  
وَالْإِحْسَانِ وَيَبْسُطَ عَلَى رُوسِ الْخَلَائِقِ أَجْنَعَةَ الْأَمْنِ وَالْأَمَانِ  
وَيَأْمُرَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالطُّغْيَانِ وَيَرْفَعُ  
مِنْهُمْ [مِنْهُمْ] أَعْلَامَ الشَّرِيعَةِ الْغُرَاءَ وَإِذَا حُجَّ مِنْ بَيْنِهِمُ الشَّرْكُ وَالْكَفْرُ  
بِالتَّوْحِيدِ الزُّهْرَاءُ فَوْقَنَا اللَّهُ تَعَالَى بِسَوَابِقِ لُطْفِهِ وَلَوْ أَحَقَّ فَضْلُهُ  
أَنْ نَسْعِيَ فِي أَقَامَةِ قَوَائِنِ الشَّرِيعَةِ الطَّاهِرَةِ وَإِدَامَةِ قَوَاعِدِ  
الطَّرِيقَةِ الظَّاهِرَةِ وَأَمْرًا بِحَمْدِ اللَّهِ أَنْ نَفْصَلَ بَيْنَ الْخَلَائِقِ  
وَالرَّعَايَا فِي الْمَوَاقِعِ وَالْقَضَايَا بِالشَّرِيعَةِ النَّبَوِيَّةِ وَالْأَحْكَامِ

له كه اك : يعجم ، تصحيح از روی آ باب زبده : لنفحم لك :  
 السانهم ، زبده ، لسانهم له آ : بعنايه ، زبده : بقضائه  
 لك آ : از روی باب زبده : له زبده : المشرق والمغرب لك آ : و  
 لك آ : سميت لك : البروج ، زبده : لبروج له زبده ، الجوار ،  
 لك : يرفع لك : ازاج لك : الزمل لك آ باب  
 الزاهرة : اك : الزاهرة ، له زبده : تعالى وتقدس له  
 ك : تفضل ،



المصطفویہ و تبنی فی کل ناحیۃ المساجد والمدارس  
ونعمر الخوانق والصوامع والمعابد لئلا یندرس اعلام  
العلوم ومعالمها وینطمس آثار الشریعة ومراسمها ولان  
بقاء الدنیا الدنیة وسلطنتها واستدامة آثار الحکومة  
وایالتها باعانة الحق والصواب واماطة اذی الشکر والكفر  
عن وجه الارض لتوقع الخیر والثواب فالمرجو والهامول  
من ذلك الجانب وارکان دولته ان یوافقونا فی الامور المذکورة  
ویشاركونا فی تشدید قواعد الشریعة المعصودة ویراسلون الرسل  
والقاصدين ویفتحون المسالك للسایرین والتاجرین لیبتا کد  
اسباب المحبة والوداد ویتعاضد وسائل المودة والاتحاد ویستخرج  
طوائف البرایا فی اطراف البلاد وینتظم اسباب المعاش تبین  
صنوف العباد والسلا [م] علی من اتبع الهدی واللہ  
رؤف بالعباد ،

۱۰

## صورت مکتوب فارسی

بجانب واهی منک پادشاه از شاه رخ سلطان سلام مالاکلام ، چون خداوند تعالی  
بجگت بالغه و قدرت کامله آدم علیه السلام بیا فرید و بعضی فرزندان اورا پیغمبر رسول گردانید

له ک : بنی له ک : نعم ، آمل متن له فقط ک : حکومت له زیده —

له ک : الصواب له ک : نراسون له ک : تقنون ، بب : بفتحون

له حبه : الاخرة (الانفة) له ک : التسرع ، زیده : یسرع له زیده : الصنوف ، له ک :

العباد و بب : القباو و ، زیده : نل متن له زیده : — له زیده : التسلوة والسلام ، له

بب آ — زیده : ینمیر

و بر آشتی خلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند و باز بعضی ازین پیغمبران را چون  
 ابراهیم و موسی و داؤد علیهم السلام کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آن  
 روزگار را فرمود تا بشریعت عمل کنند و بردین ایشان باشند و محبوب این رسولان  
 مردم را بدین توحید و خداپرستی دعوت کردند و از آفتاب و ماهتاب و ستاره و شیطان و  
 بت پرستیدن بازداشتند و هر کدام را ازین رسولان شریعتی مخصوص بود اما همه در توحید خدائی متفق  
 بودند چون نوبت رسالت و پیغمبری بر رسول ما محمد مصطفی صلی الله علیه و سلم رسید شریعتهای  
 دیگر منسوخ گشت و او رسول و پیغمبر آخر الزمان شد و همه عالمیان امیر و سلطان  
 و غنی و وزیر و فقیر و صغیر و کبیر را بشریعت او عمل می باید کرد و ترک ملت و شریعت  
 گذشته می باید داد، اعتقاد بحق و درست اینست و مسلمانی عبادت ازینست پیشتر ازین  
 ۱۰ بچند سال چنگیز خان خروج کرد و بعضی فرزندان خود را بولایتها و مملکتها فرستاد و جوچی خان را  
 بمقدود سراسرای و قرق و دشت قباچ فرستاد و در آنجا نیز بعضی پادشاهان چون اوزبک و  
 جانی خان و آرس خان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و شریعت حضرت محمد مصطفی صلی الله علیه و سلم  
 عمل میکردند و بهولاکو خان را ببلادخراسان و عراق و نواحی آن مقرر گردانیدند پس از آن  
 ۱۱ له آ زبده : ایشان را شک : میسارخ : زبده : و میس : محمد علیهم الصلوٰۃ والسلام له زبده :  
 خدا ترسی : شک : له و ستاره و سلطان : تصحیح از روی زبده ، له زبده : — ،  
 له زبده : خدا ی تعالی له با آ ، و آله و سلم له آ : زمان : زبده : مثل تن ،  
 له آ : جنک : شک : جکیه : آب : جکیه : له زبده : جوی خانرا  
 له آ بب زبده : قباچ ، له زبده : اوزبک و جانی خان بر : شک آرس نشسته  
 است بنف العت ۱۱ مارک بر لین پول ص ۲۴۰ نسب نامه آل جوچی بدیل اوردا و باو ،  
 له بب دهر موضع : محمد علیهم الصلوٰۃ والسلام آ (دبر موضع) : محمد علیهم السلام ، زبده :  
 محمد رسول صلی الله علیه و سلم :

بعضی از فرزندان او که حاکم آن ممالک بودند چون آفتاب شریعت محمدی صلی الله علیه و آله و سلم در دل ایشان بود همچنان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بسعادت اسلام مشرف گشته با خیرت رفتند چون پادشاه راست گوئی غازان و ادبجایتی سلطان و پادشاه سعید ابوسعید بهادر و تانوبت حکومت و فرمان روائی و سلطنت و کامرانی به پدر و مخدوم امیر تیمور گورکان طاب ثراه رسید ایشان نیز در جمیع ممالک بشریعت محمدی صلی الله علیه و آله و سلم عمل فرمودند و در ایام سلطنت و جهاندارى ایشان اهل ایمان و اسلام را رونقی هر چه تا نثر بود اکنون که بطلعت و فضل خداوند تعالی این ممالک خراسان و ماوراء النهر و عراق و غیره در قبضه تصرف آمده در تمامی ممالک حکم بموجب شریعت مطهره بنویس میکنند و امر معروف نهی منکر کرده و بدو قوا حد چنگیز خانی مرتفع است، چون یقین و تحقیق شد که خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا بسبب ایمان و اسلام و عنایت خداوند تعالی است با رعیت بعدل و داد و انصاف زندگانی کردن واجب است اسید بموجبیت و کرم الله تعالی آنست که ایشان نیز در آن ممالک بشریعت حضرت محمد رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم عمل کنند و مسلمانان را قوت دهند تا باشد که پادشاهی چند روزه دنیا بپادشاهی آخرت که **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى** له زبده : پادشاه آن مملکت له زبده : محمد رسول الله صلی الله علیه و سلم نیز رک به سه له زبده : کشند و له زبده : پادشاهان ، له زبده : الجوز له زبده : و جبل البنة مثواه ، له فقط درک ، آ : محمد علیه السلام ، ب : محمد علیه الصلوة والسلام زبده : محمد رسول الله صلی الله علیه و سلم ، له زبده : کردند آ : غیر او له زبده : داور باجمان غیر له زبده : می کنند له زبده : برغوبه الله آ : حکمرانی آ : چکنر خان آ : ب : چکنر خانی ک : چکنر خانی له زبده : کردان له آ زبده : خداوند له آ زبده : الله آ علیه السلام له زبده : مسلمانی له زبده : وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ بِه قرآن مجید ۹۳ : ۴

تفصل گردد،

و درین وقت ازان طرف ایلمیان رسیدند و تخمها آوردند و خبر سلامتی ایشان و معموری آن ممالک گفتند محبت و دوستی که میان پدران بود بر موجب محبت اکاباء قرابته الابناء تازه گشت مایه ازان طرف محمد بخشی ایلمی فرستادیم تا خبر سلامتی رسانند مقرر آنست که بعد ازین راهها کشاده باشند تا با زرگانان سلامت آیند و روند که این [معنی] سبب آبادانی ممالک و نیکبختی دنیا و آخرتست توفیق ربانیت اتحاد و مراقبت شرایط و دادر فیک اهل طریق باد!

حضرت خاقان سعید فرمود که ایلمیان اطراف را چون ایلمی محمد قرمان که با تحف روم آمده بود و ملک قطب الدین سیتی و ایلمی پیرک ازگرسیر، مجموع ملتمسات ایشان را ساخته و همه را بانعام و اکرام نواخته اجازت مراجعت نمود و ۱۰ باز رفتند خوشدل و خرم

## ذکر شاهان بدخشان و رفتن ایلمی بجانب ایشان

شاه بهاء الدین بدخشان قاصدی پیش حضرت خاقان سعید فرستاده بود و التماس

له زبده: مفصل له زبده: برساند، سکت: باز جانان، زبده: بازار کاناان که زبده: سلامت روند و آیند، شه از روی زبده: شه آ زبده: نیکونامی شه بب: بادتم و نیکونامی شه امیر محمد قرمان که این ایلمی را فرستاد از ۸۰۰ تا ۸۲۰ در لائی قاونیه ( *Yacania* ) فرمان روائی کرد و رت به فهرست امراد این خانواده در بین پول مقابل ص ۱۸۳، شه زبده: (درق ۱۸۸) ایلمی محمد قرمان از بلاد رزم آمده بود و تحف و نظایف آن دیار رسانیده و ملک قطب الدین سیمستانی که ذکر او گذشته و پیرک ازگرسیر خود مجموع ملتمسات با عایت مقرون شده با دطان خود مراجعت نمودند +

که معتمدی روان فرایند تا مال ولایت فرستد و فرزندان خود را بملازمت مشرف سازند و آنحضرت امیر حمزه قزو را که از اعیان حضرت بود ارسال فرمود و مشارالیه با آنجا رسید و شاه بهاء الدین خیال محال و اندیشه استقلال بخاطر راه داده بود و انقیاد احکام ننمود و با نوکران میرزا ابیکل در مقام مقاتله بود، امیر حمزه باز آمده صورت واقعه بعضی رسانید آنحضرت فرمود که امراء کبار امیر مضراب بهادر و امیر سید علی ترخان و امیر فیر و شاه متوجه بلخ شده و در ظل چتر فلک ساسی میرزا ابراهیم سلطان در آیند و امراء به بلخ رسیده میرزا ابراهیم سلطان همه را انعام فرمود و شاهزاده و امراء عزیمت بدخشان نمودند و از راه بگلان با لشکرش آمد شاه بهاء الدین بطن بدخشان گریخت و لشکر با با برادر بدخشان در آمدند

---

له زبده: فرزند، له در زبده + : در حسن رای و کمال دانش مشارالیه و متفق علیه له زبده: دید که شاه بهاء الدین در آن [حدود دوست تظاول کشاد و پای از حد خود بیرون ننموده است و اندیشه فلو و نقش استقلال را بخاطر راه داده التزام طاعت قبول نکرد و بدان و مدد های و فائدت و ملک آثار ترقی و عصیان از او مشاهده کرد امیر حمزه مراجعت نمود و از و چنان دریافت بود که با اصحاب اطراف که بمحدود متصل است بر طریقی داخل می باشد و ترصد فرصتی می کند و با غوغای جمعی مسندان شریر و اغرای قوی فنان شور اکیمز اقدام می نماید و با نوکران امیر امیر زاده اعظم ابیکل در کذا، فویان که در آن سرحد بودند جنگ کرد و بنیاد مقاومت و منازعت نهاد و باین مقدمان با جمعی از امرای رافران شد انج، به ک آگ، اپل، باب، ابیکل، له ک آگ، مقابل، ب، مقابل، اشل بنن له آبت آگ حمزه قزو له زبده: و از آنجا بزر رایت . . . . . ابراهیم سلطان . . . . . و امرای آن و یار دشل امیر توکل برلاس و امیر نوشیروان و غیره با لشکر با که در آن حدود بودند با اتفاق مازم بدخشان شوند، له آ با، بگلان، بب و زبده: شل تن له ک پشکش، تصح از روی آ آگ، باب، زبده: سیلان، پشکش، له در زبده: بجای دوسر سطر آیند می گوید: آنجا خبر تحقیق کردند که شاه بهاء الدین دراد کو در آنجا لشکر های فوج کرده است متوجه او شدند چون عساکر منصور نصر هم الله تعالی تا غلانی دکتا بطلان تنی هنوز دل کردند خبر رسید (باقی حاشیه بر ۲۷۸)

و میرزا ابراهیم سلطان لشکر پایده در کثمت توقف نمود و شاه بهاء الدین بکی بهاء سخت و بیشاه پر دخت رفته بودی لشکر منصور از کان لعل گذشته ولایت سبکان و عمند و پائیک در آمدند و آن مواضع منبع آب جیجوست، و از اینجا نیز گذشته احوال و انتقال شاه بهاء الدین بدست لشکر افتاد و امر ابراهیم بر آمدند که در خیال مردم جبال نبود

(ورق ۲۹۴) که کسی بگماند بدانجا تواند رفت و هر که با بیلی میش آمد جبال و جان امان یافت لشکریان باز گشته با غنیمت فراوان بشهر بدخشان رسیدند و حکومت آن ولایت را به شاه محمود برادر شاه بهاء الدین دادند که پیشتر بدرگاه مالپناه آمده بود و آثار نیکو بندگی بطور آورده، فرمان شد که در پناه رایت میرزا ابیکل باشد

درین اثنا بسامع جلال رسید که حرم محرم میرزا الخ بیگ چون صدف بدر دانه ۱۰ آبتن است حضرت خاتان سعید از غایت و داد که نسبت با خداداد و اولاد داشت  
(بقیه حاشیه صفحه ۲۲۸) —

که شاه بهاء الدین بطرف بدخشان کرخت لشکر باران سمت روان شدند چون کثمت رسیدند در آن موضع ابراهیم سلطان .... بالشکرها پایده توقف نمودند و جمعی کثیر از امرای طغاکر که در بی شاه بهاء و الدین می رفتند چون بدخشان رسیدند شاه بهاء و الدین کرخت بود و بطرف کوههای سخت رفته عساکر منصوره بر عقب او روان گشتند بکان لعل رسیدند و از آن گذشته ولایت شغان و عدنا میرور آمدند — برای مواضع مذکوره متن و حاشیه رنگ بر حاشی قیص ۲۲۲ بعد و بیست و پنج ص ۳۳۶ بعد و خریط ۹ و در آن کتاب و دریل های که در کتب ۶۶

و غیر آن منبع جمعی (در قیص ۲۲۲) و در و در بیابان کنتاب ۹۱ و افغانستان ۹۱ بعد جلال الدین محمد طبرکات ۱۳۱۳ و در کتب ۶۶ و حاشی ۱۲۱ که در کتب ۶۶ از روی نسخ دیگر افزوده شده است آ، سحان، باقی، سحیان، بب، سحان، آک، شحان، — تار میرزا این نقطه را سحان می خواند (ق ۲۲۲ ح ۱)، زبده، شحان، آبا، عند، آک، عند، ق، شل معن، زبده، عند — تار میرزا این نقطه را عند (= و اخانی) می خواند (ق ۲۲۲ ح ۲) که در مجمع نسخ، بهرام، زبده، شاه سلطان محمود، زبده، ابل، زبان، زبده، از جانب سرتنند فرسید شده است؛ لکه آ،

فرمود که آن صدف شرف را قبل از میعاد وضع حمل بخراسان آورند و بموجب فرموده  
مفتیای پادشاهانه ترتیب کرده بابا آغایان و خواجه سمرایان از سمرقند متوجه خراسان شدند  
و نزدیک دارالسلطنه همراه آغایان و خواتین استقبال نموده ببالغ زافان فرود آوردند\*  
و عاشق جمادی الاولی بیکای کاخان زاده هایلون قدم از کتم عدم بجیز وجود آمد و چند شب  
پانزدهم ماه مذکور طوی بخلعت فرمودند،

## ذکر احوال ولایت خوارزم که درین سال هشتصد و پانزده داخل دیوان اعلی شد

چون احوال خوارزم درین دفتر مسطور نشده رقم قلم آنست که از ابتداء جلوس  
فرخ فال سال بسال بطریق اجمال باز نماید و شرح و تفایع آن ولایت تقریر داده آید،  
و صورت حال آنست که در زمان واقعه حضرت صاحبقران امیر موسی گما

۱۰

له کت : آورند، آبت مثل متن سله بده (۱۹۰) قران شد، در بارغ زافان چهار طاقتا و قبیله  
ساختند اسباب طوی و ما یحتاج آن بتیار گردانیده نیمها و خراصا با تختهای زر و نقره بوشا مل و مروارید مرصع  
و مزین گردانیدند، آنهم دروغا و عا و وسیع کنجید و دست اجتهاد برداشتن آن رسید از اسباب عشرت و پیش تنیاشند  
لعلبان شیرین حرکات و تشجیدان حاکم طرقات هنرهای نمودند و بازیابایرون می آوردند چند روز بمخمان با هر  
ملازم بودند تا در روز جمعه ثالث جماد الاول سنه خمس عشر و ثمانیای موانق لوئیل درین مکان مبارک بیکای  
کسار کیا، خانزاده هایلون قدم از کتم عدم بنخیرد بجیز وجود آمد، سله زبده : واقعات  
خوارزم در زمان آن دولت (یعنی زمان شاه رخ سلطان)، سله زبده : موسی کیا  
بموجب حکم و قرانی آن حضرت (یعنی تیمور)،

حاکم خوارزم بود و قوم قراتاتار که آنحضرت ایشان را در هشتصد و شش از مملکت روم آورد و چنانچه در مجلد اول مفصل است در زمان سلطنت میرزا خلیل سلطان از ولایت ماوراءالنهر گریخته بخوارزم رفتند و میان ایشان و امیر موسی کما آتش جنگ افروخته شد و شرار شرارت قراتاتار نواحی خوارزم را سوخته غرم روم کردند و امیر ایدک و امیر الامراء شادی خان از جانب دشت به طبع خوارزم متوجه گشت و امیر موسی کما با وراءالنهر رفته امیر ایدک و در رجب سنه ثمان و شمانه خولزم را گرفت و امیر انگارا حاکم گذشته بجانب دشت رفت، و جمعی عراقیان در روز عید رمضان از میرزا خلیل سلطان روگردان شده از سمرقند غرم خوارزم کردند و آنجا رسیده پیر پادشاه بن لقمان پادشاه بن طغایمور خان را که در مازندران شه زبده : تاتاران روم — رکت به شرف نامه نزدی ج ۲ ص ۱۰۰ هجری برای آوردن تیمور قراتاتار را، شه آ —، شه در زبده گوید و بعضی

از ایشان بجانب خوارزم رفتند، شه زبده : کیا (بهر موضع)؛ شه زبده (۱۹۱۱) و تاتاران غلبه نمودند و می شهر را غارت کردند و امیر کوکال، شه این لفظ در نسخ مختلفه صورت های عدیده دارد درین موضع و در سطور مابعد با اوکو (و گاهی ایدکو) ببت مبادره اوکو، و آ اوکو (و گاهی اوکو) نوشته است، زبده : ارکو و در بعضی مواضع اوکو — رکت بپین پول ص ۳۸۶ اوکو (در سطور ۸۰) رئیس توکائی با 'پادشاه گر قباچاق' و بهمان کتاب ص ۲۳۲ برای سنین شادی بیگ و دیگر خوانین اوردوس و آل توختاش، شه زبده + : پادشاه دشت قباچاق شه بدش در زبده + : و جماعت تاتاران متفرق گشتند، شه ک، ابکا، آ، ابکا، اباق، ابکا، ب : ابکا، اک : افکا، زبده : ابکا (و جانی) ابک و جایی دیگر : ابک، شه زبده : دشت قباچاق معاودت نمود، شه زبده + : سنه ثمان و شمانه شه در جمیع نسخ و قباچاق، تصحیح قیاسی است زبده : میر،





خان باورسیدند و عزم رزم کردند و بعلجه که پیش ازین حاکم خوارزم را بود قتل آمده  
امیر ایدک شکسته بخوارزم رسید و این حال اوائل سنه اربع عشر بود، دکنه  
و غازان متعاقب بخوارزم آمدند و امیر ایدک را شش ماه محاصره کردند درین و لا  
خبر آمد که جلال الدین سلطان پسر تفتش خان تیمور خان را شکسته اردوی او را  
غارت کرد و تیمور خان میرسد، و قاصد جلال الدین سلطان پیغام رسانید که  
پیش ازین تیمور خان بود برای او ششیر می زدید اکنون من خان شدم سعی نمائید  
و ایدک که دشمن ماست بدست آرید، باز جلال الدین سلطان ا کس فرستاد که اگر  
ایدک پسر خود سلطان محمود و خواهر جلال الدین که همین پسر داشت فرستد و  
سکه و خطبه بنام ما کند باو جنگ کنید و متوجه شوید امیر غازان که خواهر جلال الدین  
سلطان در عقد او بود دلیل صلح نمود و دکنه که [خواهر تیمور خان داشت آن خبر را بود ۱۰

له زبده + در اوائل سنه اربع عشر و ثانیه، س آ؛ معلیه، ب؛ آ؛ نعلیه، ب؛

نعلیه، آ؛ ب؛ بقلیه، ق؛ Bagleajeh، زبده؛ تغله،

س آ؛ نقش، ب؛ آ؛ تفتیش، ب؛ نقش، زبده، نقش (ب) تیمور خان یاغی شد و جنگ

کرده و در شکست، و اردوی او را غارت کرده و تیمور خان با معدومی چند از پیش ایشان

بگریخت، در عقب این خبر ایچی از پیش جلال الدین سلطان بخوارزم رسید تلقیو قانام و

استالمت نام از جلال الدین سلطان بتمام امرا (که) از قبل تیمور خان بخوارزم را محاصره داشتند

مضمون سالت آنکه آه شده ام نه به مثل که آه آرند له زبده، خواهر جلال الدین سلطان که همین سید

محمود برادر او (گذا) داشت، له درک ندارد، از روی آ و دیگر نسخ ثبت شده له زبده - له زبده

۱۹۳۳ تا قانام امیر که راضی نمی شد در آشنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته

بود نزدیک رسیده است و می رسد و چون آن لشکر او بد بخوارزم فرستاده بود با عتقاد آنک لشکر مست متوجه

انطوف گشته و امیر غازان بکوت آنک خواهر جلال الدین (داشت شیوه جلال الدین) سلطان بود و امیر دکنه شیوه  
تیمور خان بود و او نیز خواهر تیمور خان را داشت و دکنه قطعه بر صلح امیر را راضی نشد، (بیتا علیه بر ۲۳)

انگاشت درین حال تیمور مغلوک نزدیک خوارزم رسید و غازیان دکنه را بشراب مشغول کرده نوکر خود چاخواجده را فرستاد تا تیمور خان برگشته بخت را بقتل آورد، و جلال الدین سلطان شنیده از امیر غازیان منت داشت و نشان فرستاد که غازیان خان ماست فرموده او را بکم ما دانید، و امیر کینه برای تیمور خان عزا داشت، و از امراء محاصره خضر افغان بجهت آروغ بزرگتر بود، بعد از دکنه، بعد از ایشان غازیان، درین حال از همه زیادت شد، و امیر ایدک کو صلح کرد و او بیرون آمده یکدگر را طوی دادند و امر ترک محاصره کرده متوجه جلال الدین سلطان شدند،

تجولائی بهادر در موضع بلو قیا بدیشان رسید و بطعنه گفت خوارزم ناگفته چرا باز گشتید؟ امر گفتند: ما مدت هفت ماه تمام محاربه و محاصره کرده با ده هزار مرد نتوانستیم گرفت ترا خود سه چهار هزار مرد بیش نیست صلاح بازگشتن است که ما سخن صلح گفته ایم و او پسر خود را پیش خان میفرستد، تجولای گفت: یک نفس من ایدک را کافیت،

باین غرور غزم خوارزم کرد، و امیر ایدک کو خبر یافته استقبال نمود چون لشکر او کمتر بود براه مکر و فریب شب مراحل می پیمود و در روز پنهان می بود

(دقیقه حاشیه صفحه ۲۳۳) که در انشای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان کینه به و نزدیک رسیده است - بآب آلت: تیمور خان (بهای تیمور مغلوک) حاشیه ۲۳۴ که بچاخواجده تصحیح از روی باب و آو زبده و آلت - آلت زبده: چند بهادران دیگر بالو قیاس کرده که بروید تیمور خان را بقتل آورید، ایشان برنفتند و تیمور خان را بقتل آوردند سه زبده: و فی الحال ایچی فرستاد مضمون کتب، سه زبده: تا مکنم بخای خان، سه زبده: اما چون این حکم جلال الدین سلطان بر رسید او از اشارت لشکر معزول شد سه زبده: اودن: سه آ، تجولای، آلت، تجولای، زبده: تجولای، سه فقط زبده: بر قوتیا که بدش در زبده: حالا خود چهار هزار سوار دارم نه کت - از روی نسخ دیگر و قی نوشته شد، فقط زبده: و بر دوز فرمود زبده ای کد،

چون نزدیک رسیدند امیر ایدکو لشکر خود را دوشاخ کرد و جمعی را فرمود که چون بیاغی  
رسند جنگ پیش برند و هرزیمت شده پریشان شوند و گفته بود که ندکمنه و لاسب  
و توپره بر شکل بوجها بسته در وقت گریز هر طرف اندازند، چون امیر قجولای  
رسید و مردم امیر ایدکو جنگ پیش برده گریختند لشکر قجولای بتصور آنکه یاغی  
همین بود از حرص الحاد و رقای هرزیمتیان ناخند بیت

از آدمی عجب چه که ماهی در آب نیز جان از حرص در شکار دهن کند

از طرف دیگر امیر ایدکو بهادر با تنهای رخشان و سناهای درفشان رسید قجولای  
با آنکه لشکر او در پی یاغی رفته بود جز جنگ چاره ندید و کوششهای بهادرانه  
و حملهای دلاورانه کرده عاقبت قتل آمد، و امیر ایدکو سر او را بخوارزم فرستاد  
فرمود که تونق او را بر پایی کردند و نقاره چیان او نقاره میزدند و یاغی که در پی  
الحا رفته بود تونق خود را دیده جوق جوق میرسیدند و در دام بلا افتاده گردن  
در زل فل و دست در قید و بند میدادند تا باین تدبیر هزار آدمی و شگیر شدند  
و لشکر امیر ایدکو غنیمت گرفته بخوارزم باز آمدند و اسیرانرا بندهای گران نهاده  
بر عایا سپردند مقرر آنکه از بندیان هر که گریز و نگاه دارند را بقتل آورده محله او را

له زبده + : امیر ایدکو کتی [کشی] پیدا ساخته لشکر خود را فرمود که اینجا توقف کنید تا از آنان  
که ایشان از ما بگذرند و در کوچ باشند ما خود را بریشان زیم مردم خور را دو کرده  
کرد، یک قوم را بر کنار جنگی [جنگلی] تعیین کرد که چون لشکر یاغی برسد می  
باید که صفت کشیده آغاز محاربت کنند و چون ایشان حمله کنند هرزیمت شوید، له  
زبده : بر شکل نخبه (نخبه) بر ترفه بندا له فقط است له عرض له زبده : سرور کار  
جهان، له بعدش در زبده + : عنان کشاده و سنان کشیده،

نارت کنند و مردم شهر در زحمت افتادند،

و درین سال بینی سَنَه فُس عشر حضرت خاقان سَعید لشکری نامزد خوارزم  
فرمود از امرای خراسان امیر علیکا و امیر ایاسخواجه با سپاه گران روان شدند  
و از مادرء النهر امیر موسی کا با پنجمزار سوار عازم آن دیار شدند و نزدیک خوارزم  
به هم پیوستند و در آن زمان مبارک شاه پسر امیر ایدک حاکم بود و بیکجگت امیر دیوان  
و صدر قاضی، چون خبر لشکر محقق شد اعیان ملک جمع آمده مشورت کردند اکثر  
صلاح در صلح میدیدند و بعضی براه جلالی رفتند و باقی جنگ و کارزار اختیار  
میکردند، درین اثنا امیر علیکا ایچی فرستاده استمالت گونه داد و صلح جو یان  
ساوری بیرون فرستادند و اکثر مَروم [خوارزم دل بر صلح نهادند، نوکران  
امیر سید علی ترخان (۷۹۵ هـ) و امیر ایاسخواجه بطرفی رفته بودند و جمعی را کشته ۱۰  
و اسیر گرفته خوارزمیان متوهم شدند و جمعی که مایل جنگ بودند جرأت نمودند  
و غلبه تمام از خاص و عام بیرون آمده جنگ در پیوست، و چون سخن صلح  
در میان بود و لشکریان هر طرف پریشان خوارزمیان آن روز تاشب

لکت - از روی آ نوشته شد، ۱۰ در زبده + : بمشورت و صواب دید

امراء . ۱۰ در زبده + : امیر علی ترخان، ۱۰ بآقی + : کولکانش، در زبده تاش ملیکیات

۱۰ زبده : حضرت مخدوم ... بنیث الحق والدین الغنیبک کورکان پنج هزار سوار صاحب

امیر موسی کیا تعین فرمود که باتفاق آن لشکر متوجه خوارزم شوند، ۱۰ زبده : بیکم ۱۰

زبده : صدر که قاضی بود، صاحب اختیار مملکت این سرکس بودند ۱۰ آ : مقرر،

۱۰ زبده : علی کیا، ۱۰ زبده : آوردند، ۱۰ از روی زبده، ۱۰ در زبده + : و خرابی بپار کرده

۱۰ زبده : و لشکر امرای سبب آنک صلح در میان بود استعداد جنگ ناکرده متفرق بودند، و بی زپی، بسته

بودند بعضی از لشکریان بی گنجه شدند و بعضی هنوز گنجه بودند که جنگ در پیوستند و شریان در آن روز جنگهای

سخت کردند،

جنگ سخت کردند و شب آوازه انداختند که امیرایدکو و چنگیز افغان رسیدند و نثاره شادیا نه زدند، امرا روز جرأت ایشان دیدند و شب خبرایدکو شنیدند هم در شب عنان بعزم مراجعت یافتند و خوارزمیان در عقب آمده احوال و احوال گرفتند،

حضرت خاقان سعید از استماع این خبر متغیر شد؛ فرمود که امیر سید علی ترخان و امیر شاهکات عزم رزم خوارزم نمایند و لشکر ما و اراء النهر نیز پیش ایشان آیند و آنحضرت هرگز دانست که در آن نوبت بر رعیت ظلم کرده بود عتاب و خطاب فرمود و فرمود که چون درین کثرت توفیق آتی خوارزم مسفر شود از آنجماعت که در آن نوبت جرأت نموده اند انتقام کشد و باقی رمایا را اسبی نرسانند، ۱۰

امرا از ویک خوارزم رسید، شنیدند که پسر امیرایدکو مردم خوارزم را خرمنه  
 ط ب ب : چنگیز، آ، چکر، اک، با، چنگیز، زبده، چکر، ط فقط با، زور در حرب  
 (زبده : چون روزانه ایشان هراتی دیده بودند و در شب آن خبر شنید) ط بعدش در زبده :  
 تصور کردند که این خبر راست [است] بی که بسته بودند آن را آتش زدند الخ،  
 ط آ با ب آ : بهادران خوارزمی، ط بعدش در زبده (۱۹۶ ب) : و روزی پنجشنبه  
 ست عشر و شانزده عساکر ما و اراء النهر که بخوارزم رفته بودند بدار السلطنت سمرقند  
 رسیدند، و باقی امرا که بجانب خراسان رفته بودند چون خبر آن حادثه به بندگی  
 حضرت سلطنت شعاری رسانیدند آتش حمیت زبان زد، ط در زبده برنیا اسامی امرا و ذیل  
 را افزوده است : شیخ لغمان، یادگار شاه، فرمان شیخ، نوشیروان برلاس، ط در زبده گفته است  
 که بهادر اراء النهر نیز فرستاد که لشکر بخوارزم روانه گردانند ایشان نیز کشتن آتش کردند و متوجه شدند امیر  
 سلطان شاه، برلاس و دولت خواجہ عناق و امیر اسکندر بهند و بوقا ط فقط آ، ستانند،

بیار کرده و مال بیشمار گرفته بدین بهانه که شطراف مخالفان داشتند و ساوری بیرون  
بروید و بعضی را کشته و جمعی را معید ساخته خوار در میان از و متغیر اند و نیز شنیده اند که  
که حضرت خاقان سعید کسی را که بر رعیت خوارزم ظلم کرده گوش و بینی بریده و  
بدین جهت رعایا طبعاً بایل این طرف اند، و پسراید که متوهم شده بجانب پدر گزشت  
و امر این اخبار تحقیق کرده بظاهر شهر فرود آمدند و سادات و علما و اعیان شهر  
با ساوری و پیشکش بیرون آمده شهر تسلیم کردند، و امر انظر و منصور بجانب  
خراسان و ماوراءالنهر بازگشته،

و امیر شاهلک چند روز ضبط امور و نسق مصالح جمهور و نظم قواعد  
مملکت و وضع قوانین معدلت فرمود و بمقتضی رای رزین و خاطر دور بین  
تمام مہام خواص و عوام سرانجام نمود و نوکران نیک بمحافظت آنجا باز داشته  
متوجه پایہ سریر اعلیٰ شد و اوایل سنہ ست و عشر\* بدار السلطنہ ہر اہر رسید و  
بنوارش فراوان مخصوص گشت و بعد از چند گاہ حکومت خوارزم بدو مفوض شد  
و تا آخر ایام حیوۃ در تصرف او بود،

## ذکر احوال فارس و عراق و گرفتن میرزا اسکندر شہر قمر

میرزا اسکندر چون در ممالک فارس و عراق فرمان فرمای علی الاطلاق  
شد قصد تسخیر بلدہ قم کرد و چند ایچی بطلب خواجہ محمد قمی فرستاد و از مردم خواجہ  
امرویی خوش شکل بود او را نیز طلبید و خواجہ بیہج وجہ ملتفت نمی شد، میرزا

لے زبده: از و متغیر کشته بودند ۵۷۶: زین، تصحیح قیاسی است، لے زبده: در

اوایل شہور سنہ ست و عشر و ثمانیہ، لے بعدش در زبده: و مدتہای ۵۷۵: آ

لے فطاک: مردی، در زبده: ذکر ای ازین امر نیست، لے آ باب اک: خواجہ محمد،

اسکندر غزم محاصره قم نمود و قلاع نواحی آن را مسخر فرمود و کووال قلعه کیوملی  
 و سه سر نام را منقید بر در قم برد و در قم مردم جنگی بسیار بودند، جنگهای سخت  
 کردند، و میرزا اسکندر را کاری از پیش نمی رفت، درین حال نصر الله  
 صحرائی حاکم ساوه اندیشید که هرگاه قم فتح شود نوبت ساوه خواهد بود و با آنکه  
 میان او و محمد قی نیک نبود غمخواره خود عماد گور را با چند سپاه جلد بهد فرستاد  
 و خواجه محمد را بدان سبب قوت و شوکت زیاده شد، میرزا اسکندر از ظاهر  
 قم برخاسته خواست با صفهان رود منظر فراوانی که معتمد خواجه محمد بود کاتبی  
 پیش میرزا اسکندر فرستاد و پیغام داد که اگر حکومت مالی قم بمن تفویض کنند  
 و بهد و سوگند موکد سازند شهر تسلیم کنم، چون عهد و پیمان استحکام | یافت (۲۹۵ ب)  
 آن نمک بحرام آغاز کرد و فریب کرد و با خواجه محمد است آورد که رعیت قم که  
 اکثر در قلعه بودند بشهر روند تا محافظت شهر نمایند و مردم را در شهر متفرق  
 ساخت و خود با خواص و برادرزاده خواجه محمد امیر محمود و در شهر رسم محافظت  
 گشته در هر جا بهر بهانه ملازمان امیر محمود را می گذاشت چنانچه با امیر محمود

سه بعدش زبده + چون قلعه کو غیره سه فقط با کبوتری مثل تن زبده (سباز)، کبوتر عبارت زبده درین  
 موضع، در قلعه کبوتر شخصی بود کووال از قبل خواجه محمد قی علی در میر سر نام اورا گرفت) سه و زبده +

با وجود که بغت [نفت ۹] بر دیوار ازاره [زده] بودند کب در خندق انداخته که دیوار ریعن  
 [ریعن] و سور شهر خراب شود فتح آن میسر نشد، سه زبده: را [از] در قم برخاست و امیر  
 عبدالصمد را در قلعه کبوتر داشت و امیر عبداللہ بروائی را با مساعدت او تعیین کرد و بعد از آن بجای  
 صفهان معاودت نمود، بعد از چند روز منظر فراوانی که نائب خواجه محمد قی بود کتب پیش امیرزاده اسکندر و امرای او  
 بنشست، شک سه زبده: محمود بن خواجه ابراهیم بن خواجه محمد قی، سه ک: بی کشت، آ آب بش  
 متن و قی موافق با آنها از زبده: و بهر وضعی که میر سیدیک ده (دو) ملازمان امیر محمود انجائین می کرد که محافظت  
 مشغول باشند)



بیش تر از پنج شش کس مانند از دروازه کنکان بیرون رفته امیر محمود را گرفت\*  
و فوجی از لشکر میرزا اسکندر که بمشورت مظفر کافر نعمت در خانقاه خواجه علی  
صفی در بیرون همین دروازه بودند از کمین فدر بیرون آمده در شهر ریختند و  
امیر محمود را مقید بپای قلعه بردند، خواجه محمد را در قلعه چندان کس نبود که  
بدفع یاغی قیام تواند نمود بضرورت بیرون آمده، او را باصفهان بردند و خواجه  
محمد را با برادرزاده قتل آوردند، و حکومت قم رجوع بعبدالله پروا بخی شد  
و ضبط مال حسب المعاهده بمظفر مقرر گشت و میرزا اسکندر درین سال اصفهان  
را تختگاه ساخت<sup>ع</sup>

اصفهان را صفای دیگر شد

## ۱۰. ذکر احوال مملکت آذربایجان و امیر قزاقیوسف ترکمان

امیر قزاقیوسف او آخر سنه اربع عشر در الاطاق بیلاق کرده اوائل سنه  
فخس بدیار بکبر رفت و جهت پسر خود پیر بلاق\* که او را به پادشاهی برشته  
بود چنانچه مذکور شد طوی بزرگ ترتیب نمود و هزار گوسفند و یکصد مادیان  
ذبح فرمود و امرا و اعیان آذربایجان و کلان تران ترکمانان را اسپان نامدار\*

له زبده: متوجه دروازه کرکان شد و گفت بیرون دروازه اعتیاط کنیم چون از دروازه بیرون  
رفتند مظفر صفائی امیر محمود را بکبرفت، له بعدش در زبده: بعد از تعذیب [تعذیب] بسیار  
له بعدش در زبده: و اکثر عراق عجم و تمامت مملکت فارس در تحت [تحت] تصرف آورد،  
له بعدش فقط در آ: بن قرا محمد له در زبده: که امیر قزاق عثمان دران جانب بود، له گ آ:  
پربلاق، باروق و زبده: بوداق، له زبده: و چندگاه بود که اسم سلطنت بنام پسر پیر بوداق کرده بود  
چنانچه ذکر آن گذشت، — رک بمص ۷۱ س ۱۱، له زبده: اسب خاصه













